خسرو اور اقبال

فارسی غزلیات اور منظوم اردو تراجم

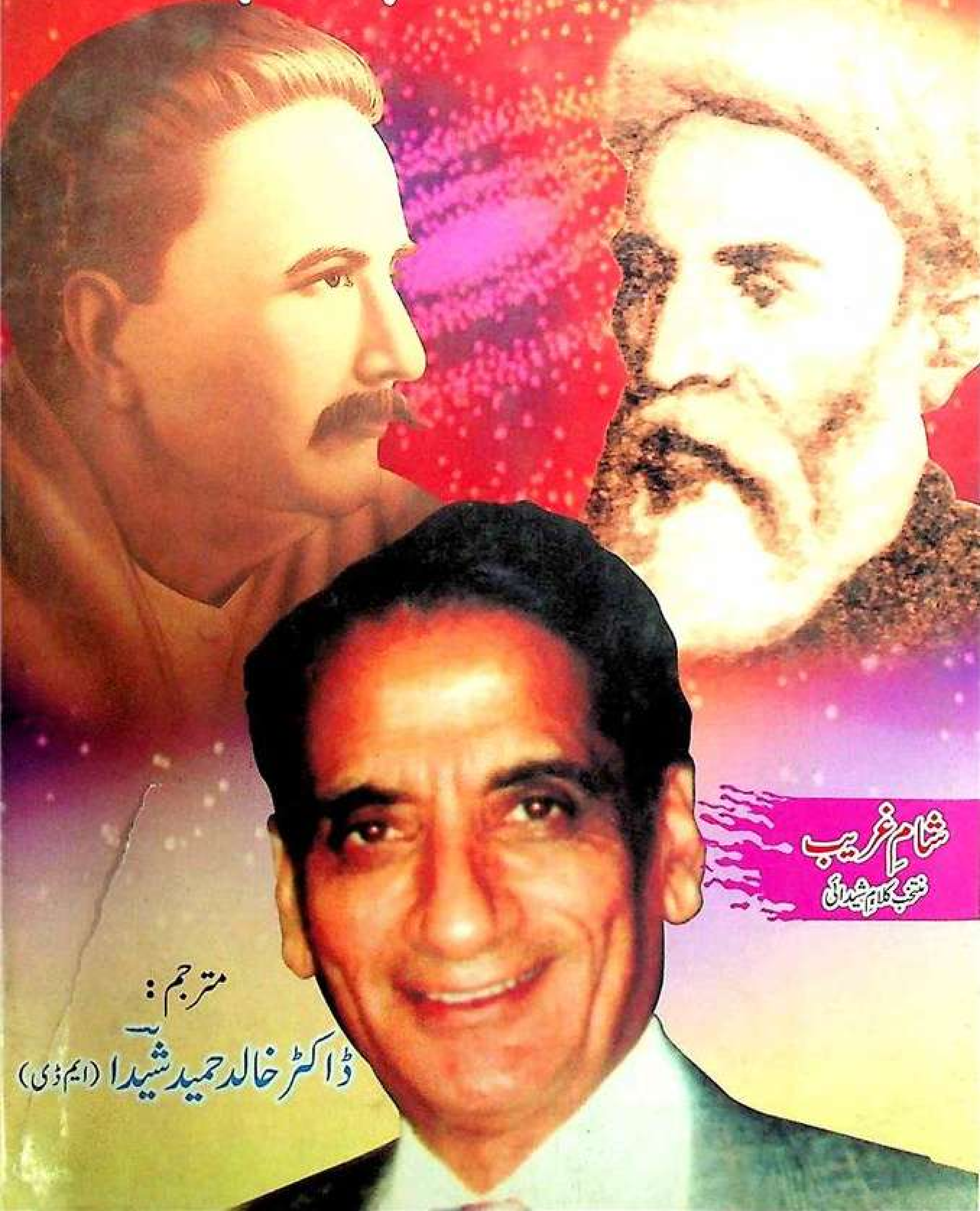

شامِ غریب
منتخب کلام شیدائی

مترجم:
ڈاکٹر خالد حمید شیدا (ایم ڈی)

سوچ

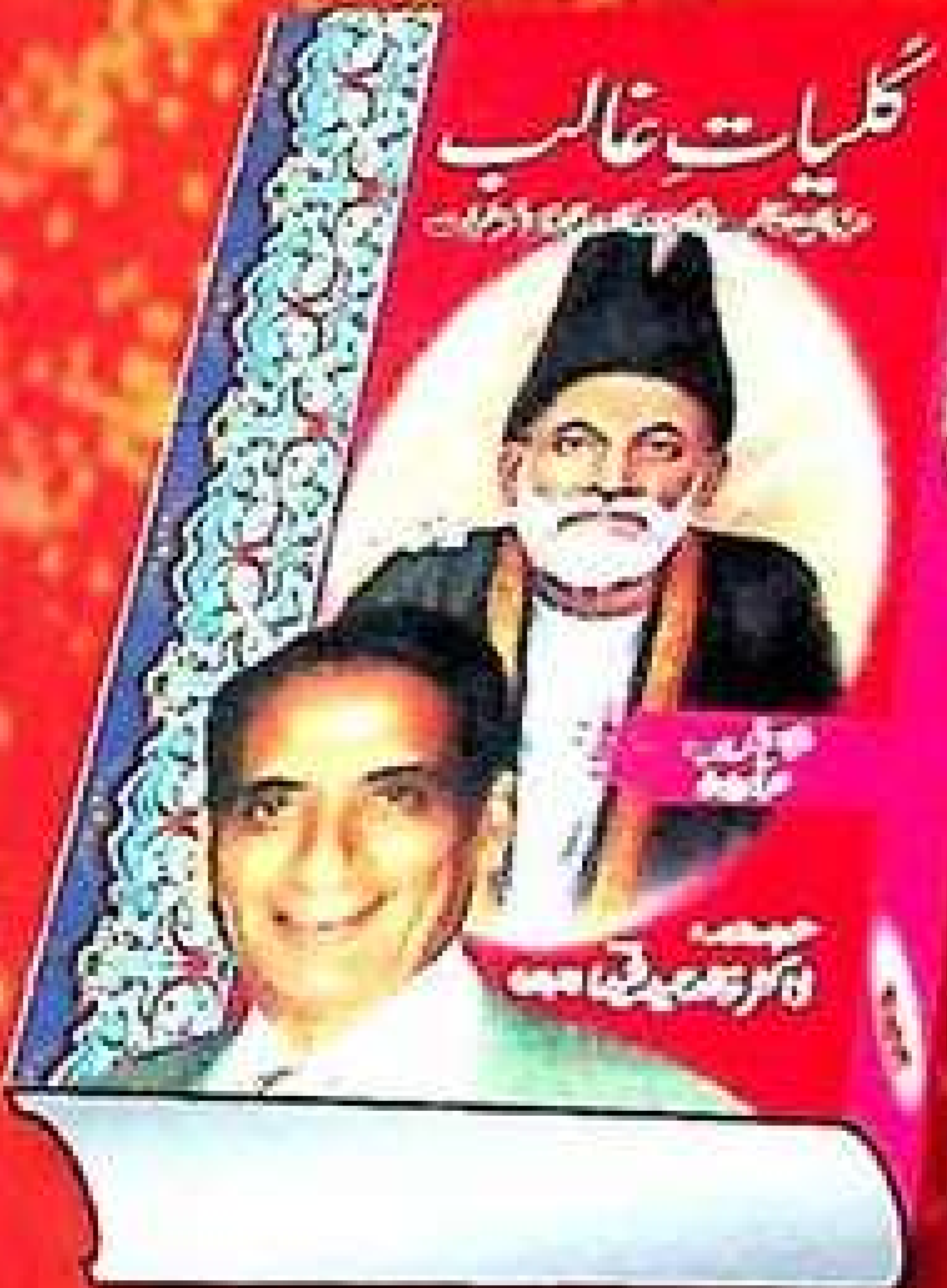
کلیاتِ غالب

سوچ

صبا ڈی

نئی دہلی
۶

خسرو اور اقبال

ڈاکٹر خالد حمید شیدا

سورج پبلشنگ بیورو

2/12- میاں چیمبرز، 3- ٹمپل روڈ، لاہور- پاکستان۔
E-mail: surajquarterly@yahoo.com 7146970 :فون

معیار کی علامت

سورج

وہ کتاب جو آپ پڑھنا چاہتے تھے۔

U
891
KSSKI

جملہ حقوق بحقِ مترجم محفوظ

- کتاب : خُسرو اور اقبال
- ناشر : حُر حامیم
- اشاعت : اکتوبر 2008
- مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
- قیمت : 400 روپے
  بھارت 500 روپے
  دیگر ممالک 40 امریکی ڈالر

خُسرو اور اقبال

اہلِ نظر کی آراء

- **محسن بھوپالی**

خسرو جیسے عظیم و باکمال شاعر کے اشعار کو اردو میں منتقل کرنے کی سعادت حاصل کرنے پر خالد حمید شیدا جتنا ناز کریں بجا ہے اور ان اشعار کی تفہیم کو سہل بنانے پر قارئین کرام خالد حمید شیدا کو جس قدر بھی داد دیں کم ہے۔

- **ڈاکٹر محمد علی صدیقی**

اگر ڈاکٹر خالد حمید شیدا اسی طرح فارسی کے دیگر اہم شعراء مثلاً عطار، سنائی، جامی اور عرفی کے کلام کے منتخب نگینے اردو میں تراشتے رہے تو اردو زبان کا دامن وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔

- **ڈاکٹر رشید امجد**

ڈاکٹر خالد حمید شیدا کے تراجم کی یہ خوبی ہے کہ انھوں نے امکان بھر کوشش کی ہے کہ اصل کے قریب تر رہتے ہوئے اردو زبان کی سلاست و روانی بھی برقرار رکھیں جن کی وجہ سے ان کے تراجم پڑھتے ہوئے احساس نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے۔

- **ڈاکٹر قراۃ العین طاہرہ**

ڈاکٹر خالد حمید شیدا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ اصل تخلیق سے اس کا رشتہ برقرار رہتا ہے، کہیں کوئی خلیج، کوئی دراڑ دکھائی نہیں دیتی، انھوں نے جس جگر کاوی، جاں فشانی اور لگن سے کام کیا ہے اس کا اعتراف نہ کرنا ادبی بددیانتی ہو گی۔

- **ڈاکٹر تنظیم الفردوس**

ڈاکٹر خالد حمید شیدا تعریف کے مستحق ہیں کہ دیارِ غیر میں بیٹھ کر نہ صرف اردو میں نظم و نثر تخلیق کر رہے ہیں بلکہ اردو کے اصل مراکز سے بہت دور ہو جانے کے بعد بھی وہ اردو پر فارسی کے کلیدی اثر کے قائل ہیں۔ نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس اثر کے عملی اظہار کی صورت پیدا کرنے کے لیے فارسی منظومات کا اردو ترجمہ کرنے میں بھی مصروف ہیں۔

عرضِ شیدائی

تصور صاحب سے میں نے بہت کہا کہ حضور والا: عاشقان کشتگانِ معشوق اند، بر نیاید زکشتگاں آواز، مگر وہ نہ مانے اور فرماتے رہے کہ اے عاشقِ شیدائی تیری کہانی تیری ہی زبانی سنی جائے گی۔ ناچار بسم اللہ کر کے قلم اٹھانا پڑا۔

میری اچھی بہن بشریٰ انیس کو شاید زیادہ معلوم ہو مگر میں جو جانتا ہوں اس کے حساب سے تو میرا شجرۂ نسب صرف میرے دادا ڈاکٹر عنایت خان تک پہنچتا ہے۔ انھوں نے لاہور سے ڈاکٹری کی تھی اور کافی عمر فوج میں گزاری تھی مگر بعد میں کوچہ چیلاں دہلی میں ایک چماروں کے کٹھڑے میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ وہیں رہتے تھے اور طبابت بھی کرتے تھے جس میں خدمت خلق زیادہ تھی اور معاش کم۔ ان کا جب انتقال ہوا تو میرے والد مولانا عبدالحمید خاں کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ ناداری کی بنا پر دن بھر مزدوری کرتے تھے مگر کیونکہ فراقِ پدر سے پہلے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا۔ رات پڑھائی لکھائی میں گزارتے تھے۔ استاد کوئی میسر نہ تھا مگر ہمت خداداد تھی۔ آہستہ آہستہ علم و فضل حاصل کرتے رہے اور ایک وقت ایسا آیا کہ وہ علم اسلامی پر حاوی ہو گئے اور کیونکہ ان کا رسالہ ''مولوی'' ہندوستان کا مقبول ترین جریدہ بن گیا تھا۔ ساری دنیا کے اردو دان مسلمانوں میں ان کی شہرت ہو گئی۔

میری پیدائش ۱۹۲۹ء میں کوچہ چیلان دہلی میں چماروں کے کٹھڑے میں ہوئی تھی وہیں بچپن بھی گزرا مگر تعلیم و تربیت اینگلو عربک ہائی اسکول میں ملی۔ میٹرک پاس کیا تو والد محترم نے پوچھا کہ بیٹا کیا بنو گے۔ میں نے فوراً کہا وکیل۔ سنتے ہی چہرے کا رنگ بدل گیا اور فرمایا وکیل جھوٹ بولتے ہیں تم ڈاکٹر بنو گے اور خدمتِ خلق کرو گے۔ میں نے جا کر اپنے اسکول کے سائنس کے ماسٹر صاحب سے مشورہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تو نے اسکول میں سائنس نہیں پڑھی ہے تو

میرے والد محترم کو فارسی عربی پر عبور تھا جس کی وجہ سے فارسی سے میرا بچپن ہی میں تعارف ہو گیا تھا اور پھر علی گڑھ میں میرے اُستادِ مہرباں حضرت معین احسن جذبی نے اس کی نشو و نما کی

ڈاکٹر کبھی نہیں بن سکتا۔ اس کے باوجود کیونکہ فرمان پدری حکم خداوندی سے کچھ تھوڑا سا ہی کم ہوتا ہے میں نے ڈاکٹری کا قصد کر لیا اور ۱۹۴۴ء میں علی گڑھ چلا گیا ۱۹۴۷ء میں چونکہ میری والدہ اور بہن بھائی پاکستان آ گئے تھے میں نے بھی علی گڑھ چھوڑ کر لاہور میں پناہ لی۔ وہاں خوش قسمتی سے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا اور ۱۹۵۳ء میں ڈاکٹر بن گیا اور فرمانِ پدر بجا لایا۔ پورا نہیں آدھا۔ خدمت اپنی ہی کی۔ خلق کی نہیں۔ اس زمانے میں ہر ڈاکٹر کے لیے ملکی ملازمت لازم تھی۔ کیونکہ سپاہ گری میرا آبائی پیشہ تھا اور فوج میں خطرۂ جاں کے باوجود پیسے اچھے تھے میں فوجی بن گیا۔

۱۹۵۷ء میں "ملکی خدمت" پوری کرنے کے بعد ایک نئی چراگاہ کی ضرورت ہوئی۔ کیونکہ برطانوی آفتاب غروب ہو رہا تھا اور امریکہ کی دنیا میں بادشاہی تھی۔ فطرتاً میں نے امریکہ کا رخ کیا۔ خوش قسمتی سے مجھے ایک دوست کی مدد سے یہاں ایک تعلیمی نوکری مل گئی اور میں امریکہ چلا آیا۔ بس اب پچاس سال سے یہاں پر ہی ہوں گو درمیانی دس سال کینیڈا میں گزرے۔ آجکل ہیوسٹن ٹیکساس میں مقیم ہوں۔ یہاں ایک قبر خرید لی ہے اور اسی میں دن رات ٹانگیں لٹکائے بیٹھا رہتا ہوں۔

مجھے یقین ہے آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اس قدر نالائق آدمی کا اردو و فارسی ادب و عبارت اور شعر و شاعری، سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ بات آپ کی ٹھیک ہے مگر آدھی۔ یہ صحیح ہے کہ میں نے ۶۴ سال کی عمر سے پہلے ذرا بھی تک بندی نہیں کی اور فارسی تو کیا پچاس سال سے اردو تک نہیں بولی اور فارسی میں نے صرف اسکول ہی میں پڑھی تھی مگر میرا مزاج بچپن ہی سے عاشقانہ تھا۔ دو سال کی عمر میں میرے والدین مجھے لیلیٰ مجنوں کا تھیٹر دیکھنے لے گئے تھے۔ وہاں مجنوں نے کئی فارسی کی غزلیں گائی تھیں جو مجھے ازبر ہو گئی تھیں اور میں روز و شب گاتا پھرتا تھا۔ سر مستم و مدہوشم دیوانہ، منزل ام۔ گو فارسی میں نے تھوڑی سی اسکول میں پڑھی تھی میرے والد محترم کو فارسی عربی پر عبور تھا جس کی وجہ سے فارسی سے میرا بچپن ہی میں تعارف ہو گیا تھا اور پھر علی گڑھ میں میرے اُستادِ مہرباں حضرت معین احسن جذبی نے اس کی نشو و نما کر دی تھی۔ لیکن اس کے بعد خلاص۔

بڑھاپے میں جب بے روزگاری کا خوف بڑھنے لگا تو بچپن یاد آیا اور میں نے اردو فارسی کی شاعری کا رخ کیا۔ حافظ سے مجھے لڑکپن سے لگاؤ تھا ۶۴ سال کی عمر میں جب پھر انھیں

حافظ کے ترجمے کے بعد جناب جمیل الدین عالی نے فرمایا کہ میں غالب کا رخ کروں اور اسلم فرخی صاحب نے خسروگی دعوت دی

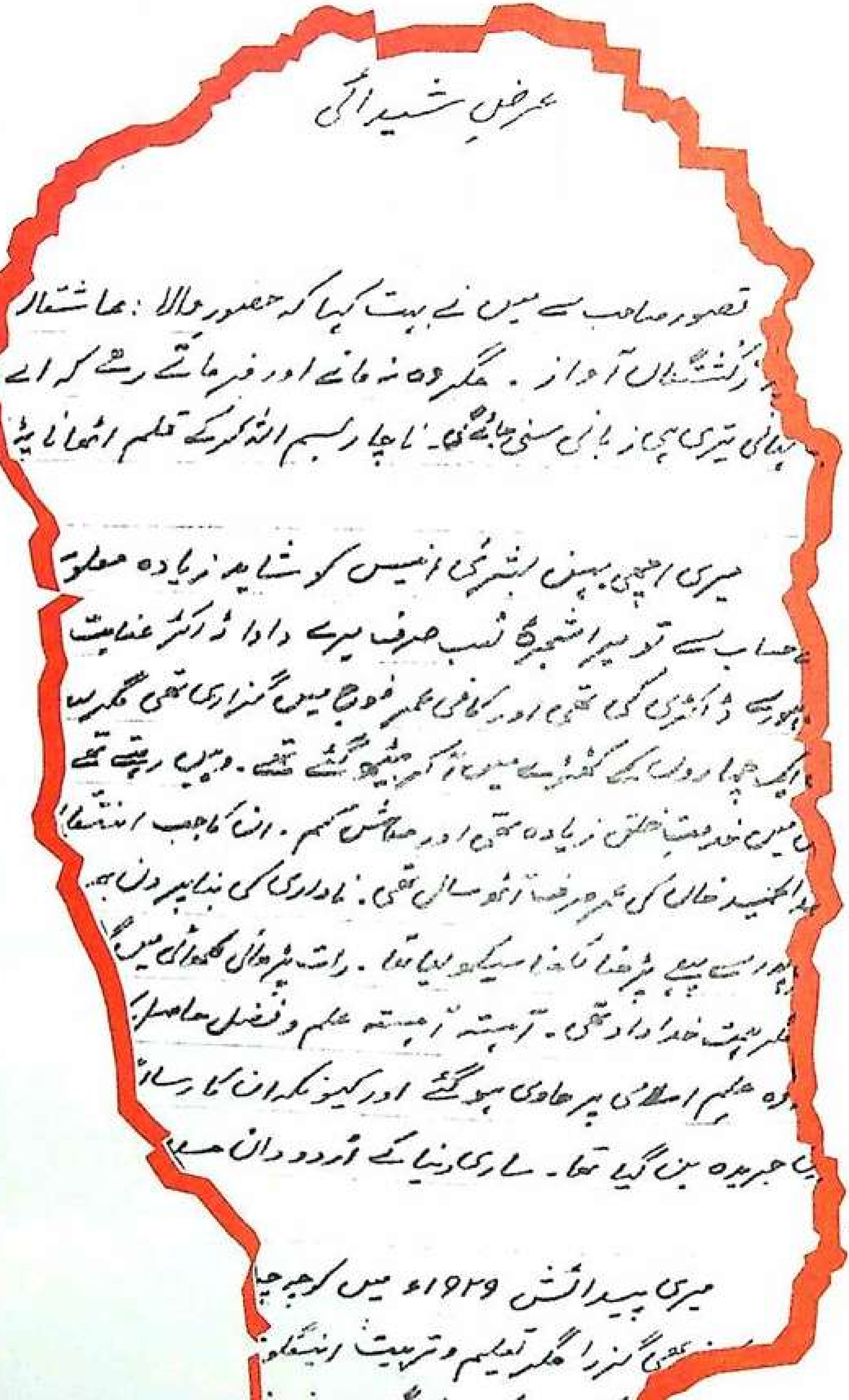

عرضِ شیدائی

تصور صاحب سے میں نے بہت کہا کہ حضور والا: ما شمار
ز گزشتگان آواز۔ مگر وہ نہ مانے اور فرماتے رہے کہ اے
بیانی تیری بھی زبانی سنی جائے گی۔ ناچار بسم اللہ کر کے قلم اٹھانا پڑ

میری اچھی بہن رشتہ کی نفیس کو شاید زیادہ معلوم
صاحب سے تو میرا شجرۂ نسب صرف میرے دادا ڈاکٹر عنایت
پور سے ڈاکٹری کی تعلیم اور کوئی عمر فوج میں گزاری تھی مگر ریٹا
ایک چار دن کے کشمیر میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ وہیں رہتے تھے
ں میں خدمتِ خلق زیادہ تھی اور معاش کم۔ ان کا جب انتقال
بد الحمید خاں کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ ناداری کی بنا پر دن بہ
ہور سے پیسے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا۔ رات پڑھ ڈالی کہ دوران میں گا
فکر بہت خداداد تھی۔ آہستہ آہستہ علم و فضل حاصل ک
وہ علم اصلاحی پر حاوی ہو گئے اور کیونکہ ان کا رسالہ
ک جریدہ بن گیا تھا۔ ساری دنیا کے اردو دان حس

میری پیدائش ۱۹۲۹ء میں کوچہ چا
بچپن گزرا مگر تعلیم و تربیت رنگون
کہ شادی کر کے منتقل ہو گئے میں نے ف

پڑھنے بیٹھا تو سوچا کہ ان کا تو اردو میں بھی آسانی سے منظوم ترجمہ کیا جاسکتا ہے بس اس میں لگ گیا۔ ترجمہ کردہ غزلیات کچھ پاکستان بھیجیں تو وہاں لوگوں کو پسند آئیں اور اس سلسلے میں محترم شبنم رومانی مدیر ''اقدار'' نے میری پذیرائی کی اور بہت ہمت بڑھائی۔

یک نہ شد دو سہ چہار شد۔ حافظ کے ترجمے کے بعد جناب جمیل الدین عالی نے فرمایا کہ میں غالب کا رخ کروں اور اسلم فرخی صاحب نے خسرو کی دعوت دی۔ اسی دوران میں بے نظیر کے عہد میں ان کے بھائی کو قتل کر دیا گیا اور اس پر میں نے تڑپ کر زندگی کی پہلی غزل لکھی جس میں کہا ''دم جو بھرتے ہیں مہر و الفت کا۔ قاتلِ بے نظیر ہوتے ہیں''۔

حال ہی میں میرے شفیق بہنوئی پروفیسر ڈاکٹر انیس الرحمان، سابق مشیر منصوبہ بندی اقوام متحدہ جن کی مسلسل مدد اور ہمت افزائی کے بغیر میں ہرگز ہرگز جو کچھ بھی میں نے کیا۔ نہ کرسکتا تھا جب عرب سے نوکری ختم کر کے لاہور واپس آئے تو تصور صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ جب تصور صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے غالب کی فارسی غزلیات کا منظوم ترجمہ کیا ہے تو انھوں نے مجھ پر نظر کرم فرمائی اور پہلا خالد حمید شیدا نمبر وجود میں آیا جس میں غالب پر زور تھا۔ کثیر تعداد میں چھپوایا تھا جو غالباً غالب کی وجہ سے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور تین ماہ کے اندر اندر ختم ہو گیا۔

بے روزگاری کے خوف نے مجھے تک بندی سکھائی تھی اور میں نے فارسی غزلوں کا اردو ترجمہ کرنا شروع کردیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ مصروف دیکھ کر شاید ملک الموت مجھے مہلت دے دے۔ اور میں یہ کام ختم کر جاؤں۔ مگر یہ میرا خیال خام تھا، ملک الموت کی بے اعتنائی کا سبب میرا کام نہیں اس کی اپنی ہی مصروفیات تھیں یا شاید کاتبِ تقدیر کی شوخیِ تحریر۔ بہر حال اردو تراجم ختم ہونے کے بعد کئی سال اس کا انتظار رہا اور جب وہ آ کر نہیں دیا تو مجبوراً انگریزی کا رُخ کیا۔ آج کل فارسی غزلوں کا انگریزی ترجمہ کر رہا ہوں۔ خسرو اور حافظ کی پہلی سو سو غزلوں کا ترجمہ کردیا ہے۔ جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس کتاب میں خسرو کی سو غزلوں کا ترجمہ شامل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

۸۔ اکتوبر ۲۰۰۸ء

خالد حمید شیدا

۲۲۰۸ پائن کریک ڈرائیو
فرینڈز ووڈ، ٹیکساس، یو ایس اے

ڈاکٹر خالد حمید شیدا

والد محترم
حضرت مولانا عبدالحمید خان

والدہ ماجدہ
الطاف جہاں بیگم

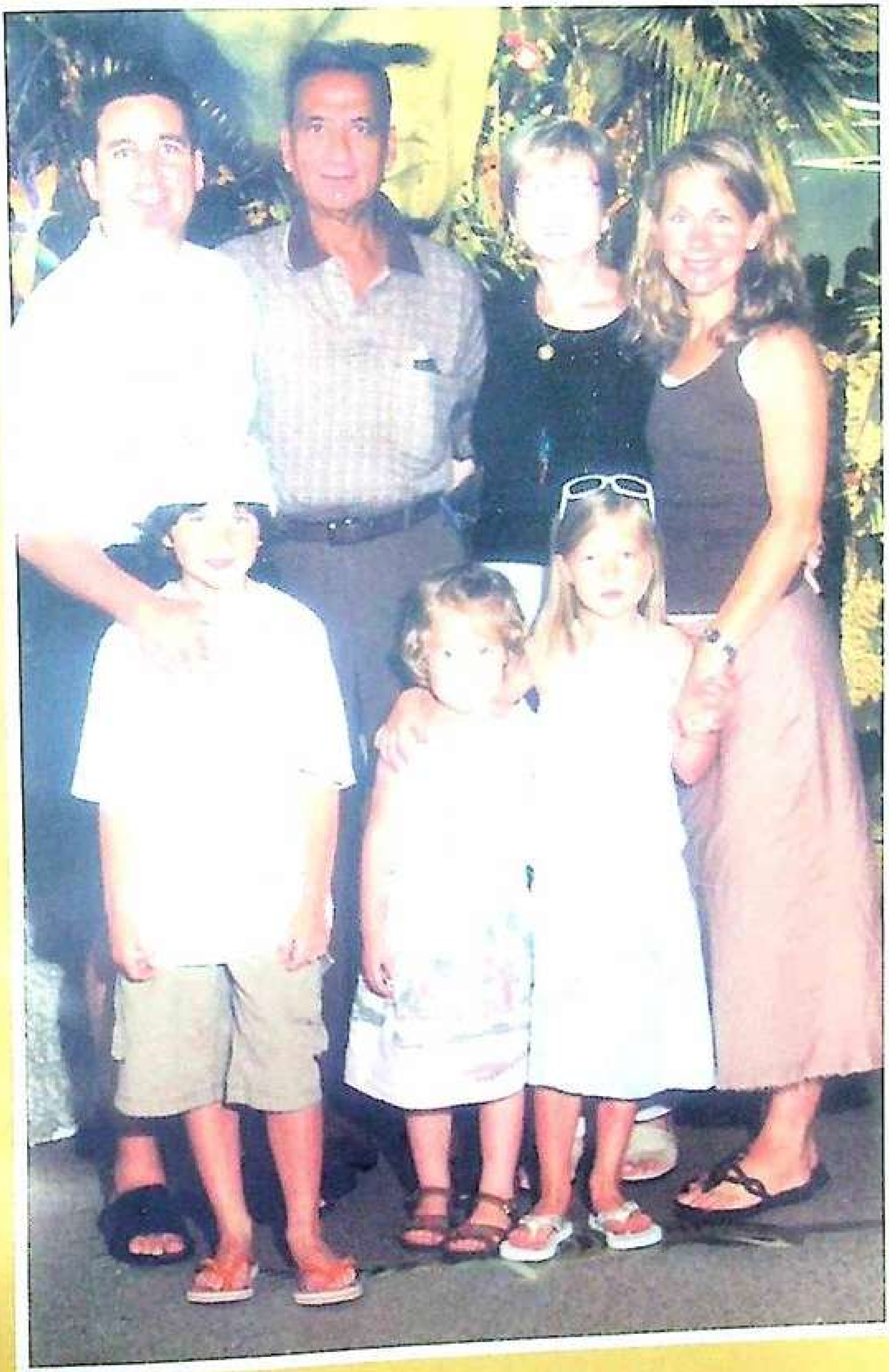

ڈاکٹر خالد حمید شیداؔ، بیگم شیدا اور چھوٹا بیٹا آدم حمید مع اہل وعیال

بڑا بیٹا یوسف حمید مع اہل و عیال

ڈاکٹر خالد حمید شیدا
کے فنِ ترجمہ نگاری کا ایک اور شہ پارہ

کُلیاتِ غالب

دیوانِ غالب (اردو) اور فارسی غزلیات

شامِ غریب

کلامِ شیدا کا خوبصورت مجموعہ، نئی غزلیات کے ساتھ

- 800 سے زائد صفحات
- نفیس طباعت
- مضبوط جلد

قیمت 400 روپے

- بھارت: 500 روپے
- دیگر ممالک: 40 امریکی ڈالر

کلیاتِ غالب
کلیاتِ غالب
کلیاتِ غالب

سورج پبلشنگ بیورو
2/12، میاں چیمبرز، 3 ٹمپل روڈ، لاہور۔ فون: 7146970, 92-42-6280305
surajquarterly@yahoo.com

بشریٰ انیس الرحمٰن

میرے بھائی

یوں تو اپنے نجی احساسات اور جذبات کو قلم کے سپرد کرنا ویسے ہی بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن جب معاملہ اپنی کسی بہت ہی عزیز ہستی سے متعلق ہو تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں اور کیسے لکھوں۔ افسانہ ہو یا کہانی۔ تنقید ہو یا فکاہیہ۔ اُن میں جذباتی وابستگی ایک حد تک ہی ہوتی ہے مگر یہاں تو اپنے ہی بخیے اُدھیڑنے پڑیں گے اور وہ بھی بھائی کے حوالے سے۔ خدا کرے میں اپنے ساتھ اور اُن کے ساتھ انصاف کرسکوں۔

بھائی کی شخصیت کے ارتقاء میں اُن کے خاندانی پسِ منظر اور تربیت کا بہت دخل رہا ہے۔ ہمارے پردادا فقیر محمد خاں، ''گویا'' تخلص فرماتے تھے اور میرے چچا نے ایک دفعہ مجھے ان کے ایک دو شعر بھی سنائے تھے۔ پٹھانوں کا یہ یوسف زئی قبیلہ کسی مغل بادشاہ کے زمانے میں کابل سے ہندوستان آیا تھا اور پیشہ سپہ گری سے منسلک تھا۔ ہمارے جد امجد بھی مرزا غالبؔ کی طرح اسی پیشہ سے منسلک تھے۔ ننھیال کی طرف سے ہمیں سادات ورثے میں ملی ہے۔ اور شجرۂ نسب امام حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے جا ملتا ہے۔ آباو اجداد تبلیغ کے سلسلے میں غالباً بخارا سے تشریف لائے تھے۔ خدا جانے یہ سیّدوں اور پٹھانوں کا آگ اور پانی والا میل کیسے ہوا۔ بہرحال ہمارا وجود اسی کا مرہون منت ہے۔

ہمارے دادا ڈاکٹر عنایت خان پیشے کے لحاظ سے تو ڈاکٹر ہی تھے مگر فارسی اور عربی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ سنا ہے قرآن حکیم کا اردو میں منظوم ترجمہ کرنے کے دوران ہی وفات پائی۔ میرے والد کی کم عمری میں ان کے انتقال کی وجہ سے ہمارے پاس ان کی کوئی تحریر موجود نہیں۔ صرف روایات موجود ہیں۔ میرے چچا جنھیں خواجہ حسن نظامی نے غزآلی لقب دیا تھا اسی تخلص سے شعر کہتے تھے ان کے ایک شعر کا مصرع مجھے آج تک یاد ہے:

ایک غزای آنکھ والا زینتِ آغوش تھا

بھائی کی شخصیت کے ارتقاء میں اُن کے خاندانی پسِ منظر اور تربیت کا بہت دخل رہا ہے

ہمارے والد مولوی عبدالحمید خان زندگی بھر صحافت سے منسلک رہے اور اسلام کی تبلیغ کو حاصل زندگی سمجھا۔ وہ عربی اور فارسی کے عالم تھے اور بقول بھائی بچپن میں انھوں نے ہی بھائی کی فارسی کی اصلاح کی۔

میرے والد کی ذہنی تربیت نوعمری میں مولانا محمد علی جوہرؔ کے زیر سایہ ان کے اردو روزنامے ''ہمدرد'' میں کام کرنے سے شروع ہوئی۔ ۱۰ سال کی عمر میں یتیم ہونے والے بچے کو قدرت نے اس کے صحیح مقام تک پہنچا دیا تھا۔ پھر خواجہ حسن نظامی اور ملا واحدی کی صحبت رہی جنھوں نے ان کے صحافت کے شوق کو پروان چڑھایا۔ میرے والد اور چچا کی زندگی تک ہمارے خاندانوں کے تعلقات قائم رہے۔ اب تو سب ہی اِدھر اُدھر بکھر گئے ہیں اور دلی کے یہ روایتی خاندان اب روایت ہی بنتے جا رہے ہیں۔ ملا واحدی میرے والد کے بہت قریبی رفقاء کار میں سے تھے۔ غالباً انھی کے زیرِ اثر میرے والد نے اپنا رسالہ ''مولوی'' نکالا اور پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ ان کا یہ رسالہ جو زندہ مذہب، زندہ سیاست اور زندہ تہذیب جیسے عنوانوں سے مزین تھا اس زمانے میں برصغیر کے مسلمانوں کی آواز اور صفِ اول کے جریدوں میں شامل تھا۔ قرآن کریم، سیرت رسول ﷺ اور حدیثوں کی اشاعت کا کام جس جانفشانی اور محنت سے انھوں نے دہلی میں شروع کیا تھا وہ پاکستان کے وجود میں آنے تک ایک بڑے ادارے میں تبدیل ہو چکا تھا۔

ہمارے والد بے حد روشن خیال اور تعلیم نسواں کے دل سے حامی تھے۔ انھوں نے اپنی لڑکیوں کی تعلیم کو بھی اتنی ہی اہمیت دی جتنی اپنے لڑکوں کی اور رسول کریم ﷺ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے واقعی انھوں نے ہمیں چین تو نہیں لیکن امریکہ اور یورپ ضرور پڑھنے کے لیے بھیجا۔ اور اس سلسلے میں کسی کی پرواہ نہیں کی۔ میری سب سے بڑی بہن کو انھوں نے ۱۹۴۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں FSc کے لیے بھیجا (وہ بھائی سے عمر میں ۶ سال بڑی تھیں) ۱۹۴۳ء میں جب وہ دہلی کے لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج میں داخل ہوئیں تو خاندان میں تہلکہ مچ گیا کہ یہ کیسے مولوی ہیں جو لڑکی ذات کو اتنی آزادی دے رہے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی بہن خاندان کی پہلی لڑکی تھیں جنھوں نے ۱۹۴۹ء میں ایم بی بی ایس کرنے کے بعد پاکستان ایئرفورس میں اپنا مستقبل تلاش کیا اور فلائیٹ لیفٹیننٹ کے عہدے پر فائز ہوئیں۔

بھائی سے چھوٹے بھائی زاہد K.D.A سے چیف انجینئر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ان سے چھوٹی بہن بھی ڈاکٹر ہیں جو امریکہ سے پبلک ہیلتھ میں ماسٹرز کرنے کے بعد پاکستان کے

ہمارے والد بے حد روشن خیال اور تعلیم نسواں کے دل سے حامی تھے

خاندانی منصوبہ بندی کے محکمے سے وابستہ رہیں اور ڈائریکٹر جنرل کے عہدے سے ریٹائر ہو کر آغا خان میڈیکل یونیورسٹی سے منسلک ہو گئیں۔ میں نے اپنے تین بہن بھائیوں اور دو بہنوئیوں کی ڈاکٹری سے گھبرا کر کسی نئے شعبے کی تلاش میں Town Planning اس لیے پسند کی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی پہلی Town Planner لڑکی کہلا سکوں۔ میں پہلی تو نہیں مگر پہلی چار لڑکیوں میں ضرور شامل ہو گئی۔ اس سلسلے میں Athens (Greece) سے فارغ التحصیل ہو کر پہلے حکومت پنجاب میں ڈپٹی ڈائریکٹری کی اور پھر امریکہ میں ڈائریکٹری کرتی رہی۔ مجھ سے بڑی اور چھوٹی بہن نے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال ہی میں عافیت سمجھی۔ سب سے چھوٹا بھائی ماجد کیمیکل انجینئر ہونے کے ناطے امریکہ میں Exxon سے منسلک ہے اور دس بارہ سال International Assignments بھگتا کر اب امریکہ ہی میں ہے۔

ہم بہن بھائیوں کے اس وقت تک ماشاء اللہ ۹ لڑکے اور لڑکیاں امریکہ سے میڈیکل کے مختلف شعبوں میں Specialise کرنے کے بعد وہاں مختلف ہسپتالوں میں کام یا پریکٹس کر رہے ہیں۔ بقیہ ۵ بچے امریکہ ہی میں اعلیٰ تعلیم کے بعد انجینئرنگ اور کمپیوٹر کے شعبوں سے وابستہ ہیں اور دو تین بچے ابھی تعلیمی مراحل طے کر رہے ہیں۔ بہت دل چاہتا ہے کہ یہ سب بچے کبھی پاکستان واپس آ کر اپنے ملک کو وہ سب کچھ واپس کر سکیں جو ان کے ماں باپ کو پاکستان کی وجہ سے ہی نصیب ہوا۔

بھائی کو ان کے نام کے ساتھ نہ میں نے کبھی مربوط کیا اور نہ پہچانا۔ دنیا کے لیے وہ خالد حمید یا ڈاکٹر خالد حمید ہوں گے۔ میرے لیے تو وہ صرف ''میرے بھائی'' ہیں۔ ان کا ذکر میں کہاں سے شروع کروں۔ اب لکھنے بیٹھی ہوں تو اس حقیقت کا انکشاف بھی ہوا ہے کہ وہ تو ہمیشہ ہی سے میری زندگی کا ایک حصہ رہے ہیں۔ یہ ایک عام بہن بھائی کا رشتہ کبھی نہیں رہا۔ وہ بچپن سے لے کر اب تک میرے آئیڈیل رہے ہیں۔ ساری عمر اپنے آپ کو ان کی کسوٹی پر پرکھا۔ دانستہ یا نادانستہ ہمیشہ ان کی خوشنودی اور ستائش ہی تلاش کرتی رہی اور اب بھی یہ حال ہے کہ چاہے میں ان کے کسی مشورہ پر عمل نہ بھی کروں لیکن ذہن کے کسی گوشے میں وہ ہمیشہ مجھے پریشان کرتا رہتا ہے۔ میرے بچے ان کے لیے میرے اس جذباتی انحصار پر بہت نالاں رہتے ہیں لیکن یہ صرف میری ہی کمزوری نہیں ہے بلکہ یہ ان کی شخصیت کا وہ طلسم ہے جس نے سب بہن بھائیوں کو کسی نہ کسی حد تک اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔

بچپن کی ساری یادیں بھائی سے شروع ہو کر بھائی پر ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ ہم موجودہ

بچپن کی ساری یادیں بھائی سے شروع ہو کر بھائی پر ہی ختم ہو جاتی ہیں

سات بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں۔ بچپن ہی سے بے حد ذہین تھے۔ ۱۳ سال کی عمر میں میٹرک کرلیا تھا۔ علی گڑھ جانے کی ضد تھی اس لیے دلی میں کالج میں داخلہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ پاکستان جب بنا تو وہ اس وقت علی گڑھ یونیورسٹی میں ۱۷ برس کی عمر میں BSc کر رہے تھے۔ اس زمانے میں علی گڑھ یونیورسٹی مسلمان طالب علموں کے لیے تعلیم و تربیت کا گہوارہ تھی۔ نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی قابل فخر تہذیب و تمدن اور اخلاقیات کے درس وہاں کے طالب علموں کو پارس بنا دیتے تھے۔ شاید یہ وہی تربیت تھی جس نے بھائی کو اتنی کم عمری میں ذہنی پختگی دے کر آنے والے مرحلوں کے لیے تیار کر دیا تھا۔

ہندوستان جب اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہو گیا تو ہمارے والد جائیداد اور کاروبار کی الجھنوں کی وجہ سے اس وقت دہلی سے نہ آسکے اور اپنے بچوں کو بہتر مستقبل اور بہتر تعلیم کے حصول کے لیے لاہور بھیج دیا۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو والد کی جگہ بھائی کو پایا۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ ایک ۱۷ سال کے بچے نے کیسے یہ Role سنبھالا ہوگا۔ بھائی اس وقت کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ کی تیاری کر رہے تھے۔ خدا جانے اس وقت ان کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی۔ ایک ایسی ماں جو ہمیشہ سات پردوں میں رہی اور جس نے کبھی گھر سے باہر قدم بھی نہ نکالا تھا، چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کی ذمہ داری، مالی پریشانیاں اور ہم سب کے لیے مناسب سہولتوں کا انتظام، اتنے کم عمر لڑکے نے کیسے کیا ہوگا۔ پاکستان کے حصول اور آزادی کی قیمت تو کوئی ہم سے پوچھے۔ اس نسل کے بچوں سے تو ان کا بچپن ہی چھن گیا تھا۔ بھائی بھی انھی میں سے ایک تھے۔ ان کے کھیلنے کودنے کے دن تو چھوٹے بہن بھائیوں کی نگہداشت کی ہی نذر ہو گئے۔ اس عمر میں نہ تو مجھے اتنا ہوش تھا اور نہ ہی احساس کہ میرے اردگرد کیا ہو رہا ہے اور میرے والد، والدہ اور بھائی کس ہیجانی کیفیت سے گذر رہے ہیں لیکن دل ہی دل میں بھائی کے مزاج سے بہت خوف زدہ اور نالاں رہتی تھی۔ ایک ۱۷ سال کا بچہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ میں فطرتاً بہت لاابالی اور کھلنڈری تھی۔ کھیل کود کے آگے پڑھائی لکھائی بہت غیر اہم لگتی تھی۔ ایسے میں بھائی کی ڈانٹ ڈپٹ نے بہت عاجز کر رکھا تھا۔ وہ اس عمر میں بھی بے حد Perfectionist تھے۔ ہمارے دانتوں اور ناخنوں کی صفائی سے لے کر ہمارے کمروں کی صفائی تک۔ ہر چیز پر ان کی نظر رہتی تھی۔ ہر اتوار کو ہمارے کمروں کی Inspection ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ میں سب سے زیادہ زیر عتاب رہتی تھی۔ لاکھ کوشش کرتی کہ میرے کپڑوں کی الماری ان کی نظر سے محفوظ رہے اور مجھے کپڑے Hanger پر نہ لٹکانے پڑیں مگر بھائی کی سرزنش سے بچنا بڑا مشکل تھا۔ اب سوچتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ میری

ان کے کھیلنے کودنے کے دن تو چھوٹے بہن بھائیوں کی نگہداشت کی ہی نذر ہو گئے

شخصیت کے ہر پہلو کی جلا انھوں نے ہی کی تھی۔ چھٹی یا ساتویں جماعت میں اخبار ''پاکستان ٹائمز'' میرے لیے عذاب بن گیا تھا۔ بھائی کی ہدایت تھی کہ روز پہلے صفحے کی Head Lines اور بڑی خبر کی تفصیل کا اردو ترجمہ لکھ کر انھیں شام کو دکھاؤں یا سناؤں۔ اب انگریزی غلط پڑھ جاؤ تو مصیبت۔ معنی معلوم نہ ہوں تو شامت کہ ڈکشنری کیوں نہ دیکھی۔ مگر لشتم پشتم اسی بہانے میری انگریزی بہتر ہوگئی۔

بھائی کو اس عمر سے ہی اردو اور انگریزی ادب سے بہت لگاؤ تھا۔ ایک میڈیکل کا طالب علم ہونے کے باوجود ان کی چھوٹی سی لائبریری اس زمانے میں بھی انگریزی اور اردو کلاسیکی ادب کی کتابوں سے مزین تھی۔ لاہور کے کباڑیے یقیناً ان کے احسان مند ہوں گے کہ وہ ساری کتابیں فٹ پاتھ کی ڈھیریوں سے سستے داموں خرید کر اپنے کمرے میں سجاتے تھے۔ یہ انھی کا شوق تھا کہ میں نے میٹرک اور FSc میں برنارڈ شاہ، ٹالسٹائے، آسکر وائلڈ، فیض، عصمت چغتائی اور کرشن چندر کو پڑھا۔ امام غزالی سے لے کر عمر خیام تک اور ابن خلدون سے لے کر کارل مارکس، اسٹالن اور لینن تک ہر قسم کی کتابیں ان کی الماری کی زینت تھیں۔ مجھے اس زمانے میں فلسفے کی باریکیوں اور سوشلزم کے داؤ پیچ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن بھائی کے کمرے میں ان کی غیر موجودگی میں زیادہ وقت گذرتا تھا۔ اردو اور انگریزی ادب کا یہ شوق اور All Pakistan Inter College Debates میں حصہ لینے کا مرض بھی بھائی کا مرہون منت تھا۔ اس سلسلے میں جتنے انعامات بھی جیتے غیر ارادی طور پر بھائی ہی کی خوشنودی اور ستائش منظور تھی۔ مگر بھائی اس معاملے میں بہت کنجوس تھے۔ مجال ہے جو کبھی ایک لفظ بھی تعریف کا ان سے سنا ہو۔ حد تو یہ ہے کہ جب مجھے Post Graduation کے لیے یونان جانے کا وظیفہ ملا تو میں نے خوشی کے مارے سب سے پہلے بھائی کو لکھا (بھائی اس وقت اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جا چکے تھے) بھائی کا جواب بہت مختصر آیا جو مجھے اب تک یاد ہے کہ ''مجھے خوشی ہے کہ تم لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں تو ایک ہو'' اب خدا جانے یہ تعریف تھی یا طنز۔ بھائی سے تعریف کی امید تو کم ہی تھی میں نے یہی سمجھا کہ طنزیہ لکھا ہے اور پھر اس سلسلے میں زیادہ نہیں سوچا۔

ان کی شخصیت کے متضاد پہلو کبھی کبھی مجھے بہت بوکھلا دیتے تھے اور اب بھی یہی حال ہے۔ بہنوں کے معاملے میں بہت روشن خیال مگر بے حد محتاط بھی تھے۔ اس زمانے میں ایک ۲۱ سال کی لڑکی کو یورپ پڑھنے کے لیے بھیجنا ہمارے جیسے روایتی اور مذہبی خاندان کے لیے خاصا مشکل کام تھا اور وہ بھی اس صورت میں جب وہ غیر شادی شدہ ہو۔ بھائی نے اس سلسلے میں مجھے اپنے والد سے اجازت دلوانے میں خاصی مدد کی اور میرے والد میرے رونے دھونے پہ راضی ہوگئے۔ اتفاق سے وہاں Y.W.C.A کے ہوسٹل میں (جہاں میں رہتی تھی) غیر ملکی لڑکیوں کے

مختلف لباسوں کا مقابلہ ہوا۔ میں نے بھی اس میں حصہ لیا اور اپنے پاکستانی کپڑوں کی وجہ سے مجھے پہلا انعام مل گیا۔ میں نے ہمیشہ کی طرح خوش ہو کر سب سے پہلے بھائی کو اطلاع دی۔ پھر کیا تھا وہ شامت آئی کہ بس نہ پوچھیں اور حکم ہوا کہ فوراً اپنا Report Card بھیجو۔ میرے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں نے کوئی غلط بات کی ہے۔ بہر حال میرا Report Card دیکھ کر جب انھیں اطمینان ہوا تو پھر ذرا ڈھنگ کا خط آیا۔

بھائی کی ڈکشنری میں صحیح اور غلط یا اچھے اور بُرے کے درمیان بہت واضح لکیر ہے۔ درمیان میں کوئی Gray Area نہیں ہے اور نہ کوئی رعایت ہے۔ ان سے جھوٹ بولنا یا بلوانا ناممکن ہے۔ ہر کام اور ہر بات بالکل سیدھی اور صاف ہونی چاہیے ورنہ آپ مصیبت میں آسکتے ہیں۔ شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ امریکہ گئی تو میرے پاس اس وقت امریکہ میں کام کرنے کا ویزا نہیں تھا۔ میرے شوہر اسٹوڈنٹ ویزا پر پی ایچ ڈی کر رہے تھے اور مجھے پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔ اپنی یورپین ڈگری کی وجہ سے میرے لیے اچھی نوکری کا حصول بہت آسان تھا اور تنخواہ بھی میری امید اور ضرورت سے زیادہ اچھی مل رہی تھی مگر بھائی کا حکم تھا کہ کوئی غیر قانونی کام نہیں کرو گی۔ جب تک کام کرنے کا ویزا نہیں ملے گا تم نوکری کا سوچو گی بھی نہیں۔ دل ہی دل میں بہت غصہ آیا کیونکہ وہاں میرے جاننے والے بہت سے لوگ غیر قانونی کام کر رہے تھے اور کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا مگر بھائی کا حکم ٹالنے کی کس میں ہمت تھی لہٰذا چھ ماہ تک گھر بیٹھ کر دوسری طالبات کے بچوں کی دیکھ بھال کرتی رہی اور اس سے گھر کا خرچ چلایا۔ جس کی وجہ سے پاکستان سے بہت طعنے ملے کہ اپنے ملک کی ڈائریکٹری چھوڑ کر وہاں دوسروں کے بچے پال رہی ہیں۔ بھائی مجھ سے ملنے Wisconsin آئے تو میری ضروریات کا خیال کرتے ہوئے مجھے ایک Blank Cheque دے گئے کہ جتنا دل چاہے میرے اکاؤنٹ سے پیسے نکلوا لینا لیکن مجھے جب تک نوکری نہ کرنے دی جب تک مجھے وہاں کام کرنے کے لیے امریکن گورنمنٹ نے ویزا نہیں دے دیا۔

اب لکھنے بیٹھی ہوں تو اتنی چھوٹی موٹی باتیں یاد آ رہی ہیں جو ان کی شخصیت کی عکاس ہیں۔ امریکہ میں ہی ایک دفعہ میڈیکل سرٹیفکیٹ کی ضرورت پڑ گئی۔ پاکستان گورنمنٹ کے خط پہ خط آ رہے تھے کہ واپس آؤ ہمیں تمھاری ضرورت ہے۔ میرے شوہر کی پی ایچ ڈی ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور میں Family way میں ہونے کی وجہ سے بیمار تھی۔ بھائی سے کہا کہ آپ میڈیکل سرٹیفکیٹ دے دیں میں پاکستان بھیج دیتی ہوں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا کہ تم ایسی بیمار نہیں

بھائی کی ڈکشنری میں صحیح اور غلط یا اچھے اور بُرے کے درمیان بہت واضح لکیر ہے

ہو جو میں تمھیں میڈیکل سرٹیفکیٹ دوں۔ مجبوراً ایک امریکن ڈاکٹر کو اپنا حال زار سنایا اس نے فوراً سرٹیفکیٹ دے دیا اور میں نے پاکستان گورنمنٹ کو بھیج دیا۔

میرے شوہر کے بہت دلدادہ ہیں۔ میری مجال نہیں کہ کبھی اپنے شوہر کی کوئی شکایت بھائی سے کر سکوں۔ ایک دفعہ ان کے سامنے میری انیس سے کسی بات پر بحث ہوگئی اور میں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ بھائی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا کہ جو انیس کہہ رہے ہیں تم وہی کرو گی۔ تم کیسے اپنے شوہر کی بات ماننے سے انکار کر سکتی ہو۔ انیس تو جتنے خوش ہوئے وہ ظاہر ہی ہے مگر میرا دل بہت کڑھا کہ ساری دنیا کے بھائی اپنی بہنوں کی حمایت کرتے ہیں اور میرے بھائی الٹا مجھے ہی بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔

بھائی جیسے مشرقی روایات میں رچے بسے انسان کا امریکہ میں رہنا بظاہر مشکل لگتا تھا۔ مگر ان کی شخصیت کے متضاد پہلوؤں نے یہ آسان کر دیا۔ حقیقت پسندی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ امریکہ انھیں اس وقت بھی اپنے مستقبل کے لیے بہتر نظر آیا۔ جب کوئی امریکہ جانے کے لیے سوچتا بھی نہیں تھا۔ ۱۹۵۳ء میں جب وہ میڈیکل کالج سے سند یافتہ ہوئے تو پاکستانی فوج میں کیپٹن کے عہدے پر فائز ہوئے اور کوئٹہ کے سٹاف کالج سے فارغ ہوتے ہی امریکہ جانے کی ٹھان لی۔ حالانکہ اس زمانے میں فوج کی نوکری اور فوج کا مستقبل نوجوان لڑکوں کے لیے بہت پُرکشش تھا۔ مگر بھائی کو تو 'ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں' کی تلاش تھی۔ امریکہ گئے اور ۱۹۶۳ء میں پیتھالوجی میں Specialise کیا پھر پڑھانے اور تحقیق کے شوق میں امریکہ کی Ohio State میں پیتھالوجی کی Hospital Practice شروع کر دی۔ اور ۲۰ سال تک اسی سے منسلک رہے۔ ۱۹۹۴ء میں پھر تدریس کا شعبہ اختیار کر لیا اور ۱۹۹۹ء تک Ohio ہی کے میڈیکل کالج میں پروفیسری کی۔

۱۹۶۴ء میں شادی کے بعد دونوں بچوں کی پرورش میں ویسے ہی جانفشانی کی جیسے بہن بھائیوں کی تربیت میں کی تھی۔ ان کے دونوں بیٹے ماشاء اللہ بے حد لائق اور امریکہ میں ہی بہت اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ بڑا بیٹا بھی انھی کی طرح ڈاکٹر ہے اور Anesthesia میں سپیشلائیز کیا ہے۔ چھوٹا بیٹا الیکٹریکل انجینئر اور بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کرنے کے بعد ایک امریکن کمپنی سے منسلک ہے۔ بہوئیں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن فی الحال گھر اور بچوں کی تربیت میں مصروف ہیں۔ بھائی اب ماشاء اللہ ایک پوتے اور دو پوتیوں کے دادا ہیں۔

بھائی کو امریکہ کی بودوباش اختیار کیے ۵۰ برس ہونے کو آئے لیکن اپنے معاشرے سے ان

میری مجال نہیں کہ کبھی اپنے شوہر کی کوئی شکایت بھائی سے کر سکوں

کا لگاؤ اور اپنی تہذیب سے ان کی انسیت کبھی نہیں چھپی۔ جس کا نتیجہ ان کی حالیہ سرگرمیوں سے عیاں ہے۔ فارسی شاعری سے ان کی دلچسپی ۱۹۹۴ء میں شروع ہوئی۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے مجھے اطلاع ملی کہ بھائی حافظ شیرازی کے فارسی کلام کا اردو میں منظوم ترجمہ کر رہے ہیں تو مجھے بالکل یقین نہیں آیا۔ اس لیے کہ امریکن بیوی کی موجودگی میں تو وہ اردو میں بات بھی بہت کم کرتے تھے اور اکثر کہتے تھے کہ میں اردو پڑھنا ہی بھول گیا ہوں۔ میں دل ہی دل میں ان کی اس بات سے خاصی افسردہ رہتی تھی۔ فطرتاً میں خوابوں میں رہنے کی عادی ہوں اور امریکہ میں رہ کر تو خاص طور پر مجھے پاکستان جنت لگتا تھا۔ اپنی زبان، اپنا رہن سہن یہاں تک کہ لاہور کی گندی گلیاں بھی مجھے وہاں رہ کر اچھی لگتی تھیں۔ اس لیے جب میں نے سنا کہ وہ حافظ کا اردو میں منظوم ترجمہ کر رہے ہیں تو مجھے بے حد خوشی ہوئی اور جب ان کی کتاب چھپ کر آئی تو میں بجا طور پر کہہ سکتی ہوں کہ مجھے اُن پر فخر ہے اور وہ میرے والد کے صحیح جانشین ہیں۔ خدا جانے یہ Talent اُن میں اتنے عرصے کہاں چھپا رہا شاید غمِ جاناں اور غمِ روزگار نے اُن کو اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ اپنے آپ کو دریافت کر سکتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شوق ان کی گھٹی میں ہے۔

بھائی کی پہلی کتاب جب چھپ کر آئی اور میں نے غزلیاتِ حافظ شیرازی پڑھی تو ان کے اردو ترجمہ کے سہارے میں نے بھی حافظ کو جانا۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں حافظ۔ اُس تیل بیچنے والے ملک میں بھائی کی وجہ سے مجھے بھی فارسی پڑھنے کی توفیق ہوگئی۔ ایک ایک شعر دل میں اترتا چلا گیا۔ حافظ کے اسلوبِ بیان اور اشعار کی خوبصورتی کا تو وہی لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں جو فارسی سے اچھی طرح شناسا ہوں۔ میں نے تو بھائی کے ترجمے سے ہی یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

ہمیں کیا منزلِ جاناں میں امن و عیش، جب ہر دم
جرس فریاد کرتا ہے کہ باندھو چل کے محمل ہا

اور چھوٹی بحر میں حافظ کے شعر کی خوب صورتی بھی بھائی ہی برقرار رکھ سکتے ہیں کہ کہیں کوئی جھول نظر نہیں آتا۔

ایک زندگی ملی تھی سو وہ رائیگاں گئی
افسوس یہ نہیں کہ ہوئی تن سے جاں جدا

مجھے یقین ہے کہ حافظ زندہ ہوتے تو خوش ہو جاتے۔ وہی بے ساختگی اور طرح داری جو حافظ کی شاعری کی پہچان ہے بھائی نے اردو کے ترجمے میں بھی برقرار رکھی ہے۔ جتنا میں انھیں جانتی ہوں

اپنے معاشرے سے ان کا لگاؤ اور اپنی تہذیب سے ان کی انسیت کبھی نہیں چھپی

ایسا لگتا ہے جیسے حافظؔ کے کچھ شعر تو ان ہی کے دل کی آواز ہیں جبھی تو اتنا خوب صورت ترجمہ کیا ہے۔ ۔

کچھ شرط خانقاہ و خرابات کی نہیں
ہر سمت عکسِ ہائے جمال حبیب ہیں
ہر گاہ کاروبار عبادت میں جلوہ گر
ناقوس و دیر و راہب و نامِ صلیب ہیں

جب بھائی غالبؔ کے فارسی کلام کا منظوم ترجمہ کر رہے تھے تو میں دل میں سوچتی تھی کہ وہ غالبؔ کا انداز بیان اپنے ترجمے میں کیسے لائیں گے۔ غالبؔ کی اردو شاعری تو زبانِ عام ہے۔ ہم جیسے نابلد بھی پہچان لیتے ہیں کہ یہ غالبؔ کا شعر ہے۔ مگر جب کتاب کی پہلی غزل میں ہی مقطع کا منظوم ترجمہ پڑھا تو لگا کہ بھائی نے غالبؔ کے ساتھ بے انصافی نہیں کی ۔

میں سوچتی تھی کہ وہ غالبؔ کا انداز بیان اپنے ترجمے میں کیسے لائیں گے

ہے غالبؔ خلد کے در پر اسے مت روک اے رضواں
پرندِ خوش نوا کوئی نہیں جنت میں اس جیسا

بھائی کی شائع شدہ کتابوں کی ستائش یا تنقید نہ میں کرنے کے لائق ہوں اور نہ ہی یہ میرا مقصد ہے۔ مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ ان کی وہ خواہش اور شوق جو وہ شاید اپنے لڑکپن کے دنوں سے چھپائے ہوئے تھے اب باہر آ رہا ہے اور وہ اسے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہ تخلیقی کام ہر ایک کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔ ایک اچھا شعر ایک شاعر کی روح کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اس کو سمجھنا اور پھر اس کو کسی دوسری زبان کے قالب میں ڈھالنا ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی کی روح دوسرے کے جسم میں منتقل کر رہے ہوں۔ اور وہ بھی اس کی پوری کیفیات اور خصوصیات کے ساتھ۔ اس کے لیے خود ایک انسان کا لطیف اور حسّاس ہونا ضروری ہے۔ بھائی نے ہمیشہ اپنے آپ کو حقیقت پسند ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مگر سچ یہ ہے کہ ان کے اس حد تک حساس ہونے ہی نے ان کو ۴۴ سال کی عمر میں دل کا مرض لگا دیا تھا اور انھیں سرجری کروانی پڑی۔ میں اس بات سے بہت مطمئن ہوں کہ اب جب وہ خود اپنے دل کی جراحی کر رہے ہیں۔ یہ شاعری ان کے جذبات اور احساسات کا وہ پرتو بن گئی ہے جسے وہ اپنی انا اور حقیقت پسندی کی بدولت پہلے باہر نہ نکال سکے تھے۔ یہ Catharsis ان کے لیے بہت ضروری تھی۔ خدا انھیں سلامت رکھے اور اللہ کرے یہ زورِ کلام اور زیادہ ہو۔ اب تو اُن کا اقبال و خسرو کے فارسی کلام کا اردو ترجمہ

خدا انھیں سلامت رکھے اور اللہ کرے یہ زورِ کلام اور زیادہ ہو

بھی شائع ہو کر اہلِ علم و دانش میں مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ میری بڑی خواہش ہے کہ وہ باپ دادا کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے فارسی کے صوفیانہ کلام پر اور توجہ دیں ان کا اپنا کلام بھی آہستہ آہستہ شائع ہو رہا ہے مگر انھوں نے فی الحال اسے پسِ پشت ڈال رکھا ہے۔ میری یہی دعا ہے کہ حافظؔ کا شعر جس کا انھوں نے منظوم ترجمہ یوں کیا ہے ؎

غزل تو نے کہی ، موتی پروئے ، شعر پڑھ حافظؔ
لٹائے گا فلک فن پر تیرے عقدِ ثریا کو

ان پر ہی صادق آئے اور وہ اپنا یہ تخلیقی کام جاری رکھیں۔

* * *

ڈاکٹر انیس الرحمٰن

آتشِ عشق

دبلے پتلے، لمبا قد، کھلتا ہوا گندمی رنگ، تیکھے نقش، طبیعت میں نفاست پسندی، کام کاج میں وقت کی پابندی، آنکھوں میں تجسس، بات چیت میں بے باکی، کلام میں بے ساختگی، چال ڈھال میں بے گانگی۔ یہ سب عناصر اکٹھے ہوں تو خالد بھائی کا خاکہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ سچی بات یہ ہے خالد بھائی کے بارے میں کچھ لکھنا مجھ جیسے کم مایہ شخص کے لیے ایک دشوار امر ہے۔ بعد از کوشش بسیار شاید کسی حد تک ان کی شخصیت کی گیرائی کا احاطہ کر پاؤں۔

خالد بھائی ۱۹۶۴ء میں بوجوہ، میری شادی میں شرکت کرنے لاہور نہیں آ سکے تھے۔ ان سے میری پہلی غیر رسمی ملاقات ۱۹۶۷ء میں ہیلی فیکس، کینیڈا میں ہوئی۔ ان دنوں خالد بھائی ڈلہوزی یونیورسٹی میں پیتھولوجی Pathology کے پروفیسر کے عہدہ پر فائز تھے اور میں عالمی نشوونما کے موضوع پر ایک سیمینار میں شرکت کرنے ایک ماہ کے لیے ہونولولو Honolulu ہوائی جا رہا تھا۔ میرا خالد بھائی کے پاس تین چار روز قیام رہا۔ ان کا رہن سہن امریکی تھا۔ امریکن بیوی کی وجہ سے وہ گھر میں انگریزی میں بات چیت کرتے تھے اور مجھے بھی تکلفاً انگریزی میں ہی بات کرنی پڑتی تھی۔ لیکن ان کے لہجے میں امریکی بے ساختگی تھی اور میری انگریزی میں پاکستانی رنگ! گھر کی صفائی کا یہ عالم تھا کہ خالد بھائی کو گرد کا ایک ذرہ بھی گھر کے اندر گوارہ نہ تھا۔ ایک شام، خالد بھائی کے یونیورسٹی سے آنے کے وقت ان کی بیوی نے مجھ سے کہا، دیکھو انیس، میں تمھارے سامنے گھر کی صفائی کر رہی ہوں، اب خالد آئیں گے تو تم دیکھنا، کیا ہوتا ہے۔ خالد بھائی یونیورسٹی سے آئے اور ڈرائنگ روم میں صوفہ پر بیٹھتے ہی انھوں نے میز پر انگلی پھیر کر دیکھا کہ کہیں اس پر گرد تو نہیں جم گئی۔

بعض احباب کا خیال ہے کہ خالد بھائی کی شخصیت میں تضاد ہے لیکن میرے خیال میں ان

ان کی شخصیت میں ابا جی کے پٹھان اور اماں جی کے سیدانی ہونے کے باعث، جلال و جمال اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجزن نظر آتے ہیں

کی شخصیت متنوع خصوصیات سے عبارت ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ متضاد کیفیات ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو پائیں بلکہ اپنا، اپنا منفرد رنگ برقرار رکھتی ہیں۔ ان کی شخصیت پر اگر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں اٹک کے محکمہ تعمیراتِ عامہ کے ریسٹ ہاؤس سے دریائے سندھ اور دریائے کابل کے سنگم کا نظارہ کر رہا ہوں۔ دونوں دریاؤں کے پانی کا رنگ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ آپس میں ملنے کے بعد بھی دور تک دو رنگ کی لہروں کے ساتھ ساتھ بہنے کا نظارہ، تضاد اور یگانگت کے ملے جلے تاثرات کو جنم دیتا رہتا ہے۔ خالد بھائی کا بھی کچھ یہی حال ہے۔ ان کی شخصیت میں ابا جی کے پٹھان اور اماں جی کے سیدانی ہونے کے باعث، جلال و جمال اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجزن نظر آتے ہیں۔ اگر جلالی رو کی لپیٹ میں آگئے تو الامان الحفیظ اور اگر جمالی لہر سے ہم کنار ہوگئے تو وارے نیارے ہوگئے۔ بھائی بہنوں کے مسائل تو خیر ان کے مسائل ہیں ہی، ان کے بچوں کے مسائل بھی حل کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔

جب تک پاکستان میں رہے حسن بھی باحجاب رہا، عشق بھی باحجاب رہا

خالد بھائی کی شخصیت کی دوسری نیرنگی تمدنی ہے۔ یہ مغرب میں مغربی اور مشرق میں مشرقی ہیں۔ یہ دونوں رنگ بھی آپس میں نہیں ملتے۔ بالکل ایک دوسرے سے جداگانہ اپنی اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہیں۔ کچھ یہی حال قنوطیت اور رجائیت کے جذبات کا ہے۔ دونوں ساتھ ساتھ جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔ ہر معاملہ کے بہترین امکانات کی خواہش کے ساتھ ساتھ اس کے بدترین امکانات کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اگر فوراً مر گئے تو یہ کرنا ہوگا اور نہ مرے تو کم از کم سو سال کی عمر تک جینے کی قیمت ادا کرنے کے لیے وسیلے ہونے چاہییں۔

جب تک پاکستان میں رہے حسن بھی باحجاب رہا، عشق بھی باحجاب رہا۔ طالب علمی اور ڈاکٹر بننے کے بعد نا معلوم کتنے دلوں کی دھڑکن رہے ہوں گے لیکن طالب علمی کے زمانہ میں عشق کی اشتہا کتابوں سے دل لگا کر بجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جانے کی دھن سوار ہوئی، امریکہ گئے وہاں اگرچہ حسن میں مغربی بے حجابی در آئی لیکن ان کے عشق کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ امریکہ بقول ایک ماہر اجتماعیات کے ایک تنہا ہجوم کی مانند ہے۔ یہ ایک ایسا ہجوم ہے جس میں سب اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ یہاں جب تک کوئی کسی کا نہ ہو جائے، تنہائی کا احساس کاٹنے کو دوڑتا ہے اور مادیت آمیز معاشرہ اس احساس کو مزید جلا بخشتا

خالد بھائی نے اپنے ادبی کام سے اردو دان طبقے کو انگشت بدنداں کر دیا

ہے۔ جب تک اماں جی بقید حیات رہیں، خالد بھائی نے کسی امریکن لڑکی سے شادی کے خیال کو دل میں جگہ نہ دی کیونکہ اماں جی کو انگریزی نہیں آتی تھی، بہو سے کیسے بات کرتیں لیکن اماں جی کے انتقال کے بعد، انھوں نے ابا جی سے امریکن لڑکی سے شادی کی اجازت چاہی، جو انھیں بخوشی مل گئی۔

بقول غالبؔ عشق کی آگ لگائے نہیں لگتی اور بجھائے نہیں بجھتی۔ خالد بھائی میں یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ لڑکپن میں شرمیلی طبیعت مانع رہی۔ جوانی میں کسب معاش آڑے آیا۔ اس کے بعد بچوں کی تعلیم اور ان کو اپنے پاؤں پر کھڑے کرنے کی دھن میں لگے رہے۔ ان سب مراحل سے فارغ ہو کر خالد بھائی نے اپنے ادبی کام سے اردو دان طبقے کو انگشت بدنداں کر دیا۔ آج سے نصف صدی پہلے یہ کس کو معلوم تھا کہ ۱۳ سال کی عمر میں میٹرک پاس کرنے والے اس شرمیلے لڑکے میں عشق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جس کا اظہار اچانک ایک لاوے کی شکل میں ہوگا اور یہ لڑکا نہ صرف حافظؔ، غالبؔ، اقبالؔ اور خسروؔ کے فارسی کلام کا اردو میں منظوم ترجمہ کر کے اسے اردو دان طبقے سے روشناس کرائے گا، بلکہ ناقدین سے بھی اپنی ادبی کاوش کی بھرپور داد حاصل کرے گا۔

* * *

ڈاکٹر خالد حمید شیدا (ایم-ڈی)

میں بوسیدہ، خزاں رسیدہ اپنی پرانی دنیا میں مگن رہتا ہوں۔ گھر کو پرستانِ عجم بنا رکھا ہے جس میں پریاں قطار اندر قطار اور نیلے نیلے، اودے اودے، پیلے پیلے پیرہن ہر سمت نظر آتے رہتے ہیں۔

خسرو اور اقبال

نقد و نظر

ڈاکٹر خالد حمید شیدا (ایم-ڈی)

فارسی ایک اعلیٰ ترین زبان ہے جو آٹھ سو سال ہمارے منہ میں رہی اور جس میں بے شمار گنج ہائے گراں مایہ ہیں بدقسمتی سے ہم نے آج کل ان خزانوں کو زمین میں دفن کر رکھا ہے، انگریزی سر آنکھوں پر لیکن فارسی کو بھول جانا ہمارے لیے اپنے ادب کے سرچشمے کو کھو دینے کے برابر ہے۔ وقت ہے کہ یہ بات یاد دلائی جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ ہم نے بھی فارسی شاعر پیدا کیے ہیں اور ایسے کیے ہیں کہ ان کا لوہا ایرانی تک مانتے ہیں۔

ڈاکٹر رشید امجد

خالد حمید شیدا کے تراجم کا ایک اجمالی جائزہ

گوئٹے نے کہا تھا کہ ترجمہ ایک ایسا دریچہ ہے جس کے ذریعہ ایک قوم دوسری قوم کی ادبی وفکری سرگرمیوں سے آگاہ ہوتی ہے۔ اس میں اب یہ اضافہ اور کیا جاسکتا ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ قومیں ایک دوسرے کے علمی انکشافات سے بھی واقف ہوتی ہیں، لیکن ترجمہ ایک مشکل فن ہے ترجمہ کی مبادیات کیا ہیں اور ایک اچھے ترجمہ کے لیے کن اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے اس کا تعین تو شاید بہت مشکل ہو۔ لیکن کوئی ترجمہ پڑھ کر یہ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ترجمہ اچھا ہے یا نہیں۔

فنی اور علمی ترجموں کے مقابلہ میں تخلیقی ترجمے بہت مشکل ہیں کہ ہر تخلیق کے ساتھ اس کی زبان، ثقافت اور لکھنے والے کا نظریہ حیات شامل ہوتا ہے اور کوئی مترجم دونوں زبانوں پر کتنا ہی عبور رکھتا ہو اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے کہ اصل تخلیق کے تمام جواہر کو دوسری زبان میں منتقل کردے۔ خصوصاً کسی تخلیق کے اسلوب کو اس کے اصل مزاج کے ساتھ ترجمہ کرنا تو تقریباً ناممکن ہے۔ مترجم زیادہ سے زیادہ تخلیق کے خیال یا مفہوم کو بیان کرسکتا ہے۔ پھر یہ بھی کہ کیا ترجمہ اسی زبان سے کیا جارہا ہے جس میں فن پارہ تخلیق ہوا ہے یا درمیان میں کوئی اور زبان بھی شامل ہے۔ اس کی مثال روسی فکشن کے ان تراجم سے دی جاسکتی ہے جو براہ راست روسی زبان سے ترجمہ ہوئے اور دوسرے وہ جو پہلے انگریزی اور پھر انگریزی سے کسی دوسری زبان میں ترجمہ کئے گئے۔ ماسکو کے اشاعتی ادارے سے ظ۔ انصاری نے جو براہ راست ترجمے کئے ہیں۔ ان کی

افسانہ نگاری کی دنیا میں ڈاکٹر رشید امجد بلاشبہ ممتاز ترین حیثیت کے حامل ہیں۔ لیکن تنقید وتحقیق کے حوالے سے بھی ان کا کام بے مثال اور قابل رشک ہے۔ صدر پاکستان نے انھیں گزشتہ برس تمغہ حسن کارکردگی عطا کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نیشنل اینڈ ماڈرن لینگوئجز یونیورسٹی اسلام آباد میں صدر شعبہ اردو ہیں۔

زبان، مزاج اور آہنگ ۹۰ن تراجم سے بالکل مختلف ہے جو بذریعہ انگریزی اردو میں کیے گئے۔

ترجمہ نگار کے لیے جس طرح دونوں زبانوں پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے اسی طرح دونوں زبانوں کی ثقافت سے واقفیت بھی ضروری ہے کیونکہ ہر زبان اپنے پس منظر میں ایک مخصوص تہذیبی و تمدنی دائرہ رکھتی ہے جس میں مختلف عناصر شامل ہوتے ہیں۔ مترجم کے لیے کئی مشکلات ہیں مثلاً کبھی کبھی لفظی ترجمہ مضحکہ خیز ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی کمی و بیشی یا اسے بہتر کرنے کی صورت اصل مفہوم کو بدل دیتی ہے۔ بعض اوقات ایک لفظ رکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے فرحت اللہ بیگ سے روایت ہے کہ ایک شام وہ اور دانی جب ڈپٹی نذیر احمد کے ہاں درس لینے گئے تو مولوی صاحب پریشانی میں ٹہل رہے تھے۔ سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ ایک ترجمہ کر رہا ہوں لیکن ایک لفظ پر اٹک گیا ہوں۔ دانی نے پوچھا مولوی صاحب کونسا لفظ ہے۔ بولے Stallian۔ دانی نے فوراً کہا دھاری دار گھوڑا۔ مولوی صاحب غصہ میں آگئے بولے یہ مجھے بھی معلوم ہے لیکن یہاں یہ ترجمہ مناسب نہیں لگ رہا۔ فرحت اللہ بیگ کہتے ہیں کہ کئی دن بعد میں نے پوچھا مولوی صاحب کوئی مناسب لفظ ملا، کہنے لگے مل تو گیا ہے لیکن میں اب بھی مطمئن نہیں۔ اس سلسلے میں میراجی کی مثال بھی دی جاسکتی ہے جو کبھی کسی طویل نظم کا چند مصرعوں میں ترجمہ کر دیتے اور پھر کسی مختصر نظم کے لیے کئی سطریں لکھتے۔ ان کا کہنا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ شاعر کا خیال پوری طرح نئی زبان میں منتقل ہو جائے۔

خالد حمید شیدا نے ترجمہ کی مبادیات کے ساتھ ساتھ ترجمہ کی روح کو سمجھنے کی کوشش کی ہے

ترجمہ کے ذریعے ہم جو ادب بھی پڑھتے ہیں، اس میں ہمیں صرف خیال تک رسائی ہوتی ہے۔ اصل تخلیق کا اسلوب ہم تک نہیں پہنچتا۔ مولانا صلاح الدین احمد نے ترجمہ کو ایک مشکل فن قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ اچھے ترجمہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ مترجم صاحب ذوق ہو اور دونوں زبانوں کے مزاج سے بھی آشنا ہو کیونکہ ایک زبان کے فن کار کی روح کو دوسری زبان میں اسی طرح منتقل کرنا کہ پتلا بولنے لگ جائے اور ترجمے پر تصنیف کا گمان ہو بہت مشکل ہے۔

اردو زبان میں دیگر زبانوں کے تراجم کی روایت تو اب بہت پرانی ہے لیکن گزشتہ تین چار دہائیوں سے جس تیزی اور رفتار سے تراجم ہوئے ہیں انھوں نے اردو دنیا کو دوسری زبانوں کے ادب سے متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے لیکن ان میں سے کتنے تراجم مکرر تخلیق کا مقام حاصل کر پائے ہیں اس کا اندازہ تو اہلِ فن ہی لگا سکتے ہیں لیکن زیادہ تر تراجم ایسے ہیں کہ

انھوں نے اصل مفہوم کو بھی مسخ کر دیا ہے۔

گزشتہ برسوں میں جن لوگوں نے تراجم میں خصوصی دلچسپی لی ان میں ڈاکٹر خالد حمید شیدا کا نام اس حوالے سے اہم ہے کہ انھوں نے ترجمہ کی مبادیات کے ساتھ ساتھ ترجمہ کی روح کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ذوق کا اندازہ اسی امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ دیگر بہت سے نامور شعراء کے ساتھ ساتھ ان کی خصوصی دلچسپی حافظ، امیر خسرو، غالب اور اقبال میں ہے۔ یہ چاروں اپنے اپنے عہد کے جید مفکر ہی نہیں فنی اقدار کے حوالے سے بھی اپنے اپنے عہد کے نمائندہ ہیں۔ ان چاروں کے یہاں فکر و فلسفہ کی جو سطح ہے اس تک پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ ان چاروں کو ترجمہ کے لیے منتخب کرنے سے جہاں خود خالد حمید شیدا کی فکری سطح کا تعین ہوتا ہے وہاں اس اعلیٰ درجہ کے ادبی ذوق کا پتہ بھی چلتا ہے جو انھیں اردو اور فارسی زبانوں کے ادب سے ہے۔ جدید ادب کے برعکس کلاسیکی ادب کا ترجمہ بہت مشکل ہے کہ اب کئی لفظ، اصطلاحیں اور تلازمات اپنے پرانے معنوں سے الگ ہو چکے ہیں اور ترجمہ نگار جب تک ان کے کلاسیکی معنوں سے آگاہ نہ ہو، ترجمے کا حق ادا نہیں ہو سکتا، حق ادا ہونا تو الگ۔ پورے معنی بھی آشکار نہیں ہوتے۔ خالد حمید کے ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے مفہوم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ خیال کے مزاج اور آہنگ کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے اردو زبان کے مروّج مزاج سے ہٹ کر بھی لفظ استعمال کیے ہیں۔ خسرو کے اسی شعر کا ترجمہ دیکھیے۔

خالد حمید کے ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے مفہوم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ خیال کے مزاج اور آہنگ کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے اردو زبان کے مروّج مزاج سے ہٹ کر بھی لفظ استعمال کیے ہیں

حسن تو دیر نپاید چوں ز خسرو رفتی
گل بے دیر نماند جوں شد از خار جدا

ترجمہ یہ ہے:

قرب سے اتنا بھی محروم نہ رکھ خسرو کو
گل نہیں رہوے ہے گل، ہووے اگر خار جدا

یہاں رہوے اور ہووے نے جو لطف پیدا کیا ہے اس نے شعر کی اصلیت کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج، ذائقہ اور آہنگ کو بھی اردو میں منتقل کر دیا ہے۔

خالد حمید نے ایک اور کوشش یہ کی ہے کہ بلا وجہ لفظوں اور تراکیب کو ترجمہ کے کرب سے نہیں گزارا، شاید اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ فارسی اردو میں کئی تراکیب اور تلازمے مشترک بھی ہیں۔ غالب کا یہ فارسی شعر دیکھیے۔

قفس و دام را گنا ہے نیست
ریختن در نہادِ بال و پر است

(ترجمہ)

قفس و دام کا قصور نہیں
کشمکش سے گرے ہیں بال و پر

اصل شعر سے قفس و دام اور بال و پر کو اٹھا کر ترجمہ میں لے آنے سے شعر اصل کے قریب تر ہو گیا ہے۔

لیکن جہاں ضرورت پڑی ہے انھوں نے اصل لفظوں کو نظر انداز کر کے ترجمہ میں اردو زبان کے مزاج و تہذیب اور شعری روائت کو سامنے رکھا ہے، غالب کا یہ شعر:

کم خود گیر، بیش سو غالب
قطرہ از ترکِ خویشتن گہر است

(ترجمہ)

عزت اس عاجزی میں ہے غالب
قطرہ ترکِ خودی سے ہے گوہر

دوسرا مصرعہ غالب کے مزاج کے قریب تر ہے۔

مترجم کا اصل فن یہ ہے کہ وہ زیر ترجمہ فن پارے ہی کو نہیں اس کے خالق کے مجموعی فکری اور فنی مزاج کو بھی سامنے رکھے۔ خالد حمید کے اکثر تراجم میں یہ خوبی موجود ہے غالب کے تراجم میں یہ خوبی خالد حمید شیدا کی غالب کی اردو شاعری سے واقفیت کا پتہ دیتی ہے۔

ہر آنچہ در نگری جز بہ جنس مائل نیست
عیار بے کسی ما شرافت نسبی ست

(ترجمہ)

اگرچہ یکتا و بے ہمتا ہوں نسب میں میں
ہے وجہ بے کسی میرا شرافت نسبی

پہلا مصرعہ غالب کی اردو شاعری کے قریب ترین ہے اردو فارسی کی قربت سے فائدہ

اٹھاتے ہوئے خالد حمید نے ترجمہ کو اصل سے قریب تر رکھنے کے لیے بلاوجہ جدید اردو بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ترجمہ کی زبان کو کلاسیکی اردو زبان اور انگ ہی میں رہنے دیا ہے۔

تو اے کہ محو سخن گسترانِ پیشینی
مباش منکرِ غالب کہ در زمانہ تست

(ترجمہ)

تو دیکھ ، محو سخن گستران پیشینی
سجایا گفتۂ غالب نے کیا زمانہ ترا

خالد حمید شیدا کے تراجم کی یہ خوبی ھے کہ انھوں نے امکان بھر کوشش کی ھے کہ اصل سے قریب تر رھتے ھوئے اردو زبان کی سلاست و روانی بھی برقرار رکھیں جس کی وجہ سے ان کے تراجم پڑھتے ھوئے احساس نہیں ھوتا کہ یہ ترجمہ ھے

ترجمہ کی یہ سلاست اقبال کے تراجم میں بھی ہے حالانکہ اقبال کا فارسی کلام فکر و فلسفہ کی ایک بلند سطح کا متقاضی ہے لیکن خالد حمید شیدا اس مشکل راہ سے بھی آسانی سے گزر گئے ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے۔

اگر نظارہ از خود رفتگی آرد حجاب اولیٰ
نگیرد با من ایں سودا ، بہا از بس گراں خواہی

(ترجمہ)

نظارہ بے خودی کا ایک بحر بیکراں چاہے
کہاں سے لے کے آئیں گر بہا اتنا گراں چاہے

تیشہ اگر بسنگ زد ایں چہ مقام گفتگو ست
عشق بدوش می کشد ایں ہمہ کوہسار را

(ترجمہ)

عشق حجاز کے لیے سنگ بھی ہے گراں بہت
الفت حق مگر کرے نرم ہے کوہسار کو

ہر دو فروزم ، ہر دو بوزم
ایں آشیانے ، آں آشیانے

(ترجمہ)

دونوں سجاؤں میں دونوں جلاؤں
یہ آشیاں ایک ، وہ آشیاں اک

خیال کی دوست منتقلی کے ساتھ ساتھ ترجمہ کی روانی بھی اہمیت کی حامل ہے۔ خالد حمید شیدا کے تراجم کی یہ خوبی ہے کہ انھوں نے امکان بھر کوشش کی ہے کہ اصل سے قریب تر رہتے ہوئے اردو زبان کی سلاست و روانی بھی برقرار رکھیں جس کی وجہ سے ان کے تراجم پڑھتے ہوئے احساس نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے۔

* * *

محسن بھوپالی

غزلیات خسرو کا منظوم اردو ترجمہ

حضرت امیر خسرو کی حیثیت اور اہمیت بہ حیثیت شاعر ہی مسلم نہیں ہے بلکہ شاعری میں اردو کے الفاظ استعمال کرنے اور اس زبان کی اولین صورت میں اشعار کہنے والے شاعر کی حیثیت سے تاریخ ادب میں فوقیت حاصل کرنے کے علاوہ انہیں اردو شاعری کی مختلف اصناف مثلاً کہہ مکرنی، دو سخنے، پہیلی وغیرہ کو پہلی بار متعارف کرانے کا افتخار بھی حاصل ہے۔ شعر و ادب کے ساتھ ساتھ امیر خسرو کو فن موسیقی میں بھی کمال کی حد تک مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے راگوں اور راگنیوں میں جو اختراعات کیں وہ ان کی جودتِ طبع کی آئینہ دار ہیں۔ انھیں فارسی اور عربی کے علاوہ ہندی اور سنسکرت پر بھی دسترس حاصل تھی لیکن فارسی شاعری میں انھیں اختصاص حاصل تھا۔ وہ کثیر التصانیف شاعر تھے۔ شاعری کی مختلف اصناف غزل، قصیدہ، مرثیہ اور مثنوی وغیرہ پر مشتمل تصانیف ان سے یادگار ہیں۔

امیر خسرو کا اصل میدان فارسی غزل گوئی تھا اس ضمن میں اردو کے سربرآوردہ نقاد پروفیسر ممتاز حسین نے اپنی تصنیف امیر خسرو دہلوی حیات اور شاعری: میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''یوں تو خسرو نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن جو مقبولیت انھیں غزل گوئی میں حاصل ہوئی وہ دوسری اصناف سخن میں ان کی مقبولیت سے سبقت لے گئی''۔

(ص ۳۹۷)

آگے چل کر وہ یہ بھی فرماتے ہیں ''خسرو ایک بسیار گو شاعر تھے۔ جتنی غزلیں خسرو نے کہی ہیں اتنی فارسی زبان کے کسی ایک شاعر نے نہیں کہی ہیں''۔ (ص ۳۹۸)

اردو کے ممتاز قادر الکلام شاعر جناب محسن بھوپالی مرحوم کی بلند و بالا شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ اُن کی یہ مختصر تحریر کلام شیدا کے بارے میں بلاشبہ سند کا درجہ رکھتی ہے۔

مندرجہ بالا مستند حوالوں کے پیش نظر خالد حمید شیدا کا یہ فیصلہ کہ خسرو کی منتخب غزلوں کو منظوم اردو غزلیات میں ڈھالا جائے برمحل اور مبنی برحقائق نظر آتا ہے۔ میرے نزدیک ترجمہ، اصل کی روح کے قریب تر پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے، اصل روح نہیں۔

خالد حمید شیدا نے بعض اشعار کے ترجمے میں تعقید لفظی سے کام لیا ہے جس سے بچنا چاہیے تھا لیکن بہ حیثیت مجموعی ان کے منظوم تراجم نہ صرف سراہے جانے کے لائق ہیں بلکہ تعریف کے مستحق ہیں۔ انھوں نے ان غزلوں کو اردو میں منظوم کرتے ہوئے معانی اور مفاہیم سے قریب تر رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور بعض اشعار کا اس قدر خوبصورت ترجمہ کیا ہے کہ وہ اصل اردو کے ہی معلوم ہوتے ہیں۔

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
چوں کنم دل بہ چنیں روز ز دل دار جدا

ترجمہ

ابر و باراں میں جو مجھ سے ہے مرا یار جدا
کیسے موسم میں ہوا دل سے ہے دل دار جدا

دیدہ از بہر تو خوں بار شد اے مردم چشم
مردی کن ، مشو از دیدۂ خوں بار جدا

ترجمہ

دیدہ خو بنا رہے تیرے لیے اے نورِ نظر
رحم کر خود سے نہ کر دیدۂ خوں بار جدا

ے از تو کشد مرد، ستم نتواں گفت
نامِ بیداد تو جز لطف و کرم نتواں .گفت

ترجمہ

تو نے جو کچھ بھی دیا اس کو ستم کہہ نہ سکے
تیری بیداد کو جز لطف و کرم کہہ نہ سکے

اسی سلسلے کے دو ایک مزید اشعار ملاحظہ کیجیے اور سلاستِ بیان کی داد دیجیے۔

بزرش سودم ہمہ شب دیدہ و چشم مرا
عزتے بودار چہ برخاک درش خواری گذشت

ترجمہ

آستاں پر اُس نے اپنے جب تلک رہنے دیا
خاکِ در پر باعث عزت ہمیں خواری ہوئی

از غمت جاں بہ لب رسید مرا
چوں ترا ایں رضاست چتواں کرد

ترجمہ

غم سے تیرے ہے لب پہ جاں لیکن
جب یہ تیری رضا ہے کیا کیجیے

آپ نے دیکھا خالد حمید شیدا نے کس خوبصورتی سے ان فارسی اشعار کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ بعض بعض غزلوں میں انھوں نے ترجمہ کرتے وقت اصل الفاظ کو جوں کا توں رہنے دیا ہے اس سے قافیے کا لطف دوبالا ہو گیا ہے اور ان اشعار کا مفہوم مجروح ہونے سے بچ گیا ہے۔

بہ بدنامی و رسوائی اسیراں را مزن طعنہ
تو اے زاہد ندیدہ ستی بلائے چشم مستانہ

ترجمہ

اسیروں کو نہ رسوائی و بدنامی کا دے طعنہ
نہ دیکھی تو نے ہے زاہد بلائے چشم مستانہ

ہمہ یاراں بہ گشت باغ و میل من بہ کنج غم
یکے زنداں نماید بوستاں بر مرغ ویرانہ

میں ہنگام بہاراں میں بھی رہتا کنج غم میں ہوں
قفس اک بن گیا ہے بوستاں بر مرغ ویرانہ

اثر در جانت مستی را اگر در آب و گل بودے
سبو را مست و غلطاں دیدے در صحن میخانہ
اثر جو جاں میں ہے مستی کا، وہ ہوتا اگر گل میں
تو ہوتا مست و غلطاں بھی سبو در صحن میخانہ

خسرو جیسے عظیم و باکمال شاعر کے اشعار کو اردو میں منتقل کرنے کی سعادت حاصل کرنے پر خالد حمید شیدا جتنا ناز کریں بجا ہے اور ان اشعار کی تفہیم کو سہل بنانے پر قارئین کرام خالد حمبد شیدا کو جس قدر بھی داد دیں کم ہے۔

عشرت رومانی

فارسی کلام اقبالؔ اور شیداؔ کا ترجمہ

قوموں کے عروج و زوال میں زبان بھی اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ متعدد اقوام کا معاشرتی اختلاط اور یکجائی اور جغرافیائی حدود ان سب کے زیر اثر مختلف زبانیں فکر و عمل پر اثر انداز ہو کر اظہار و ابلاغ کے نئے افق روشن کرتی ہیں نئے راستے دکھاتی ہیں اور علم و ادب کو فروغ حاصل ہوتا ہے فارسی زبان بھی صدیوں کے تاریخی عمل سے گزرتی رہی ہے۔ برصغیر پاکستان و ہند میں اٹھارویں صدی عیسوی تک یہ زبان اس طرح رائج رہی کہ اس کے اثرات نمایاں رہے بالخصوص سلطنت مغلیہ کے عہد میں ادبی اظہار کا ذریعہ بھی بنی۔ ایران سے جو شعراء آئے انہوں نے برصغیر میں فارسی کو عروج دیا جس کے سبب فارسی رموز و علائم کے افکار اور مضامین اردو زبان میں اس طرح رچ بس اور سمو گئے کہ اردو مالا مال ہو گئی۔ دوسری جانب ہماری قومی ثقافت پر ایرانی ثقافت اثر انداز ہوئی۔ برصغیر کے نظام تعلیم اور سماج میں فارسی افکار اور صوفیانہ رنگ نمایاں رہا۔

تاریخ کے اوراق الٹتے ہیں تو ہمارے سامنے انیسویں صدی عیسوی آتی ہے جب برصغیر میں فارسی زبان و ادب اور خاندان مغلیہ دونوں ہی زوال پذیر تھے۔ فورٹ ولیم کالج نے اگرچہ اردو کی ترویج میں حصہ لیا جس میں فارسی بھی شامل تھی مگر 1834ء میں فارسی کی سرکاری حیثیت ختم کر دی گئی اور اس طرح فارسی زبان و ادب کا زمانی پھیلاؤ اختتام کو پہنچ گیا۔ برصغیر کی آزادی کے بعد ہم نے بہت کچھ کھویا اور بہت کچھ پایا۔ افسوس اس بات پر ہے کہ ہم نے فارسی زبان کی قدر نہیں کی لیکن نامساعد حالات کے باوجود آج بھی فارسی زبان میں شاعری کی تخلیق کا سلسلہ جاری ہے کم ہی سہی مگر ہے تو سہی یہ بھی خوش آئند ہے کہ یہاں پر کراچی کے ایک شاعر جناب عصام عظیم آبادی (مرحوم) کا ذکر بر سبیل تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ وہ فارسی کے شاعر تھے انہوں نے حافظ، عرفی، فیضی، بیدل، خسرو، قتیل، نعمت خان، عالی، بو علی، قلندر، غالب، شبلی نعمانی اور علامہ اقبالؒ کی زمینوں میں غزلیں تخلیق کی ہیں جو ان کے مجموعہ "از حرف تا بہ

ممتاز دانشور عشرت رومانی کی تخلیقات اُردو اور انگریزی زبان میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اُن کی گرانقدر تصانیف میں صبح آنے کو ہے (شعری مجموعہ)، شعورِ عصر (مضامین)، مقصدی شاعری ـــ ایک جائزہ (تحقیق). Scattered Moments (انگریزی نظموں کا مجموعہ) شامل ہیں۔

حرف‘‘ میں شامل ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ فارسی گویان ہند نے فارسی ادب کی جس طرح خدمت کی ہے وہ بے مثال ہے جسے اہل ایران بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس ضمن میں چند باکمال شعرا نے اپنی تخلیقات سے تاریخ کے صفحات روشن کر دیئے ہیں۔ امیر خسرو، فیضی، عرفی، نظیری، بیدل، غالب، قتیل، بوعلی قلندر، شبلی نعمانی، گرامی، اور علامہ اقبالؒ نے فارسی شاعری کو چار چاند لگا دیئے فارسی نثری ادب میں حضرت شیخ علی ہجویری کی کشف المحجوب کو اولیت حاصل ہے جسے فارسی زبان میں تصوف کی پہلی تصنیف کہتے ہیں۔

میرزا غالبؔ کا شمار اردو اور فارسی کے ممتاز شاعروں میں ہوتا ہے اگر چہ ان کی اردو شاعری زیادہ پسند کی گئی لیکن انھیں اپنی فارسی کے شاعر ہونے پر فخر تھا، عزیز لکھنوی اور علامہ اقبالؒ فارسی کے اہم شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ پیام مشرق زبور عجم، ارمغان حجاز اور مثنوی اسرار و رموز، مثنوی پس چہ باید کرد کے علاوہ جاوید نامہ، علامہ اقبالؒ کی فارسی شاعری کی وہ شمعیں ہے جو رہتی دنیا تک روشن رہیں گی علامہ کی فارسی شاعری کے تراجم بھی ہوئے ہیں اردو میں ترجموں کے لیے حضرت میاں عبدالرشید بہت اہم ہیں انہوں نے 1991ء اور 1992ء میں علامہ کے فارسی کلام کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ نگاری ایک مشکل فن ہے اس کے لیے دونوں زبانوں پر دسترس حاصل ہونا لازم ہے جس سے قاری کو سمجھنے میں آسانی ہو اور ابہام نہ پیدا ہو۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ترجمہ اصل تخلیق سے زیادہ معنی خیز اور اثر انگیز ہو جاتا ہے ترجمہ کی یہ بھی ایک خاصیت ہے دوسرا اہم پہلو اسلوب، طرز بیان اور تہذیب و معاشرت کا ہے جن کے زیر اثر مترجم اپنے احساسات کو دوسری زبان سے اپنی زبان میں منتقل کرتا ہے لیکن اگر مترجم خود بھی شاعر ہو تو ترجمہ زیادہ بامعنی اور دل آویز ہو جاتا ہے جیسا ڈاکٹر خالد حمید شیداؔ نے تراجم کئے ہیں۔ ترجمہ کے لیے یہ بھی اہم ہے کہ مترجم زمان و مکان کے ساتھ ساتھ مختلف ادوار کو بھی پیش نظر رکھے اس طرح اس کے لیے مربوط خیالات کی تہہ تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے چونکہ عالمی شاعری کا ادب اتنا وقیع ہے کہ اس کا تعین کرنا دشوار کام ہے جہاں تک ترجمہ کی افادیت اور اسلوب کی بات ہے تو میرا خیال ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے تخلیق کے پس پردہ جو مفہوم اور تاثر پوشیدہ ہوتے ہیں انہیں کمالِ فن سے عیاں کیا جاتا ہے لیکن بعض مترجم اصل عبارت میں اس طرح جان ڈال دیتے ہیں کہ ان کا ترجمہ اپنی جگہ پر خود ہی تخلیق بن جاتا ہے صحیح معنوں میں فقط الفاظ کی ترتیب سے صحیح طور پر ترجمہ ممکن نہیں اکثر و بیشتر روزمرہ اور محاورے سد راہ بن جاتے ہیں صنائع بدائع، مترنم قوافی اور شاعرانہ بندشوں کے تحت ترجمہ کرتے ہوئے مترجم دشواری محسوس کرتا ہے اب فقط اس کا کمال یہی ہے کہ شعری تاثرات کی نزاکت اور لطافت کو مجروح نہ ہونے دے بلکہ اپنے جمالیاتی شعور کی مدد سے کام لے جیسا کہ فرجیرلڈ نے خیام کی رباعیات کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔

جناب ڈاکٹر خالد حمید شیدا کو فارسی زبان پر دسترس حاصل ہے وہ خود بھی شاعر ہیں اور انہیں غزلیہ شاعری کے علاوہ فارسی زبان سے عشق ہے۔ انہوں نے غزلیات امیر خسرو اور حافظ شیرازی کے علاوہ غالب اور اقبال کی غزلوں کا منظوم ترجمہ کیا ہے بالخصوص حافظ شیرازی کا منظوم ترجمہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں کیا ہے جو اپنی جگہ ایک دشوار شعری کام ہے مگر خالد حمید شیدا نے بہت ہی مہارت اور خوش اسلوبی کے ساتھ یہ مرحلہ طے کیا ہے۔ جہاں تک کلام بہ زبان فارسی کی بات ہے تو ترجمہ کرنا دشوار طلب کام ہے لیکن جناب خالد حمید شیدا مشکل پسند واقع ہوئے ہیں۔ دوسروں کے مقابلے میں ان کے لیے یہ کام ان کے شعری ذوق کی تکمیل کا ایک حصہ ہے اہل علم و دانش نے اقبالیات کے حوالے سے فکر انگیز کام انجام دیئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے علامہ اقبالؒ کے افکار کو سمجھنے سمینے کے لیے بھی باریک بینی، دانشمندی اور وسیع النظری چاہیے جس سے ان کی مختلف جہتوں کو سمجھا جا سکے۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی کے مطابق علامہ اقبالؒ بلند نظری محبت اور ایمان کے شاعر ہیں وہ ایک عقیدہ دعوت اور پیغام رکھتے ہیں پروفیسر آل احمد سرور نے حالی کو نئی شاعری کا پیش رو اور اقبال کو اس کا فلسفی کہا ہے جناب خالد حمید شیدا نے اپنے تراجم میں مختلف مسائل پر فکر اقبال کو مترنم انداز میں پیش کر کے قاری کے لیے سہل کر دیا ہے۔ انہوں نے ترجمہ کے لیے بہت ہی بامعنی آسان اور رواں دواں لفظوں کا انتخاب کیا جو شعری تاثر سے بھرپور ہیں مثلاً حبیب، کہکشاں، کف خاک، شیشۂ جاں نجوم آرزوئے دلنیش، کاسۂ زر اور لعل رواں۔ دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ترجمہ کرتے ہوئے ترنم کا خیال رکھا ہے فارسی اور اردو زبان میں لفظوں کی یکجائی اس طرح کی ہے کہ خیالات اور جذبات کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا۔

فارسی اور اردو کی قربت نے ایک جہان معنی آباد کیا ہے جس کے معمار جناب ڈاکٹر خالد حمید شیدا ہیں وہ جانتے ہیں کہ کس طرح کسی بھی عہد میں سماجی معاشرتی فکری اور تہذیبی مسائل کو کس طرح اور کس انداز سے پیش کیا جائے تا کہ افکار و الفاظ کی وضاحت ہو سکے جس سے اظہار و اسلوب کی ترجمانی بھی ہو سکے۔

اس طرح روایت اور جدت میں ہم آہنگی رہے اور ادبی و شعری سفر جاری و ساری رہ سکے۔ یہ تو ایک ایسا عمل ہے جو عہد بہ عہد شعرا کی صلاحیتیں سامنے لا کر ان کی شناخت کراتا ہے خواہ وہ فارسی یا کسی دوسری زبان کے شاعر ہوں۔ خالد حمید شیدا، رنگارنگی کے بے شمار مرحلوں سے گزر کر اپنے تجربوں، مشاہدوں اور مطالعوں کی مدد سے اپنی ابداعی واختراعی ذہانت کو بروئے کار لا کر نئی نسل کے لیے (جو فارسی سے نابلد ہے) ایک اہم ادبی کام انجام دیا ہے جس سے ان کے جمالیاتی شعور کی ترجمانی ہوتی ہے اپکیذ ارشات کو جناب خالد حمید شیدا کے تراجم سے چند اقتباسات پہ ختم کرتا ہوں:

سوز و گدازِ زندگی لذتِ جستجوئے تو
سوز گدازِ زندگی لذتِ جستجوئے تو

راہ چو ماری گزد گر نہ ردم بسوئے تو
سینہ کشادہ جبرئیل ازبرِ عاشقاں گذشت
تاشررے باوفتد آتشِ آرزوئے تو
ہم بہوائے جلوۂ پارہ کنم حجاب را
ہم بنگاہِ نارسا پردہ کشم بروئے تو
من بتلاشِ تو روم یا بتلاشِ خود روم
عقل و دل و نظر ہمہ گم شدگانِ کوئے تو
از چمنِ تورستہ ام قطرۂ شبنمے بہ بخش
خاطرِ غنچہ واشود کم نشود ز جوئے تو

کاٹے ہے ناگ بن کے رہ جاؤں نہ گر بسوئے تو
سینہ کشادہ قدسیاں ہیں بشمارِ عاشقاں
دل میں لگی ہے ان کے یوں آتشِ آرزوئے تو
کرتی ہوائے دید سے پارہ ترا حجاب اور
کرتی نگاہ شوق ہے پردہ کشی بروئے تو
تیری تلاش ہے مجھے یا میں تلاشِ خود میں ہوں
عقل و دل و نظر ہیں سب گم شدگانِ کوئے تو
غنچہ ترے چمن کا ہوں، دل دہی کہ ذرا مری
دینے سے ژالے ایک دو گھٹتی نہیں ہے جوئے تو

○

دمادم نقش ہائے تازہ ریزد
بیک صورت قرار زندگی نیست
اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است
بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست

دمادم نقش ہائے تازہ و نو
نہ یک صورت قرار زندگی ہے
اگر ہے آج کل جیسی تو تجھ میں
نہیں کوئی شرارِ زندگی ہے

○

چوں ذوقِ نغمہ ام در جلوت آرد
قیامت افگنم در محفلِ خویش
چوں می خواہم دمے خلوت بگیرم
جہاں را گم کنم اندر دلِ خویش

مرا ہو ذوقِ نغمہ گر بہ جلوت
کروں محشر بپا در محفل خویش
اگر مل جائے کچھ تھوڑی سی خلوت
جہاں کو گم کروں اندر دلِ خویش

○

چہ می پرسی میانِ سینہ دل چیست
دل از ذوقِ تپش دل بود لیکن
چوں یکدم از تپش افتاد گِل شد

ہے سینے میں، نہ پوچھ، اک چیز کیا دل
بنایا دل کو دل ذوقِ تپش نے
تپش کھوئی اگر اس نے، ہوا گِل

○

Ham sukhan Sanj haen Shaida kay Tarafdar Naheen

ہم سخن سنج ہیں
شیدا کے طرفدار نہیں

Hafiz & Khusro's ghazals in English Verse

By: Dr. Khalid Hameed Shaida, MD

Dr. Khalid Hameed Shaida, MD who has already published the Urdu translation in verse of most of the ghazals of Khusro, Hafiz, Ghalib, and Iqbal, each in attractive book form, and which has been well received, is now engaged in transferring Hafiz & Khusro's ghazals in English verse. Interested readers can view it in the following ways:

1. Logging on to URL: http://writing.com/authors/khalmeed
2. Searching through Google under:

English and Urdu Translation of
HAFIZ and KHUSRO

In recognition of his literary services the highly acclaimed literary periodical **"SURAJ"** of Lahore has published an over 700 page special issue called **"Dr Khalid Hameed Shaida Number"** (Rs. 400). Coming Soon ...... Volume II of this issue will carry English translation of Hafiz, Khusro, Iqbal and Ghalib in addition to the Persian text and Urdu translation. It would be spread over 1000 pages and will be a precious gift for the lovers of poetry and literature. A unique feature of this publication will be the paintings based on couplets of Hafiz Shirazi.

It can be purchased from :

SURAJ PUBLISHING BUREAU
2/12, Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore-Pakistan. Tel: +92-42-7146970, 6280305

rendering are quite graceful. One succeeds in reaching out the essential 'content' of the poetry having the resonance of the music of Khurau's thoughts.

Dr. Khalid Hameed Shaida has succeeded in retaining Khusrau's 'content' as a good part of the sweetness of language I can't say whether an English man having mastery over Persian languages like Browne couldn't excel this translation. Yet it is also a fact that Dr. Khalid Hameed Shaida brings to his effort all that a person very close to the Persian tradition has also succeeded to make his translation a landable rendition. He has done full justice to the translation of Khusrau's poetry in Urdu as well.

Following are some of Dr. Shaida's translations from Persian to English.

The fire of love is very , very nice.

The hell is better than the Paradise.

اے شوخ تاتو در دل من جائے کردہ ای
ایں است دوزخے کہ زخلد بریں بہ است

Me, O Preacher, please don't hate

If I'm a toper it is my fate.

مرا بہ مستی معذور دار، اے ہشیار
کہ ایں زم نہ در دست اختیار من است

I know my heart, you suffer with pain

May be with you she 'll come & meet

بسوختم ز دل وہم بہ پیش دل گفتم
کہ روز ایں دل بدروز من بلائے من است

Her mouth's the source of life spring
The dead to life her kiss can bring.

گرفت خط لب چو آب زندگانی او
بسان سبزه که لب ہائے آب را بگرفت

When sees the moon her shine and grace
Behind the clouds it hides its face.

ز غیرت رخ او آفتاب خواست ز چرخ
فروشدن که ذنب آفتاب را بگرفت

So love from your heart you cannot erase
Especially, Khusru when you see her face.

چند گوئی که فراموش کن اوراسا خسرو
آخر ایں روئے نگواز دل چوں خواہد رفت

I hope that readers will enjoy the translations of the above couplets and treat it is a gift from some one who has tried to enthrall the lovers of Persian poetry. Needless to say that Dr. Khalid Hameed Shaida had a successful experience of rendering Ghalib's Persian poetry into Urdu with great success. His translation has been hailed as a delightful effort. He has also translated a selection of ghazals of such great luminaries as Hafiz of Shirazi, Saadi and Iqbal and he is naturally equipped to do more justice to Amir Khusrau because one's competence to do justice to Haifiz, Saadi, and Iqbal could serve as a good enough elation to take up Khusrau, Leonardo da Vinci of India, as the next challenge following is the translation of Khusrau's ghazals.

Amir Khusrau has used only 11 metrical schemes with 35 distinct divisions. He has written Ghazal, Masnavi, Qata, Rubai. Do-Beti and Tarkibhand.

Quite a few Persian & Urdu Tazkirahs of poetry have discussed Amir Khusrau's art. Prominent among the writers of those Tazkirahs are Maulana Abdur Rehman Jami, Daulat Shah Samarqandi, Dara Shikoh, Abdul Haq Muhaddis of Delhi, Zaman Khan Sher Khan Lodhi, Mardan Ali Khan, Maulana Hussain Dost, Mir Taqi Mir, Qaim Chandpuri, Lachmi Narain Shafiq, Ghulam Ali Azad Bilgrami, Mir Hasan Dehalvi, Raza Quli Khan of Teheran and Nawab Siddiq Ali Khan.

Allama Iqbal has paid great tribute to Amir Khusrau in Bab-I-Jibreel some of the couplets are:

پنپ سکا نہ خیاباں میں لالہ دل سوز
کہ ساز گار نہیں یہ جہان گندم وجو
رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ وشیریں ہے نغمہ خسرو

(کلیات اقبال اردو ص336)

Another Stanza is as follows:-

تھے شاعر نامدار حضرت خسرو
سب شعرا کی ہے پکار حضرت خسرو
دنیا کا چمن ہرا بھرا تھا جن سے
اس دنیا کی تھے بہار حضرت خسرو

So Khalid Hameed Shaida's translation of the pick of Khusrau's hazels is a tribute to the "Spring of the World" in Iqbal's words and it is praise worthy that Dr. Shaida's

Persians Ghazals Khaild Hameed Shaida appears to be a competent fan of Khusran's Persian Ghazals which he deemed to be no less in craft and grandeur than the ghazals of any poet of his age.

It is said that translation of poetry for one language to another is well high impossible. All that's possible is the truthful rendering of the "content" of poetry from one language to the other. Yet some translators have the capability of having access to a poet's 'essence' and succeed in good measure by translating it in the language of translation. It is really surprising that Dr. Khalid Hameed Shaida has kept in view the English reader's concern for the authentic use of the English idiom in the translated version because it is only through the help of the English idiom that the approximate equivalence of the original could be appreciated. Many a translators translate a language's idiom into another without realizing that it was not possible to translate idiomatic or colloquial languages without 'killing' the spontaneity of expression. Hence it is better to translate the idioms of a language into their nearest possible authentic equivalents so that it was not like swimming the 'roughs' of inhospitable waters.

Amir Khusrau brought about some modifications in the metrical schemes of Persian poetry. Thanks to the work of masters like him and Sultan Husain Sharqi the two streams of Perso-Arabic and Indian music mingled more closely than was possible at Baghdad. The fusion is now the national music of India. However, Khusrau stuck to the original Persian Bahurs as far as possible so that he was respected by the Persian for his mastery.

(1246-87). Khusrau was, thus, half Indian from his mother's side. He spent some of his time in Qudh before being attached with Prince Bughra Khan, the governor of Samana and later of Bengal and subsequently to Prince Muhammad, the heir designate of Balban, who maintained a magnificent court at Multan (Pakistani Punjab).

In 1285, after Prince Muhammad lost his life in a skirmish with the Mangols, he moved to Delhi. Balban's youthful successor Kaikabad was Khasrau's first royal patron. Besides Balban Khusrau saw seven different rulers on the throne of Dehli but his own loyalty was to the Muse.

Apart from lyrics, qasidas, five books written in reply to Nizamis Khamsa, he also wrote poems relating to contemporary event. Qiran-us Sadain, completed in 1289, gives an account of the historic meeting of Bughra Khan & Kaikubad an the bank of the river Sarju and contains an interesting description of Dehli of those days. Miftah-ul-Futuh (1291) is a versified account of the exploits of Jalal ud Din Firuz Khalji. In Aashiqa (1315) Khusrau gave an account of the romance of the Gujrati Princess Dewal Rani and Prince Khizr Khan, son of Alauddin Khalji. The latter's conquests are the subject matter of Khazain-ul-Futuh (1311) in ornate prose, while Nuh Sipahr, completed in 1318, celebrates the reign Quthuddin Mubarak Shah.

In Nu-Sipahr Khusrau challenged the poets of Iran, and sang of his native land, its hoary past, its love of learning, its flowers and its fair and intelligent people. The Tughlaq Nameh describes the successful expedition of Ghiyas ud Din Tughlaq against the usurper Khusrau Khan. Khusrau has the distinction of composing quite a few Diwans of

AMIR KHUSRAU:
LEONARDO DA VINCI OF INDIA

By: Dr. Muhammad Ali Sidiqui

Amir Khusrau had been hailed as the Leonardo da Vinci of Indo-Pak subcontinent. Be it formal poetry or vignettes of folklore popular among the laity - specially womenfolk or music he was one of those innovators who introduced some ragas & invented musical instruments. As a poet he has left a voluminous heritage in Persian gazal and many Masnavis. Amir Khusrau wrote poetry in Rekhta, a precursor of the modern day Urdu. Quite a few of his ghazals have the mixed vocabulary of Persian and Rekhta besides marriage songs, Keh Mukarnis and Dohas in a diction which is still current in the rural areas of Northern India. It is for this reason that he is accorded the honor of being the pioneer of Urdu. As a mystic he is a devotee of Shah Nizamuddin Aulia, a Chishti saint of late 13th & early 14th century.

Dr. Khalid Hameed Shaida's translation of a selection of Amir Khusrau, ghazals in English should come as a gift for all those who have gone through many works on Khusrau specially Dr. Waheed Mirza and Dr. Tara Chand's in Endligh and Prof. Mumtaz Husain's work in Urdu.

Amir Khusrau was born in 1251 in Patiali (near Badaun, U.P India). His father was a junior Turkish officer under iltutmish and had married a daughter of Rawat Arz, the famous war minister of Balban a king of the salve dynasty

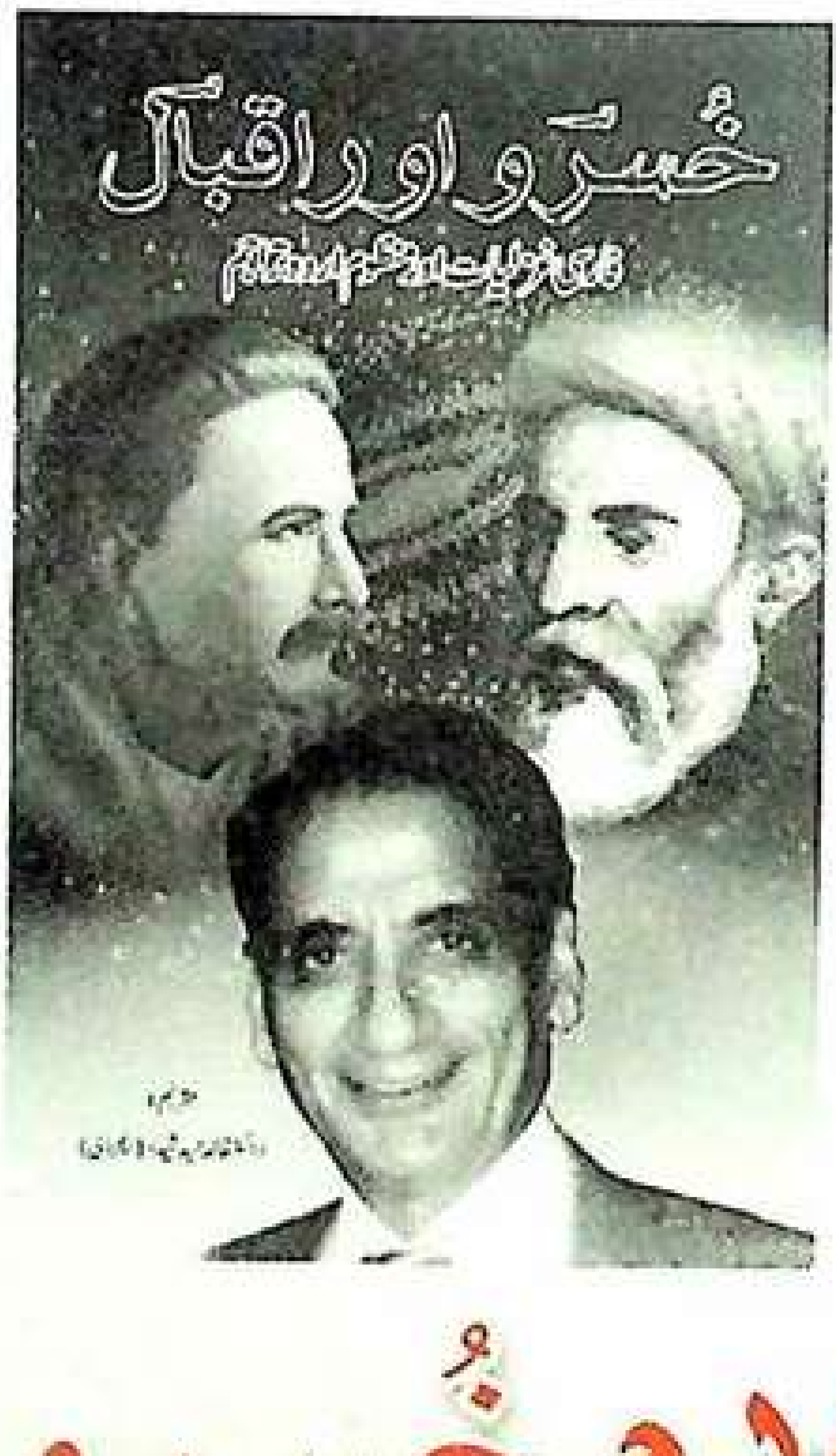

خسرو اور اقبال

کلامِ خسرو (فارسی)

منظوم اردو ترجمہ

والدہ مرحومہ

الطاف جہاں بیگم

کے نام

یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے

بصدائے دردمندے، بنوائے دلپذیرے
خمِ زندگی کشادم بجہانِ تشنہ میرے

۱

ابر می بارد و من می شوم از یار جُدا
چوں کنم دل بہ چنیں روز ز دلدار جُدا

ابر و باران و من و یار ستادہ بہ وداع
من جُدا گریہ کناں، ابر جُدا، یار جُدا

سبزہ نوخیز و ہوا خرم و بُستاں سرسبز
بُلبلِ روی سیہ ماندہ ز گلزار جُدا

دیدہ از بہرِ تو خُونبار شد، اے مردمِ چشم
مردمی کن، مشو از دیدۂ خونبار جُدا

نعمتِ دیدہ نخواہم کہ بماند پس ازیں
ماندہ چوں دیدہ ازاں نعمتِ دیدار جُدا

دیدہ صد رخنہ شد از بہرِ تو، خاکے ز رہت
زُود برگیر و بکن رخنۂ دیوار جُدا

حسنِ تو دیر نپاید چوں ز خسروؔ رفتی
گل بسے دیر نماند چوں شد از خار جُدا

ابر و باراں میں جو مجھ سے ہے مرا یار جُدا
کیسے موسم میں ہُوا دل سے ہے دلدار جُدا

قابلِ دید ہے برسات میں ہنگامِ وداع
مَیں کروں گریہ جُدا، ابر جُدا، یار جُدا

سبزہ نوخیز و ہوا خرم و سرسبز چمن
بُلبلِ زار سے کس وقت ہے گلزار جُدا

دیدہ خُونبار ہے تیرے لئے اے نُورِ نظر
کر رحم، خود سے نہ کر دیدۂ خُونبار جُدا

نعمتِ چشم ہے بیکار خدایا ساری
چشم سے میری ہو گر نعمتِ دیدار جُدا

دیدہ ہو جائے گا صد رخنہ مرا زنداں میں
ہو گا دیوار سے گر رخنۂ دیوار جُدا

قُرب سے اتنا بھی محرُوم نہ رکھ خسروؔ کو
گل نہیں رہوے ہے گل، ہووے اگر خار جُدا

۲

صد ہزاراں آفریں، جاں آفرینِ پاک را
کافرید از آب و گل سروے چو تو چالاک را

تلخ می گوئی و من می بینمت از دور و بس
زہر کے آید فرو گر ننگرم تریاک را

غنچۂ دل تہ بہ تہ بے گل رُخاں خوں ست، ازانک
بوستاں زنداں نماید، مردمِ غمناک را

چوں ترا بینم، ہم از چشمِ خودم در رشک ازانک
کرد تردامن رُخت ایں چشم ہائے پاک را

شہ سوارا! عیبِ فتراک است صیدِ چوں منے
گاہِ بستن عذر خواہی کن زمن فتراک را

چوں دلم زد چاک شد، اے پند گو راضی نیَم
از رگِ جانِ خود ار دوزی دریں دل چاک را

نالۂ جاں سوزِ خسرو کو بہ دلہا شعلہ زد
رحمتے ناموخت آں سنگیں دلِ ناباک را

صد ہزاراں آفریں، جاں آفرینِ پاک کو
خاک سے جس نے بنایا اس بُتِ چالاک کو

گالیاں دیتی ہے جب مَیں دیکھتا ہوں اسکے لب
زہر پی سکتا نہیں، دیکھے بِنا تریاک کو

غنچۂ دل تہ بہ تہ بے گل رُخاں ہوتا ہے خُوں
بوستاں زنداں لگے ہے مردمِ غمناک کو

رشک آتا ہے مجھے آنکھوں پہ اپنی، دیکھ کر
کیا ملی تردامنی ہے چشم ہائے پاک کو

عذر خواہی کر تُو اے صیاد جانب سے مری
باندھنے سے صید مجھ سا، عار ہے فتراک کو

چاک دل پر ناز ہے، راضی نہیں اے پند گو
تُو رگِ جاں سے بھی اپنی گر سیئے اس چاک کو

نالۂ جاں سوزِ خسرو گرچہ پگھلاتا ہے دل
نرم کر سکتا نہیں اس سنگ دلِ بے باک کو

۳

گر از مے تلخ می کن آں دو لعلِ شکر افشاں را
کہ تا ہر کس بہ گستاخی نبیند آں گلستاں را

کنم دعویِ عشق یار و آنگہ زو وفا جویم
زہے عشق ار بہ رشوت دوست خواہم داشتن آں را

بزن، تا زود تر زاں شعلہ خاکستر شود جانم
نفس بکشایم و دم میدہم سوزاکِ پنہاں را

از او یارب نپرسی ور مرا سوزی بجائے او
چوں سیری نیست از آزارِ خلق آں ناپشیماں را

بیار آں نامۂ مجنوں کہ گیرد سبقِ رسوائی
بہ خونِ دل چوں خسرو شُست لوحِ صبر و ساماں را

کرے گر تلخ مے سے تُو دو لعلِ شکر افشاں کو
نہ دیکھیں لوگ شوخی سے رُخِ رشکِ گلستاں کو

کِیا ہے عشق کا دعویٰ، ملے تا کہ وفاداری
مَیں کیسے دے کے رشوت مانگتا ہوں لُطفِ جاناں کو

بغیرِ شعلۂ رخسار ہو گی جاں نہ خاکستر
نفس سے یُوں تو میں بھڑکا رہا ہوں نارِ پنہاں کو

جلا اس کی جگہ دوزخ میں مجھ کو اے خدا، گرچہ
پسند ہے مردمِ آزادی بہت اس ناپشیماں کو

دے اس کو نامۂ مجنوں کہ لیوے درسِ رسوائی
کہ خسرو خون سے دھوتے ہے لوحِ صبر و ساماں کو

۴

بیم است کہ سودایت دیوانہ کند مارا
در شہر بہ بدنامی افسانہ کند مارا

بہر تو ز عقل و دیں بیگانہ شدہ آرے
ترسم کہ غمت از جاں بیگانہ کند مارا

زاں سلسلۂ گیسو منشورِ نجاتم دہ
زاں پیش کہ زنجیرت دیوانہ کند مارا

من مے زدۂ دوشم شاید کہ خیالِ تو
امروز بیک ساغر مستانہ کند مارا

چوں شمعِ بتاں گشتی بیش آئی کہ تا خسرو
بر آتشِ روئے تو پروانہ کند مارا

ڈر ہے نہ کہیں اُلفت دیوانہ کرے ہم کو
بدنامی سے شہروں میں افسانہ کرے ہم کو

بیگانۂ عقل و دیں، ہم ہو گئے، پر ڈر ہے
غم تیرا نہ اب جاں سے بیگانہ کرے ہم کو

اے سلسلۂ گیسو منشورِ رہائی دے
قبل اس کے اسیری اور دیوانہ کرے ہم کو

ہیں مے زدۂ دلشب، اِک تیرا تصوّر ہی
امروز بیک ساغر مستانہ کرے ہم کو

ہے شمعِ بتاں تیرا معشوق جو، اے خسرو
صرف اس کا تصوّر ہی پروانہ کرے ہم کو

۵

صبا تو کرد باغ و بوستاں را
پیالہ داد نرگس ارغواں را

صبا تازہ رکھے ہے بوستاں کو
پیالہ دیوے نرگس ارغواں کو

سحرگاہاں چکد از قطرۂ ابر
گلو تر گشت مرغِ صبح خواں را

گلو تر کر دیا، بادل نے قطرہ
دیا جب ایک مرغِ صبح خواں کو

مگر بوسے نمی خواہد ز سوسن
کہ غنچہ تنگ میگیرد دہاں را

نہیں ہے خواہشِ بوسہ اسے کیا
کہ غنچہ تنگ رکھتا ہے دہاں کو

نگارا بلبل اینک میکند بانگ
رواں کن در چمن سروِ رواں را

سنی تو نے نہیں کیا بانگِ بلبل
رواں کر باغ میں سروِ رواں کو

مرا گفتی مبیں در من بہ گل بیں
بہ گل نسبت مکن روئے چناں را

نہ دے رخسار کو تشبیہ گل سے
گلوں سے کیا ہے نسبت گل رخاں کو

جوانی می رود از دست بر باد
برو لنگر بنہ رطلِ گراں را

جوانی ہے مری برباد ساقی
کہیں سے لے کے آ رطلِ گراں کو

گل اندک عمر و چنداں باد در سر
چگونہ خندہ ناید گلستاں را

گلِ کم سن کی مغروری جو دیکھے
ہنسی کیونکر نہ آئے گلستاں کو

بباغِ مجلسِ خود ہمچو بلبل
نگہ کن خسروِ شیریں زباں را

ہے بے رونق یہ تیرا باغِ مجلس
بلا پھر خسروِ شیریں زباں کو

٦

چوں بکشائی لبِ شکر شکن را
لبالب در شکر گیری سُخن را

بست گوید دلیری کن بہ بوسے
مرا زہرہ نباشد صد چومن را

بہ دل آتش زدی و میدہی دم
بخواہی سوخت جانِ ممتحن را

شدی در بوستاں روزے بہ گلگشت
نمودی روی خوبانِ چمن را

ق
دو دیدہ نیست نرگس را کہ بیند
از آنکہ باز روئے یاسمن را

دلے از سنگ نبود چو دلِ تو
بتِ سنگینِ یغما و ختن را

دلِ خسرو شکستی آہ گر من
کنم آگاہ شاہِ بت شکن را

خدا رکھے لبِ شکر شکن کو
بھرے شکر سے ہے جوہر سُخن کو

دلبری مانگتی ہے بوسہ بازی
میں لاغر کس طرح چوموں دہن کو

لگا کے آگ بھڑکانا دما دم
کرے اور سوختہ جاں ممتحن کو

خراماں آکے تُو نے بوستاں میں
دکھایا رُخ جو خوبانِ چمن کو

ہوئی کچھ ایسی خیرہ چشمِ نرگس
کہ دیکھا پھر نہ اس نے یاسمن کو

نہ سنگیں دل ملا ہے تیرا جیسا
بتِ سنگینِ یغما و ختن کو

شکستہ دل سے اپنے کیسے خسرو
کرے آگاہ شاہِ بت شکن کو

۷

درآمد در دل آں سلطانِ دل ہا
دلِ من زندہ شد زاں جانِ دل ہا

ہمی کارد بکویش تخمِ جانِ خلق
کہ می بارد ازاں بارانِ دل ہا

زبس دلہا کہ در کوئے تو افتاد
شدہ زاغ و زغن مہمانِ دل ہا

بگویم دردِ خود کس را کہ نشناخت
طبیبِ کالبد درمانِ دل ہا

تو مے خور گرچہ مشتاقاں کباب اند
بہ روئے آتشِ سوزانِ دل ہا

دلِ خسروؔ شد از نو بُت پرستے
تو تا بردی ہمہ ایمانِ دل ہا

تو آئے دل میں گر سلطانِ دل ہا
ہو زندہ پھر سے یہ اے جانِ دل ہا

ترے کوچہ میں بو کر تخمِ جاں کو
کرے ہے خلق کیا بارانِ دل ہا

گلی میں تیری بکھرے دیکھ کر دل
ہوئے زاغ و زغن مہمانِ دل ہا

کہوں کیا حالِ دل ملتا نہیں جب
طبیبِ جسم سے درمانِ دل ہا

ہوئے جل کے کباب عشاق تیرے
ہے کیسی آتشِ سوزانِ دل ہا

دلِ خسروؔ میں آئی بُت پرستی
تو لے کر جب گیا ایمانِ دل ہا

۸

نہے وصفِ لبت ذکرِ زباں ہا
دہانت در سخن اکسیرِ جاں ہا

چوں می خندد لبِ شکر فشانت
زحیرت باز می ماند دہاں ہا

فلک را آہِ مظلومے چو من سوخت
چرا آتش نبارد ز آسماں ہا

شبے کردم بہ بُستاں نالۂ درد
رہا کردند مرغاں آشیاں ہا

ازیں رہ رفت خسرو، خلق گویند
چوں بینند جا بہ جا از خوں نشاں ہا

بنا ہے وصفِ لب ذکرِ زباں ہا
دہاں میں ہر سخن اکسیرِ جاں ہا

لبِ شکر فشاں پر دیکھ خندہ
کھلے حیرت سے کتنے ہیں دہاں ہا

جلائیں جب انہیں آہیں ہماری
نہ کیوں برسائیں آتش آسماں ہا

مری فریاد سُن کر گلستاں میں
رہے مرغاں نہ اندر آشیاں ہا

کہا، گزرا یہاں سے پھر ہے خسرو
جو دیکھے راہ میں خوں کے نشاں ہا

٩

بشگفت گلہا در چمن، اے گلستان من بیا
سروِ ایستادہ منتظر، سروِ روانِ من بیا

از گریۂ من ہر طرف، پُر لالہ و گل شد زمیں
وقتے بہ گلگشت اے صنم، در گلستانِ من بیا

حیف است دیدن بے رُخت، در بوستاں آخر گہے
اے گل، نہاں از باغباں، در بوستانِ من بیا

ہر طرۂ تو آفتے، ہر نرگسِ تو فتنۂ
گرچہ بلائے عالمی، از بہرِ جانِ من بیا

تلخے کہ گوئی نیست آں از تلخیٔ ہجرت فزوں
با ایں ہمہ تلخیٔ خود، شکر فشانِ من بیا

دانی کہ ہستم در جہاں، من خسروِ شیریں زباں
گر نائی از بہرِ دلم بہرِ زبانِ من بیا

گل ہیں کھِلے اندر چمن، اے گلفشاں آ جا ذرا
ہیں سرو تیرے منتظر سروِ رواں آ جا ذرا

اشکوں سے میرے ہر طرف تازہ و تر لالہ و گل
گلگشت کرنے اے صنم، در گلستاں آ جا ذرا

تیرے بنا اے گلفشاں، ویراں ہے سارا گلستاں
اے گل، نہاں از باغباں، در بوستاں آ جا ذرا

زلفوں میں ہے زحمت تری آنکھوں میں ہے آفت تری
ہے پُر بلا اُلفت تری، لینے کو جاں آ جا ذرا

ہے تلخ تُو اس سے مگر ہے تلخیٔ فرقت فزوں
سب لے کے اپنی تلخیاں، شکر فشاں آ جا ذرا

عنقا سخن، نادر بیاں، ہیں خسروِ شیریں زباں
گر بہرِ دل آئے نہ یاں، بہرِ زباں آ جا ذرا

۱۰

گنجِ عشقِ تو نہاں شد در دلِ ویرانِ ما
میزند زاں شعلہ دائم آتشے در جانِ ما

اے طبیب از ما گذر، درمانِ ہجرِ ما مجوی
تا کند جانانِ ما، از لطفِ خود درمانِ ما

یوسفِ عہدِ خودی تو، اے صنم با ایں جمال
میرسد شاہی ترا بر دلبراں سلطانِ ما

دی خراماں در چمن، ناگہ گذشتی لالہ گفت
نیست مثلِ آں صنوبر در ہمہ بستانِ ما

از تب و تابِ غمِ ہجراں چوں مارا دل بسوخت
خود نگفتی، ایں گدا چون ست در ہجرانِ ما

چشمِ ما می گرید از سوزِ غمت شب تا بروز
ہیچ رحمے نایدت بر دیدۂ گریانِ ما

میکنم شادی کہ گفتا غمزہ ات از ناز دوش
خسروا نزدیکِ آں شو، تا شوی قربانِ ما

شعلۂ الفت نہاں اندر دلِ ویرانِ ما
کیسے چپکے سے لگاتا آگ ہے در جانِ ما

اے معالج چھوڑ دے ہم کو ہمارے حال پر
تا کریں جانانِ ما، از لطفِ خود درمانِ ما

یوسفِ ثانی جو ہے تو، حسن کی دولت سے کر
بادشاہی بر دیارِ دلبراں، سلطانِ ما

تو جو آیا کل خراماں، لالہ و گل نے کہا
ہے نہ اس سا سرو کوئی در ہمہ بستانِ ما

از تب و تابِ غمِ ہجراں جلے ہم، تو کہا
حشر ہوتا ہے یہی سب کا درونِ ہجرانِ ما

روز و شب کرتے ہیں گریہ غم میں تیرے اور تجھے
رحم کچھ آتا نہیں بر دیدۂ گریانِ ما

دید کے قابل تھا میرا حال، جب اس نے کہا
آ ذرا نزدیک خسرو اور ہو قربانِ ما

١١

در خمِ گیسوئے کافر کیش داری تارہا
بہرِ گمرہ کردنِ پاکانست ایں زنارہا

پردہ بردار از رُخے کاں مایۂ دیوانگی ست
کز دماغِ عاقلاں بیروں برد پندارہا

فتنہ و جور است و آفت کارزارِ حسنِ تو
حسن را آرے بود اینگونہ دست افزارہا

آشتی دہ بالبم لب را کہ آزارم بہ کام
کز پسِ آں آشتی خوش باشد ایں آزارہا

خارہائے در دل است و غنچہ ہائے خوں بر آں
چوں کنم چوں خود جز ایں گل نشکند زیں خارہا

ہست در کوئے تو بُستاں ہائے غم تا بنگری
سبزہ ہا کز گریہ رُستہ از تہِ دیوارہا

گفتمش جاں می کنم خوں می خورم بہرِ تو گفت
خسروا مشتاق را جز ایں نباشد کارہا

در خمِ گیسوئے کافر کیش تیرے تار ہا
بہرِ گمراہیِ پاکاں ہیں یہ سب، زنار ہا

پردہ چہرے سے اُٹھا، تا مایۂ دیوانگی
یہ نکالے مغزِ ہشیاراں سے کچھ پندار ہا

فتنہ و آشوب و آفت کارزارِ حسن میں
حسن کے ہیں پاس کیسے دیکھیئے اوزار ہا

لعلِ لب سے دے مری تشنہ لبی کو آشتی
تا کہ ہوں اس آشتی سے کم مرے آزار ہا

دل مرا ہے خارِ خار اور خون غازہ خار کا
آ کے، اے گل کر تو کم کچھ میرا دردِ خار ہا

میرے اشکوں نے بنایا بوستاں کوچہ ترا
اُگ رہا ہے کیسا سبزہ از تہِ دیوار ہا

خون پیتا اور مرتا دیکھ کر اس نے کہا
ہیں نہ خسرو عاشقوں کو ان سوا کچھ کار ہا

۱۲

خبرت ہست کہ از خویش خبر نیست مرا
گذرے کن کہ ز غم راہگذر نیست مرا

گر سرم در سرِ سودات رَوَد نیست عجب
سرِ سودائے تو دارم، غمِ سر نیست مرا

ز آبِ دیدہ، کہ بصد خونِ دلش پروردم
ہیچ حاصل بجز از خونِ جگر نیست مرا

محنتِ زلفِ تو تا یافت ظفر بر دلِ من
بر مرادِ دلِ خود، ہیچ ظفر نیست مرا

بر سرِ زلفِ تو زانرُوی ظفر ممکن نیست
کہ توانائیے چوں بادِ سحر نیست مرا

دلِ پروانہ صفت گرچہ پر و بال بسوخت
ہمچناں ز آتشِ عشقِ تو اثر نیست مرا
تا کہ آمد رخِ زیبات بہ چشمِ خسرو
بر گل و لالہ کنوں میلِ نظر نیست مرا

ہے خبر تجھ کو کہ کچھ اپنی خبر ہے نہ مجھے
رہ خلاصی کی کوئی آئے نظر ہے نہ مجھے

ہے عجب کیا سرِ سودا میں کٹا سر میرا
سرِ سودا ہے ترا تو غمِ سر ہے نہ مجھے

آبِ دیدہ سے کہ رنگین کیا خوں سے جسے
کچھ بھی مقصود سوا خونِ جگر ہے نہ مجھے

کلفتِ زلف نے پائی ہے ظفر جب دل پر
بر مرادِ دلِ خود ہیچ ظفر ہے نہ مجھے

میں سرِ گیسوئے سرکش کو کروں کیسے سر
کہ توانائی تری بادِ سحر ہے نہ مجھے

دلِ پروانہ صفت کے ہیں جلے پر گرچہ
آتشِ عشق پہ کچھ زورِ اثر ہے نہ مجھے
جب سے آیا ہے نظر وہ رخِ گلگوں خسرو
گل و لالہ سے رہا میلِ نظر ہے نہ مجھے

۱۳

هر که زیرِ پیرهن بیند مرا
مردهٔ اندر کفن بیند مرا

جو بھی زیرِ پیرہن دیکھے مجھے
مردہ وہ اندر کفن دیکھے مجھے

خویش را من خود کسے دانم ولے
یار اگر از چشمِ من بیند مرا

خوب ہے تُو، دیکھ کر مجھ کو کہے
یار گر از چشمِ من دیکھے مجھے

نازنینا، زیں هوس مُردم که خلق
با تو روزے در سخن بیند مرا

نازنیں، ارماں ہے یہ دل میں مرے
خلق تجھ سے ہم سخن دیکھے مجھے

گر بیاید باز مرغِ نامه بر
طعمهٔ زاغ و زغن بیند مرا

آئے گر واپس پرندِ نامہ بر
طعمۂ زاغ و زغن دیکھے مجھے

جوئے خوں راند بجائے جوئے شیر
خسروم، گر کوهکن بیند مرا

جُو میں خوں لائے بجائے شیر کے
خسروا گر کوہکن دیکھے مجھے

۱۴

اے بہ بدی کردہ باز چشمِ بدآموز را
بیں بہ کمیں گاہِ چرخ، ناوکِ دلدوز را

ہر چہ رسد سر بہ سر زانکہ میسر نشد
نیکوئی آموختن ایں چرخِ بدآموز را

چوں تو شدی از میاں، از تو بروزِ دگر
جملہ فرامش کنند یاد کن آں روز را

خود چوں بدیدی کہ رفت عمر بسانِ پریر
از پئے فردا مدار حاصلِ امروز را

نقدِ تو امشب خوش است زانکہ چو فردا بروز
قدر نباشد بروز شمعِ شب افروز را

تُو جو کھولے ہے بدی سے چشمِ بدآموز کو
دیکھ ترکش میں فلک کے ناوکِ دلدوز کو

لے خوشی سے جو بھی ملتا ہے کہ آتی ہے نہیں
سیکھنی نیکی ذرا بھی چرخِ بدآموز کو

تو گیا جب، سب بھلا دیں گے تجھے روزِ دگر
یاد رکھے گا نہ کوئی صحبتِ دیروز کو

عمر پہ کرنا بھروسہ عاقلی کوئی نہیں
چھوڑ فردا پر نہ ہرگز حاصلِ امروز کو

نقدِ شب جو بھی ملے لے کہ دن نکلے ہے جب
پوچھتا کوئی نہیں ہے شمعِ شب افروز کو

۱۵

نوشیں لبے کہ لعلش نو کرد جامِ جم را
ہست از پئش خرابی درویش و محتشم را

شیریں لب جو کرتا تازہ ہے جامِ جم کو
برباد وہ کرے ہے درویش و محتشم کو

گفتی کہ از ہمی خور، من خود خورم و لیکن
اے گنجِ شادمانی اندازہ ایست غم را

ہم ہاتھوں ہاتھ لیویں دیوے تو جو بھی، لیکن
اے گنجِ شادمانی اتنا بھی غم نہ ہم کو

صوفی کہ لقمہ جوید، مشنو حدیثِ عشقش
کز دل نصیب نبود درماندۂ شکم را

صوفی جو لقمہ جو ہے، بے بہرہ عشق سے ہے
ملتا نہ دردِ دل ہے درماندۂ شکم کو

از حاجیِ بیاباں پرسید ذوقِ زمزم
چہ آگہی ز کعبہ پرّندۂ حرم را

صرف حاجیِ بیاباں رکھتا ہے ذوقِ زمزم
کعبہ سے آگہی کیا پرّندۂ حرم کو

ہست آرزوئے جاناں کز خلق رُو بتابم
من اختیار کردم خلوت گہِ عدم را

ہے آرزوئے جاناں ایسی کہ ڈھونڈتا ہوں
ہنگامۂ جہاں میں، خلوت گہِ عدم کو

چُوں کُشتی است بارے ور ہست بیش و کم
تسلیم کرد خسرو، بگذار بیش و کم را

سرمایہ دل کا سارا جب دیدیا ہے اس کو
اب چھوڑ دے تو خسرو اس فکرِ بیش و کم کو

١٦

گفتی ز دل بروں کن غم ہائے بیکراں را
تو پیشِ چشم وانگہ جائے گلہ زباں را

تا دل ز من ببردی از نالہ شب نخفتم
اے دُزد بشنو آخر فریادِ پاسباں را

بگذشت از نہایت بیخوابیِ من آرے
دشوار صبح باشد شبہائے بیکراں را

اندیشۂ جہانے بر جانِ من نہادی
وانگہ بہ لاغ گوئی اندیشہ نیست جاں را

رسوائے شہر گشتم ازبسکہ دیدۂ من
دمدم ہمی تراود خونائۂ نہاں را

از آہِ سوزناکم دُود از جہاں برآمد
بے تو جہاں چہ باشد آتش زنم جہاں را

آں روئے نازنیں را یکدم بسوئے من کن
تا بیشتر نہ بینم نسرین و ارغواں را

شاید اگر بخندد بر روزگارِ خسرو
آنکس کہ دیدہ باشد رخسارۂ چناں را

کر دل سے دُور میرے غم ہائے بیکراں کو
آ جا رہے نہ تاکہ جائے گلہ زباں کو

جھپکی نہ آنکھ جب سے تُو لے گیا مرا دل
سن راہزن کبھی تو فریادِ پاسباں کو

بے خواب ہوں بہت میں آتا ہو صبح ورنہ
کیا کام ہے سحر سے شب ہائے بیکراں کو

تُو جاں کو میری دے کر اندیشۂ زمانہ
پوچھے ہے فکرمندی کیوں اسقدر ہے جاں کو

رسوائے شہر ہوں میں کیسے رکھوں چھپا کر
پردے میں آنکھ کے اِک خونابۂ نہاں کو

ہر سو دھواں ہے دُنیا میں آہ سے کہ میں نے
تیرے بغیر ڈالا ہے بھاڑ میں جہاں کو

گر روئے نازنیں تُو اپنا مجھے دکھا دے
دیکھوں نہ پھر کبھی میں نسرین و ارغواں کو

کیونکر ہنسی نہ آئے لوگوں کو تجھ پہ خسرو
دیکھیں جو تیرے جیسے قربانِ بے زباں کو

۱۷

شفاعت آمدم اے دوست دیدۂ خود را
کنز و مپوش گلِ نو دمیدۂ خود را

رسید خیلِ غمت ورنہ ایستد جانم
کجا برم بدنِ غم رسیدۂ خود را

بگوش رہ ندہی نالۂ مرا چہ کنم
چوں ناشنیدہ کند کس شنیدۂ خود را

گسست رشتۂ صبرم چگونہ بر دوزم
شگافِ دامنِ دہ جا دریدۂ خود را

بہ چاہِ شوق فرو ماندہ ام خداوندا
فرو گذاشت مکن آفریدۂ خود را

درآئی باز بہ تن، اے دلِ پُر آتش من
بسوز ایں تنِ محنت کشیدۂ خود را

ز بادِ زلفِ تو شوریدہ بود از آں خسرو
بہ باد داد دلِ آرمیدۂ خود را

رکھا ہے چشم برہ میں نے دیدۂ خود کو
چھپا نہ اس سے گلِ نو دمیدۂ خود کو

کیا ہے قتل ترے خیلِ غم نے لیکن یہ
بتاؤں کیسے تنِ غم رسیدۂ خود کو

اثر فغاں میں ہو کسطرح میری جب اے جاں
تو ناشنیدہ رکھے ہے شنیدۂ خود کو

جو رشتہ صبر کا ٹوٹا مرا سیوں کیسے
شگافِ دامنِ دہ جا دریدۂ خود کو

ہوں چاہِ شوق میں آویختہ خداوندا
نہ چھوڑ قید میں اس آفریدۂ خود کو

پھر آکے اپنے وطن میں دلِ پُر آتش کچھ
جلا تُو اور تنِ کلفت کشیدۂ خود کو

بہ بادِ زلف ہوا یوں خراب خسرو نے
دیا بہ باد دلِ آرمیدۂ خود کو

۱۸

شناخت آنکہ غم و محنتِ جدائی را
بمیرد و نبرد سلکِ آشنائی را

بہ اختیار نگردد کس از عزیزاں دُور
ولے چہ چارہ کنم فرقتِ قضائی را

مکن بہ شمعِ مہ و مہر نسبتِ رخِ دوست
کہ فرق ہاست بسے نورِ آشنائی را

اگر مشاہدۂ نقد نیست نقد ایں است
خزینۂ شمر اے دوست بینوائی را

مخر بہ نیم جو آں صحبتے کہ با غرض است
کہ راحتے نبود صحبتِ ریائی را

وفائے یارِ موافق مگیر سہل کہ آں
مفرحے ست عجب بہرِ جانفزائی را

چو عاشقے بہ خرابات مست رَو اے دل
بہ اہلِ زہد بماں توبۂ ریائی را

چوں خسروؔ از فراق است ہر زماں دردے
ہوس نبرد خردمند دیرپائی را

جو جانتا ہے غم و کلفتِ جدائی کو
رکھے ہے دل سے پرے اپنے آشنائی کو

بہ زور و زر جسے حاصل ہو وصلِ جانانہ
وہ دُور کیسے رکھے فرقتِ قضائی کو

بہ شمعِ ماہ نہ کر نسبتِ رخِ جاناں
کہ ربط مہ سے نہیں نورِ آشنائی کو

جو پاس تیرے نہیں نقد و زر تو کیا غم ہے
خزینہ ایک سمجھ اپنی بے نوائی کو

نہ غرض صحبتِ باغرض سے رکھ، اے ہمدم
خرید جو سے نہ اک صحبتِ ریائی کو

وفائے یارِ موافق نہیں ملی تو کیا
جفا بھی کم نہیں کچھ تیری جانفزائی کو

تُو جا بسوئے خرابات مست و خوش اے دل
نہ تجھ سے کام ہے کچھ توبۂ ریائی کو

ہیں درد و کرب جو فرقت میں ہر زماں خسروؔ
ہوس میں مانگ نہ عاقل تو دیرپائی کو

۱۹

گذشت عمر و ہنوز از تقلب و سودا
نشستہ ام مترصد میانِ خوف و رجا

چو خاک بر سرِ راہِ امید منتظرم
کزاں دیار رساند صبا نسیمِ وفا

برائے کس چوں نگردد فلک پئے تقدیر
عنانِ خویش گذارم بہ اقتضائے قضا

کسے کہ بر درِ میخانہ تکیہ گاہے یافت
چہ التفات نماید بہ مسندِ دارا

خوش آں کسے کہ دریں دور میدہد دستش
حریفِ جنس و مئے صاف و گوشۂ تنہا

زبسکہ قصۂ دردم رود بہ ہر طرفے
چو من ضعیف شد از بارِ غم، نسیمِ صبا

درونِ پردۂ رنداں مخالفے چوں نیست
بیار ساقیِ عشاق، ساغرِ صہبا

غریقِ بحرِ محبت اگر شوی خسرو
درِ یقیں بکف آور ز قعرِ ایں دریا

ضعیف و پیر ہوں، دل میں ہے پر وہی سودا
ہے انتظار ترا اب تلک بہ خوف و رجا

مثالِ گردِ سرِ راہ انتظار میں ہوں
کہ لائے باد کبھی ساتھ کچھ نسیمِ وفا

نہیں ہے گردشِ گردوں میں کوئی دخل مجھے
قضا و قدر ہے سب، مجھ کو اختیار ہے کیا

بنایا جس نے درِ میکدہ ہو تکیہ گہ
نہیں ہے اس کے لئے کچھ بھی مسندِ دارا

ہے خوش نصیب زمانے میں وہ ملے جس کو
حریفِ جنس و مئے صاف و گوشۂ تنہا

ہوا جہاں میں کچھ ایسا ہے درد کا چرچا
کہ بارِ غم سے ہے مجھ سی ضعیف بادِ صبا

چھپا کے رند نہ پیتے ہیں آجکل ساقی
تجھے خبر نہیں کیا، لے کے آ خُمِ صہبا

غریقِ بحرِ محبت ہوا ہے گر خسرو
دُر و گُہر اسے دے گا ہزار یہ دریا

۲۰

اے باد برقع برفگن آں روئے آتشناک را
وے دیدہ گر صفرا کنم، آبے بزن ایں خاک را

اے دیدہ کز تیغِ ستم ریزی ہمی خوں دمبدم
یا جانِ من بستاں ز غم یا جاں دہ ایں غمناک را

ریزی تو خوں بر آستاں، شویم من از اشکِ رواں
کآلودہ دیدہ چوں تواں آں آستانِ پاک را

زاں غمزہ عزمِ کیں مکن، تاراجِ عقل و دیں مکن
تاراجِ دیں تلقیں مکن، آں ہندوئے بیباک را

آں دم کہ می پوشی قبا، مخرام از بہرِ خدا
پوشیدہ دار از چشمِ ما، آں قامتِ چالاک را

خسرو گدا ایں خس بود، گر سوزِ عشق از پس بود
یک ذرہ آتش بس بود صد خرمنِ خاشاک را

برقع کے اندر مت چھپا اس روئے آتشناک کو
غمزہ دکھا، عشوہ سکھا اک دیدۂ بیباک کو

آنکھوں سے خوں، تیغِ ستم تُو نے بہایا دمبدم
یا جان لے از فرطِ غم، یا جاں دے اک غمناک کو

آلودہ خوں سے آستاں، ہے کچھ یہاں اور کچھ وہاں
کر صاف اے اشکِ رواں اس آستانِ پاک کو

اے غمزہ عزمِ کیں نہ کر، تاراجِ عقل و دیں نہ کر
غم دے کے اور غمگیں نہ کر اک عاشقِ غمناک کو

تنگ اک پہن کر تُو قبا، ایسے نہ چل بہرِ خدا
یوں مت دکھا اے دلربا، اپنے قدِ چالاک کو

خسرو تُو ہے مانندِ خس، اور سوزِ الفت بیش و بس
اک شعلہ ہی کافی ہے بس، صد خرمنِ خاشاک کو

۲۱

اے شہسوار نرم ترکراں سمند را
بیں زیرِ پای دیدۂ ایں مستمند را

سرو بلند را نرسد دست بر سرت
ایں دست کے رسد بہ تو سروِ بلند را

پائے گریزم از شکنِ گیسوئے تو نیست
می کُش چناں کہ خواہی اسیرِ کمند را

پندِ کسم بہ دل نہ نشیند کہ دل ز شوق
پُر شد چناں کہ جائے نماندست پند را

در عاشقی ملامتِ خسرو بود چناں
بر ریشِ تازہ داغ نہی دردمند را

اے شہسوار کھینچ عنانِ سمند کو
یوں کر نہ پائمال دلِ مستمند کو

کوتہ دیا تھا ہاتھ مجھے اسقدر کہ میں
چھو بھی سکا نہیں ترے سروِ بلند کو

خوش جب ہے قیدِ زلفِ پریشاں میں دل مرا
کس کر نہ باندھ اتنا اسیرِ کمند کو

واعظ بھرا ہے شوق سے دل اسقدر مرا
ملتی ذرا بھی اس میں جگہ ہے نہ پند کو

کرتے ہیں یوں ملامتِ خسرو کہ دمبدم
دیتے ہیں زخم تازہ دلِ دردمند کو

۲۲

آوردہ ام شفیعِ دلِ زارِ خویش را
پندے بدہ دو نرگسِ خونخوارِ خویش را

مُردم کہ نازکی و گرانبار می شوی
جانم کہ بہ تو می فگند بارِ خویش را

از رشکِ چشمِ خویش نہ بینم رخِ تو من
تو ہم مبیں در آئنہ رخسارِ خویش را

آزاد بندۂ کہ بہ پایت فتاد و مُرد
و آزاد کرد جانِ گرفتارِ خویش را

بنمای قدِ خویش کہ از بہرِ دید نت
سر بر کنیم بختِ نگونسارِ خویش را

دشنامے از زبانِ توام میکند ہوس
تعظیم کن بہ ایں قدرے یارِ خویش را

چوں خسروؔ از دو دیدہ خورد خوں سزاگر
سازد نمک دو چشمِ جگر خوارِ خویش را

لایا بہ شوق ہوں میں دلِ زارِ خویش کو
سکھلا رحم تو دیدۂ خونخوارِ خویش کو

مرتا ہوں دیکھ کر ترے نازک مزاج کو
ڈالے نہ تجھ پہ غم مرا تا بارِ خویش کو

دیکھوں نہ رشکِ چشم سے اپنے میں رُخ ترا
تو بھی نہ دیکھ پرتوئے رخسارِ خویش کو

آزاد مرد ہے وہی آزاد جو کرے
قدموں پہ دے کے جان گرفتارِ خویش کو

آ تا کروں میں جلوۂ قامت کے واسطے
پھر سرفراز بختِ نگونسارِ خویش کو

دے کر تو گالیاں مجھے شیریں زبان سے
اعزاز بخش دے کبھی اس یارِ خویش کو

آلودِ خوں ہے خسروؔ تو کر تو بھی جانِ من
خونخوار اور چشمِ جگر خوارِ خویش کو

۲۳

بشگافت غم ایں جانِ جگر خوارۂ مارا
یارب چہ وبال آمدہ سیارۂ مارا

رفتند رفیقاں، دلِ صد پارہ ببردند
کردند رہا دامنِ صد پارۂ مارا

گر ہمرہِ ایشاں روی اے باد دراں راہ
زنہار بجوئی دلِ آوارۂ مارا

شبہا بہ دل از سوزِ جگر میکشدم آہ
آہ ار خبر ستی بتِ عیارۂ مارا

روزے نکند یاد کہ شب ہائے جدائی
چوں میگذرد عاشقِ بیچارۂ مارا

بوئے جگرِ سوختہ بگرفت ہمہ کوی
آتش بزن ایں کلبۂ خونخواۂ مارا

جز خستہ و افگار نخواہد دلِ خسرو
خوئے ست بدیں بختِ ستمگارۂ مارا

کیسی ہے بلا عشقِ جگر خوارہ ہمارا
کس برج میں یارب ہے یہ سیارہ ہمارا

کرنے کو دوائے دلِ صد پارہ، رفیقاں
کرتے ہیں رہا دامنِ صد پارہ ہمارا

اے باد چلے گر تو کبھی راہِ ہوس میں
مت چھیڑیو جا کر دلِ آوارہ ہمارا

بے تاب ہمیں دیکھ کے فرقت میں، وہ کیسا
کرتا ہے تغافل بتِ عیارہ ہمارا

پوچھے ہے ہمیں دیکھ کے ہجراں میں تڑپتا
مرتا نہیں کیوں عاشقِ بے چارہ ہمارا

بوئے جگرِ سوختہ نے کر دیا رسوا
اے برق جلا کلبۂ خونخوارہ ہمارا

خسرو ہمیں رکھتا ہے یہ مجروح دمادم
ظالم ہے بہت بختِ ستمگارہ ہمارا

۲۴

برو اے باد و پیشِ دیگراں دہ جلوہ بُستاں را
مرا بگذار تا می بنگرم آں سروِ خراماں را

بہ ایں مقدار ہم رنجے براں خاطر نمی خواہم
کہ از خونم پشیمانی بوَد آں ناپشیماں را

ورت بدنامی است از من، بیک غمزہ بکُش زارم
چرا بر خویش مشکل می کنی ایں کارِ آساں را

مپرس اے دل کہ چوں می باشد آخر جانِ غمناکت
کہ من دیریست کز یادش فراموش کردہ ام جاں را

ہنوز ایمان و دیں بسیار غارت کردنی دارد
مسلمانی میاموز آں دو چشمِ نامسلماں را

پریشانی کہ من دارم ز زلفت، ہم مرا بادا
چگونہ گوید ایں خسرو کہ آں زلفِ پریشاں را

نہ چھیڑ اے باد مجھ کو تو سجا جا کر گلستاں کو
میں آیا دیکھنے ہوں یاں بس اک سروِ خراماں کو

رفو کرتا ہوں زخموں کو میں آنے کی خبر سن کر
کہ کرتا خوں پشیماں ہے مرا اُس ناپشیماں کو

ہے اک غمزہ ہی کافی، قتل کرنے کے لئے مجھ کو
کرے مشکل ہے کیوں اتنا وہ ایسے کارِ آساں کو

نہ پوچھو دوستوں کچھ حال جانِ زارِ غمگیں کا
کہ اُس کی یاد میں رہتی خبر اپنی نہیں جاں کو

ہیں باقی اس کو کرنے اور بہت ایمان و دیں غارت
مسلمانی ابھی سکھلا نہ چشمِ نامسلماں کو

پریشاں زلف سے ہوتی ہے کم، خسرو پریشانی
پریشاں اور کرے کہہ باد سے زلفِ پریشاں کو

۲۵

برقع برافگن اے پری حسنِ بلا انگیز را
تا کلک صورت بشکند ایں عقلِ رنگ آمیز را

شب خوش نخفتم ہیچگہ زاں دم کہ بہرِ خونِ مِن
شد آشنائی با صبا آں زلفِ عنبر بیز را

بگذشت کار از زیستن خیز اے طبیبِ خیرہ کش
بیمارِ مسکیں را بگو، تا بشکند پرہیز را

شد عشق جانم را بلائے غمزۂ چشمِ صنم
قصابِ ما نامہرباں چہ جرم تیغِ تیز را

بو کز زکوٰۃِ حسنِ خود بینی بہ خسرو یک نظر
اینک شفیع آوردہ ام ایں دیدۂ خونریز را

پھینک دے برقع، دکھا حسنِ بلا انگیز کو
تا کرے معذورِ یہ ادراکِ رنگ آمیز کو

مرغِ بے پرِ دل کا ہے برباد، جب سے باد نے
آشنا اپنا بنایا زلفِ عنبر بیز کو

اے معالج جان سے جانے کو ہے بیمارِ دل
کر دوا دارو نہ اب کچھ چھوڑ دے پرہیز کو

نیم بسمل دل ہوا ہے غمزۂ چشمِ صنم
تیز اے قصاب کر کچھ اور تیغِ تیز کو

ہو زکوٰۃِ حسن میں خسرو پہ بھی نظرِ کرم
کر کے لایا ہے شفیع وہ دیدۂ خونریز کو

۲۶

بہرِ تو خلقے می کُشد آخر منِ بدنام را
بس می نیایم چوں کنم وہ ایں دلِ خود کام را

یک شب بہ بامے دیدمت آنگہ بہ یادِ پائے تو
رنگیں بساطے میکنم از خونِ دل آں بام را

خواہم کہ خونِ دل ہمہ در گردنِ جامت کنم
دانی چہ دولت میدہی ہر ساعت از لب جام را

تا چند ہر دم از صبا در جنبش آید زلفِ تو
آخر دمے آرام دہ دلہائے بے آرام را

نگرفت در تو سوزِ من اکنوں کہ خواہم چارۂ
دوزخ مگر پختہ کند ایں شعلہ ہائے خام را

من عاشقم اے پند گو نبود گوارا نم کہ تو
از عافیت شربت دہی جانِ بلا آشام را

گر کُشتہ شد خسرو ز غم تہمت چہ بر خوباں نہم
چوں چرخ خنجر می دہد در کشتنم بہرام را

اور یہ رسوا کرے ہے عاشقِ بدنام کو
کس طرح سمجھاؤں اپنے میں دلِ خودکام کو

جب سے دیکھا ہے نکلتا چاند تیرا، بام سے
خون سے کرتا ہوں زنگارنگ میں ہر بام کو

ہو وے ثابت گردنِ ساغر یہ ہے خوں قلب کا
ہاتھ میں لے کے تو دیوے جب ہے بوسہ جام کو

کر پریشاں زلف کو اتنا نہ اے دستِ صبا
لینے کچھ آرام دے دلہائے بے آرام کو

اور دے سوزِ دروں اے شمعِ دل افروز کچھ
تا کرے پختہ یہ دوزخ شعلہ ہائے خام کو

کر نہیں سکتی مداوا چارہ گر شیریں سخن
چاہیئے شربت نہیں جانِ بلا آشام کو

قتل کی تہمت مرے خسرو نہ خوباں پر لگا
دیوے خنجر چرخ ہے میرے لئے بہرام کو

٢٧

چوں در چمن روی از خندہ لب مبند آنجا
کہ تا دگر نکند غنچہ زہر خند آنجا

ہنس آ کے باغ میں رکھ اپنے لب نہ بند وہاں
کرے نہ تا کہ کوئی غنچہ زہر خند وہاں

کساں بکوئے تو پندم دہند و در جائے
کہ دیدہ روئے تو بیند، چہ جائے پند آنجا

ہزار دیتے نصیحت ہیں واعظاں مجھ کو
جو دل میں تو ہو تو کیسے ہو جائے پند وہاں

بہ خانۂ تو ہمہ روز بامداد بود
کہ آفتاب نیارد شدن بلند آنجا

مدام بام پہ رہتی ہے بامداد ترے
کہ ہو سکے ہے نہ سورج کبھی بلند وہاں

بہ شانہ شستِ تو می بافت زلفِ چوں زنجیر
مگر سخت کہ دیوانہ ایست چند آنجا

بنا کے زلف سے لے جا دراز زنجیریں
کہ مجھ سے اور ہیں دیوانہ ہائے چند وہاں

کجا روم کہ ز کوئے تو ہر کجا کہ روم
رسد ز جعدِ کمندت خمِ کمند آنجا

ہو قید سے کیسے کوئے بتاں میں آزادی
کہ پیچ زلف کی ہے جا بجا کمند وہاں

ز زلفش آمدی اے باد، حالِ دلہا چیست
چگونہ اند اسیرانِ مستمند آنجا

تو آئی زلف سے ہو کر ہے اے صبا، بتلا
کہ کس طرح ہیں اسیرانِ مستمند وہاں

بر آستانِ تو ہر کس، بہ رحمتے مخصوص
مگر کہ خسروِ بیچارہ دردمند آنجا

کرم ہے تیرا فقیرانِ آستاں پہ، ولے
نہ کوئی صورتِ خسرو ہے دردمند وہاں

۲۸

چوں خواہی بُرد روزے عاقبت این جانِ مفتوں را
کہ از گاہے بہ من بنمای بارے صنعِ بیچوں را

نخواہم داد دربان ترا بہرِ دروں زحمت
پسند است آنکہ بوسم گہ گہے دیوارِ بیروں را

دلِ من نامۂ درد است و خونِ دیدہ عنوانش
بس از غمازیٔ عنواں بروں بر حالِ مضموں را

شب آمد روزِ عیشم را و من با سوختہ جانی
ہمی جویم چراغ افروختہ آں روزِ میموں را

نہ شبہائے منِ بدروز از انسان ست بے پایاں
ولے یارب مبادا روزِ نیک آں زلفِ شبگوں را

تو آں مرغے کہ آزادی و در دامے نیفتادی
سزد گر شکر گوئی روز و شب بختِ ہمایوں را

چوں لیلیٰ بیند آں مجنوں شراب از خونِ خود نوشد
بہ از سنگِ ستمگاراں نباشد نُقل مجنوں را

ہمہ کس فتنہ شد بر گفتۂ خسرو مگر چشمت
اثر در جادواں ہرگز نباشد سحر و افسوں را

اگر محشر میں چاہے بخشنا جاں مجھ سے مفتوں کو
لحد پر آ مری لے کر تو اپنی صنعِ بے چوں کو

نہ دوں گا میں ترے دربان کو بہرِ دروں زحمت
مجھے کافی ہے بوسہ دینا اک دیوارِ بیروں کو

مرا دل نامۂ درد اور عنواں خون کے آنسو
کرے غمازیٔ عنواں ہے بیروں حالِ مضموں کو

گیا اک روزِ عشرت شب ہوئی تو ڈھونڈتا ہوں میں
چراغِ سوختہ جاں لے کے اپنی روزِ میموں کو

شبِ فرقت میں دن آتا نہیں جبکہ نظر مجھ کو
دکھا مت دن نکلتا بھی تو یارب زلفِ شبگوں کو

بچایا دام سے ہے اور دی ہے تجھ کو آزادی
ہے کم جتنا بھی دے تو شکر میں بختِ ہمایوں کو

نہیں ہے خو ہی پینے کی شرابِ خون، اے لیلیٰ
نہ کم ہے نُقل سے سنگِ ستمگاراں بھی مجنوں کو

گر ہے جادو سا سب پر گفتۂ خسرو مگر ہے کچھ
اثر چشمِ پُر افسوں پر نہ تیری اس کے افسوں کو

۲۹

دلم در عاشقی آوارہ شد، آوارہ تر بادا
تنم از بیدلی بیچارہ شد، بیچارہ تر بادا

بتاراجِ عزیزاں زلفِ تو عیاریئے دارد
بہ خونریزِ غریباں چشمِ تو عیارہ تر بادا

رُخت تازہ ست و بہرِ مُردنِ خود تازہ تر خواہم
دلت خارہ ست و بہرِ کشتنِ من خارہ تر بادا

گر اے زاہد دعائے خیر می گوئی مرا ایں گو
کہ آں آوارۂ کوئے بتاں آوارہ تر بادا

ہمہ گویند کز خونخوارئش خلقے بجاں آمد
من ایں گویم کہ بہرِ جانِ من خونخوارہ تر بادا

دلِ من پارہ گشت از غم نہ زاں گونہ کہ بہ گردد
و گر جاناں بدیں شاد است یا رب پارہ تر بادا

چوں با تر دامنی خو کرد خسرو با دو چشمِ تر
بہ آبِ چشمِ پاکاں دامنش ہموارہ تر بادا

ہے دل در عاشقی آوارہ اور آوارہ ہو جائے
ہوا تن رنج سے بیچارہ اور بیچارہ ہو جائے

بتاراجِ عزیزاں زلف ہے عیار گر اس کی
بہ خونریزِ غریباں چشم بھی عیارہ ہو جائے

ہے رخ تازہ تو بہرِ مرگِ من ہو اور بھی تازہ
ہے دل خارہ تو بہرِ قتلِ من اور خارہ ہو جائے

دعا کر یہ اگر کرنی دعائے خیر ہے زاہد
کہ اور آوارۂ کوئے بتاں آوارہ ہو جائے

ہے خونخواری سے اس کی خلق عاجز سب یہ کہتے ہیں
میں کہتا ہوں کہ یہ کچھ اور بھی خونخوارہ ہو جائے

ہوا دل پارہ پارہ میرا غم کی چوٹ کھا کھا کر
ہے خوش گر یار اس سے اور بھی یہ پارہ ہو جائے

ہوئی اشکوں سے گر تر دامنی کی خو ہے خسرو کو
تو دامن اس کا یا رب اور تر صد بارہ ہو جائے

۳۰

گرچہ بربود عقل و دینِ مرا
بد مگوئید نازنینِ مرا
گوشش از بارِ دُرِّ گراں گشتہ ست
نشنود نالۂ حزینِ مرا
آخر اے باغباں یکے بنمای
بہ من آں سروِ راستینِ مرا
کرمے میکند رقیبِ خنک
کہ بسوزد دلِ غمینِ مرا

عشق در کارِ خوبرُویاں کن
زہد و تقویٰ و کفر و دینِ مرا
خسروا بگذر از سرم کہ ز اشک
بیم غرق است ہمنشینِ مرا

ناز سے کیسے نازنیں میرا
جائے لے کر ہے قلب و دیں میرا
بارِ دُر گوش پر ہے تو کیوں ہو
نہ گراں نالۂ حزیں میرا
کس روش پر ہے باغ میں، بتلا
باغباں، سروِ راستیں میرا
اور ہو وے خنک، رقیبِ خنک
گر جلائے دلِ غمیں میرا

سب ہے بیکار الفتِ بت میں
تقویٰ و زہد و کفر و دیں میرا
چشمِ باراں نے کر دیا خسرو
خوفِ غرقہ ہے ہمنشیں میرا

۳۱

دیوانہ کرد زلفِ تو در یک نظر مرا
فریاد ازاں دو سلسلۂ مشکِ تر مرا

سنگیں دلِ تو سخت تر از سنگِ مرمر است
کوہِ غم است بر دل ازاں سنگ مرمرا

دی غمزۂ تو کرد اشارت بسوئے لب
تا بوسۂ دہد ز شکر خوب تر مرا

رُویت گل و لبت شکر و ایں عجب کہ نیست
جز دردِ سر بہ حاصل ازاں گل شکر مرا

چوں من ترا درونِ دلِ خویش داشتم
آخر چہ دشنہ داشتہ ای در جگر مرا

با خسروؔ وقت شمارِ وصال است ہر شبے
یک شب ہم از طفیلیٔ خسروؔ شمر مرا

مجنون زلف نے کیا دریک نظر مجھے
باندھے وہ تا بسلسلۂ مشکِ تر مجھے

سنگین دل ترا جو ہے خارہ سے سخت تر
کرتا ہے کوہِ غم سے شکستہ کمر مجھے

غمزے سے کر لبوں کو اشارہ کبھی کہ دیں
بوسہ جو نوش سے بھی ہو نوشین تر مجھے

گل رخ ترا ہے اور شکر لب، تو ہے عجب
دیوے سوا نہ درد ہے کچھ گل شکر مجھے

ہے دل نشین، چین سے رہتا نہیں مگر
دیوے ہے دل میں بیٹھ کر زخمِ جگر مجھے

مانا کہ ہے وصال کا خسروؔ ہی مستحق
یاد ایک شب بخاطرِ خسروؔ ہی کر مجھے

۳۲

ساقیا پیش آر جامِ باصفائے خویش را
روئے ما بین و بہ ما دہ رونمائے خویش را

کف چو گنبد ہا کند ہر دم صلائے نوش کو
تا ز ہر گنبد صدا یابی صلائے خویش را

کبک رفتارا یکے بخرام و پا بر لالہ سای
بے حنا کن لعلِ پائے لالہ سائے خویش را

دی شدی در باغ و گل از بہرِ گرد افشاندنت
کرد صد پرکالہ دامانِ قبائے خویش را

ہر طرف بہرِ مبادکبادِ نوروزِ بہار
می فرستد گل بکف کردہ صبائے خویش را

یکدم امروز از چمن ما را بہ مجلس راہ دہ
تا ستانیم از تو جامِ باصفائے خویش را

لا کبھی ساقی تُو جامِ باصفائے خویش کو
عکسِ رخ سے پھر ہمیں دے رونمائے خویش کو

گنبدِ کف دے صلائے نوش ہے ہر دم کر وہ
گردشِ آواز میں پائے صلائے خویش کو

آ خراماں اور کر کے لالہ سائی پاؤں سے
بے حنا کر لعلِ پائے لالہ سائے خویش کو

دیکھ کر تجھ کو چمن میں لالہ و نسرین نے
کر دیا پرکالہ دامانِ قبائے خویش کو

ہر چمن بہرِ مبارک بادِ نوروزِ بہار
بھیجتا ہے گل بکف کر کے صبائے خویش کو

لب پہ سب کے ہے گزارش یہ مکرر بزم میں
لا کبھی ساقی تُو جامِ باصفائے خویش کو

۳۴

بسکہ اندر دل فرو بُردم ہوائے نیش را
شعلہ افزوں تر بر آمد سوزِ داغِ خویش را

عشق گنجد در دلِ تنگ و نگنجد در جہاں
ویں سخن در دل نگنجد عقلِ دُور اندیش را

چاشنیٔ دردِ دل آنکس کہ نشناسد حقش
بر دلِ مجروحِ خود مرہم شناسد نیش را

گر بیک غمزہ نمُردم من، مکن خستہ دلم
ناوکے گر رفت کج، نتواں شکستن کیش را

پند گو کاید بریں دل سوختہ گوئی خس است
کو بہ اصلاحِ چراغ آید بسوزد خویش را

خسروا دیدہ فرو بند و مبیں روئے رقیب
زانکہ مرہم خوش نباشد دیدہ ہائے ریش را

دل میں رکھتا ہوں میں زندہ اک ہوائے نیش کو
تا کروں ہر دم زیادہ سوزِ داغِ خویش کو

عشق کی عالم میں گنجائش نہیں، گو دل میں ہے
بات یہ بتلا نہ ہرگز عقلِ دُور اندیش کو

چاشنیٔ دردِ دل جسکو نہ دے لذت، وہ پھر
کیوں دلِ مجروح پہ مرہم بنائے نیش کو

ایک غمزہ سے مرا گر میں نہ، دل خستہ نہ کر
گر ہوا ناوک خطا اک، توڑ مت تو کیش کو

شعلۂ الفت سے ناصح بچ مرے، چھو مت اسے
جو کرے اصلاحِ شمع ہے، وہ جلائے خویش کو

بند کر لے آنکھ خسروؔ، دیکھ مت روئے عدو
کر نہ زخمی اور اپنے دیدہ ہائے ریش کو

۳۴

بہار آمد و سبزہ نو شد بہ جو ہا
عروسانِ بُستان کشادند رُو ہا
گُلِ کوزہ بر شاخ می گوید اینک
کہ کوزہ زما و زمستاں سبو ہا

نگوید ز آزادگی ہیچ سوسن
چو بلبل ز مستی کند گفت و گو ہا

ازیں پس پیالہ بکف خوبرویاں
خرامندہ بینی بہ لب ہائے جو ہا

بہ ہر شاخ غنچہ دہن باز کردہ
ز خوباں فرو می خورد آرزو ہا

معطر ازاں می کند گل چمن را
کش از نظمِ خسرو ذخیرہ ست بو ہا

بہار آئی ہے سبزہ تر بہ جو ہا
عروسانِ چمن کے دیکھ رو ہا
کہے یہ شاخ پر ہے کوزۂ گُل
کہ دے مستوں کو مے اندر سبو ہا

حیا سے ہے خموش آزاد سوسن
کرے مستی سے بلبل گفتگو ہا

لئے ساغر بکف ہیں خوبرویاں
خراماں ناز سے کیسے بہ جو ہا

کرے ہیں دیکھ کر اندازِ خوباں
چمن میں عندلیباں آرزو ہا

معطر ہے گل و لالہ سے گلشن
کہ ان میں نظمِ خسرو کی ہیں بو ہا

۴۵

باشد آں روزے کہ بینم غمگسارِ خویش را
شادماں یابم دلِ امیدوارِ خویش را

شد دو چشم زانتظارش چار، در راہِ امید
چار جانب وقف کردم ہر چہارِ خویش را

شاید ار بر خاک خسپم ہمچو گل پُرخوں کنار
کز چناں سروے تہی کردم کنارِ خویش را

خاک می بیزم بہ داماں، چوں کنم گم کردہ ام
درمیانِ خاک دُرِ آبدارِ خویش را

مست گشتی چوں ترا پیمانہ پُر دادہ ست دوست
خیز و بستاں ساغر و بشکن خمارِ خویش را

دل کہ از جعدِ تو بد خوشد، نمی گیرد قرار
ساعتے بفرست جعدِ ہمچو مارِ خویش را

دیکھ پاؤں گر کسی دن غمگسارِ خویش کو
شادماں پاؤں دلِ امیدوارِ خویش کو

چار، دو آنکھیں مری ہیں جب رہِ امید میں
چار سُو میں وقف کر دوں اِن چہارِ خویش کو

بعدِ مدت ہاتھ آیا ہے کنارِ جُو پہ جب
سرو سے کیسے تہی کر دوں کنارِ خویش کو

چھانتا پھرتا ہوں خاک لِہ کیا جب سے ہے گم
درمیانِ خاک، دُرِ آبدارِ خویش کو

کر دیا ساقی نے ہے پُر تیرا پیمانہ اگر
مست ہو اور دُور کر مے سے خمارِ خویش کو

گر لیا ہے گنجِ دل میرا حفاظت کے لئے
دے اسے زلفِ سیاہ شکلِ مارِ خویش کو

۳۶

اے بے تو گلہائے چمن شستہ بخوں رخسار ہا
خاراست بے رخسارِ تو در دیدۂ گلزار ہا

شد پوستم بر استخواں چو چنگ خشک و از فغاں
رگہا نگر اینک بر آں، افتادہ، ہمچو تار ہا

ہر گہ کہ چوگاں باز داو، بازم بہ راہش سر چو گو
آرے مرا در عشقِ او، باشد ازیں سرکار ہا

تا چند چشمِ پُر زنم، در عشق خوں بادم ز غم
آرے کہ از غم شستہ ام من دست ازیں خوں بار ہا

پیکاں کہ بودے در دروں، با تیرِ خود کردی بروں
خورسندئے دارم کنوں، دل را بداں زنگار ہا

از دیدۂ اشکِ من رواں، آں سروِ دلجوئے کساں
خسرو چو بلبل در فغاں، او ہمنشیں با خار ہا

بن تیرے گلہائے چمن دھوئیں بخوں رخسار ہا
بے رخ ترے ہیں خار ہا، در دیدۂ گلزار ہا

غم سے ہوا ہوں ناتواں، نکلی ہیں میری ہڈیاں
درد و الم سے سب یہاں، بنتی رگیں ہیں تار ہا

کھیلے ہے چوگاں وہ جہاں، ہے گیند میرا سر وہاں
دیکھو ہوئے کیا کیا یہاں، ہیں سر سے مجھ کو کار ہا

رکھتے ہیں میری آنکھ نم، الفت کے تیری رنج و غم
رنگیں کروں ہیں دمبدم رخسار خوں سے بار ہا

پیکان نے ظالم ترے، آئینۂ دل کو مرے
جتنے دئے میرے لئے محبوب ہیں زنگار ہا

ڈھونڈے سے اندر گلستاں، پایا نہیں سروِ رواں
خسرو گلوں کے درمیاں، ہے ہمنشینِ خار ہا

۴۷

شبے دیدم چو مہ بر بام او را
صراحی پیش و بر کف جام او را

بہ شب دیکھا جوں مہ بر بام اس کو
سبو بر دوش، بر کف جام اس کو

دعا می کردم و می نامدش یاد
زمستی بہرِ من دشنام او را

دعا کی میں نے، مستی میں خدایا
دلا دے یاد کچھ دشنام اس کو

نخواہد دل بجز دشنام ازاں لب
زلعلِ او، ہمیں بس کام او را

نہ دینے کے سوا دشنام مجھ کو
لب لعلیں سے ہو کچھ کام اس کو

بہ دل او را کہ عشقش خانہ سازد
کجا ماند دگر آرام او را

وہ دل، جو عشق نے مسکن بنایا
نہیں ملتا ذرا آرام اس کو

کسے کز عارض و زلفِ تو گوید
ہمیں بس ورد صبح و شام او را

سنے جو قصۂ گیسو و عارض
رہے ہے یہ ورد صبح و شام اس کو

دلم دارد ہوائے پای بوست
ببیں در سر خیالِ خام او را

قدم بوسی تری دل چاہتا ہے
ہے یہ کیسا خیالِ خام اس کو

چوں بر گشتی ز خسرو کرد پامال
جفائے گردشِ ایام او را

ملے خسرو کو تُو، تو روندتی ہے
جفائے گردشِ ایام اس کو

۳۸

روزِ عید است بہ من دہ مئے نابے چو گلاب
کہ ازاں جام شود تازہ ام ایں جانِ خراب

جانِ من از ہوسِ آں بہ لب آمد اکنوں
بہ لب آرم قدح و جاں نہم اندر شراب

روزہ دارے کہ کشادے ز لبش نکہتِ مشک
ایں زماں در دہنش نیست مگر بوئے شراب

آنکہ خیزان و فتاں بود بہ مسجد زیں پیش
ہست در میکدہ خیزان و فتاں مست و خراب

دف کہ او گِرد نمی گشت بہ دَورِ مجلس
می رود دور کناں جانبِ مجلس بشتاب

مے حلال است کنوں خاصہ کہ از دستِ حریف
در قدح می چکد آبِ نمک آلودِ کباب

ہر کرا بوئے گل و مے بہ دماغ است، او را
آں دماغیست کہ دیگر نکند بوئے گلاب

عید کا دن ہے مجھے دے وہ مئے رنگِ گلاب
جس کے پینے سے ہو پھر تازہ و تر جانِ خراب

تلخیٔ ہجر و غمِ عشق سے جاں ہے لب پر
لے کے ساغر دے مری جان کو ساقی، شراب

روزہ داروں کے دہن میں نکہتِ مشک ہے، جو
دی ہے شاید انہیں کچھ ساقیٔ کوثر نے شراب

جاتے مسجد میں جو تھے پہلے یہ گرتے پڑتے
آئے گر پڑ کے ہیں در میکدہ اب مست و خراب

بزمِ رنداں میں جسے عار تھی آنے میں بہت
جائے رقصاں ہے وہ مطرب سوئے مجلس بہ شتاب

بادہ جائز ہے اگر ٹپکے مئے ساغر میں
دستِ معشوق سے آبِ نمک آلودِ کباب

مغز میں جس کے ہو خوشبوئے کباب و صہبا
ہے گلستاں میں نہ کچھ اس کے لئے بوئے گلاب

۳۹

زاد چوں از صبحِ روشن آفتاب
ساقیٔ خورشید رُو در دہ شراب

خرم آں کو غرقِ مے باشد مدام
چو خیالِ دوست در مے ہائے ناب

عاشقی با پارسائی ہم خوش است
ہمچناں کافتد میانِ بادہ آب

ہست ما را نازنینے مے پرست
کو گہم بریاں کند گاھے کباب

نیم شب کامد مرا بیدار کرد
من ہماں دولت ہمیں دیدم بخواب

زلف بر کف شب ہمی پنداشتم
کز بُنا گوشش بر آمد آفتاب

خاست از خواب و شرابم داد و گفت
نوش کن بر بادشاہِ کامیاب

بامِ گردوں سے ہے نکلا آفتاب
ساقیٔ خورشید رُو کچھ دے شراب

غرقِ مے ہو جو ہے خرم وہ مدام
جوں خیالِ دوست در مے ہائے ناب

عاشقی با پارسائی ٹھیک ہے
جیسے موزوں ہے میانِ بادہ آب

شاہدِ مے نوش ہوا ایسا کہ جو
گہ ہمیں بریاں کرے گاھے کباب

شب کرے بیدار آکر خواب میں
کاش وہ آئے کبھی ایسے بخواب

زلف کانوں سے ہٹی تو آگیا
کان کی لَو سے نکل کر آفتاب

رات بھر ساقی نے دی مے اور کہا
نوش کر بر بادشاہِ کامیاب

۴۰

زہے نمود ازاں زلف و عارض و رخِ خوب
یکے سواد و دوم نقطہ و سیم مکتوب

سواد و نقطہ و مکتوبِ اوست بر دلِ من
یکے بلا و دوم فتنہ و سیم آشوب

بلا و فتنہ و آشوبِ او بود مارا
یکے مراد و دوم مونس و سیم مطلوب

مراد و مونس و مطلوب ہر سہ از من شد
یکے جدا و دوم غالب و سیم مغلوب

جدا و غالب و مغلوب ہر سہ باز آید
یکے غلام و دوم دولت و سیم مرکوب

غلام و دولت و مرکوب باسہ چیز خوش است
یکے حضور و دوم شادی و سیم مجبوب

حضور و شادی و مجبوبِ من بود خسرو
یکے شراب و دوم ساقی و سیم مجبوب

ہے آشکار یہ گیسو و عارض و رخِ خوب
یکے سواد و دوم نقطہ و سیم مکتوب

سواد و نقطہ و مکتوب دل پہ ہیں میرے
یکے بلا و دوم فتنہ و سیم آشوب

بلا و فتنہ و آشوبِ یار ہیں مجھ کو
یکے مراد و دوم مونس و سیم مطلوب

مراد و مونس و مطلوب ہو گئے ہیں اب
یکے جدا و دوم غالب و سیم مغلوب

جدا و غالب و مغلوب بن گئے ہیں سب
یکے غلام و دوم دولت و سیم مرکوب

غلام و دولت و مرکوب خوب چیزیں ہیں
یکے حضور و دوم شادی و سیم مجبوب

حضور و شادی و مجبوب مجھ کو ہیں خسرو
یکے شراب و دوم ساقی و سیم مجبوب

۴۱

اگر بہ گوشہ نشیناں نماید آں رخِ خوب
بہ غمزہ دل بُرباید زسالکِ مجذوب

دکھائے گوشہ نشینوں کو اپنا گر رخِ خوب
تو دیکھ کر ہوں وہ مجذوب اور بھی مجذوب

بلائے مردمِ اہلِ نظر بوَد چشمت
بناز اگر بدر آئی زمکتب، اے محبوب

بلائے مردمِ اہلِ نظر ہے چشم اگر
خرامِ ناز بھی تیرا ہے فتنہ، اے محبوب

فراقِ روئے چو تو یوسفے کسے داند
کہ روشنش شود آبِ دو دیدۂ یعقوب

ہیں جانتے وہی دردِ فراقِ یوسف کو
جو دیکھتے ہیں کبھی جا کے دیدۂ یعقوب

چوں نامۂ تو کشایم، شود پُر آنم چشم
بہ ہیچ رو نتوانم کہ خوانم آں مکتوب

ہوئی ہے دیکھ کے خط آنکھ اس قدر پُرنم
کہ پڑھ نہ سکتا کسی طور ہوں ترا مکتوب

مرنج اگر نبود در خورت کبابِ دلم
تو میہمانِ عزیزی و ہست ایں مرغوب

کبابِ دل نہ ہوا دلپذیر تو کیا ہے
خورش نہ ہووے ہے مہماں کو ہر اک مرغوب

کشَد برائے تو خسرو جفائے مدعیاں
کہ بہرِ دوست زکرماں جفا کشد ایوب

نہیں عجب کہ جھیلے ہے ہر جفا خسرو
کہ جھیلتا ہے جفا بہرِ دوست ہر ایوب

۴۲

امشب شبِ من نور ز مہتابِ دگر داشت
وز گریۂ شادی جگرم آبِ دگر داشت

ہنگامِ سحر خلق بمحراب و دلِ من
زابروئے بتے روئے بہ محرابِ دگر داشت

قرباں شوم و چوں نشوم، وائے کہ آں چشم
بر جانِ من از ہر مژہ قصابِ دگر داشت

گفتم بہ نظر مست و نخفتم تہِ پایش
جاں از سکراتِ اجلم خوابِ دگر داشت

زد صد گرۂ سخت بہ دل بستگیٔ من
زلفش کہ بہ ہر مو شکن و تابِ دگر داشت

نے داشت خبر از خود و نے از مے و مجلس
خسرو کو خرابی ز مئے نابِ دگر داشت

پُر نور کرے شب مری مہتابِ دگر ہے
ہے گریۂ شادی یہ رکھے آبِ دگر ہے

ہے خلق بہ محراب، پر ابرو کی بنا کر
یہ دل مرا سجدے میں بہ محرابِ دگر ہے

قرباں تری چشم پہ ہوں کیوں نہ کہ جب یہ
ہر ایک مژہ میں رکھے قصابِ دگر ہے

خوابیدہ نظر سے تری، بے خواب یہ دیدہ
ہنگامِ نزع منتظرِ خوابِ دگر ہے

باندھے ہے بصد گرہ دلِ زار وہ گیسو
ہر وقت جسے فکرِ خم و تابِ دگر ہے

اپنی خبر اس کو ہے نہ مجلس کی، نہ مے کی
خسرو کو ملی آج مئے نابِ دگر ہے

۴۳

تقدیر کہ یک چند مرا از تو جدا داشت
از جاں گلہ دارم کہ مرا زندہ چرا داشت

اندوہِ جدائی ز کسے پرس کہ یک چند
دورِ فلک از صحبتِ یارانش جدا داشت

داغے دگر این ست کہ از گریہ نشُستم
آں داغ کہ دامانت ز خونِ دلِ ما داشت

صوفی کہ خرامیدنِ تو دید بہ صد صدق
بدرید مصلا و کلہ در تہِ پا داشت

خسروِ بوفائے تو دہد جاں کہ در آفاق
گویند ہمہ کاں سگِ دیوانہ وفا داشت

رکھتی ہے مجھے تقدیر اگر تجھ سے جدا ہے
ہے جاں سے گلہ کیوں مجھے یوں زندہ رکھا ہے

جانے ہے وہی رنجشِ اندوہِ جدائی
گردوں جسے یاروں سے رکھے اپنے جدا ہے

آہ داغ میں دھوؤں یہ ترا اشک سے اپنے
جو دل کے مرے خون نے دامن کو دیا ہے

دیکھے جو خراماں تجھے آتا ہوا صوفی
رکھے وہ مصلا و کلہ در تہِ پا ہے

خسرو جو کرے جان فدا لوگ ہیں کہتے
دیوانہ یہ سرگشتۂ دستورِ وفا ہے

۴۴

افسوس ازیں عمر کہ بربادِ ہوا رفت
کارے بہ جہاں نے بہ مرادِ دلِ ما رفت

خورشیدِ من از اوجِ جوانی چوں بر آمد
بس ذرۂ سرگشتہ کہ بربادِ ہوا رفت

گفتم ز درِ خویش مراں گفت کہ بگذر
زیں کوچہ کہ داند کہ چو تو چند گدا رفت

آں صبر کہ می گفتم من کوہِ گراں سنگ
بادے بوزید از تو ندانم کہ کجا رفت

رنجہ نشوم گر بہ جفا سر بُریم زانک
بسیار چنیں ہا بہ سرِ اہلِ وفا رفت

مارا چہ حدِ صبر بہ ہجرِ تو چوں خسرو
آمد بہ درت باز بہ سر آنکہ بہ پا رفت

افسوس ہوئی زندگی بربادِ ہوا ہے
مقصد کوئی دل کا مرے پورا نہ ہوا ہے

خورشید ترا اوجِ جوانی پہ ہے ایسا
ہر ذرہ درخشاں مری دنیا کا ہوا ہے

کہتا ہے ہٹا کر درِ دولت سے مجھے وہ
بہتر مرے کوچے میں ہر اک تجھ سے گدا ہے

وہ صبر جو تھا کوہ سے بھی مجھ پہ گراں تر
اُڑ کر وہ ہوا میں تری اس دل سے گیا ہے

کاٹا ہے اگر سر مرا تُو نے تو نہ کر غم
کام اس کا ہے کٹنا یہ سرِ اہلِ وفا ہے

صبر آزما خسرو کے لئے ہجر ہے گرچہ
دامانِ شکیبا نہ کبھی اس سے چھُٹا ہے

۴۵

دلے کش صبر نبوَد آن من نیست
کسے کو دل دہد جانانِ من نیست

کبابم ساخت ایں خونابہ زانست
گنہ بر دیدۂ گریانِ من نیست

ہمہ مضمونِ من شہرے فروخواند
کہ مُہرِ صبر در فرمانِ من نیست

تو می سوز، اے دل و مگری تو، اے چشم
کہ شعلہ درخورِ طوفانِ من نیست

نصیحت از خرد جستم، خرد گفت
کہ بر دیوانگاں فرمانِ من نیست

چوں تیرم زد کشید آلودۂ خوں
بہ خندہ گفت کایں پیکانِ من نیست

بسوزد خسروا دلہا چہ نیکوست
کہ گوشِ خلق بر افغانِ من نیست

صبوری عشق میں آساں نہیں ہے
کہ بخشش شیوۂ جاناں نہیں ہے

کبابِ دل سے ہے خوناب سب یہ
گناہِ دیدۂ گریاں نہیں ہے

پڑھے مضمون سارا شہر میرا
کہ مُہرِ صبر بر عنواں نہیں ہے

جل اے دل، پر نہ رو اے چشم ہرگز
کہ شعلہ درخورِ طوفاں نہیں ہے

جو مانگی پند، بولی عقل میرا
چلے شیدا پہ کچھ فرماں نہیں ہے

جو دیکھا تیرِ خونیں ہنس کے بولا
قسم ہے یہ مرا پیکاں نہیں ہے

کرے کیوں ہے فغاں اتنی تو خسرو
کہ گوشِ خلق بر افغاں نہیں ہے

۴۶

زمن نازک میانے دُور ماندہ ست
دلے رفتہ ست و جانے دُور ماندہ ست

بگوئید از زبانِ من کہ آنجا
دلے از بے زبانے دُور ماندہ ست

پُر از خون ست جوئے دیدۂ من
کہ از سروِ روانے دُور ماندہ ست

ہلاکِ جانِ من آں پیر داند
کہ رندے از جوانے دُور ماندہ ست

خراشیدہ بود آوازِ مرغے
کہ او از گلستانے دُور ماندہ ست

غم و دردِ غریبی از کسے پرس
کہ او از خان و مانے دُور ماندہ ست

شبے یادش دہی از خسروئے باد
کزیں در پاسبانے دُور ماندہ ست

مرا نازک میاں ہے دُور کافی
وہ طاقت بخشِ جاں ہے دُور کافی

جو ہے دل میں مرے کیسے بتاؤں
کہ اس دل سے زباں ہے دُور کافی

رواں ہے خون جوئے چشم میں اور
مرا سروِ رواں ہے دُور کافی

وہی جانے مرا غم پیر جس سے
رہا یارِ جواں ہے دُور کافی

ہوئی غمگیں ہے گلبانگِ بلبل
کہ اس سے گلستاں ہے دُور کافی

غم و دردِ غریبی پوچھ مجھ سے
کہ میرا خانماں ہے دُور کافی

صبا لے کر تو جا پیغامِ خسرو
کہ در سے پاسباں ہے دُور کافی

۴۷

دلِ مسکینِ من دربند ماندہ ست	دلِ مسکیں مرا دربند ہے اب
اسیرِ یارِ شکرخند ماندہ ست	اسیرِ یارِ شکرخند ہے اب
نماند اندر دلِ من درد را جا	ہے دل پُر درد اتنا اس میں ناصح
مدہ پندم، نہ جائے پند ماندہ ست	رہی بالکل نہ جائے پند ہے اب
نصیحت گوئے من، لختے دعا گو	نصیحت گو، خدارا کچھ دعا کر
کہ یک بیچارۂ دربند ماندہ ست	کہ دل بیچارہ اندر بند ہے اب
بہ جاں پیوند کردم عاشقی را	تھی جاں پیوند الفت سے، گئی جاں
کنوں جاں رفت و آں پیوند ماندہ ست	رہا باقی فقط پیوند ہے اب
بُتا! از در مراں بیچارۂ را	عنایت کم نہ کر، کر بیش بلکہ
کہ در کوئے تو حاجت مند ماندہ ست	ہوا دل اور حاجت مند ہے اب
بہ مے سوگند خوردم جرعۂ بخش	قسم دے اور نہ کھانے کو، پلا مے
کہ مارا در گلو سوگند ماندہ ست	کہ اٹکے حلق میں سوگند ہے اب
زغم گفتی کہ خسرو زندہ چوں ماند	دے غم خسرو کو جتنا دے سکے تُو
دروغے گفتہ و خرسند ماندہ ست	کہ رہتا غم میں وہ خرسند ہے اب

۴۸

نگارا، چو تو زیبا کس ندیدہ ست
چناں روئے، نگارا کس ندیدہ ست

بیا امروز تا سیرت ببینم
مگو فردا کہ فردا کس ندیدہ ست

تماشا می کنم در باغِ رُویت
وزیں خوشتر تماشا کس ندیدہ ست

زآبِ دیدہ پیدا گشت رازم
بدنیساں آبِ صحرا کس ندیدہ ست

مرا گوئی کہ دل برجائے خود دار
دلِ عشاق برجا کس ندیدہ ست

زخسرو دل کہ دُزدیدیٔ بدہ باز
مگو دیدہ ست کس یا کس ندیدہ ست

حسیں تجھ سا، دل آرا ہے نہ کوئی
ہمیں تجھ سے پیارا ہے نہ کوئی

کرا دیدار اپنا آج اے جان
کہ فردا پر بھروسا ہے نہ کوئی

تماشا باغِ رخ کا دیکھتے ہیں
کہ بہتر اور تماشا ہے نہ کوئی

کھُلا ہے رازِ الفت چشمِ تر سے
قصور اس میں ہمارا ہے نہ کوئی

بجا کہتا ہے تُو، رکھنا مگر اک
تمنا دل میں بے جا ہے نہ کوئی

وہ لیتا دل ہے یوں چپکے سے خسرو
اُسے دیکھے چراتا ہے نہ کوئی

۴۹

مرا وقتے دلے آزاد بودہ ست
درونم بے غم و جاں شاد بودہ ست

چہ خوش بودہ ست عقلِ مصلحت جوی
کہ چندے نیز بلا آزاد بودہ ست

نگارا، ہیچ گاھے یاد داری
کزیں بے چارگانت یاد بودہ ست

شب آمد، باد بُرد از جائے خویشم
کہ بوئے زلفِ تو با یاد بودہ ست

بہ فریادت بخواندم دی و مُردم
کہ جانم ہمرۂ فریاد بودہ ست

جفا کش خسروا گر دوست بیوست
نصیبِ عاشقاں بیداد بودہ ست

جو بندِ عشق سے آزاد ہووے
ہو دل بے زخم اور جاں شاد ہووے

طفیلِ یُمنِ عقلِ مصلحت جو
بلائے غم سے دل آزاد ہووے

کرے کچھ چارۂ بے چارگاں تو
تجھے اپنا ستم گر یاد ہووے

نہ ہو برباد جانِ جاں نثاراں
نہ بوئے زلف گر بایاد ہووے

نکلنی جان ہو آسان تن سے
اگر جاں ہمرۂ فریاد ہووے

نہ کر شکوہ جفاؤں کا کہ خسرو
نصیبِ عاشقاں بیداد ہووے

۵۰

صبا گردے ازاں زلفِ دوتا خاست
بہ ہر سو بوئے از مشکِ ختا خاست

گریباں می درم ہر صبح چو گل
ہمہ رسوائیِ من از صبا خاست

نظر ہا از زکوٰۃِ حسن میداد
بہ ہم افتاد کز ہر سو گدا خاست

متاعِ عقل و جان و دل ہمہ سوخت
من ایں آتش ندانم کز کجا خاست

تو تارِ زلف بستی بند در بند
ز ہر بندے مرا دردِ جدا خاست

کنوں ما و لبِ لعل و خطِ سبز
کہ تقویٰ را رقم از کارِ ما خاست

تماشا را بیا زیں سوے بارے
کنوں کز گریۂ خسرو گیا خاست

پریشاں جب سے وہ زلفِ دوتا ہے
صبا میں خوشبوئے مشکِ ختا ہے

گریباں چاک کر کے صورتِ گل
کرے رسوا مجھے بادِ صبا ہے

زکوٰۃِ حسن میں نظرِ کرم دے
ترے کوچے میں ہر جا اک گدا ہے

متاعِ عقل و جان و دل گئی جل
لگی یہ آگ کیسی، اے خدا ہے

کرے تو بند اندر بند گیسو
مجھے ہر بند سے دردِ جدا ہے

لبِ لعل و سیاہ گیسو و گل رخ
بہ ہر سو خطر میں تقویٰ مرا ہے

ہے گر کرنا تماشا، دیکھ آ کر
جو اپنا حال خسرو نے کیا ہے

۵۱

من و شب زندگانیِ من این ست
دل و غم شادمانیِ من این ست
ہمہ شب خونِ دل نوشم بیادش
شرابِ ارغوانیِ من این ست
من و کنجِ غم و شبہائے تاریک
طرب جائے نہانیِ من این ست
ببندد چشمِ من بر من خیالش
کہ شب ہا یارِ جانیِ من این ست
ز عشقش گاہ میرم گہ زیم باز
طریقِ زندگانیِ من این ست
رہا کن تا بمیرم زیرِ پایت
کہ عمرِ جاودانیِ من این ست
بس ست ایں قیمتِ خسرو کہ گوئی
غلامِ رایگانیِ من این ست

میں اور شب، زندگانی ہے یہ میری
دل اور غم، شادمانی ہے یہ میری
شبِ فرقت میں خونِ دل پیوں میں
شرابِ ارغوانی ہے یہ میری
دل و کنجِ غم و تاریکیِ شب
طرب جائے نہانی ہے یہ میری
شرابِ بےخودی دے اور ساقی
کہ شب میں یارِ جانی ہے یہ میری
تری الفت میں ہوں مر مر کے جیتا
کہ طرزِ زندگانی ہے یہ میری
ترے قدموں پہ دینا جان اے جاں
حیاتِ جاودانی ہے یہ میری
دکھایا اس نے خسرو کو یہ کہہ کر
متاعِ رایگانی ہے یہ میری

۵۲

مرا در سر ہوائے نازنینے ست
کز و تاراج شد ہر جا کہ دینے ست

نخواہد رفت مہرش از دلِ من
اگرچہ با منش ہر لحظہ کینے ست

پریشاں حالت است از یادِ زلفش
بہ گیتی ہر کجا خلوت نشینے ست

ہجومِ جانِ مشتاقاں برآں لب
چو غوغائے مگس بر انگبینے ست

تنم چوں خاک شد، رنجہ مکن پای
ترا ہم زیرِ پا آخر زمینے ست

بہارِ من توئی، زانم چہ سود است
کہ در عالم گلے یا یاسمینے ست

دل از پیشت سلامت چوں تواں برد
کہ در ہر گوشۂ چشمت کمینے ست

مجو آخر تو ہشیاری ز خسرو
کہ عشق و عقل را دیرینہ کینے ست

مرے سر میں ہوائے نازنیں ہے
بہت خطرے میں یاروں میرا دیں ہے

محبت اس کی جائے گی نہ دل سے
اگرچہ اس کو ہر دم مجھ سے کیں ہے

پریشاں یادِ کاکل سے ہے اب تک
ہوا گرچہ یہ دل خلوت گزیں ہے

ہجومِ عاشقاں شیریں لبوں پر
جوں غوغائے مگس بر انگبیں ہے

نہ رکھے پا ہے میری خاک پر کیوں
ترے بھی زیرِ پا آخر زمیں ہے

نہ ہو تو گر بہاراں ہیں تو اے جاں
ہے گل غمگیں، فسردہ یاسمیں ہے

بچاؤں چشم سے کیسے میں دل کو
کہ ہر گوشہ میں وہ اندر کمیں ہے

امیدِ ہوش خسرو سے نہ رکھو
کہ عشق و عقل میں دیرینہ کیں ہے

۵۳

نگارا روزِ عیش و شادمانی ست
ہوائے سبزہ و صوت و اغانی ست

ہے ساقی آج عیش و شادمانی
شراب و نغمہ و حسن و جوانی

مرا بے تو چہ جائے زندگانی ست
کہ دل بے عشق و جاں بے شادمانی ست

ہے بن تیرے یہ کیسی زندگانی
کہ دل بے عشق و جاں بے شادمانی

ز بدخوئی جگر خوں کرد چشمت
مگر بدخوئیش از ناتوانی ست

رکھے مجھ کو ہے ہر دم زار و خستہ
تری بدخوئی ہے میری ناتوانی

چرا دل بُرد و منکر گشت زلفت
کہ بر ہر موئے او از خوں نشانی ست

مکُرتی دل ہے لے کر زلف تیری
ہے خوں ہر بال پر گرچہ نشانی

مزن مژگانِ زہر آلودہ بر من
عنایت کن کہ وقتِ مہربانی ست

نہ کر مژگاں سے زہر آلود یہ دل
رحم کر، ہے یہ وقتِ مہربانی

ہمہ کس ہمنشینِ تست جز من
کہ مرگم ہمنشینِ زندگانی ست

عدو کا ہمنشیں تو اور میری
قضا ہے ہمنشیں زندگانی

فغانِ من بگوشِ خویش بشنو
کہ بزمت را نوائے خسروانی ست

فغاں خسرو کی سن محفل میں اپنی
کہ ہے یہ اک نوائے خسروانی

۵۴

نگویم در تو عیبے، اے پسر ہست
ولیکن بے وفائی ایں قدر ہست

نہ در ہجر توام خواب و قرار است
نہ در عشقِ توام از خود خبر ہست

ازاں ناوک کہ از چشمِ تو بر من
ہنوزم زخمِ پیکاں در جگر ہست

دمے غائب نہ ای از پیشِ چشمم
اگر دوری، خیالت در نظر ہست

سبک باشد سرِ خالی ز سودا
من و سودائے جاناں تا کہ سر ہست

نہ پندارم کہ در گلزارِ فردوس
ز رخسارت گلے پاکیزہ تر ہست

تمنائے دلم کردی و دادم
بفرما گر تمنائے دگر ہست

شبِ ہجراں دراز است ارچہ خسرو
مشو غمگیں کہ امیدِ سحر ہست

ہے تجھ میں عیب اک، کوئی اگر ہے
کرے تو بے وفائی سر بسر ہے

نہ خواب و امن فرقت میں، نہ مجھ کو
رہی الفت میں کچھ اپنی خبر ہے

چلایا تیر جو تھا تو نے، اس کا
ابھی تک زخمِ پیکاں در جگر ہے

نہ رہتا دور ہے تو دور رہ کر
خیال اک تیرا ہر دم در نظر ہے

کبھی خالی نہیں رہتا ہے اے جاں
رکھے سودا مرا، سر بسر ہے

نہیں باغِ ارم میں بھی کوئی گل
ترے رخسار سے پاکیزہ تر ہے

دیا دل توڑ گرچہ، رکھ نہ دل میں
اگر کوئی تمنائے دگر ہے

شبِ ہجراں ہے لمبی گرچہ خسرو
نہ ہو غمگیں کہ امیدِ سحر ہے

۵۵

جفا کز وے بریں جانِ زبوں رفت
نگویم گرچہ از گفتن فزوں رفت

ہم اول روز کامد پیشِ چشم
ز راہِ دیدہ در جانم دروں رفت

نہ من مردہ نہ زندہ، زانکہ ہر بار
کہ او آمد بہ دل جانم دروں رفت

دلم می گفت از و شب سرگذشتے
ہمہ شب تا بروز از دیدہ خوں رفت

ہمیں دانم خبر گاہِ سحرگاہ
زبیہوشی نمی دانم کہ چوں رفت

نشد از جادوئے ہم زانِ خسرو
ہمہ عمرے بہ تعویذ و فسوں رفت

وہ لیوے ظلم سے جانِ زبوں ہے
کہوں کم کر تو اور کرتا فزوں ہے

وہ آیا سامنے اور ایک پل میں
گیا آنکھوں کی رہ سے اندروں ہے

نہ میں زندہ نہ مردہ عشق میں ہوں
کرے وہ دل میں آکے جاں بروں ہے

سنائی شب میں جب اپنی حکایت
بہا آنکھوں سے شب تا روز خوں ہے

خبر آئے بھی بدحالی کی جب ہے
نہ بے ہوشی میں میں جانوں کہ کیوں ہے

مقابل چشمِ پُر جادو کے خسرو
نہیں کچھ تیرا تعویذ و فسوں ہے

۵۶

بیا اے دیدۂ شہرے بہ سویت
جہانے گم شدہ در جستجویت

بلا و فتنہ کار افزائے چشمت
جفا و کینہ دست افزارِ خویت

کہ باشد آئینہ آہ و ہزار آہ
کہ در آغوش گیرد نقشِ رویت

کنم از آبِ دیدہ لب نمازی
چوں پائے ہر سگے بوسم بہ کویت

بدہ دل گر توانی بیدلے را
کہ خواہد داد جاں در آرزویت

چو زنبورِ سیہ گردِ سرِ گل
بگردم بر سرت بیخود ز بویت

ز حیرت باز خسرو ماندہ بے ہوش
خموشی بودے اندر گفت و گویت

جہاں میں چشمِ خلقت تیری سو ہے
رکھے تُو سب کو اندر جستجو ہے

بلا و فتنہ کار افزائے دیدہ
جفا و کینہ دست اوزارِ خو ہے

بھرے آہیں ہزاروں آئینہ بھی
وہ جب آغوش میں لے نقشِ رُو ہے

میں آکر چومتا ہوں پائے ہر سگ
بھرا گرچہ سگوں سے تیرا کُو ہے

کبھی کر آرزو عاشق کی پوری
کہ دیتا جاں وہ اندر آرزو ہے

مگس جیسے ہو گل پر تیرا عاشق
کرے صد طوفِ زلفِ مشک بو ہے

ہوا حیرت سے پھر بے ہوش خسرو
خموشی ایک اندر گفتگو ہے

۵۷

عشقِ تو بلائے جاں بسند ست
یک خندہ ازاں دہاں بسند ست

عشق گرچہ بلائے جاں ہے بہت
جاں فزا پر وہ دلستاں ہے بہت

یک گردشِ چشمِ تو بہ مستی
فتنہ بہ ہمہ جہاں بسند ست

نازشِ چشمِ مست سے تیری
شور و آشوب در جہاں ہے بہت

بے ہودہ بہ صید می زنی تیر
آں چاشنیِ کماں بسند ست

عاشقوں کو، بنا چلائے تیر
صید کرتی تری کماں ہے بہت

تیغ از پئے کُشتنم چہ حاجت
یک ناز بکن ہماں بسند ست

جان لینے کے واسطے میری
ناز ہی ایک، میری جاں، ہے بہت

گر من دلِ گم شدہ نیابم
بر ہمچو توئے گماں بسند ست

ڈھونڈتا جب ہوں گمشدہ دل کو
تجھ پہ ہوتا مجھے گماں ہے بہت

اے چرخ بلا چہ می فرستی
مارا غمِ آں جہاں بسند ست

بھیج اے چرخ اور بلا نہ کوئی
دل کو میرے غمِ جہاں ہے بہت

اندر تپِ غم طپید خسرو
آں نرگسِ ناتواں بسند ست

ناتواں کر نہ غم سے خسرو کو
وہ تو پہلے ہی ناتواں ہے بہت

۵۸

مے نوش کہ دورِ شادمانی ست
خوش باش کہ روزِ کامرانی ست

سر بر مکش از شرابِ ایام
از تیغِ اجل بہ سرفشانی ست

مغرور مشو بہ بانگِ نائے
کآوازِ درائے کاروانی ست

ہر دم کہ بہ خوشدلی بر آید
سرمایۂ حاصلِ جوانی ست

ساقی دلِ مردہ زندہ گرداں
زاں مے کہ چو آبِ زندگانی ست

بے خوابی و عاشقی ست کارم
سگ بہرِ وفا و پاسبانی ست

خسرو بگزاف چند لافی
بانگِ دہل از تہی میانی ست

دورِ ساغر میں شادمانی ہے
ہر شب و روز کامرانی ہے

سرکشی کر نہ ساقی و مے سے
قصدِ ایام سرفشانی ہے

ہو نہ آسودہ، بانگِ نے میں تری
نغمۂ زنگِ کاروانی ہے

ساقی و شاہد و مے و نغمہ
مایۂ حاصلِ جوانی ہے

قلبِ مردہ میں ڈال جاں، ساقی
مے تری آبِ زندگانی ہے

کارِ عاشق ہے عشق و بے خوابی
کارِ سگ اُنس و پاسبانی ہے

شیخیاں مارتا ہے مثلِ دہل
اصلِ خسرو تہی میانی ہے

۵۹

باز جانا، آتشِ شوقِ تو در جاں جا گرفت
خانۂ صبر از غمت سر تا بسر سودا گرفت

سروِ نازم رقص رقصاں دی رآمد در سماع
حلقہ حلقہ عاشقاں را جان و دل یغما گرفت

آتشِ سینہ اگرچہ مدتے می سوختہ ست
عاقبت شعلہ زد و از راہِ دل بالا گرفت

من بہ نقدِ امروز با وصلِ بتانم در بہشت
زاہدِ بےچارہ در دل وعدۂ فردا گرفت

ہر محبے کو قدم در راہِ عشق از صدق زد
پیشِ محبوب او بہ آخر پایۂ اعلا گرفت

دولتِ خسروؔ ہمیں باشد کہ او در کوئے دوست
باسگانش ہمنشیں شد منصبِ والا گرفت

آتشِ شوق و ہوس جب جاں کے اندر جا کرے
صبر کو یکدم جلا دے سر کو پُر سودا کرے

ہو کے رقصاں آئے گر اندر سماع سروِ رواں
حلقہ حلقہ عاشقوں کے جان و دل یغما کرے

آتشِ سینہ رہے جلتی جو غم سے ایک دن
مشتعل ہو اور شعلہ دل سے اک بالا کرے

ہم کو حاصل آج وصلِ حور و جامِ مے مگر
زاہدِ بےچارہ فکرِ وعدۂ فردا کرے

صدق سے الفت کی رہ میں جو قدم رکھے ہے وہ
یار کے قدموں پہ حاصل پایۂ اعلا کرے

دولتِ خسروؔ یہی ہے وہ سگوں میں بیٹھ کر
کوچۂ جاناں میں اپنا مرتبہ والا کرے

٦٠

چوں بہ گیتی ہر چہ می آید رواں خواہد گذشت
خرم آنکس کو نکو نام از جہاں خواہد گذشت

ناوکِ گردوں کہ آید، از ہمہ نظارہ کن
کز کیاں بگذشت تا نیز از کیاں خواہد گذشت

آں کہ می گوید کہ خواہم دید پایانِ جہاں
بسکہ بر بالائے ما پیر و جواں خواہد گذشت

ہر کہ ہست آخر نہ در زیرِ زمینش رفتن است
خود گرفتم، در بلندی ز آسماں خواہد گذشت

مہر جانے و بہارے کایدت خوش باش، ازانک
چند چند از تو بہار و مہرجاں خواہد گذشت

خسروا بستاں متاعے در دکانِ روزگار
کایں بہارِ عمر ناگہ رایگاں خواہد گذشت

چار دن رہ کر یہاں ہر اک رواں ہو جائے ہے
نیک ہے وہ، نیک جس سے کچھ جہاں ہو جائے ہے

دیکھ کیسے گردشِ گردونِ گرداں سے گنواں
شوکتِ شاہان و شانِ خسرواں ہو جائے ہے

جاں کر اچھی طرح ناپائیداریِ جہاں
مبتلا خواہش میں ہر پیر و جواں ہو جائے ہے

جائے بالا خر ہے وہ بھی ایک دن زیرِ زمیں
سرفرازی میں جو رشکِ آسماں ہو جائے ہے

رکھ نہ امیدِ بہاراں کر نہ کچھ خوفِ خزاں
ختم اک دن سب بہاران و خزاں ہو جائے ہے

ہے دکانِ روزگاراں میں نہ خسرو کچھ رکھا
چاہیے جتنا ہو متاع، سب رایگاں ہو جائے ہے

٦١

با غمش خو کردم امشب، گرچہ در زاری گذشت
یاد می کردم ازاں شبہا کہ در یاری گذشت

آج شب کچھ اور زیادہ نالہ و زاری رہی
رات بھر دل کو ستاتی یادِ دلداری رہی

خواب ہم ناید گہے، تا دیدمے وقتے، مگر
زاں شبِ فرخ کہ با یارم بہ بیداری گذشت

یاد سے بے خواب رکھتی ہے وہ آنکھیں رات بھر
اک شبِ فرخ کہ جب با یار بیداری رہی

بر درش سودم ہمہ شب دیدہ و چشم مرا
عزتے بود، ارچہ بر خاکِ درش خواری گذشت

آستاں پر اس نے اپنے جب تلک رہنے دیا
خاکِ در پر باعثِ عزت ہمیں، خواری رہی

مردماں گویند چونی در خیالِ زلفِ او
چوں بود مرغے کہ عمرش در گرفتاری گذشت

پوچھتے رُوداد ہو کیا اس کی تم اے دوستوں
عمر بھر جس دل کو گیسو کی گرفتاری رہی

ناخوش آں وقتے کہ بر زندہ دلاں بے عشق رفت
ضائع آں روزے کہ بر مستاں بہ ہشیاری گذشت

ایک ہم ہیں، باوجودِ ہوش جو بے خود رہے
ایک وہ ہیں، جن کو مستی میں بھی ہشیاری رہی

ماجرائے دوش می پرسی کہ چوں بگذشت حال
اے سرت گردم چہ می پرسی، بہ دشواری گذشت

دیکھنا، با غیر تجھ کو بزم میں آساں نہیں
تیرے قرباں، پوچھ مت، ہم کو جو دشواری رہی

گرچہ در ہجرِ تو ام جز خوردنِ غم کار نیست
ہم فسوسِ من ز عمرے کاں بہ بیکاری گذشت

تیری فرقت نے کیا ہم کو نکما اس قدر
غم اٹھانے کے سوا، بالکل ہی بیکاری رہی

دل گراں شد ارچہ از بارِ غمت خسرو ازانک
شخصِ چو مویش ز عالم با سبکساری گذشت

باربرداریِ غم میں جاں تری خسرو گئی
ہیں وہ خرم، جن کو دنیا میں سبکساری رہی

٦٢

چوں گذر بر خاک داری بر سرت ایں باد چیست
چوں ز گل بنیاد داری دل بریں بنیاد چیست

کار چوں تقدیر دارد، زاختراں رنجش چراست
چوں کند سلطاں سیاست، نالہ از جلاد چیست

یاسمیں ہا چوں ہمہ رخسار و زلف نیکواں ست
نام ایں نسریں چرا شد نام آں شمشاد چیست

دولت و محنت چوں ہر دو بر کسے تابندہ نیست
زیں دلت غمگیں چرا شد، زاں درونت شاد چیست

آفتِ مردم طمع شد، از خود و مردم مرنج
مرغ را دانہ بلا شد، طعنہ بر صیاد چیست

چند تن پروردن، اے از عالمِ دل بے خبر
چوں دلت ویرانہ است، ایں آبِ گل آباد چیست

یار کے داند کہ خسرو می خورد غم چوں شکر
بر دلِ شیریں چہ روشن کاندۂ فرہاد چیست

ہو جو آبادِ ہوا اس کو کہیں آباد کیوں
جو رکھی دلدل پہ ہو اس کو کہیں بنیاد کیوں

جو ملے تقدیر سے، تقصیرِ اختر اس میں کیا
جب کرے سلطاں سیاست، شکوۂ جلاد کیوں

دل بنا باغ و بہاراں ہو رخ و گیسو سے جب
کیوں کہیں نسریں اسے اس کو کہیں شمشاد کیوں

دولت و کلفت ہیں الفت میں بہم جب دمبدم
کیوں ہو دل غمگین اس سے، اور اس سے شاد کیوں

آفتِ مردم زیادہ سب سے ہے حرص و ہوس
جب ہے دانہ خود بلا، طعنہ ہو بر صیاد کیوں

بے خبر تو عالمِ دل سے کرے تن پروری
دل ہے گر ویراں ترا، ہو گِل تری آباد کیوں

کر بیانِ کلفتِ الفت نہ خسرو یار سے
ہو دلِ شیریں پہ روشن اندۂ فرہاد کیوں

۶۳

یار اگر برگشت، در تیمار بودن ہم خوش است
ور شکیبائی بود، بے یار بودن ہم خوش است

عزتے گر نیست مارا نزدِ خوباں عیب نیست
عاشقاں را پیشِ خوباں خوار بودن ہم خوش است

جنگہائے او خوش است، ار آشتی را جا بود
وز عتاب و خشم در آزار بودن ہم خوش است

گرچہ خفتن خوش بود با یار در شبہائے وصل
لیک در شبہائے غم بیدار بودن ہم خوش است

چوں مسلماں بود، می نتوانم از دستِ بتاں
پیشِ بت بربستۂ زنار بودن ہم خوش است

باخبر بودن خوش است اندر مقامِ زاہداں
بے خبر در خانۂ خمّار بودن ہم خوش است

خسروا، گر در نمی گنجی بہ خلوت گاہِ دوست
ہمنشیں با عاشقانِ زار بودن ہم خوش است

گر نہ آئے یار تو بے یار رہنا ٹھیک ہے
ہو نہ چارہ گر تو بے تیمار رہنا ٹھیک ہے

گر کرے عزت نہ کوئی عیب اس میں کچھ نہیں
عاشقوں کو پیشِ خوباں خوار رہنا ٹھیک ہے

خوب ہو گر ہو نہ جنگ و کینہ و خشم و ستم
عشق میں لیکن لگا آزار رہنا ٹھیک ہے

یار کے آغوش میں سونے سے بہتر ہے نہ کچھ
ہو جو فرقت رات بھر بیدار رہنا ٹھیک ہے

پیشِ مرشد چاہیے پرہیزِ زنار و بتاں
پیشِ بت بربستۂ زنار رہنا ٹھیک ہے

باخبر رہنا ہے بہتر در مقامِ زاہداں
بے خبر در خانۂ خمّار رہنا ٹھیک ہے

گر میسر ہے نہ خسرو تجھ کو خلوت گاہِ دوست
ہمنشیں با عاشقانِ زار رہنا ٹھیک ہے

۶۴

یار دل برداشت و زرنج دلِ ما غم نداشت
زہرہ ام کرد آب و تیمارِ من درہم نداشت

گریہ ہا کردم کہ خوں شد سنگِ خارا را جگر
سنگدل یارم کہ چشمش قطرۂ زاں نم نداشت

دی بروں رفتم فغانہا کردم و بگریستم
بود او در خوابِ مستی و غمِ عالم نداشت

صبر خود یکبارگی زانگونہ از ما برگذشت
ہیچگہ گوئی کہ با ما آشنائی ہم نداشت

دیر زی اے عشق کز اقبالِ تو پایندہ بود
ایں متاعِ اندہ و غم ہیچ چیزے کم نداشت

ایں دلِ خسرو کہ از عشقِ جواناں پختہ شد
ہمچناں خوں ماند کز شیریں لبے مرہم نداشت

یار دے کر غم مجھے کرتا ذرا بھی غم نہیں
کر کے درہم سب جہاں ہوتا ذرا برہم نہیں

سنگِ خارا کا جگر کرتا ہے خوں گریہ مرا
چشم اس سنگین دل کی کچھ بھی ہووے نم نہیں

کوئے جاناں میں فغاں سے ہے نہ کوئی فائدہ
ہے وہ خوابِ مست میں، اس کو غمِ عالم نہیں

ایک دن دیکھا مجھے کچھ اس نے ایسے صبرِ دل
یوں گیا جیسے تھے اس سے آشنا تک ہم نہیں

عشق زندہ تو رہے، تیرا متاعِ رنج و غم
ہے کسی بھی چیز سے قیمت میں ہرگز کم نہیں

گو ہوا عشقِ جواناں سے ہے پختہ دل مرا
ہووے جب زخمی یہ خسرو کچھ کرے مرہم نہیں

۶۵

رفت یار و آرزوئے او ز جانِ من نرفت
نقشِ او از پیشِ چشمِ خونفشانِ من نرفت

کس بہ ہجرانش چوں جانِ مستمندِ من نسوخت
کس بہ دنبالش بجز اشکِ روانِ من نرفت

اندراں ساعت کہ از پیشِ منِ شوریدہ بخت
رفت آں بدخو چرا آں لحظہ جانِ من نرفت

دل ز من دُزدید و سرتاپائے او جُستم نبود
زیرِ زلفش بود و در آنجا گمانِ من نرفت

آں زماں کاں قامتِ چوں تیر بر من میگذشت
وہ چرا پیکانے اندر استخوانِ من نرفت

بسکہ مرغِ نامہ بر از آہِ خسرو پر بسوخت
نامۂ در دم بداں نامہربانِ من نرفت

جب ہے جاتا چھوڑ کر دلستاں جاتا نہیں
نقش اس کا چھوڑ چشمِ خوں فشاں جاتا نہیں

لے کے جائے دشت میں جب گھر سے ہے فرقت تری
ساتھ میرے کچھ سوا اشکِ رواں جاتا نہیں

جان بدبختوں کی لے جاتی ہے بدخوئی تری
اپنی بدخوئی سے پر تو بدگماں جاتا نہیں

دیکھ میری سادگی، جب ڈھونڈتا دل کو ہوں میں
پیچ و بندِ زلف میں میرا گماں جاتا نہیں

اے کماں ابرو، مری نکلی ہیں جبکہ ہڈیاں
کیوں ترا پیکاں یہ اندر استخواں جاتا نہیں

آہِ خسرو سے جلے ہیں مرغِ نامہ بر کے پَر
خط مرا لے اب وہ، اے نامہرباں، جاتا نہیں

٦٦

آں سوارِ کج کلہ کز ناز سلطانِ من است
بس خرابی ہا کز و در جانِ ویرانِ من است

ہر کہ در جا حُور دارد خانہ پندارد بہشت
من کز و دُورم ضرورت خانہ زندانِ من است

تا جدا ماندم ز تُو جز غم ندارم مونسے
یارِ شبہائے فراقت چشمِ گریانِ من است

بسکہ صحرا گیرم از غم تا دروں خالی کنم
ہر گیاہے مونسِ غمہائے پنہانِ من است

خونِ من بر گردنم کامروز دیدم روئے او
چنگِ من فردائے محشر ہم بدامانِ من است

شاہِ عشقم، خاک گوید مسندِ جمشید ہم
دولت و اقبالِ من حالِ پریشانِ من است

خسروِ نظمم، ولے از سر نوشتِ آسماں
نامۂ دردم کہ نامِ دوست عنوانِ من است

وہ سوارِ کج کلہ، وہ شاہِ خوباں ہے مرا
دل جو رنجش سے کرے برباد و ویراں ہے مرا

وصل اس کا ہو تو گھر میرے لئے جنت ہے یہ
ہو اگر وہ دُور گھر بن جائے زنداں ہے مرا

ہے جدائی میں کوئی جز غم، نہیں مونس مرا
یارِ ہجراں ہے بس اک دیدہ، جو گریاں ہے مرا

میں گیا صحرا میں ہوں تا غم سے دل خالی کروں
خار ہر واں، مونسِ غمہائے پنہاں ہے مرا

خون ہے میری ہی گردن پر مرا اور حشر میں
ہاتھ میرا کس طرح پکڑے یہ داماں ہے مرا

بادشاہِ عشق ہوں، ہے تختِ جم مسند مری
دولتِ الفت مری حالِ پریشاں ہے مرا

نظم کا خسرو ہوں میں، ہر اک غزل میں ہے مری
ایک مضموں جس میں نامِ یار عنواں ہے مرا

٦٧

سروِ بُستانِ ملاحت قامتِ رعنائے تست
نورِ چشمِ عاشقانِ خستہ خاکِ پائے تست

من نہ تنہا گشتہ ام شیدائے دردت، جانِ من
ہر کرا جان و دل و دینے بوَد شیدائے تست

نیرِ اعظم کہ لاف از قربِ عیسیٰ می زند
ذرۂ از پرتوِ رخسارِ مہ سیمائے تست

در درونِ مسجد و دیر و خرابات و کنشت
ہر کجا رفتم، ہمہ شورِ تو و غوغائے تست

جانم از غیرت ز دستِ جاہلاں سوزید از انک
سرو را گویند مانندِ قدِ رعنائے تست

تا بہ مُلکِ دلبری سلطاں شدی اے شاہِ حسن
ہر کجا سلطانی و شاہی بوَد لالائے تست

وعدۂ دیدارِ خود کردی بہ فردا زاں سبب
جانِ خسروؔ منتظر بر وعدۂ فردائے تست

سروِ بُستانِ ملاحت ہے قدِ رعنا ترا
نورِ چشمِ عاشقاں ہے کحلِ خاکِ پا ترا

میں ہی تنہا ہوں نہ سودائی ترا، اے جانِ من
جو رکھے جان و دل و دیں ہے، وہ ہے شیدا ترا

نیرِ اعظم کو نازِ قربِ عیسیٰ، ہے و لے
نور اُس کا پرتوِ رخسارِ مہ سیما ترا

در درونِ مسجد و دیر و خرابات و کنشت
جا بجا ہے شہرہ و شور و غل و غوغا ترا

جاں جلاتی جاہلوں کی بات ہے میری وہ جب
سرو کو کہتے ہیں مانندِ قدِ رعنا ترا

تیری سلطانی ملکِ حسن و ناز و دلبری
شاہ و سلطاں کو کرے ہے والہ و شیدا ترا

مانگتا جو بھی ہے خسروؔ ٹالتا کل پر ہے تو
بن گیا آزارِ جاں ہے وعدۂ فردا ترا

۶۸

خرم آں چشمے کہ ہر روزش نظر بر روئے تست
شادیِ آں دل کہ ہر دم در دماغش بوئے تست

من ز تنہائی بہ خوں غرق و تو پہلوئے کساں
خونِ من در گردنِ آنکس کہ در پہلوئے تست

بر رُخت دنبالۂ زلفِ تو پایانِ شب است
و آفتابِ صبحدم اندر سفیدی روئے تست

بر شکر خوانند افسوں بہرِ دلجوئی، ولیک
شکرے کو خود فسوں خواند لبِ دلجوئے تست

موئے ابرو را گرہ نتواں زدن، لیکن ز کبر
صد گرہ بیش است بر ہر مو کہ در ابروئے تست

ہندواں را زندہ سوزند ایں چنیں مردہ مسوز
بندہ خسرو را کہ تُرک است آخر و ہندوئے تست

چشم وہ خرم جو دیکھے روز و شب رُو آپ کا
شاد وہ دل قید رکھے جس کو گیسو آپ کا

غرقِ خوں ہوں آپ کی فرقت میں اور خون ہے مرا
اس کی گردن پر، ملا جس کو ہے پہلو آپ کا

زلفِ شب رنگ آپکی رشکِ شبِ تاریک ہے
ماند مہ کرتا ہے، رخشانی سے مہ رُو آپ کا

ہیں فسوں پڑھتے شکر پر بہرِ دلجوئی، تو وہ
مانگتی ہے خود لبِ شیرینِ دلجُو آپ کا

موئے ابرو میں گرہ لگتی نہیں، پر کبر سے
ہے گرہ اندر گرہ ہر موئے ابرو آپ کا

تُرک ہے خسرو جلانا لاش کو جائز نہیں
گو یہ ہے اک بندۂ ناچیز ہندو آپ کا

٦٩

تا خیالِ نقطۂ خالت سوادِ چشمِ ماست
خاکِ پایت مردمِ چشمِ مرا چو توتیاست

حاجتِ کحل الجواہر نیست آنکس را کہ نیست
سرمہ از گردِ رہِ توسن کہ نورِ چشمِ ماست

تا گلِ رخسارِ تو بشگفت در باغِ وجود
عشقبازاں را چو بلبل کار با برگ و نواست

تا بہ طاقِ ابرویت آوردہ ام روئے نیاز
می نہ پندارم نمازم اندریں قبلہ رواست

جعدِ مرغولت کہ در ہر بندِ او صد حلقہ است
دامِ دلہائے اسیرانِ گرفتارِ بلاست

جامِ مے از دستِ ہشیارانِ مجلس تیرہ گشت
مفردے از خود گذشتہ دُردی آشامے کجاست

بے رخ و زلفِ سیاہش از ہواداریِ خویش
خسروِ دلخستہ را ہمدم بہ روز و شب صباست

خالِ مشکینِ رخِ جاناں سوادِ چشمِ ما
خاکِ پائے نازنیں در دیدۂ ما توتیا

حاجتِ کحل الجواہر دوسروں کو ہو تو ہو
سرمۂ گردِ رہِ توسن ہے نورِ چشمِ ما

باغِ ہستی میں کھلا جب سے گلِ رخ ہے ترا
عشق بازوں کو ہوا ہے کار با برگ و نوا

سر بہ سجدہ جب ہوئے ہیں طاقِ ابرو دیکھ کر
قبلہ رُو سجدے میں ہونا اب نہیں ہم کو روا

گیسوئے مرغولِ پیچا پیچ صد حلقہ ہوا
دامِ دلہائے اسیرانِ گرفتارِ بلا

ساقیا، محفل میں ہے میکش ہر اک ہشیار اب
بے خود و بے ہوش دُرد آشام تیرا کیا ہوا

زلفِ مشکیں نے کیا ایسا ہے برباد ہوا
خسروِ خستہ کی اب ہمدم ہے بس بادِ صبا

۷۰

ساقیا! مے دہ کہ امروزم سرِ دیوانگی ست
جامِ پُر گرداں کہ مرگم در تہی پیمانگی ست

من برغبت جاں دہم تا رحمت آری بر تنم
ایں عنایت درمیانِ دوستاں بیگانگی ست

شمعِ شیرینی چشیدہ ست ار بسوزد باک نیست
لذت از آتش گرفتن مذہبِ پروانگی ست

زاہدا! تعویذِ خود ضائع مکن بر من، از آنک
عشقِ من ضائع نخواہد شد کہ دیوِ خانگی ست

قصہ ہائے درد خوانم ہر شبے با بختِ خویش
ویں ہمہ بیداریِ من، زیں درازافسانگی ست

بسکہ در زنجیرِ خوبانم مسلسل شد سخن
ہر غزل از دفترِ من مایۂ دیوانگی ست

طعنہ ہائے دشمناں مشتاق را تاجِ سر است
نامِ رسوائی بہ کوئے عاشقاں فرزانگی ست

خسروا سلطانِ عشق ار می کُشد یاری مخواہ
زانکہ معزول است عقل و صبر بے پروانگی ست

ساقیا! دے مے کہ کم ہو غلبۂ دیوانگی
موت سے کچھ کم نہیں میری تہی پیمانگی

جان دیتا ہوں میں رغبت میں، نہ کر مجھ پر رحم
ہے عنایت درمیانِ دوستاں، بیگانگی

عشرتِ شمع ہے جلانا ہنس کے پروانوں کے پر
لذتِ پر سوختن ہے مذہبِ پروانگی

باندھ مت تعویذ زاہد، مجھ پہ یہ ضائع نہ کر
عشق جائے گا نہ دل سے، ہے یہ دیوِ خانگی

قصہ ہائے عشق کہتا ہوں میں اپنے بخت سے
تا اسے سونے نہ دے میری درازافسانگی

چاہتی زنجیرِ گیسو ہے مسلسل ہر غزل
ہے مرا دیوان سارا مایۂ دیوانگی

طعنۂ دشمن ہے شیدا کے لئے تاجِ سری
نامِ سودا ہے یہ کوئے عاشقاں فرزانگی

وہ جلاتا ہے اگر خسرو تجھے، شکوہ نہ کر
سب کرے معزول عقل و صبر ہے، پروانگی

۷۱

خانہ ام ویراں شد از سودائے خوباں عاقبت
گشت دل مدہوش و دل شیدائے خوباں عاقبت

گھر کرے برباد ہے سودائے خوباں، دوستوں
ہے مرا مدہوش دل شیدائے خوباں، دوستوں

ہست سر بر دوشِ من بارے و بارے می کشم
تا مگر اندازمش در پائے خوباں عاقبت

سر کبھی بر دوش ہے یہ اور کبھی بر آسماں
ہے مقام اس کا مگر در پائے خوباں، دوستوں

رائے آں دارم کہ خونم را بریزند اہلِ حسن
شد موافق رائے من با رائے خوباں عاقبت

رائے ہے میری کہ اہلِ حسن خونریزی کریں
متفق ہے رائے سے اِس، رائے خوباں، دوستوں

گرچہ بے مہرند مہرویاں بہ عشاقِ اے رقیب
جانِ عاشق می شود ماوائے خوباں عاقبت

گرچہ ہیں عشاق پر بے مہر، مہرویاں بہت
جانِ عاشق ہو ہے لے ماوائے خوباں دوستوں،

صبر و ہوشم از سوادِ زلفِ جاناں گشت کم
شد ہمیں سودِ من از سودائے خوباں عاقبت

ہے اگرچہ زلفِ جاناں صبر کی دشمن تو ہو
سود ہے میرے لئے سودائے خوباں دوستوں

بارہا گفتم کہ ندہم دل بہ خوباں لیک دل
گشت از جاں بندہ و مولائے خوباں عاقبت

چاہتا میں تھا نہ کرنا چاہ خوباں سے ولے
دل بنا ہے بندۂ شیدائے خوباں، دوستوں

بر دلِ مجروحِ خسرو دلبراں را نیست رحم
جاں بہ زاری داد از سودائے خوباں عاقبت

دل کیا مجروح خسرو کا کچھ ایسا عشق نے
جان اس کی لے گیا سودائے خوباں، دوستوں

۷۲

در شبِ ہجر کہ از روزِ قیامت بتر است
مردمِ دیدۂ من غرقہ بہ خونِ جگر است

ساکن از آب شود آتش و یا از دیدہ
غرقِ آبیم و ہنوز آتشِ ما تیزتر است

بہ طراوت رخِ تو رشکِ گلِ سیراب است
بہ تبسم دہنت غیرتِ تُنگِ شکر است

اے صبا، گر گذری بر سرِ آں کو برساں
خبرِ ما برِ آنکس کہ ز ما بے خبر است

قاصدِ کعبہ ز مقصود ندارد خبرے
گرچہ در بادیہ بیچارہ بہ جاں در خطر است

مرد ماں منکرِ عشق اند، منم کُشتۂ او
شیوۂ ما دگر و شیوۂ مردم دگر است

گر بنوشد قدحے خسروِ مسکیں گہ گاہ
عیبِ او پوش کہ ایں شیوۂ اہلِ نظر است

یہ شبِ ہجراں کہ ہے روزِ قیامت سے بتر
مردمِ دیدہ کرے ہے غرقۂ خونِ جگر

آب و آتش کو ملاتی آنکھ ہے کیسے مری
غرق پانی میں ہے پر آتش ہے اس کی تیز تر

خرمی سے رخ ترا رشکِ گلِ تازہ و تر
لب ترے اندر تبسم غیرتِ شہد و شکر

اے صبا جائے اگر تُو کوئے جاناں میں کبھی
دے خبر میری اسے جو ہے نہایت بے خبر

قاصدِ کعبہ نہیں مقصد سے اپنے باخبر
جان اس کی ہے اگرچہ دشت میں اندر خطر

منکرِ الفت ہیں مردم عشق کا مقتول ہیں
طور میرا ہے دگر ہے شیوۂ مردم دگر

گاہے گاہے میکشی کرتا ہے گر خسرو ترا
عیب پوشی کر کہ ہے یہ شیوۂ اہلِ نظر

۴۳

فتنۂ اہلِ نظر چوں بہ جہاں طلعتِ اوست
نظرِ عاشقِ شیدا ہمہ بر صورتِ اوست

عشقِ آں روی بلائے و منش می طلبم
ہر کرا معرفتے ہست بلا نعمتِ اوست

باغباں سروِ سہی را مکن از باغ رواں
کایں نظر ہائے خلایق ہمہ بر قامتِ اوست

ہوسِ زاہدِ بیچارہ بہشت است و نعیم
طلبِ عاشقِ شیدا ہمگی رحمتِ اوست

بر درِ پیرِ مغاں رفتم و جستم نظرے
ایں ہمہ بخشش ازاں یک نظرِ ہمتِ اوست

خسروا رخاکِ کفِ پائے بتاں گشت چہ باک
ہر کہ در کوئے بتاں خاک شود ہمتِ اوست

فتنۂ اہلِ نظر ہے بہ جہاں طلعتِ او
نظرِ عاشقِ شیدا بھی ہے بر صورتِ او

ہے طلب ایک بلا اور طلبگار ہوں میں
معرفت یار سے جس کو ہے بلا نعمتِ او

باغباں کر نہ رواں سروِ سہی گلشن سے
ہیں نظر ہائے خلائق ہمہ بر قامتِ او

ہوسِ زاہدِ بیچارہ بہشت و نعمت
طلبِ عاشقِ شیدا کرم و رحمتِ او

بر درِ پیرِ مغاں لطف و مہربانی سے
بخشش عام ہے کرتی نظرِ ہمتِ او

کیا ہوا خاک ہے گر پائے بتاں کی خسرو
خاک شیدا کو کرے عشق میں ہے ہمتِ او

۷۴

بندِ جانم زخمِ سلسلۂ موئے کسے ست
زخمِ جانم زکمانخانۂ ابروئے کسے ست

شب زغم چوں گذرانم منِ تنہا ماندہ
اے خوش آنکس کہ شبش تکیہ بہ پہلوئے کسے ست

از کجا آمدی ' اے باد کہ دیوانہ شدم
بوئے گل نیست کہ می آید ایں بوئے کسے ست

پندِ خود بیہدہ ضائع مکن ' اے صاحبِ پند
کز توام نیست خبر زانکہ دلم سوئے کسے ست

بو کہ از گم شدۂ خویش نشانے یابم
روز و شب گشتیم ہر جا کہ سرِ کوئے کسے ست

گر تو منکر شوی ' اے شوخ ' بداند ہمہ کس
کایں بلائے دلم از نرگسِ جادوئے کسے ست

ہمہ بہرِ دگران ست زکوٰۃِ حسنت
آخر ایں خسروِ بے چارہ دعاگوئے کسے ست

بندِ جاں ' کارِ خمِ سلسلۂ موئے فلاں
زخمِ دل فیضِ کمانخانۂ ابروئے فلاں

ایک میں ہوں کہ مرا کلبۂ غم ہے تکیہ
ایک وہ ہے جو کرے تکیہ بہ پہلوئے فلاں

چل کے آئی تو کہاں سے ہے کہ اے بادِ صبا
تیری نکہت میں بہت آج ہے کچھ بوئے فلاں

مجھ پہ ضائع نہ کر ' اے ناصح نصیحت اپنی
میں ہوں مغلوبِ ہوس ' دل ہے مرا سوئے فلاں

گم شدہ ہوں میں کچھ ایسا کہ جہاں جاتا ہوں
کوچہ ہر اک ' مجھے لگتا ہے کہ ہے کوئے فلاں

وہ نہیں مانتا گو جانتے ہیں لوگ کہ ہے
صد بلا دل کے لئے دیدۂ جادوئے فلاں

کہووے خسرو سے ہے جب حسن کی دیوے ہے زکوٰۃ
ہے تو مسکین مگر تو ہے دعا گوئے فلاں

۷۵

کشتۂ تیغِ جفایت دلِ درویشِ من است خستۂ تیرِ بلایت جگرِ ریشِ من است	کشتۂ تیغِ جفا ہے دلِ درویش مرا خستۂ تیرِ بلا بھی ہے جگر ریش مرا
نیک خواہے کہ کند منع ز عشقِ تو مرا منکر آں داں بہ حقیقت کہ بداندیشِ من است	جو ترس کھا کے منع عشق سے کرتا ہے مجھے در حقیقت ہے وہ غمخوار، بد اندیش مرا
ہر گروہے بگزیدند بہ عالم دینے عاشقی دینِ من و بیخبری کیشِ من است	ہوں برا تو مگر اے شیخ میں بے دین نہیں عاشقی دیں ہے مرا بے خبری کیش مرا
صبر دارم کم و شوقِ رخِ او از حد بیش غیر ازیں نیست دگر، ہر چہ کم و بیشِ من است	کم ہے گر صبر تو ہے بیش تمنا دل میں ہے کم و بیش یہی ایک کم و بیش مرا
گفتم از نوشِ لبت کام کہ یابد، گفتا آنکہ مجروح تر از غمزۂ چو نیشِ من است	مانگے نوش تو کہتا ہے کہ دیتا ہوں اُسے نوش سے بیش ہے نوشین جسے نیش مرا
گر دل از من بہ برید و بتو پیوست، چہ باک آشنا با تو و بیگانہ ز من، خویشِ من است	آشنا تیرا بنا قلب ہے میرا جب سے مجھ سے بیگانہ ہوا بیش ہے یہ خویش مرا
جاں ازیں بادیہ خسرو نتواں برد بہ جہد آہ ازیں وادیِ خونخوار کہ در پیشِ من است	خسرو اس وادیِ خونخوارِ محبت سے بچا ریش ہو جائے گا یاں اور دلِ ریش مرا

۷۶

عشق با جاں بہم از سینہ بروں خواہد رفت
تا ندانی کہ بہ تعویذ و فسوں خواہد رفت

دل گرفتار و جگر خستہ و تن زار ہنوز
تا چہا بر سرِ مسکینِ زبوں خواہد رفت

کافرے بر سرم افتاد و دلم خود شدہ بود
نیم جانے کہ بجا بود کنوں خواہد رفت

تا توام دیدہ برافگند چوں تو برگشتی
تا میانِ من و او باز چہ خوں خواہد رفت

چند خونابہ خورم ہیچ گہے از دلِ من
یارب ایں سلسلۂ غالیہ گوں خواہد رفت

چند گوئی کہ فراموش کن اورا خسرو
آخر ایں روئے نکو از دل چوں خواہد رفت

لے کے جاں عشق جو سینے سے بروں ہووے ہے
کارگر کچھ نہیں تعویذ و فسوں ہووے ہے

دل گرفتار و جگر خستہ و تن بے چارہ
کیا نہ کچھ برسرِ مسکینِ زبوں ہووے ہے

ایک غمزے سے ہی اس دشمنِ جاں کے میرا
نیم جاں تن میں جو تھی آج بروں ہووے ہے

خون گوں رخ ترا آلودۂ خوں چشم مری
درمیاں میرے ترے خون ہی خوں ہووے ہے

خون کرتا ہے عدو دل کا مرے جب اس کے
ہاتھ میں سلسلۂ غالیہ گوں ہووے ہے

کیوں سمجھتا نہیں واعظ تو غمِ خسرو کو
دل رکھے تو ہے اگر درد نہ کیوں ہووے ہے

۷۷

تا ندانی زدلم یار بروں خواہد رفت
گرچہ برمن ستم از شرح فزوں خواہد رفت

تُرکِ من تاختن آورد بریں جانِ خراب
جاں کہ زیں پیش نرفتہ ست کنوں خواہد رفت

مست و دیوانہ وش از خانہ بروں می آئی
باز تا بر سرِ بازار چہ خوں خواہد رفت

مردمی کرد کہ می خواست بپرسم نامش
زانکہ می دانم و در دیدہ دروں خواہد رفت

می کنم شُکرِ غمت کوست مراہمرہ بس
جاں در آں روز کہ از سینہ بروں خواہد رفت

خسروا چند غزل خوانی کہ تا غم برود
ایں نہ دیوے ست کہ از سحر و فسوں خواہد رفت

عشق دل سے نہ کسی طرح بروں ہووے ہے
گرچہ ہر دم ستمِ یار فزوں ہووے ہے

زخم دیتا ہے مرا تُرک اگرچہ کاری
جان تن سے نہ کسی طرح بروں ہووے ہے

مست و آشفتہ نکل آوے ہے گر وہ گھر سے
دل مرا برسرِ بازار یہ خوں ہووے ہے

دیکھ آکر کبھی اے جاں کہ مرے دل میں ترا
نقش کس طرح رہِ دیدہ دروں ہووے ہے

دیکھ آکر یہ تماشا کہ ترے غم کو لئے
جان کیسے مرے سینے سے بروں ہووے ہے

کچھ ذرا سا بھی نہ خسرو کی غزل خوانی کا
دیوِ غم پر اثرِ سحر و فسوں ہووے ہے

۷۸

دوش لعلِ تو مرا تا بہ سحر مہماں داشت
مردۂ ہجر ز بوئے تو ہمہ شب جاں داشت

روئے تو دیدم و شد درد فراموش مرا
سینہ کز ناوکِ ہجرت بہ جگر پیکاں داشت

دلِ من گرچہ بہ بیداد شد از زلفِ تو تنگ
مُلکِ او شد کہ ز سلطانِ رُخت فرماں داشت

سوزشِ سینۂ من دید و کنارم نگرفت
کہ ہنوز ایں تنِ بد روز تپِ ہجراں داشت

اے کہ گوئی تو کہ در پیشِ صنم سجدہ چہ شد
ایں بداں گوی کہ آں دم خبر از ایماں داشت

نظرے کردم و دُزدیدہ مرا جاں بخشید
کز رقیبانِ خنک دزدیِ من پنہاں داشت

خسروؔ امشب شرفِ بندگیِ جاناں یافت
مگس امروز سرِ مائدۂ سلطاں داشت

تُو جو ہوتا مرے پہلو میں کبھی مہماں ہے
ڈالتی مردۂ ہجراں میں تری بُو جاں ہے

رخ ترا دیکھ کے ہو وے ہے غمِ جاں رخصت
ناوکِ ہجر کا گو، دل میں لیے پیکاں ہے

سن کے سلطان بنے ہے دلِ مسکیں میرا
بھیجتا، اے شہِ خوباں، تُو اگر فرماں ہے

سوزشِ سینہ فزوں اور کرے ہے فرقت
مضطرب کرتا تنِ زار، تپِ ہجراں ہے

سجدہ کرتا ہوں اگر پیشِ صنم، اے زاہد
بے خودی دین مرا، عشق مرا ایماں ہے

ہے اگر خوفِ عدو دیکھ یہ دُزدیدہ نظر
دل ہے محرم یہ رکھے راز ترا پنہاں ہے

شرفِ بندگیِ یار ملا خسروؔ کو
مگس اک آج سرِ مائدۂ سلطاں ہے

۷۹

تا زید بندہ غمِ عشق بہ جاں خواہد داشت
سر بہ خاکِ رہِ آں سروِ رواں خواہد داشت

اے پسر، عہدِ جوانی ست، زکوتے می دہ
روزگارت نہ ہمہ عمر جواں خواہد داشت

چشم و ابرو منما، زانکہ بلا خواہد خاست
فتنہ گر دست بداں تیر و کماں خواہد داشت

توبہ کردی ز جفا، نیست مرا باور، زانک
نازِ خوبی و جوانیت بر آں خواہد داشت

گفتی، ار من برَوم، ہیچ مرا یاد کنی
ایں حکایت بہ کسے گوی کہ جاں خواہد داشت

عشق را گفتم دل راز نہاں می دارد
گفت، من دانم و او چند نہاں خواہد داشت

خسروا، از تو چرا صبر گریزانست چنیں
چند ازیں واقعہ خود را بہ کراں خواہد داشت

عمر بھر بندہ غمِ عشق بجاں رکھتا ہے
سر بخاکِ رَوِشِ سروِ رواں رکھتا ہے

صدقۂ حسن مجھے بخش جواں سالی میں
عمر بھر وقت کسی کو نہ جواں رکھتا ہے

چشم و ابرو میں بلا کی ہے بلا انگیزی
فتنہ تیار ترے تیر و کماں رکھتا ہے

ہے نہ باور مجھے، کی تُو نے جفا سے توبہ
ناز پروردہ ہے تو، حسنِ جواں رکھتا ہے

یاد کیونکر نہ کروں، بھول میں جاؤں کیسے
عشق آباد تری یاد سے جاں رکھتا ہے

راز داری کا کیا میں نے جو دعویٰ، بولا
رازِ الفت کو بھلا کون نہاں رکھتا ہے

صبر خسرو نہیں دل میں تو عجب ہے نہ کوئی
ہو جسے عاشقی، وہ صبر کہاں رکھتا ہے

۸۰

ساقیا، بادہ دہ امروز کہ جاناں اینجاست
سرِ گلزار ندارم کہ بُستاں اینجاست

دگرم نُقل و شراب نبوَد، گو کم باش
گریۂ تلخ و شکر خندۂ پنہاں اینجاست

نالہ چندیں مکن، اے فاختہ، کامشب در باغ
با گلے ساز کہ آں سروِ خراماں اینجاست

یار در سینہ و من در سکراتِ اجلم
دست در سینۂ من سای و ببیں جاں اینجاست

خواہ اے جاں برو و خواہ ہمی باش کہ من
مُردنی نیستم امروز کہ جاناں اینجاست

اے مگس چند بگردِ لبِ آں مست پری
کُنج ہائے دہنش بیں شکرستاں اینجاست

سالہا آں دلِ گم گشتہ کہ جُستی، خسرو
ہم ہمیں جاش طلب، زلفِ پریشاں اینجاست

ساقیا، جام دے امروز کہ جاناں ہے یہاں
جاؤں گلزار میں کیوں جب مرا بُستاں ہے یہاں

نُقل و بادہ کی نہ حاجت رہی کچھ اب مجھ کو
گریۂ تلخ و شکر خندۂ پنہاں ہے یہاں

کر نہ اے فاختہ فریاد، ذرا دیکھ کہ وہ
آئے کس ناز سے اک سروِ خراماں ہے یہاں

یار سینے میں ہے گو وقتِ نزع ہے لیکن
جان نکلے گی نہیں اس سے کہ جاناں ہے یہاں

جان لینے کے لئے، اے ملک الموت نہ آ
مر نہیں سکتا ہوں میں آج کہ جاناں ہے یہاں

اے مگس کر نہ قناعت تو لبِ شیریں پر
یہ دہن دیکھ کہ کیسا شکرستاں ہے یہاں

ڈھونڈتا ہے دلِ گم گشتہ تو خسرو اور وہ
قید آرام سے در زلفِ پریشاں ہے یہاں

٨١

گر بگویم کہ درونِ دلِ من پنہاں چیست
خود بگوئی و بدانی کہ غمِ ہجراں چیست

کُشتنم خواہی و اینک سر و اینک خنجر
می کُشی یا بزیم چند گہے فرماں چیست

دردِ تو آتش و آب از دل و چشم بکشاد
بہ جز از سوختن و غرقہ شدن درماں چیست

عشق داند کہ زمیں را زچہ شوید اشکم
نوح داند کہ جہاں را سببِ طوفاں چیست

دارم امید کہ چوں بخت در آرم بہ برت
تاز تو بختِ منِ بے سر و بے ساماں چیست

زلف را پرس اگرت نیست یقیں کز زلفت
حالِ خسرو بہ شبِ تیرۂ بے پایاں چیست

ہو خبر تجھ کو کہ ہے دل میں مرے پنہاں کیا
تجھ پہ روشن ہو کہ ہے یہ الم ہجراں کیا

سر مرا خم ہے ترے ہاتھ میں شمشیر بھی ہے
جان جائے کہ رہے اب ہے ترا فرماں کیا

آتش و آب بھرے غم نے دل و دیدہ میں
اب سوا سوزش و غرقہ ہے رہا درماں کیا

پوچھ مجنوں سے کہ ہے اشک کا سیلاب یہ کیا
نوح سے پوچھ کہ ہے دبدبۂ طوفاں کیا

شوق بھی ہے مجھے، ہے خوف بھی امید بھی ہے
دیکھ ہے بخت مرا بے سر و بے ساماں کیا

گر یقیں ہے نہ مرا پوچھ لے گیسو سے کہ ہے
حالِ خسرو بہ شبِ تیرۂ بے پایاں کیا

۸۲

آنکہ بردہ ست دلم زلفِ پریشاں این ست
آنکہ کُشتہ ست مرا، نرگسِ فتاں این ست

آمد آں سروِ خراماں و بہ خاکم بنشست
وہ کہ باجاں رود از سروِ خراماں این ست

زآشنائیٔ خطرم باشد و می گفت حکیم
دانم آں زود کُش و دیرِ پشیماں این ست

گر غمے گیردت از کُشتنِ من عیب مگیر
چہ کنم، خاصیتِ خونِ مسلماں این ست

ہمہ شب جانِ من است و غمِ جاناں تا روز
عاقبت در سرِ ایشاں رود از جاں این ست

تیغ عشق است، محاباش نباشد خسرو
سرِ تسلیم فرو آر کہ فرماں این ست

لے گئی دل جو مرا زلفِ پریشاں ہے وہ
قتل کر جس نے دیا، دیدۂ فتاں ہے وہ
بعد مرنے کے مری خاک پہ آ کر بیٹھا
بن گیا خاک نشیں سروِ خراماں ہے وہ
عشق جب مجھ کو ہوا اُس سے تو واعظ نے کہا
یاد رکھ، زود کُش و دیرِ پشیماں ہے وہ
قتل کرنے پہ پشیمان کیا ہے. جس نے
خاص اک خاصیتِ خونِ مسلماں ہے وہ
دشمنِ جان رہا ہے غمِ جاناں شب بھر
پر کرے صبح مری ہمدمیِ جاں ہے وہ
سر جھکا سامنے قاتل کے تُو خسرو اپنا
قتل کا حکم ہے جو عشق کا فرماں ہے وہ

۸۳

یارب، اندرِ دلِ خاک آں گلِ خنداں چونست
ماہِ تابانِ من اندر شبِ ہجراں چونست

من چو یعقوب زگریہ شدہ ام دیدہ سفید
آخر آں یوسفِ گم گشتہ بہ زنداں چونست

من درایں خاک بہ زندانِ غم از دُوریِ او
او زمن دُور بہ صحرا و بیاباں چونست

گوہرے بوذ کزیں دیدہ بغلطید بہ خاک
دیدہ خود خاک شد، آں گوہرِ غلطاں چونست

ہمہ جاں بود زبس لطف چوں جانِ بے تن
ایں زماں در تہِ گل با تنِ پنہاں چونست

سبزہ چو خضر ز پیراہنِ خاکش برخاست
در ہوائے عدم آں چشمۂ حیواں چونست

مردماں باز بپرسید ز خسروؔ کہ کنوں
در غمِ دوست ترا دیدۂ گریاں چونست

خاک میں، میرے خدا، وہ گلِ خنداں کیوں ہے
ماہِ تاباں مرا اندر شبِ ہجراں کیوں ہے

چشمِ یعقوب کی طرح جو سفید آنکھ ہوئی
پھر مرا یوسفِ گم گشتہ بہ زنداں کیوں ہے

خاک میں چھانتا پھرتا ہوں غمِ جاناں میں
دُور مجھ سے وہ، بہ صحرا و بیاباں کیوں ہے

گرنا گر آنکھ سے تھا، ہنستا مرے دامن پر
خاک میں گر کے ملا گوہرِ غلطاں کیوں ہے

تھا بہت زیبِ گلستاں جو گلِ اندام مرا
آج وہ در تہِ گل ہو گیا پنہاں کیوں ہے

خاک سے نکلا خضر بن کے جو سبزہ اسکی
پھر عدم میں وہ مرا چشمۂ حیواں کیوں ہے

کیا کہوں پوچھتے جب لوگ ہیں خسروؔ مجھ سے
کیوں غمِ عشق تجھے، دیدۂ گریاں کیوں ہے

۸۴

در سرم تا ز سرِ زلفِ تو سودائے ہست
دلِ شیدائے مرا با تو تمنائے ہست

دل کہ از غمزہ ربودی بہ سرِ زلفِ سیاہ
گرچہ دُزدیست سیہ کارِ دل آسائے ہست

باغباں تا گلِ صد برگِ رخِ خوبِ تو دید
در چمن بیش نگوید گلِ رعنائے ہست

ہر شبے در غمِ ہجرت شبِ یلدائے مرا
کہ بہ سالے بہ جہاں یک شبِ یلدائے ہست

چوبِ خشک است بہ پیشِ قدِ تو ہر سروے
گرچہ او را بہ چمن قامت و بالائے ہست

مُردم از حسرتِ دیدار و نگفتی روزے
کہ مرا سوختۂ غم زدہ رسوائے ہست

دعویِ ہستی و ناموس مکن خسرو ہیچ
تا ترا میلِ نظر بر رخِ زیبائے ہست

سر مرا رکھتا سرِ زلف کا سودا ہے اک
قلبِ شیدا میں مرے تیری تمنا ہے اک

زلفِ مشکیں نے چرایا مرا دل چپکے سے
یہ مگر دزدِ سیہ کار دل آسا ہے اک

جب سے دیکھا گلِ صد برگِ رخِ روشن ہے
باغباں کچھ نہ ترا اب گلِ رعنا ہے اک

چاہیے جتنی شبِ مہتاب ہو روشن اے جاں
تیری فرقت میں مجھے وہ شبِ یلدا ہے اک

سامنے قد کے ترے کچھ نہیں اک سروِ سہی
چاہیے جتنی وہ رکھے قامتِ بالا ہے اک

تیری حسرت میں مرا تُو نے کہا تک بھی نہیں
یہ مرا غم زدۂ سوختہ رسوا ہے اک

دعویِ ہستی و ناموس نہ کر اے خسرو
جب تلک میلِ نظر بر رخِ زیبا ہے اک

۸۵

ستمے از تو کشد مردِ، ستم نتواں گفت
نامِ بیدادِ تو جز لطف و کرم نتواں گفت

آرزوئے تو ز روئے دگراں کم نشود
حاجتِ کعبہ بہ دیدارِ حرم نتواں گفت

حسنِ تو خانہ بر اندازِ مسلمانان ست
نازہا ہم یارب و زنہار کہ کم نتواں گفت

تا چہ سرہائے عزیزاں بہ درت خاک شدہ ست
وہ کہ آں خاکِ قدم، خاکِ قدم نتواں گفت

چو منے باید تا باورش آید غمِ من
تو کہ دیوانہ و مستی بہ تو غم نتواں گفت

خسروا گر شدت یار، مگو کایں ستم است
عدلِ خوباں را بہ بیہودہ ستم نتواں گفت

تو نے جو کچھ بھی دیا اُس کو ستم کہہ نہ سکے
تیری بیداد کو جز لطف و کرم کہہ نہ سکے

آرزو تیری بہ وصلِ دگراں کم نہ ہوئی
جلوتِ دیر کو دیدارِ حرم کہہ نہ سکے

حسن کو خانہ بر انداز اگر کہتے ہیں
ناز کو فتنہ و آشوب سے کم کہہ نہ سکے

خاکِ در بن گئے گو مفتی و مرشد کے سر
خاک کو ان کی مگر خاکِ قدم کہہ نہ سکے

مستِ دیوانگی ہم، مستِ تکبر تھا وہ
حال ایسا تھا کہ کچھ قصۂ غم کہہ نہ سکے

قتل ہوتا ہوا خسروؔ کو تو دیکھا لیکن
عدلِ خوباں تھا اسے جور و ستم کہہ نہ سکے

۸۶

اثرے نماند باقی ز من اندر آرزویت
چہ کنم کہ سیرِ دیدن نتواں رخِ نکویت

ہمہ روز گردِ کویت، ہمہ شب بر آستانت
غرضے جز ایں ندارم کہ نظر کنم بہ رویت

بہ وفا کہ در پذیری کہ من از پئے وفایت
دلِ خوں گرفتہ کردم خورشِ سگانِ کویت

خرد و ضمیر و ہوشم، دل و دیدہ نیز ہم شد
بہ ہمہ خیال خالی بہ جز از خیالِ رویت

من اگر نمی توانم حقِ خدمتِ زیادت
کم ازیں کہ جانِ شیریں بدہم در آرزویت

ز نسیم جانفزایت، دلِ مردہ زندہ گردد
ز کدام باغی اے گل کہ چنیں خوش است بویت

پس ازیں کہ جائے آنت کہ ز حالِ خود بگویم
کہ فسانہ گشت خسرو بہ جہاں ز جستجویت

نہ کرے اثر ذرا بھی مرے دل کی آرزو ہے
نہ مجھے دکھائے جلوہ ترا چہرۂ نکو ہے

ہمہ روز گردِ کوئے، ہمہ شب بر آستانے
طلب ایک دیکھنے کی ترا حسنِ خوبرو ہے

سگِ باوفا ہوں ایسا کہ بنا تری وفا میں
دلِ خوں گرفتہ میرا خورشِ سگانِ کو ہے

دل و دیدہ و ضمیر و خرد و شعور و دانش
نہ کوئی خیال ان میں بجز اک خیالِ رو ہے

نہیں گرچہ حقِ خدمت تو نثار تجھ پہ کر دوں
میں یہ اپنی جانِ شیریں یہی ایک آرزو ہے

دلِ مردہ ہووے زندہ تری بادِ جاں فزا سے
اے سمن کہاں سے لائی تو یہ ایک مشک بو ہے

ہے کچھ اس قدر پُر افسوں یہ ترا فسانہ خسرو
ترے یار کی یہ سن کر ہوئی سب کو جستجو ہے

۸۷

عاشقاں را دردِ بے مرہم خوش است
بیدلاں را دیدۂ پُرنم خوش است

گر سخن در گوشِ جاناں می رسد
گفت وگوئے ہر کہ در عالم خوش است

گر بتاں از دردِ عشاق آگہند
ہر کجا دردے ست بے مرہم خوش است

جانِ من آزارِ دل چندیں مجو
خود دریں ایام دلہا کم خوش است

زلف را بہرِ خدا شانہ مزن
ہمچناں آشفتہ و درہم خوش است

وصلِ تو خوش بود وقتے وِیں زماں
ناخوشی ہائے فراقت ہم خوش است

خسروا با بیدلی خُو کن کہ دل
ہم دراں گیسوئے خم در خم خوش است

عاشقوں کو دردِ بے مرہم ہے خوش
بیدلوں کو دیدۂ پُرنم ہے خوش

بات کوئی جب بھی جاناں کی کرے
گفتگوئے حسنِ دو عالم ہے خوش

ہو بتوں کو درد سے گر آگہی
درد جتنا بھی ہو بے مرہم ہے خوش

جانِ من آزار اور اس کو نہ دے
آجکل یہ دل مرا کچھ کم ہے خوش

زلف کو اپنی نہ کر آراستہ
یہ لگے آشفتہ و درہم ہے خوش

وصل کی لذت سے بہتر کچھ نہیں
پر غمِ فرقت نہیں کچھ کم ہے خوش

خسروا! بیدلی خو کر کہ دل
رہ کے در گیسوئے خم در خم ہے خوش

۸۸

مفلسی از پادشائی خوشتر است
مفسدی از پارسائی خوشتر است

پادشاہی راست دردِ سر ولے
چوں نگہ کردم گدائی خوشتر است

پادشاہاں چوں بخود ندہند راہ
بافقیراں بے نوائی خوشتر است

آدمی چوں کبر در سر می کند
باسگِ کو آشنائی خوشتر است

دل کہ از سودائے خوباں بشکند
آں شکست از مومیائی خوشتر است

آشکارا عشق بازی بابتاں
از بسے زہدِ ریائی خوشتر است

عشقِ دوناں خسروا از سر بنہ
عشق باسرِ خدائی خوشتر است

مفلسی از پادشائی خوب تر
مفسدی از پارسائی خوب تر

پادشاہی میں بہت دردِ سری
از شہنشاہی گدائی خوب تر

پادشاہوں کو مبارک مال و زر
یا فقیراں بے نوائی خوب تر

رہ نشیں بے نوا کے واسطے
باسگِ کو آشنائی خوب تر

عشق میں عشاق کو کھا کر شکست
زخمِ دل از مومیائی خوب تر

مے پرستوں عشق بازوں کے لئے
عیب از زہدِ ریائی خوب تر

بارگاہوں سے بہت خسرو تجھے
عشق یا بارِ خدائی خوب تر

۸۹

اے دہانت چشمۂ آبِ حیات
شمعِ رویت آفتابِ کائنات

تا دلم از شادیِ وصلت نماند
از کمندِ غم نمی یابم نجات

گریہ را مپسند ہر دم تا بہ کے
پیشِ چشم از گریہ جیحون و فرات

ہر کہ بے تو زندہ ماند مردہ بہ
جز وصالت نیست مقصودِ حیات

بت پرستاں گر ز تو آگہ شوند
یاد نارند از بتانِ سومنات

ہمچو ذرہ در ہوائے مہرِ تو
نیست خسرو را دمے صبر و ثبات

ہے دہن اک چشمۂ آبِ حیات
رخ ترا ہے آفتابِ کائنات

شادیِ وصلت اگر دل کو ملے
ہو کمندِ رنج سے اس کو نجات

رات دن رونے سے تیرے ہجر میں
بھر گئے اشکوں سے جیحون و فرات

موت جینے سے ہے بہتر بن ترے
وصل اک تیرا ہے مقصودِ حیات

تیری صورت دیکھ لیں گر بت پرست
پھر نہ پوجیں وہ بتانِ سومنات

مثلِ ذرہ پر توئے خورشید میں
ہے نہ خسرو کو ترے صبر و ثبات

۹۰

اے کہ روئے تو حیاتِ جانست
دیدہ جایت شدہ جائے آنست

ماہ را از رخِ چو خورشیدت
در شبِ چار دہم نقصانست
سخن اندر لبِ تو دل ببرد
دل چہ باشد، سخن اندر جانست

بے لبت ہر لبِ لعلے کہ گزم
سنگ ریزہ بہ تہِ دندانست

بہ گرِ گریہ سوادِ چشم
تیرہ گوئی کہ شبِ بارانست
گفتیم غم مخور و آساں گیر
ایں بہ گفتن صنما آسانست
دُور از شعلۂ آہِ خسرو
کہ دلش سوختۂ ہجرانست

روئے روشن ترا اے جان، حیاتِ جاں ہے
چشمِ جادو تری لے جائے ولے ایماں ہے
آفتابِ رخِ تاباں سے ترے، ماہ کو بھی
خوفِ شرمندگی و وسوسۂ نقصاں ہے
سخنِ تلخ جو نوشیں ہے دہن میں تیرے
لب پہ آئے تو بنے اور بھی نوشِ جاں ہے
کاٹتا ہوں کوئی لب گر میں سوا لب کے ترے
سنگ ریزہ وہ بنے ایک تہِ دنداں ہے

زار و گریہ سے شب و روز، سوادِ دیدہ
ہو گیا تار بہت شکلِ شبِ باراں ہے
تُو جو کہتا ہے کروں عشق کو آساں دل پر
یہ نہ کہنے سے کسی کے بھی ہوا آساں ہے
شعلۂ آہ سے خسرو کے ہے بچنا بہتر
دل ہوا اس کا بہت سوختۂ ہجراں ہے

۹۱

اے دل غمیں مباش کہ جاناں رسیدنی ست
در کامِ تشنہ چشمۂ حیواں رسیدنی ست

اے دل، نہ ہو ملول کہ جاناں پہنچ گیا
تشنہ دہن ہیں چشمۂ حیواں پہنچ گیا

اے دردمندِ ہجر، مینداز دل ز درد
کانیک طبیب آمدہ، درماں رسیدنی ست

گر دردِ ہجر نے کیا بد حال، غم نہ کر
لے کر طبیب درد کا درماں پہنچ گیا

اے گلستانِ عمر، ز سر برگ تازہ کن
کاں مرغِ آشیاں بہ گلستاں رسیدنی ست

اے باغِ عمر اور ہو آراستہ کہ اب
یہ مرغِ آشیاں بہ گلستاں پہنچ گیا

پروانہ وار پیش رَوم بہرِ سوختن
کاں شمعِ دیدہ در شبِ ہجراں رسیدنی ست

اے شمعِ چشم، گریہ کناں دیکھ کر تجھے
پروانہ ایک در شبِ ہجراں پہنچ گیا

در رہ بساطِ لعل ز خونِ جگر کشم
کاں نازنیں چو سروِ خراماں رسیدنی ست

خوں کا بساطِ لعل بچھا ہر روش پہ ہے
کیا باغ میں وہ سروِ خراماں پہنچ گیا

آورد بخت مژدہ کہ خسرو تو غم مخور
تیرِ بلا بہ سینہ فراواں رسیدنی ست

لایا نوید بخت ہے خسرو تو غم نہ کر
تیرِ بلا بہ سینہ فراواں پہنچ گیا

۹۲

اے آرزوے دیدہ، دلم در ہوائے تست
جانم اسیرِ سلسلۂ مشک سائے تست

گہ خشم و گہ کرشمہ و گہ عشوہ گاہ ناز
مسکیں کسے کہ شیفتہ و مبتلائے تست

تا چند تیغ برکشی و سر طلب کنی
اینک سرے کہ می طلبی زیرِ پائے تست

ما جاں فدائے خنجرِ تسلیم کردہ ایم
خواہی بہ بخش و خواہ بکُش رائے رائے تست

دل رفت و نیز سینہ تہی شد ز آبِ چشم
اے صبر، باز گرد کہ آں جائے جائے تست

اے قرصِ آفتاب کہ دُوری ز دستِ ما
آخر لبے بہ بخش کہ خسرو گدائے تست

اے آرزوئے چشم کہ دل در ہوائے تو
جاں تک اسیرِ سلسلۂ مشک سائے تو

گہ خشم و گہ کرشمہ و گہ ناز و گہ ادا
کرتے ہیں دل کو شیفتہ و مبتلائے تو

کھینچے ہے تیغ اور طلب تُو کرے ہے سر
جاناں، طلب جو سر ہے وہ ہے زیرِ پائے تو

ہم جاں فدائے خنجرِ تسلیم کر چکے
جو چاہے کر کہ رائے ہماری ہے رائے تو

خوناب لے کے چشم نے سینہ تہی کیا
اے صبر اب یہاں پہ ہر اک جا ہے، جائے تو

اے قرصِ آفتاب وہ لائق نہیں، ولے
لب اس کو بخش دے کہ ہے خسرو گدائے تو

۹۳

اے باد، ازاں بہار خبر دہ کہ تا کجاست
دُزدیدہ زاں نگار خبر دہ کہ تا کجاست

گر ہیچ در رہے گذر آتش رسیدہ ای
یکرہ ازاں سوار خبر دہ کہ تا کجاست

من ہمچو گل بسوختم از آفتابِ غم
آں سروِ سایہ دار خبر دہ کہ تا کجاست

من زآبِ دیدہ شربتِ غم نوش می کنم
آں لعلِ خوشگوار خبر دہ کہ تا کجاست

جانم چو سرمہ سودہ شد از سنگِ آرزو
آں چشمِ پُر خمار خبر دہ کہ تا کجاست

خسرو کہ ایں حدیث زیادے شنیدہ ای
بر پرٔ وزاں دیار خبر دہ کہ تا کجاست

اے بادِ نوبہار، خبر دے کہ ہے کہاں
وہ گلبدن نگار، خبر دے کہ ہے کہاں

آئی جو رہگزر سے ہے تُو چل کے اے صبا
میرا وہ شہسوار، خبر دے کہ ہے کہاں

میں غم کے آفتاب کی تابش سے جل گیا
وہ سروِ سایہ دار، خبر دے کہ ہے کہاں

کرتا ہوں نوش شربتِ غم آنسوؤں کا میں
نوشِ لبِ نگار، خبر دے کہ ہے کہاں

گِھسنے سے سنگِ آز یہ سرمہ بنی ہے جاں
وہ چشمِ پُرخمار، خبر دے کہ ہے کہاں

خسرو جہاں سے آئی خبر یار کی مرے
وہ شہر، وہ دیار، خبر دے کہ ہے کہاں

۹۴

آں تُرکِ نازنیں کہ جہانے شکارِ اوست
دلہا اسیرِ سلسلۂ مشکبارِ اوست

اندیشہ نیست گر طلبِ جاں کند زمن
اندیشۂ من از دلِ نا استوارِ اوست

بادا بقائے زلف و رخ و قامت و لبش
یک جانِ من کہ سوختۂ ہر چہارِ اوست

آں نا خدای ترس ہمہ روز مستِ ناز
دیوانۂ چو من ہمہ شب در خمارِ اوست

دل شد ز دست و سوزِ دلم ماند ہم خوشم
کاں داغ در درونۂ من یادگارِ اوست

خسروؔ گرت خیالِ پرستش اماں دہد
زنہارش استوار نداری کہ یارِ اوست

وہ تُرکِ نازنیں کہ جہاں اک شکارِ او
دل ہا اسیرِ سلسلۂ مشکبارِ او

خدشہ نہیں ہے جان کے جانے کا کچھ مجھے
پر خوفناک ہے دلِ نا استوارِ او

رکھے خدا وہ زلف و رخ و قامت و دہن
ہے جان میری سوختۂ ہر چہارِ او

وہ ایک نازنیں کہ رہے مستِ ناز ہے
دیوانہ ایک میں کہ ہوں مستِ خمارِ او

دل لے گیا مگر وہ گیا چھوڑ سوزِ دل
تا داغ در درون رہے یادگارِ او

دیتا ہے گر خیالِ پرستش اماں تجھے
خسروؔ بن اک غلام نہ گر تُو ہے یارِ او

۹۵

لعلِ لبت بہ چاشنی از انگبیں بہ است
رشکِ رُخت بہ نازکی از یاسمیں بہ است

وہ فرق درمیانِ تو و آفتاب چیست
دید آسماں بہ سوئے تو و گفت ایں بہ است

در باغ سروِ راست بسے دیدہ ام ولے
چیزے کہ سرو راست ہمیں راستیں بہ است

از آبِ تیغ شُستہ شود ہر گنہ کہ ہست
بر جرمِ عشق غمزۂ آں نازنیں بہ است

اے شوخ تا تو در دلِ من جائے کردہ ای
ایں است دوزخے کہ ز خلدِ بریں بہ است

گفتی تنت نگون و دلت خونست خسروا
مارا ہمیں نگینہ بر انگشتریں بہ است

شکر دہن، بہ چاشنی از انگبین بہ
گلفام رخ بہ نازکی از یاسمین بہ

پوچھا حسین تر ہے ترا چاند یا مرا
بولا فلک، ترا ہے یہ ماہِ زمین بہ

ہیں سروِ راستین وہی باغ میں بہت
مجھ کو مگر ہے سرو مرا راستین بہ

دُھلتے ہیں آبِ تیغ سے گرچہ گناہ سب
بر جرمِ عشق نازشِ یک نازنین بہ

جب سے لگائی آگ ہے سینے میں تُو نے اک
دوزخ مرے لئے ہے ز خلدِ برین بہ

خسرو جو تن ترا ہے نگوں اور خون دل
با یک نگینِ خون ہے انگشترین بہ

۹۶

زآنگہے کہ دلِ من بسوئے یارِ من است
زہے دراز کہ شبہائے انتظارِ من است

زمن نماند نشان و دلم بہ زلفِ تو ماند
بگوش دار اے جاناں کہ یادگارِ من است

مرا بہ مستیٔ معذور دار، اے ہشیار
کہ ایں زمام نہ در دستِ اختیارِ من است

چو لالہ غرق بہ خونم، چو گل گریباں چاک
زہے شگفتہ کہ امسال نوبہارِ من است

ہزار بار ہمی گفتم، اے دلِ بدخوی
کہ عشقبازی با نیکواں نہ کارِ من است

نشانِ خاکِ ستم کشتہ ایست در رہِ عشق
ہر آں غبار کہ بردامنِ نگارِ من است

بہ تیغ در حقِ خسرو حقِ جفا بگذار
خدای خیر دہادش کہ حق گذارِ من است

وہ دن کہ جب سے مرا دل بسوئے یار ہے اک
بہت دراز شبِ تارِ انتظار ہے اک

اسیرِ زلفِ معنبر ہے جب سے دل میرا
ترے لئے یہ بنا میری یادگار ہے اک

معاف رکھ مجھے واعظ کہ رندِ مست ہوں میں
مری زمام نہ در دستِ اختیار ہے اک

ہوں غرقِ خون و گریبان چاک صورتِ گل
زہے شگفتہ کہ امسال نوبہار ہے اک

ہزار بار کہا تجھ سے اے دلِ ناداں
کہ عشق کھیل نہیں، غم کا کاروبار ہے اک

نشانِ خاکِ ستم کشتۂ محبت ہے
غبارِ گرد کہ بردامنِ نگار ہے اک

بہ تیغ، در حقِ خسرو حقِ جفا ہو ادا
دلیر کر اسے یارب، وہ حق گزار ہے اک

۹۷

زبس کہ گوشِ جہانے پُر از فغانِ من است
بہ شہر بر سرِ ہر کوی داستانِ من است

ز بیدلی اگرم جاں رود عجب نبود
چوں دل نمی دہدم آنکہ دلستانِ من است

دعائے عمر کنندم، ولے قبول مباد
مرا چوں زندہ نمی خواہد آنکہ جانِ من است

ز زخمِ چابکِ ہجراں دمے رسم بہ عدم
اگر نہ پنجۂ امید در عنانِ من است

چو شمع سوختم، از نام گفتمش ہمہ شب
مرا زبانۂ آتش، ہمیں زبانِ من است

تو زانِ من نشوی گرچہ بخت آنم نیست
ہمیں بس است کہ گوئی کہ خسرو آنِ من است

رسا بگوشِ خلائق ہوئی فغاں ہے مری
مقالِ کوچہ و بازار داستاں ہے مری

جو بیدلی میں مری جاں گئی، عجیب نہیں
کہ دل کو لے کے وہ جاں لیوئے دلستاں ہے مری

دعائے زندگی کیسے قبول ہو مری
کہ چاہتی مجھے زندہ نہ رکھنا، جاں ہے مری

یہ زخمِ چابکِ ہجراں ہے، لیوے جان کہ اب
رہی نہ پنجۂ امید میں عناں ہے مری

مثالِ شمع جلی نام تیرا لے لے کر
کہ اک زبانۂ آتش بنی زباں ہے مری

ہوا ہے غیر کا خسرو اگر مرا جاناں
وہ میری جان ہے، اس پہ نثار جاں ہے مری

۹۸

زخونِ دل کہ بہ رخسار ماجرائے من است
بخواں بہ لطف کہ دیباچۂ وفائے من است

نفس رسیدہ بہ آخر ہوس نماند جز ایں
کہ بشنوم ز تو کایں مُردن از برائے من است

بہ جاں دعائے غمت میکنم کہ دیر زیاد
کز و فزائشِ ایں دردِ بے دوائے من است

چہ حدِ دعویِ نیلوفر آنکہ لافِ غرور
زند کہ چشمۂ خورشید آشنائے من است

بسوختم ز دل و ہم بہ پیشِ دل گفتم
کہ روزِ ایں دلِ بد روزِ من بلائے من است

بنال پیشِ درش، خسروا کہ آں سلطاں
شناختہ است کہ ایں نالۂ گدائے من است

تمام، رُخ پہ کھے خون، ماجرا ہے مرا
اگرچہ ایک یہ دیباچۂ وفا ہے مرا

ہے لب پہ جان، مگر ایک ہے ابھی خواہش
مرے لئے، وہ کہے یار اک مَرا ہے مرا

عجب ہے دردِ ہوس دل میں اور بڑھتی ہے
کرے فزوں وہ جب دردِ بے دوا ہے مرا

جو دیکھتا اُسے، کہتا کبھی نہ نیلوفر
کہ دیکھ، چشمۂ خورشید آشنا ہے مرا

کہوں میں دیکھ کے دل اپنا مبتلائے بلا
کہ کچھ نہ تو بھی تو کم فتنۂ بلا ہے مرا

کرے فغاں ہے درِ شاہ پر اگر خسرو
وہ جانتا ہے، یہ اک نالۂ گدا ہے مرا

۹۹

رُخت ولایتِ چشمِ پُر آب را بگرفت
غمت درونۂ جانِ خراب را بگرفت

چگونہ خواب برد دیدہ را زہجر انش
چنیں کہ خونِ جگر، جائے آب را بگرفت

گرفت خط لبِ چو آبِ زندگانیِ او
بسانِ سبزہ کہ لب ہائے آب را بگرفت

سوال کردم بوسے ازاں لبِ چو شکر
سخن در آمد و راہِ جواب را بگرفت

زغیرتِ رخِ او آفتاب خواست زچرخ
فرو شدن، کہ ذنب آفتاب را بگرفت

رواست گر بزند خیمہ بر فلک خسروؔ
کہ آں کمندِ چو مشکیں طناب را بگرفت

وہ رُخ ولایتِ چشمِ پُر آب لیوے ہے
الم درونۂ جانِ خراب لیوے ہے

شبِ فراق میں خوابیدہ چشم ہو کیسے
جب اس میں خونِ جگر جائے آب لیوے ہے

اُگا رُواں بہ لبِ آبِ زندگانی ہے
مثالِ سبزہ وہ لب ہائے آب لیوے ہے

اگر ہو بوسہ طلب، انحراف کرنے میں
ذرا بھی دیر نہ اس کا جواب لیوے ہے

وہ دیکھتا ہے اگر ماہتابِ رُخ اس کا
رہِ غروب، خجل آفتاب، لیوے ہے

لگائے چرخ پہ خیمہ ہے، ہاتھ میں خسروؔ
کبھی جو زلف کی مشکیں طناب لیوے ہے

۱۰۰

چہ داغہاست کہ بر سینۂ فگارم نیست
چہ دردہاست کہ بر جانِ بیقرارم نیست
دلم ز کوشش خوں گشت و کامِ دل نسید
چہ سود دارد بخشش چوں بختِ یارم نیست
خوشم بدولتِ خواری و مُلکِ تنہائی
کہ التفات کسے را بہ روزگارم نیست

مرا مپرس کہ دردم نہاں نخواہد ماند
کہ اعتماد بریں چشمِ اشکبارم نیست
نفس بہ آخرم آمد، ازاں دہن سخنے
کہ بہرِ کوئے عدم ہیچ یادگارم نیست
زبسکہ در دلِ خسرو سواریش نہ نشست
کہ عمر یک نفسے بر پئے غبارم نیست

کوئی ہے داغ کہ بر سینۂ فگار نہیں
ہے درد کوئی کہ در جانِ بیقرار نہیں
جگر کا خون ہوا بخت آزمائی سے
ہو یار یار، کچھ ایسا میں بختیار نہیں
ملی ہے دولتِ خواری و درد و تنہائی
کہ التفات کسی کو بہ روزگار نہیں

نہ کر بھروسہ کہ رہوے گا رازِ عشق نہاں
کہ معتبر یہ مری چشمِ اشکبار نہیں
دمِ نزع ہو اگر ہم سخن، فزوں اس سے
عدم میں ہو گی کوئی اور یادگار نہیں
شریکِ قافلۂ رنگ و بو ہو، اے جاناں
کہ دوڑتا دلِ خسرو پئے غبار نہیں

۱۰۱

سپید دم کہ زمانہ ز رُخ نقاب انداخت
بہ زلفِ تیرۂ شب نورِ صبح تاب انداخت

کلیدِ زر شد و بکشاد آفتابِ فلک
بہ دیدہ ہا کہ شبِ تیرہ قفلِ خواب انداخت

سحر جواہرِ انجم یگاں یگاں دُزدید
چوں صبح پردہ دریدش بر آفتاب انداخت

بہ کنجِ روزن و در گشت ماہتاب نہاں
چوں مہر خنجرِ کیں سوئے ماہتاب انداخت

بہ آخر آمدہ شب را بہ وقتِ صبح نفس
کہ تیغ خورد و ز خورشید خونِ ناب انداخت

فلک جنابا! بپذیر بندہ خسرو را
چوں خویش را بہ جنابِ فلک جناب انداخت

دمِ سحر رخِ عالم جو بے نقاب ہوا
بہ زلفِ تیرۂ شب نورِ صبح تاب ہوا

لگا جو تیرگیِ شب سے تھا ان آنکھوں پر
کلیدِ زر سے کشادہ وہ قفلِ خواب ہوا

مٹا کے نورِ سحر میں جواہرِ انجم
نمود افسرِ زرینِ آفتاب ہوا

رواں دواں ہوئی خوفِ مہر سے مجلسِ شب
جب اس کا خنجرِ کیں سوئے ماہتاب ہوا

چلی فلک پہ دمِ صبح جو تیغِ تیزِ مہر
افق پہ شب کا پراگندہ خونِ ناب ہوا

حضور میں ترے رہوے ہے وزوشب خسرو
کہ اس کا قبلہ و کعبہ ترا جناب ہوا

۱۰۲

ہر شب دلم ز دستِ خیالت زبوں شود
تا حالِ من بہ عاقبتِ کار چوں شود

خونریز گشت مردمِ چشمت چو ساقیے
کز دستِ وے قرابۂ مے سرنگوں شود

تا باکمالِ حسن چو ماہے برآمدی
ہر شب بہ چرخ کاہشِ من بر فزوں شود

یک رہ اگر چو کبک خرامی بہ سوئے باغ
گر کبک بیندت بہ تگِ پا بروں شود

دل را بسوختی و ہنوز از برائے تو
سوگند می خورد کہ بہ آتش دروں شود

یکبارگی خیالِ تو ما را زبوں گرفت
زینگونہ کس چگونہ کسے را زبوں شود

ہر شب ترے خیال سے دل میرا خوں ہوا
بد حال اور کچھ ہوا اور کچھ زبوں ہوا

خونریز چشمِ مست سے ساقی ہوا بہت
اس کا اگر قرابۂ مے سرنگوں ہوا

جب باکمالِ حسن بنا ماہِ بزم تُو
شوق اور تجھ کو دیکھ کے دل میں فزوں ہوا

دیکھا جو تیرا کبکِ خراماں تو پھر ترا
اہلِ چمن کے عشق نہ دل سے بروں ہوا

کر اس کو اور نہ سوختہ، اے جاں کہ خود مرا
افروختہ مثالِ جہنم دروں ہوا

ایسا کیا ہے خوار ترے عشق نے مجھے
عاشق نہ کوئی مجھ سا جہاں میں زبوں ہوا

۱۰۳

کجاست دل کہ غمت را نہاں تواند داشت
بہ صبر کوشد و خود را بر آں تواند داشت

بہ کامِ دشمنم از ہجر و دوستی نہ کہ او
دلے بسوئے منِ ناتواں تواند داشت

کشید خصمِ تو تیغ و مرا شفیعے نیست
کہ دستِ مصلحتے درمیاں تواند داشت

بسوزم و نزنم دم کہ نیست ہمدردے
کہ رازِ سوختۂ را نہاں تواند داشت

نماند از مہ و خورشید نازنینِ مرا
حیات باد کہ او جایشاں تواند داشت

عنایتے بکن اے دوست بندہ خسرو را
سرِ نیاز بر آں آستاں تواند داشت

کوئی ہے یاں کہ ترا غم نہان رکھتا ہے
صبور قلب و دہاں بے زبان رکھتا ہے

کنارِ غیر میں بیٹھا وہ، کس تغافل سے
نظر بہ سوئے دلِ ناتوان رکھتا ہے

عدو کرے ہے مجھے قتل جب، تو چپ رہ کر
وہ دستِ مصلحت اک درمیان رکھتا ہے

نہیں جہاں میں مرا کوئی غمگسار ایسا
جو رازِ کلفتِ الفت نہان رکھتا ہے

کرے ہے ماند مہ و مہر، نازنیں میرا
کچھ اس قدر وہ فرو ناز و شان رکھتا ہے

اے نازنیں ہو مہرباں کچھ تو خسرو پر
کہ سر مدام وہ بر آستان رکھتا ہے

۱۰۴

نگارِ من کہ بہ جنبیدنِ صبا خفتہ ست
بگوی بہرِ دلم، اے صبا، کجا خفتہ ست

دریں غمم کہ مبادا اگر بہ تار بود
براں حریر کہ آں یارِ بے وفا خفتہ ست

بیا بگوی کہ باز از چہ زندہ ای وہنوز
مگر کہ فتنۂ آں چشمِ پُر بلا خفتہ ست

محتسب ایمن کز گورِ عاشقاں آواز
ہمی رسد کہ مپندار خونِ ما خفتہ ست

کسے کہ دعویِٰ بیداریِ خرد کردہ ست
بیک نظارۂ تو دیدہ ام بہ جا خفتہ ست

حسابِ وصل مداں، خسروا اگر شیریں
بہ خواب دربرِ فرہادِ مبتلا خفتہ ست

نگارِ من کہ بہ یک جنبشِ صبا سویا
کہاں وہ بہرِ خدا اے صبا بتا سویا

ہے تارِ بخیہ گری تار تار دل کے لئے
حریر جس پہ مرا یارِ بے وفا سویا

کمی نہ آئی ذرا سی بھی فتنہ خیزی میں
اگرچہ فتنۂ یک چشمِ پُر بلا سویا

قرار آیا نہ مر کے بھی کچھ مرے دل کو
کہ گور میں بھی نہ یہ دردِ لا دوا سویا

گو ایک دعویِٰ بیداریِ خرد تھا مجھے
بہ یک نظارہ ولے درک سب مرا سویا

وہ سوئے پاس کیوں خسرو جو خسروِ شیریں
کبھی نہ جا کے بہ فرہادِ مبتلا سویا

۱۰۵

رسیدِ فصلِ گل و بادِ عنبر افشان است
نگار خانۂ جاناں بہشتِ رضوان است

بہ سروِ باغ کہ بینند کنوں کہ در ہر باغ
ہزار سرو بہ ہر گوشۂ خرامان است

عجب کہ جام نمی افتد از کفِ نرگس
چناں کہ او بہ غنودن فتان و خیزان است

بہ گوشہ ہائے چمن برگِ گل چو نرمۂ گوش
درو ز قطرۂ نگر تا چہ دُرِ غلطان است

چنیں کہ نرگس و گل چشم را بہ صحنِ چمن
ہمی نہند مگر آستانِ سلطان است

شگفتہ بادِ گلِ دولتِ تو تا بہ ابد
گلے کہ بلبلِ او خسروِ ثنا خوان است

بہارِ گل بکف و بادِ عنبر افشاں ہے
نگار خانۂ جاناں بہشتِ رضواں ہے

ذرا یہ دیکھ کہ کس نازِ دلربائی سے
روش پہ باغ کی ہر سرو اک خراماں ہے

عجب ہے جام گرے ہے نہ دستِ نرگس سے
غنودگی میں وہ گرچہ فتان و خیزاں ہے

ہو گوشوارۂ بگوشِ حسین اک جیسے
ہر ایک ژالۂ رخِ گل پہ دُرِ غلطاں ہے

ہجومِ نرگس و نسرین و لالہ و گل سے
صحنِ چمن کا بنا آستانِ سلطاں ہے

سدا رہے گا شگفتہ گلِ مراد ترا
کہ عندلیبِ چمن خسروِ ثنا خواں ہے

۱۰۶

ہر کہ در پیشِ چشمِ روشنِ ماست
گوئیا آفتِ دل و تنِ ماست

چشمِ ما گر نمی شود، ماناک
آں ہماں آفتابِ روشنِ ماست

لالہ ہا می دمد ز خونِ دو چشم
گردِ من آں بہار و گلشنِ ماست

ما چو ہندوئے سومنات بہ عشق
بت پرستیم و دل برہمنِ ماست
گفتم از مہر سوخت خسرو گفت
چند ازیں ذرہ ہا بہ روزنِ ماست

وہ حسیں جس سے چشم روشن ہے
کلفت و آفتِ دل و تن ہے

دیکھ کر آب و تابِ ماہ جبیں
چھُپ گیا آفتابِ روشن ہے
رنگِ لالہ سے اشکِ خونیں کے
روئے عاشق بہار و گلشن ہے
عشق میں تیرے، اے بتِ کافر
دل بنا اک مرا برہمن ہے

مہرِ رخ سے اگر جلا خسرو
ذرۂ خاک وہ بہ روزن ہے

١٠٧

ترکِ مستم کہ قصدِ ایماں داشت
چشمِ او میلِ غارتِ جاں داشت

زلفِ کافر کو قصدِ ایماں ہے
چشم کو میلِ غارتِ جاں ہے

خونِ من چو شراب می جوشد
وز دلم ہم کبابِ بریاں داشت

جوش سے خوں بنا مئے احمر
سوختہ دل کبابِ بریاں ہے

دیدہ دُر می فشاند در دامن
گوئیا آستینِ مرجاں داشت

دُر فشاں چشم سے مری دامن
بن گیا ایک دُرجِ مرجاں ہے

درِ باغِ بہشت بکشادند
باد گوئی کلیدِ رضواں داشت

کھول دیوے ہے درِ بہشت کا اک
باد گویا کلیدِ رضواں ہے

غنچہ دیدم کہ از نسیمِ صبا
ہمچو من دست در گریباں داشت

کہہ گئی باد کیا کہ ہر غنچہ
صبحدم دست در گریباں ہے

رازم از پردہ برملا افتاد
چند شاید بہ صبر پنہاں داشت

دلِ مضطر کی ناصبوری سے
رازِ الفت رہے نہ پنہاں ہے

خسروا ترکِ جاں بباید گفت
کہ بیک دل دو دوست نتواں داشت

دل نہ رکھے ہے یار دو خسرو
یار ہے یار، یار یا جاں ہے

۱۰۸

ہر کہ روئے تو دید جاں دانست	میں نے ظالم کو مہرباں سمجھا
لبِ شیرنیت راہماں دانست	ایک قاتل کو جانِ جاں سمجھا
نرخ کر دی نہ بوسۂ جانے	عوضِ بوسہ اس نے جز جاں کے
بندہ بخرید و رائیگاں دانست	جو کیا نذر رائگاں سمجھا
ذقنت چہ نمود و دل بہ خیال	چوم چاہِ ذقن لیا میں نے
بوسۂ زد مگر دہاں دانست	دہنِ چاہ کو دہاں سمجھا
دل زہجرِ تو بسکہ تنگ آمد	دل ہوا تنگ ہجر میں ایسا
مرگ را عمرِ جاوداں دانست	مرگ کو عمرِ جاوداں سمجھا
دی زکویت تنِ ضعیفِ مرا	تن کیا غم نے اس قدر لاغر
زاغ بر بود و استخواں دانست	زاغ نے اس کو استخواں سمجھا
غمزۂ تو زبان کشید زمن	دل تو باندھا زباں نہیں باندھی
کہ مرا نیک بے زباں دانست	زلف نے مجھ کو بے زباں سمجھا
پیش ازیں غم نبود خسرو را	اولِ عشق خسروِ ناداں
غم کہ دانست ایں زماں دانست	عارضی جورِ بیکراں سمجھا

۱۰۹

سرِ زلفِ تو تا بجنبیدہ ست	جب سے گیسو ترا ہے جنبیدہ
بوئے مشکِ ختا بجنبیدہ ست	بوئے مشکِ ختا ہے جنبیدہ
بوئے خوں آمد از صبا ما ناک	لے کے آئی صبا ہے بوئے خوں
عاشقی را ہوا بجنبیدہ ست	کوئی مقتول کیا ہے جنبیدہ
تا بجنبید زلفِ او از باد	جنبشِ کاکلِ غزالاں نے
نافِ آہو زجا بجنبیدہ ست	نافِ آہو کیا ہے جنبیدہ
جوشِشِ دلہا بہ گردِ او گوئی	یادِ جاناں نے دل میں الفت کا
قلبِ صد یاد را بجنبیدہ ست	ایک شعلہ کیا ہے جنبیدہ
گر جگر گوشہ نیست چشمِ مرا	ہے جگر گوشہ گر نہ چشمِ تو کیوں
خونِ چشم چرا بجنبیدہ ست	خوں جگر کا ہوا ہے جنبیدہ
میرود ذکرِ رفتنش بسیار	ذکر جانے کا جب وہ کرتا ہے
باز جائے بلا بجنبیدہ ست	دل میں ہو وے بلا ہے جنبیدہ
یادِ خسرو نمی کند یارب	بے اثر اس پہ ہے غمِ خسرو
کایں سخن از کجا بجنبیدہ ست	سب کا دل گو ہوا ہے جنبیدہ

۱۱۰

نگارِ من امشب سرِ ناز داشت
بر افتادگاں چشمِ بدساز داشت

بہ یک جامِ بادہ بہ صحرا فگند
دلم ہرچہ در پردۂ راز داشت

بہ سویش نمی دیدم از بیمِ جاں
کہ در چشمِ او مستی آغاز داشت

رہِ من زد ایں باز ماندہ سرشک
کہ چشم مرا از نظر باز داشت

بہ عذر ار دلم برد معذور بود
کہ چشمے بہ غایت دغاباز داشت

دلِ من کہ تیرے در و ماندہ بود
بہ نالہ خراشے در آواز داشت

کنوں یاد دارد ز خسرو کہے
کہ مرغے دریں باغ پرواز داشت

کرے نازنین وہ بہت ناز ہے
بر افتادگاں چشمِ بدساز ہے

بہ یک غمزہ ہووے گا سب فاش جو
مرے دل میں در پردۂ راز ہے

مجھے خوفِ جاں ہے کہ امشب تری
بہت چشم میں مستیِ ناز ہے

ملا آنکھ سے آنکھ نورِ نظر
کہ عاشق ترا اک نظر باز ہے

فریبِ نظر سے لیا دل مرا
تری چشم کیسی دغا باز ہے

ہوئی تیر سے ہے جو دل میں ترا
فغاں کی خراشیدہ آواز ہے

یہ مرغِ گرفتار خسرو ترا
رکھے پر نہ کوئی نہ پرواز ہے

111

گلستاں نسیمِ سحر یافتہ ست
صبا غنچہ را خفتہ دریافتہ ست
چناں خواب دیدہ ست نرگس بخواب
کہ گوئی کہ او جامِ زر یافتہ ست

خبر نیست مر بلبلِ مست را
کہ از مستیش گل خبر یافتہ ست
چہ گویم کہ سنگیں دلش ہیچ وقت
ز سوزِ دلِ من اثر یافتہ ست

بہ پائے خیالت فرو ریخت چشم
دُرے کاں بہ خونِ جگر یافتہ ست
بسا شب کہ بیدار خسرو نشست
کہ شامِ غمش را سحر یافتہ ست

گلستاں نسیمِ سحر یافتہ
نہالِ محبت ثمر یافتہ
ہوئی مست و مخمور نرگس کہ وہ
بہاراں میں ہے جامِ زر یافتہ
خبر ہے نہ کچھ بلبلِ مست کو
کہ گل ہو گئے ہیں خبر یافتہ
میں کیسے کہوں یارِ سنگین دل
ہوا سوزِ دل سے اثر یافتہ
بچھائی ہیں آنکھیں تری راہ میں
کہ ہیں دُرِ خونِ جگر یافتہ
ہے امیدِ خسرو کو بس اک یہی
کہ شب ایک ہو گی سحر یافتہ

۱۱۲

بتے کز ویم رُو بہ دیوانگی ست
اگر جاں تواں برد فرزانگی ست

زدم دی بہ زنجیرِ گیسوش دست
مرا گفت، باز ایں چہ دیوانگی ست

درونم پُر از یار گشت و ہنوز
ازاں سو کہ یار ست بیگانگی ست

نگارا خیالِ ترا مدتے ست
کہ با مردمِ دیدہ ہمخانگی ست

مرا کُشتی آخر ترا کس نگفت
کہ بیچارہ کُشتن نہ مردانگی ست

شد از عشقِ خالِ تو خسرو ہلاک
چو مرغے کہ مرگش ز بے دانگی ست

فزوں اک کرے بت ہے دیوانگی
کہ لیوے ہے جاں وہ یہ فرزانگی

جو زنجیرِ گیسو کی لی ہاتھ میں
کہا اس نے کیا ہے یہ دیوانگی

ہدر کوششِ آشنائی ہوئی
رہی یار کو مجھ سے بیگانگی

خیالِ نگاریں کو مدت سے اک
ہے با مردمِ چشم ہم خانگی

بتایا کسی نے نہ اس کو کبھی
کہ ہے قتلِ مسکیں نہ مردانگی

بدوں خالِ جاناں کے خسرو مرا
مرے مرغ جیسے یہ بے دانگی

۱۱۳

گر ترا ناز و بدخوئی این است
وائے بر دل اگرچہ سنگین است

تو رکھے ناز و رنجش و کیں ہے
دل بھی کچھ کم ترا نہ سنگیں ہے

می روی و نمی روی از دل
ایں چہ شکل است وایں چہ آئین است

دل جلا کر بھی دل میں رہتا ہے
عشق کا کیا عجب یہ آئیں ہے

گر دلِ من کباب شد تو بخند
کاں نمک شور نیست شیرین است

دل بنایا کباب تو ہنس کر
ڈال اس پر نمک جو شیریں ہے

من بمیرم کہ آبِ چشمے نیست
خندۂ کن کہ وقتِ یٰسین است

آہ مگر آ نہ فاتحہ پڑھنے
اے مسیحا یہ وقتِ یٰسیں ہے

ہر شب از آبِ دیدہ بیداری
چشمِ من آشنائے پروین است

چشم شب بھر ستارہ ریزی سے
بن گئی آشنائے پرویں ہے

نکنی گر نگاہ معذوری
کت چو خسرو ہزار مسکین است

تجھ سے کیسے وہ اک نگہ مانگے
ہے نہ خسرو ہی جو کہ مسکیں ہے

۱۱۴

بہار آمد و گلہائے بوستاں بشگفت
بہ خوش دلی و طرب روی دوستاں بشگفت

بداں صفت کہ گل از باد بشگفد بہ چمن
ز بادہ بادہ کشاں را بہارِ جاں بشگفت

بہ دیدہ پرس کہ آبش چو آبِ دُر غلطید
ز مے چو عارضِ خوبانِ دلستاں بشگفت

گل از شراب بداں ساں کہ بشگفد در جام
بہ کوئے دوست گل از خونِ عاشقاں بشگفت

بتاں بہ ترس قدم می نہند بر لالہ
کہ ہمچو شعلۂ آتش بہ بوستاں بشگفت

نسیمِ مشک جہانگیر شد چوں خسرو را
ز بادِ مدحتِ تو غنچہ در دہاں بشگفت

بہارِ گل میں ہیں گلہائے بوستان کھِلے
بہ خوش دلی و طرب روئے دوستان کھِلے

چمن میں بادِ بہاری سے گل کھِلیں جیسے
ہیں مے کشوں کے بہ مے غنچہ ہائے جان کھِلے

ہیں جس طرح مری آنکھوں میں آبدار گہر
بہ مے گلِ رخِ خوبانِ دلستان کھِلے

قدح میں گل بہ مئے ارغواں کھِلیں جیسے
بہ کوئے یار گل از خونِ عاشقان کھِلے

حسیں نہ ڈر کے رکھیں پاؤں لالہ و گل پر
جو شکلِ شعلۂ آتش بہ بوستان کھِلے

نسیمِ مشک جہانگیر ہو گئی جب گل
بیانِ یار میں خسرو کے در دہان کھِلے

۱۱۵

یار چوں با ماست بہرِ دید نش تعجیل چیست
یوسف اندر مصرِ دل در دیدہ رودِ نیل چیست

یار جب نزدیک ہو، دیدار کی تعجیل کیا
یوسف اندر مصرِ دل، در چشم رودِ نیل کیا

آں بت اندر سینہ و سوزاں دلم قندیل وار
چوں دلم بتخانہ شد، بتخانہ را قندیل چیست

جب سے بت سینے میں ہے قندیل دل جل کر بنا
بتکدہ سینہ اگر ہے حاجتِ قندیل کیا

کُشتنِ خود خواستم از غمزۂ خونریزِ او
گفت صید انداز ”ساکن“ صید را تعجیل چیست

جب کہا غمزے سے مجھ کو قتل کر، کہنے لگا
صید ہونے کے لئے اے صید ہے تعجیل کیا

رہروانِ صدق را از راحت و محنت چہ غم
عاشقانِ کعبہ را پرسش ز راہ و میل چیست

راحت و کلفت کا غم کیوں راہروانِ صدق کو
عاشقانِ کعبہ کو پرسش بہ راہ و میل کیا

مرد چوں شد عاشقِ جاناں، نترسد از بلا
مور چوں شد بر درِ شہ، بیمِ پائے پیل چیست

عشق میں مردانِ میداں کو نہیں فکرِ بلا
چیونٹی کو در پہ شہ کے خوفِ پائے پیل کیا

تقویٰ و پرہیز گاری نیست کارِ عاشقاں
صوفیِ میخوارہ را سجادہ در زنبیل چیست

تقویٰ و پرہیزگاری ہے نہ کارِ عاشقاں
صوفیِ مینخوار کو سجادہ در زنبیل کیا

اے کہ خسرو را نصیحت می کنی از بہرِ عشق
پند چوں می نشنود بے ہودہ قال و قیل چیست

کر نہ خسرو کو نصیحت عشق میں، اے پند گو
عاشقِ شیدا کو اک پروائے قال و قیل کیا

۱۱۶

از من آں کامیاب را چہ غم است
زیں شب آں ماہتاب را چہ غم است

مات کا کامیاب کو غم کیا
رات کا ماہتاب کو غم کیا

ذرہ ہا گر شوند زیر و زبر
چشمۂ آفتاب را چہ غم است

ذرہ ذرہ اگر ہو زیر و زبر
چشمۂ آفتاب کو غم کیا

گر مرا نیست خوابے اندر چشم
چشمِ آں نیم خواب را چہ غم است

چشم بے خواب رنج دیدہ کا
دیدۂ نیم خواب کو غم کیا

گر بسوزد ہزار پروانہ
مشعلِ خانہ تاب را چہ غم است

گر جلائے ہزار پروانے
مشعلِ خانہ تاب کو غم کیا

ور کنم من سوالِ کُشتنِ خویش
تُرکِ حاضر جواب را چہ غم است

قتل و غارت کا ہو سوال اگر
تُرکِ حاضر جواب کو غم کیا

خسروا ار جاں دہد، تو دیر بزی
ماہی ار مُرد، آب را چہ غم است

ماہی بے آب ہے اگر خسرو
مرگِ ماہی کا آب کو غم کیا

۱۱۷

یارب چہ شد کاں ترکِ ما ترکِ محباں کردہ است
آسودگانِ وصل را رنجورِ ہجراں کردہ است

گردوں اگر آں یار رائے بر من دگرساں ساختہ
بابختِ بے سامانم از مہرش پشیماں کردہ است

روزے گرم از دولتِ وصلش درونے شاد شد
روزِ فراقِ دوستاں چوں بیتِ احزان کردہ است

ہر ہر مژہ عشاق را بشگفت نسرینِ سرشک
تا آں گل از اہلِ نظر رخسار پنہاں کردہ است

در حلقۂ شوریدگاں آشوب و غوغا می رود
گویا مگر ہندوئے من کاکل پریشاں کردہ است

زاہد کہ دامن می کشد از رندیِ تو خسروا
بالے ندانم یک نفس سر در گریباں کردہ است

اس تُرک نے کیوں اے خدا ترکِ محباں کر دیا
آسودگانِ وصل کو رنجورِ ہجراں کر دیا

میرا سنا کے قصۂ رنج و الم جور و ستم
ظالم کو اے غمخوار کیوں تُو نے پشیماں کر دیا

دولت سے مالا مال جس دل کو کیا تھا وصل نے
فرقت نے تیری پھر اسے اک بیتِ احزاں کر دیا

کِھل کر مژہ پر اشک کے گلہائے زنگارنگ نے
اہلِ نظر کا لالۂ رخسار پنہاں کر دیا

در حلقۂ شوریدگاں آشوب و غوغا ہو گیا
گر یارِ ہندو نے کبھی کاکل پریشاں کر دیا

خسرو اگرچہ رند ہے دل کا دکھا کر آئینہ
زاہد کا اس نے ایک دن سر در گریباں کر دیا

۱۱۸

خیالِ روئے تو چو دُرِ ناب در نظر است
ز اشک دمبدمم صد حباب در نظر است

اگر دلت بہ لب بحر می کَشد، اے سرو
نشیں بہ گوشۂ چشمم کہ آب در نظر است

خیالِ زلفِ تو در دیدہ ام شبے گردید
ازاں خیال مرا اشکِ ناب در نظر است

شبے بخواب نظر بازیئے بہ او کردم
مرا ہمیشہ ازاں لحظہ خواب در نظر است

بہ نورِ روئے تو در زلف می تواں رفتن
شب است و شعشعۂ ماہتاب در نظر است

ز عشقِ چشمِ تو خسروؔ چو سرخوش و مست است
بہ یادِ لعلِ تو او را شراب در نظر است

خیالِ لب کا ترے لعلِ ناب آنکھ میں ہے
فراقِ رخ کا بھی اک سیلِ آب آنکھ میں ہے

لگائے آنکھ سے اے سرو تجھ کو رکھتا ہوں
لگ اس میں تو بھی کہ اک جوئے آب آنکھ میں ہے

خیالِ زلف کا آنکھوں میں اس طرح آیا
کہ شب ہوئی ہے سیہ، خونِ ناب آنکھ میں ہے

لڑی ہے آنکھ مری تجھ سے خواب میں ایسی
کہ روز و شب وہ رہے ایک خواب آنکھ میں ہے

میں زلف میں تری جاؤں بہ نورِ رخ لیکن
یہ نورِ ماہ، ضوئے ماہتاب آنکھ میں ہے

کیا ہے چشم نے خسروؔ کو تیری مست کہ تو
ہے مستِ ناز، خمارِ شراب آنکھ میں ہے

۱۱۹

بہ خود مبیں کہ چو روئے من آفتابے ہست
بہ من نگر کہ چو من در جہاں خرابے ہست

نظارہ سوز ترا رخ وہ آفتاب ہے اک
جلا کے جس نے ہر عاشق کیا خراب ہے اک

ز روشنیِ رخِ تو گر بصد نقاب رود
کسے نداند کہ بر روئے تو نقابے ہست

چھپا جو رہ نہیں سکتا ترا رخِ روشن
تو ہوئے رخ پہ ترے کس طرح نقاب ہے اک

دلم ز ناوکِ چشمت ہزار روزن شد
بہ صورتِ تو بہ ہر روزن آفتابے ہست

ہوا ہے تیرِ نظر سے ھزار روزن دل
ہے دل میں تُو، تو بہ ہر روزن آفتاب ہے اک

لبِ تو در دلم آمد بپرس ہم زاں لب
کہ پُر نمک تر ازاں ہیچ دل کبابے ہست

ہوا ہے سوختہ لیکن تری ملاحت سے
نمک سے پُر مرے دل کا بنا کباب ہے اک

ازیں ہوس کہ نشانی بہ یابد از دہنت
وجود را بہ عدم ہر زماں شتابے ہست

دہان تیرا ہے معدوم۔ جستجو میں و لے
عدم میں دل کو رہے ہر زماں شتاب ہے اک

برآبِ دیدۂ خسرو ہمہ جہاں بگریست
تبارک اللہ در دیدۂ تو آبے ہست

غمِ فراق میں بیداد گر بھی روتے ہیں
نہ تیری چشم ہی خسرو کوئی پُر آب ہے اک

۱۴۰

رخش بدیدم و گفتم کہ بوستاں این است لبش بہ خندہ درآمد کہ قوتِ جاں این است	ہو بے نقاب ترا رخ تو بوستاں یہ ہے اگر ہو خندہ ترے لب پہ، نوشِ جاں یہ ہے
سخن کشیدم ازاں لب کہ در دہانِ تو چیست شکر بریختن آمد کہ در دہاں این است	ہے تلخ بات بھی تیرے دہن میں شیرینی بھرا شہد سے اگر ہے کوئی دہاں، یہ ہے
بگفتمش کہ بہ خورشید بر تواں رفتن نمود زلفِ مسلسل کہ ریسماں این است	تو چاہتا ہے اگر آسمان پر چڑھنا پکڑ وہ زلفِ مسلسل کہ ریسماں یہ ہے
بہ عجز چہرہ نمودم کہ رنگِ رُویم بیں بہ ناز خندہ بہ من زد کہ زعفراں این است	بصد نیاز دکھایا جو زرد رُو اس کو وہ ہنس کے ناز سے بولا کہ زعفراں یہ ہے
بہ نامِ نیک ترا عمرِ جاوداں بادا تو نامِ نیک طلب، عمرِ جاوداں این است	بدی کا بدلہ بدی، نیک کام کا نیکی ہو نیک نام کہ اک عمرِ جاوداں یہ ہے
رواں چو باد بدادی بہ بندہ خسروؔ اسپ چو باد اسپ دہی بخششِ رواں این است	دیا جو باد کی مانند اسپ خسروؔ کو ہوائی تخت ہے یہ بخششِ رواں یہ ہے

۱۲۱

ز من در ہجر او ہر دم فغانِ زار می آید
خوش آں چشمے کہ آں ہر دم بر آں رخسار می آید

چوں رفتم بر درش بسیار درباں گفت کایں مسکیں
گرفتار است گوئی کایں طرف بسیار می آید

گر از نادیدنش روزے بمیرم نیست دشواری
ولے رویش نخواہم دید آں دشوار می آید

رقیبا یک عنایت کن خرامیدن مدہ او را
کہ بر من ہر چہ می آید ازاں رفتار می آید

مرا می گفت دی ہر کس چوں رفتم از در بیخود
کہ ایں صوفی مگر از خانۂ خمّار می آید

مگو بارے کہ در بندم تو بیزارے شدی خسرو
کسے آساں ز جانِ خویشتن بیزار می آید

کسی کو ہجر میں ہر دم فغانِ زار ہووے ہے
میسر اور کسی کو روز و شب دیدار ہووے ہے

گرفتاری و مجبوری مجھے رکھتی ہے خوش در پر
گلہ اس کا مگر درباں کو بسیار ہووے ہے

نہیں مشکل ذرا بھی جان دینا ہجر و دُوری میں
بغیرِ یار جینا پر بہت دشوار ہووے ہے

خدارا چل نہ اس انداز سے عشاق کی تیرے
گرفتاری کا باعث لغزشِ رفتار ہووے ہے

کرے ہے عشق کا دعویٰ ولے ہے بے خبر صوفی
کہ مسکن عاشقوں کا خانۂ خمّار ہووے ہے

بنا ہے عشق گرچہ آفت و آزارِ جاں لیکن
نہیں خسرو کبھی آزار سے بیزار ہووے ہے

۱۲۲

صبا می جنبد و آں مستِ ما را خواب می آید
کہ از دم ہائے سردِ من جہاں بیتاب می آید

ازاں مہتابِ جاں افروز کاں شب بود مہمانم
جہاں تیرہ ست بر من چوں شبِ مہتاب می آید

من اینجا زار می سوزم بہ تاریکی و تنہائی
وہ اے ہمسایۂ غافل ترا چوں خواب می آید

شبانگہ بر سرم بگذشت و چشمش تر شد اے قرباں
چہ بخت ست ایں کہ رحمت در دلِ قصاب می آید

فرو پوشیدہ جانہا را کہ آں بے مہر می بیند
نگہدارید دلہا را کہ آں قلاب می آید

ہمہ ناز است و شوخی و کرشمہ خسروا دل نہ
کہ بہرِ کشتنت با ایں ہمہ اسباب می آید

ہوا ٹھنڈی چلے تو یار مستِ خواب ہووے ہے
ذرا بھی سردِ آہوں سے نہ دل بیتاب ہووے ہے

نہ ہوتا بام پر ہے جلوہ گر مہتاب گر اس کا
تو میرے واسطے تیرہ شبِ مہتاب ہووے ہے

اِدھر جلتا مجھے رکھتی ہیں تاریکی و تنہائی
اُدھر غفلت میں ہمسایہ مرا در خواب ہووے ہے

سرِ بالیں آ کر کیوں ہوئی ہے چشمِ نم اس کی
مہرباں کیا خدایا اک دلِ قصاب ہووے ہے

محافظ جان و دل کا کر نہ اپنے تو رقیبوں کو
نہ لے کے جائے مایہ ہیں جہاں قلاب ہووے ہے

ہے کافی اک ادا ہی شاہدوں کی جبکہ اے خسرو
کیوں لینے کے لئے جاں اسقدر اسباب ہووے ہے

۱۲۳

زمستاں می رَوَد، ایامِ گلہا پیش می آید
زبادِ صبح مارا بوئے آں بدکیش می آید

صبا می جنبد و بازم پریشاں می کند از سر
دلِ بدبخت اگر وقتے بہ حالِ خویش می آید

رسید ایامِ گل و آں شوخ خواہد رفت در بُستاں
ازاں روزے کہ می ترسیدم اینک پیش می آید

سرِ دیوانگی را مژدہ دہ، اے سنگِ بدنامی
کہ باز آں فتنہ بہرِ عقلِ دُور اندیش می آید

ازیں خرمن نماند کاہ و برگے مگر اے دیدہ
کہ بیش است آتشم، ہر چند باراں بیش می آید

چہ غم می داردت بخرام خوش خوش جانِ من چنداں
رہا کن تا نمک بر سینہ ہائے ریش می آید

نیارم بردنامِ لب بہ دُزدی غمزہ زن گہ گہ
کہ خسروؔ نہ زبہرِ نوش، بہرِ نیش می آید

خراماں گل بکف جب شاہدِ بدکیش آئے ہے
تو مشکل عاشقوں کو اک بڑی درپیش آئے ہے

کبھی آئے دلِ بدبخت کو ہے چین گر میرے
صبا کر دے پریشاں زلف اس کی بیش آئے ہے

بہاراں میں اگر آتا ہے وہ شوخی سے گلشن میں
نہ کیا کچھ لالہ و نسرین و گل کو پیش آئے تھے

سرِ دیوانگی کو دے نوید، اے سنگِ بدنامی
کہ پھر فتنہ وہ بہرِ عقلِ دُور اندیش آئے ہے

نہیں کافی بجھانے کے لئے آتش یہ خرمن کی
اگرچہ دیدۂ گریاں سے باراں بیش آئے ہے

ہرے ہوتے خوشی سے زخمِ دل ہیں دیکھ کر جب وہ
چھڑکنے کو نمک بر سینہ ہائے ریش آئے ہے

ہے گرچہ خواہشِ نوشِ لبِ جاناں مگر خسروؔ
مژہ کو دیکھنے اس کی برائے نیش آئے تھے

۱۲۴

مرا باز از طریقِ ساقی خود یاد می آید
غمِ دیرینہ بازم در دلِ ناشاد می آید

ازیں سو می رسد ہجرش کشیدہ تیغ در کشتن
وزاں سو بختم از بہرِ مبارکباد می آید

بسوز، اے عاشقِ خستہ کہ آں بے مہر می آید
بنال، اے بلبلِ مسکیں کہ آں صیاد می آید

برو اے خواب، یارِ من نہ ای زیرا کہ من امشب
سرِ زلفِ پریشانِ کسے ام یاد می آید

فراموشم نمی گردد سرِ زلفِ چو شمشادش
کہ بوئے غائبِ خویشم ازاں شمشاد می آید

جگر سوز است مشنو، جانِ من افسانۂ خسرو
کزو بوئے دلِ شوریدۂ فرہاد می آید

مجھے پھر غمزہ بے باکِ ساقی یاد آئے ہے
غمِ دیرینہ پھر اندر دلِ ناشاد آئے ہے

کبھی اک تیغِ ہجرِ یار جاں لینے کو آتی ہے
کبھی قسمت مری بہرِ مبارکباد آئے ہے

جل اے عاشق، ترا معشوق جان لینے کو آتا ہے
فغاں کر بلبلِ مسکیں کہ اک صیاد آئے ہے

کروں گا نجم ریزی دُر فشانی چشم سے شب بھر
کہ امشب زلفِ شبرنگِ پریشاں یاد آئے ہے

بھلاؤں کس طرح شمشاد جیسی زلف کو اسکی
کہ ہر دم بوئے زلفِ یار از شمشاد آئے ہے

کبھی سنتے ہیں گر افسانۂ سوزِ دلِ خسرو
ہمیں بوئے دلِ شوریدۂ فرہاد آئے ہے

١٢٥

چہ شد کاں سروِ سیم اندام سوئے من نمی آید
دلم پژمردہ شد، بوئے ازاں گلشن نمی آید

خیالش بے دریغم می کُشد گویا نمی داند
کہ چوں جاں رفت از تن، باز سوئے تن نمی آید

نہ بیند چشمِ ظاہر بیں جراحت ہائے پنہانم
کہ بر جاں می رسد ایں زخم بر گردن نمی آید

ازانم روزنِ دیدہ ازاں تاریک می باشد
کہ ہیچ آں آفتابِ من ازیں روزن نمی آید

مرمن خود بگو، تاریک نبود چوں مرا دیدہ
کہ در چشمِ من آں رخسارۂ روشن نمی آید

دلِ دیوانۂ خسرو کہ در زنجیرِ زلفت شد
بہ صد زنجیر آں دیوانہ در مسکن نمی آید

وہ میرا سروِ سیم اندام سوئے من نہ آئے ہے
بہاراں میں بھی بوئے غیرتِ گلشن نہ آئے ہے

نہ سوچے ہے ذرا لیوے ہے جاں اک جب خیال اسکا
کہ جائے جاں بدن سے پھر بسوئے تن نہ آئے ہے

نہ دیکھے چشمِ ظاہر بین ہے زخمِ دروں میرا
نظر جب تک اسے اک ریش بر گردن نہ آئے ہے

ہوا ہے روزنِ دیدہ مرا تاریک، جس دن سے
شعاعِ آفتاب اس کی سوئے روزن نہ آئے ہے

ہو روشن کس طرح یہ دیدۂ تاریک جب اس میں
کبھی اک پرتوئے رخسارۂ روشن نہ آئے ہے

دلِ دیوانۂ خسرو جو ہے زنجیرِ گیسو میں
بصد زنجیر دیوانہ یہ در مسکن نہ آئے ہے

۱۲۶

بہ گلگشتِ چمن چوں گلستانِ من بروں آید
بہ ہمراہیِ او اشکِ روانِ من بروں آید

فغانِ من بروں آید چوں گیرم نامِ او، ترسم
کہ ناگہ جانِ من ہم با فغانِ من بروں آید

چوں در محشر بہم آزند خاکِ ہر کس از ہر جا
مرا بس کز سرِ کویش نشانِ من بروں آید

مرا گویند در دل کیست آں کت می کُشد چندیں
خیالت آشکارا از نہانِ من بروں آید

مشو دُور از برم جانا و یا نزدیکِ خویشم خواں
کہ نزدیک است از دُوری کہ جانِ من بروں آید

ز بہرِ فال اگر خسرو کتابِ عشق بکشاید
ز اوّل صفحۂ غم داستانِ من بروں آید

بہ گلگشتِ چمن جب گلستانِ من بروں آئے
تو ہمرہی اشکِ روانِ من بروں آئے

فغاں آئے بروں جو نام سن اس کا تو ڈرتا ہوں
کہیں جاں بھی نہ میری با فغانِ من بروں آئے

بہم ہوں گے نکل کر ہر جگہ سے سب جو محشر میں
مزہ ہو گر ترے کُو سے نشانِ من بروں آئے

کوئی پوچھے کہ قاتل کون ہے تیرا تو سنتے ہی
خیالِ یار فوراً از نہانِ من بروں آئے

نہ جا تو دُور مجھ سے یا بلا نزدیک دُوری میں
کہ ہے نزدیک دُوری سے کہ جانِ من بروں آئے

برائے فال گر خسرو کتابِ عشق کھولے تو
ز اوّل صفحۂ غم داستانِ من بروں آئے

۱۲۷

مرو زینساں کہ ہر سو جامۂ جاں چاک خواہد شد
جہانے در سرِ ایں غمزۂ بیباک خواہد شد

خدایا زو نپرسی و مرا سوزی بجائے او
کہ کُشتہ عالمے زاں غمزۂ بیباک خواہد شد

تو می زن غمزہ تا من می خورم خوش خوش سنانِ تو
چہ غم دارد ترا گر سینۂ من چاک خواہد شد

زہے شادی کہ او آید ببیند حالِ من لیکن
من ایں شادی نمی خواہم کہ او غمناک خواہد شد

بسوزم خویشتن از جورِ بختِ بد ولے ترسم
کہ آتش سوختہ از ننگِ ایں خاشاک خواہد شد

ازاں لب تلخ می گوئی مترس از خندۂ خسرو
کہ ہر زہرے کہ می آید براں تریاک خواہد شد

نہ چل ایسے خدارا جامۂ جاں چاک ہووے ہے
دل و ایماں کا رہزن غمزۂ چالاک ہووے ہے

پکڑ اس کو نہ یا ربّ دے سزا اس کی جگہ مجھ کو
بہت گو دشمنِ جاں دیدۂ بیباک ہووے ہے

تُو بیباکی سے کر ابرو سے اپنے ناوک اندازی
ذرا بھی غم نہ کر سینہ مرا گر چاک ہووے ہے

غمِ الفت مرا ہوتا ہے دل میں اور بھی افزوں
اگر تُو دیکھ کر مجھ کو کبھی غمناک ہووے ہے

جلاتا ہے مجھے جب آتشِ غم سے تو اس کو بھی
جلانا شرم کا باعث خس و خاشاک ہووے ہے

ہے خسرو کو تری تلخی و ترشی، شہد و شیرینی
ملے گر زہر بھی تجھ سے، اسے تریاک ہووے ہے

۱۲۸

سیمیں زنخ کہ طرۂ عنبر فشان بُرد
دل را در افگند بہ چہ و ریسمان بُرد

می گفت سرو دی کہ از و یک سرم بلند
کو باغبان کہ تا سرِ سروِ روان برد

تیغ ار چہ می بَرَد ہمہ پیوند ہائے جاں
فرقت بتر کہ ہمدمیِ دوستان برد

بر عقلِ خویش تکیہ مکن پیشِ عشق از انک
دزدے ست کو نخست سرِ پاسبان برد

جانا بہ نام گفتنِ تو جاں بہ لب رسید
کس نیست وہ کہ تا چو منے را زبان برد

تو جانِ خسروی و بہ جان و سرت کہ گر
نبوَد امیدِ وصلٔ ز جان و جہان برد

حاصل ترا جو گیسوئے عنبر فشاں نہیں
چاہِ ذقن میں دل ہے مگر ریسماں نہیں

قربان قد پہ تیرے کہ اطرافِ باغ میں
تجھ سے بلند تر کوئی سروِ رواں نہیں

پیوندِ جاں جو کاٹ دیئے تُو نے سب تو ہے
فرقت بتر کہ ہمدمیِ دوستاں نہیں

کر پاسبانِ عقل پہ تکیہ نہ اس قدر
بہتر ہے عشق میں کہ رہے پاسباں نہیں

لائے ہے جان لب پہ ترا نام جانِ من
پر جاں ہے کیا جو نام ترا بر زباں نہیں

جان و جہان کچھ نہیں خسرو کے واسطے
حاصل وصال جب ترا جانِ جہاں نہیں

۱۲۹

ہنوزت ناز گردِ چشمِ خواب آلود میگردد
ہنوز از تو شکیبِ عاشقاں نابود میگردد

بہ صد جاں بندہ ام آں غمزہ را با آنکہ میدانم
کہ مرگم گردِ آں پیکانِ زہر آلود میگردد

چہ پرسی حالِ شب ہائے کسے کش چو تو غمخوارے
ہمہ شب از درونِ جانِ غم فرسود میگردد

جگر می سوزدم جانا مشو ناخوش ز بوئے من
اگر در گردِ دامانِ تو بوئے عود میگردد

تو معذوری اگر در روئے خسرو چشم نگشائی
چنیں کز آہِ او ہر دم جہاں پُر دُود میگردد

جو نازش ایک گردِ چشمِ خواب آلود رہووے ہے
عجب کیا گر شکیبِ عاشقاں نابود رہووے ہے

فدا ہوتا ہوں غمزے پہ بصد جاں روز و شب تیرے
کہ پیکاں روز و شب تیرا زہر آلود رہووے ہے

نہ پوچھ احوالِ شب ہائے فراق اس کا کہ جس کے تو
ہر اک شب اندرونِ جانِ غم فرسود رہووے ہے

جلا کر جانِ مشتاقاں تعجب کر نہ اے جاناں
اگر در گردِ دامن تیرے بوئے عود رہووے ہے

ہر اک رونے لگے ہے حال تیرا دیکھ کر خسرو
کہ تیری آہ سے ہر دم جہاں پُر دُود رہووے ہے

۱۳۰

ہمہ شب در دلم آں کافرِ خونخوار میگردد
حریرِ بسترم در زیرِ پہلو خار میگردد

مشو رنجہ بہ تیر افگندن، اے تُرکِ کماں ابرو
کہ مسکیں صید ہم از دیدنت مردار میگردد

نہ پندارم کہ ہرگز چوں گلِ رویت بدست آرد
صبا کو روز و شب بر گردِ ہر گلزار میگردد

اسیرِ عشق را معذور دار، اے پند گو بگذر
کہ چوں ساقی بہ کار آید، خرد بیکار میگردد

ز شہر افغاں بر آمد، در خرابی ہا فتم اکنوں
کہ از فریادِ من دلہائے خلق افکار میگردد

چہ غم او را کہ در ہر شہر رسوا می شود خسرو
ببیں تا چند سگ چو او بہ ہر بازار میگردد

جو دل میں رات بھر اک کافرِ خونخوار ہووے ہے
تو بسترِ ریشمی بھی زیرِ پہلو خار ہووے ہے

نہ کر غم تو چلا کر تیر، اے تُرکِ کماں ابرو
کہ مسکیں صید یہ بے تیر ہی مردار ہووے ہے

ترا جیسا نہیں ملتا کہیں گل ہے اسے ہرگز
صبا کی راہ میں گو روز و شب گلزار ہووے ہے

اسیرِ عشق کو کر معاف، اے واعظ کہ جب ساقی
کرے ہے کاروبار اپنا خرد بیکار ہووے ہے

فغاں نکلے وہاں سے ہے میں جاتا شہر میں ہوں جس
کہ میری آہ سے دل خلق کا افگار ہووے ہے

سگوں کا ہمنشیں کوئے بتاں میں ہے بنا خسرو
عجب کیا ہے کہ وہ رسوا سرِ بازار ہووے ہے

۱۳۱

این دل کہ ہر شبیش ز سالے فزوں رود
یکدم چہ باشد ار سوئے صبر و سکوں رود

زنہار دل بریم ز سودائے عشق از انک
دیوے ست اینکہ نہ بہ دعا و فسوں رود

دردے ست در دلم کہ بود حق بہ دستِ من
از چشمِ من گر از بہ دلِ آب خوں رود

بادا فداش دیدۂ و دل آں زماں کہ او
دل دزدد و ز دیدۂ عاشق بروں رود

نظارۂ تو ہست کشندہ تر از فراق
جانے کہ ماندہ بود ز ہجراں کنوں رود

خسرو چوں لافِ عشق زدی از بلا مترس
زینساں بر اہلِ عشق بسے آزموں رود

فرقت میں لمحہ سال سے بھی کچھ فزوں ہوا
کم یاب بیش دل کو ہمارے سکوں ہوا

سودائے عشق دیو ہے اک اس قدر قوی
کچھ پُر اثر نہ اس پہ ہمارا فسوں ہوا

ایسا ہے دل کا درد ہمارا کہ دوستوں
آنکھوں میں فرطِ غم سے دلِ آب خوں ہوا

قربان کیوں نہ دل کو کریں اس پہ ہم کہ جو
دل توڑ کے نہ دل سے ہمارے بروں ہوا

دیدار سے ہوا تھا ہمارے جگر کا خوں
باقی تھا دل جو ایک وہ ہجراں سے خوں ہوا

خسرو اگر ہوا ہے تبہ تو تو کیا ہوا
عاشق ہے کونسا جو نہ تجھ سا زبوں ہوا

۱۳۲

اگر آں جادوئے خونخوارہ نرگس در فسوں آرد
بسا آسودہ را کز دستِ بے خوابی زبوں آرد

مرا بارے بر آمد جاں ازیں جانِ دروں ماندہ
کسے باشد کہ دل بشگافد و او را بروں آرد

گلہ از بادمی کردم کہ نارد زو بجز گردے
بہ دیدہ آرزومندم کہ آں دولت کنوں آرد

زبس دلہا کہ ماند آویختہ در زلفِ مشکینش
گہے زو بوئے مشک آرد صبا، گہ بوئے خوں آرد

مرا گویند سودا و جنوں آرد رخِ نیکو
بہ جاں درماندہ ام، اے کاش سودا و جنوں آرد

بجائے جوئے شیر از چشمِ خسرو جوئے خوں آید
چو فرہاد از خانہ رو بہ کوہِ بے ستوں آرد

اگر خونخوار نرگس چشم، دل پہ کچھ فسوں کر دے
بہ بیخوابی بہت آسودگاں کو وہ زبوں کر دے

بہت غمگین و زخمی ہے مری جانِ دروں ماندہ
ہے یاں کوئی جو سینہ چیر کر اس کو بروں کر دے

گلہ مجھ کو صبا آتی نہیں جز گرد کچھ لے کر
تمنا چشم کی لیکن، وہ دولت یہ فزوں کر دے

خوشی سے دل گیا میرا ہے اس کی زلفِ مشکیں میں
رکھے وہ قید میں چاہے اسے یا اس کا خوں کر دے

ہیں سب کہتے یہ سودا و جنوں ہے روئے زیبا سے
میں کہتا ہوں، خدا افزوں یہ سودا و جنوں کر دے

بہاتا خون جو آنکھوں سے ہے خسرو مجھے ڈر ہے
نہ جوئے خون اس کی خونِ کوہِ بے ستوں کر دے

۱۳۳

میا غمزہ زناں بیروں کہ ہوئے در جہاں افتد
دلِ بے خانماں را آتش اندر خانماں افتد

اگر من از سجودِ آستانت کشتنی گشتم
ہم آنجا کش کہ تا بارے سرم بر آستاں افتد

پس از مردن بہ زاغاں دہ تنِ اندوہ پروردم
نخواہم تا سگِ کوئے ترا ایں استخواں افتد

چنیں کو مست و غلطاں میروی، وہ کا رقیب او را
مدہ رخصت کہ می ترسم خرابی در جہاں افتد

ز بدمہری نمی افتد نظر بر روئیم آں مہ را
مبادا در جہاں کس را مہِ نا مہرباں افتد

اگر بیند جمالش را بہ روزِ جنگ اسپاہی
چناں بے خود شود ناگہ کہ از دستش کماں افتد

مترس از ہیم جاں خسرو اگر در عشق می لافی
کہ باشد سہل عاشق را اگر جانے زیاں افتد

تو آئے غمزہ زن تا ہاؤ ہو اندر جہاں ہووے
دلِ بے خانماں کچھ اور بھی بے خانماں ہووے

ہے جائز قتل کرنا ساجدِ درگاہِ الفت گر
مجھے کر قتل جبکہ سر مرا بر آستاں ہووے

کھلا زاغ و زغن کو لاش میری بعد مرنے کے
سگِ در کے دہن میں تا نہ میرا استخواں ہووے

نہ آئے مست و غلطاں گر تو ہو کر اسقدر اے جاں
خرابی ہر طرف اتنی نہ اک اندر جہاں ہووے

نہ بدمہری سے ڈالے ہے نظر وہ ماہرو مجھ پر
مہرباں کاش یارب وہ مہِ نامہرباں ہووے

چلا تا تیر دیکھے گر تجھے فوجی کماں کش بھی
ترے ابرو کے آگے سرنگوں اس کی کماں ہووے

نہیں کرتے ہیں عاشق عشق میں خوفِ ضرر خسرو
فزوں ہوتی ہے دولت عشق کی جتنا زیاں ہووے

۱۳۴

چوں زلفش فتنہ شد بر جاں، دلم آباد کے ماند
غمِ ہجراں زحد بیروں، درونم شاد کے ماند

مکن عیب ار بنالد جاں چوں نقدِ تن ہمہ بُردی
کسے کش خانہ غارت گشت بے فریاد کے ماند

ملامت بیہدہ ست آزادگاں را بر سرِ کویت
کسے کاں روی بیند، از بلا آزاد کے ماند

خرابی ہاست بر جانِ من از دستِ خیالِ تو
چوں سلطاں تیغِ کیں برداشت، ملک آباد کے ماند

در آندم کز کرشمہ ناز در سر می کند شیریں
صبوری در دلِ شوریدۂ فرہاد کے ماند

بہ قلاشی و رسوائی چہ جائے طعن بر خسرو
چوں عشق افتاد در سر، عقل را بنیاد کے ماند

کرے غارت گری گر زلف، دل آباد کیسے ہو
غمِ ہجراں رہے ہر وقت تو جاں شاد کیسے ہو

لگا مت عیب گر فریاد کرتا تیرا عاشق ہے
ہُوا غارت ہو جس کا گھر، وہ بے فریاد کیسے ہو

ملامت کر نہ تُو آزادگاں کی اپنے کوچے میں
جو دیکھے رخ ترا وہ از بلا آزاد کیسے ہو

خیالِ رخ سے ہے تیرے خرابی جان میں میری
رکھے سلطان تیغِ کیں تو مُلک آباد کیسے ہو

دکھائے جب اسے شیریں کرشمہ ناز کا اپنے
صبوری در دلِ شوریدۂ فرہاد کیسے ہو

یہ قلاشی و رسوائی ہے سرگرداں ترا خسرو
ہو سر میں عشق تو واں عقلِ بے بنیاد کیسے ہو

۱۳۵

چہ پوشی پردہ بر روئے کہ آں پنہاں نمی ماند
وگر در پردہ می داری کسے را جاں نمی ماند

منِ درویش رسوائے جہاں گشتم بحمد اللہ
چہ شبہ عشق و درویشی بسے پنہاں نمی ماند

مگو کاے دیدہ در روئے منِ حیراں چہ ماندستی
کہ ایں دیدہ کاندر روئے او حیراں نمی ماند

ز چشمِ کافرت کز غمزہ لشکر می کشد ہر سو
بہ ہفت اقلیمِ تن یک منزل آباداں نمی ماند

نہ ای پایندہ چوں اول بدیں خوش می کنم دل را
کہ پیوستہ مزاجِ آدمی یکساں نمی ماند

کرم کن در حقِ خسرو کہ جاویداں ہمی ماند
بچوں میدانی کسے در دہر جاویداں نمی ماند

چھپائے رخ ہے کیوں اے جاں جو یہ پنہاں نہ رہوے ہے
رہے پنہاں وگرنہ تو کسی میں جاں نہ رہوے ہے

میں اک درویشِ رسوائے جہاں ہوں تو بحمد اللہ
کہ درویشی و مشتاقی مری پنہاں نہ رہوے ہے

رکھے بھی تابِ دیدارِ جمالِ روئے زیبا گر
جو دیکھے رخ ترا وہ بِن ہوئے حیراں نہ رہوے ہے

تری جب چشمِ کافر بھیجتی ہے لشکرِ غمزہ
بہ ہفت اقلیمِ تن یک منزل آباداں نہ رہوے ہے

نہیں گر مہرباں تو سوچ کر یہ خوش میں رہتا ہوں
کہ پیوستہ مزاجِ آدمی یکساں نہ رہوے ہے

کرم کر اپنے خسرو پر اگر رہنا ہے جاویداں
کہ نیکی کے سوا کچھ اور جاویداں نہ رہوے ہے

۱۳۶

چوں جانِ عاشقاں آں ماہ را سلطان و خاں سازد
جہانے پیشِ او خود را غلامِ رائگاں سازد

خراماں می رود آں شوخ و در وے عالمے حیراں
بزرگ آں صانعے کز آب آں سروِ رواں سازد

سرِ آں چشم گردم چوں بناز و شیوہ و شوخی
گہے مستی نماید، گاہ خود را ناتواں سازد

بود معشوق چوں شمعے، خوش آں پروانۂ عاشق
کہ مہمانش رسد وز شعلہ نقلِ میہماں سازد

اماں ہرگز نباشد عاشقِ بیچارہ را از غم
مگر آنگہ کہ کوئے خویش را دارالاماں سازد

بہ بیماریِ غمِ خسرو برائے زیستن ہر دم
نوائے خویش را از خونِ دل تعویذِ جاں سازد

جو جانِ عاشقاں اس ماہ کو سلطان و خاں کر دے
خود اپنے کو ہر اک اس کا غلامِ رائگاں کر دے

اگر آئے خراماں گلستاں میں شوخیاں کرتا
جہاں سارا بہت حیران وہ سروِ رواں کر دے

فدا اس چشم پر ہیں جو بناز و غمزہ و شوخی
بنے بیمار ایسی، خلق سب یہ ناتواں کر دے

وہ شمعِ انجمن ہو یوں گھرا عشاقِ مہماں سے
جلے خود اور جلا کر خاک سارے میہماں کر دے

نہیں ملتی کسی صورت اماں عشاق کو غم سے
وہ اپنا چاہے کوچہ جس قدر دارالاماں کر دے

یہ بیماریِ دردِ دل، برائے زندگی خسرو
نوائے خویش کو از خونِ دل تعویذِ جاں کر دے

۱۳۷

ہمہ مستیِ خلق از ساغر و پیمانہ می خیزد
مرا دیوانگی زاں نرگسِ مستانہ می خیزد

خوشم با آہِ گرم امشب، مدہ تشویشم اے گریہ
کہ خوش می سوزدم ایں آتشے کز خانہ می خیزد

ہمہ شب با خیالش افسانہ ہائے دردِ خود گویم
مرا از جملہ بے خوابی ازاں افسانہ می خیزد

عسس کز نالہ ام دیوانہ شد، میگفت با یاراں
کہ باز آمد شب و افغانِ آں دیوانہ می خیزد

من از خود سوختم، نہ از تو، اے شمعِ نکو رویاں
ہلاکِ جانِ پروانہ ہم از پروانہ می خیزد

مپوشش آں خال را بہرِ خدا از دیدۂ مردم
کہ مسکیں مرغِ غافل را بلا از دانہ می خیزد

چہ یاری باشد ایں آخر کہ ناری رحم بر خسرو
چنیں کز دردِ او افغاں ز صد بیگانہ می خیزد

سبب مستی کا میری ساغر و پیمانہ ہووے ہے
وجہ دیوانگی کی دیدۂ مستانہ ہووے ہے

میں آہِ آتشیں سے ہوں خوش و خرم بہت اپنی
جلاتی کر کے خوش ہے آگ جو در خانہ ہووے ہے

سناتا ہوں فسانہ دردِ دل کا یوں میں لوگوں کو
کہ بے خوابی کا باعث ان کی یہ افسانہ ہووے ہے

کبھی کرتا ہوں میں کوچے میں اس کے اس طرح نالہ
فغاں سن کر مری دربان بھی دیوانہ ہووے ہے

خوشی سے خود میں جلتا ہوں، نہ کر غم اے شمعِ محفل
کہ دشمن جانِ پروانہ کا خود پروانہ ہووے ہے

چھپا مت دیدۂ مردم سے خالِ روئے زیبا کو
اگرچہ مرغِ مسکیں کی بلا اک دانہ ہووے ہے

رحم آتا نہیں خسرو پہ کیوں اے آشنا تجھ کو
کہ غم سے اس کے غمگیں بھی دلِ بیگانہ ہووے ہے

۱۳۸

ہوائے میرسد کز سر گریباں چاک خواہم زد
کلاہِ عافیت با سر بہم بر خاک خواہم زد

بہ تلخیِ فراق، اے پند گو بگذار جاں بدہم
گذشتہ ست آنکہ من ایں زہر را تریاک خواہم زد

ہمی گفت از تو شویم دست ازیں غم گر ہم روزے
بسا گریہ کہ پیشش زیں دلِ غمناک خواہم زد

زخونم گرچہ ناپاک است آں، در شوی ہم کامشب
من آبے بر درش زیں دیدۂ نمناک خواہم زد

بہ شبہائے غمم بے تو چہ جائے عقل و جان و دل
بیا اے شمعِ جاں، کآتش دریں خاشاک خواہم زد

ازیں پس خسروا دیوانگی زیرا نماند آں دل
کہ لافِ شیر پیشِ آں بتِ چالاک خواہم زد

ہوائے یار ایسی ہو گریباں چاک ہو جائے
کلاہِ عافیت گر کے درہم بر خاک ہو جائے

بنی ہے دشمنِ جاں زہر ایسی تلخیِ فرقت
نہیں ممکن کہ اب یہ زہر پھر تریاک ہو جائے

وہ دھوتا ہاتھ مجھ سے ہے، میں دھوتا رخ ہوں اشکوں سے
ہے گرچہ ڈر، نہ غرقِ خوں دلِ غمناک ہو جائے

ہے گر ناپاک خوں سے در، دھلاتا رہ اُسے جاناں
نہ جب تک خشک میرا دیدۂ نمناک ہو جائے

ہیں عقل و جان و دل خاشاک سب تیرے بدوں اے جاں
جلا آ کر نہ جب تک خاک یہ خاشاک ہو جائے

نہ مسکینی نہ شیخی کام آئے گی تری خسرو
نہیں ممکن مہرباں وہ بتِ چالاک ہو جائے

۱۳۹

چہ خوش صبح دمید امشب مرا از روئے یارِ خود
گلستانِ حیاتم تازہ گشت از نوبہارِ خود

بحمد اللہ کہ کشتِ بخت بر داد و نشد ضایع
ہر آنچ از دیدہ باراں ریختم بر روزگارِ خود

مگر ہجراں قیامت بود، کاں بگذشت خود بر من
درِ فردوس دیدم باز از روئے نگارِ خود

شمارِ غم نمی دانم کہ پیشِ دوستاں گویم
کہ من چیزے نمی دانم ز دردِ بے شمارِ خود

دل و جاں کز پئے من رنجہا دیدند در ہجراں
نمودم ہر دو را آں روی، کردم شرمسارِ خود

مرا آسودہ بادے دیدہ، گرچہ رنجہ شد بالش
کہ مالیدم ہمہ شب دیدہ را بر پائے یارِ خود

چو من بے دولتے، آنگہ نظر در چو تو دلدارے
چہ بخت است ایں و چہ اقبال، حیرانم بکارِ خود

بخواب است ایں کہ می گوئی بہ پیشِ مردماں خسرو
ترا کو خواب تا بینی ازیں ہا در کنارِ خود

ہوئی صبحِ شبِ فرقت، جو دیکھا روئے یارِ خود
گلستاں عمر کا تازہ ہوا از نوبہارِ خود

بحمد اللہ گیا سارا وہ کشتِ بخت میں پانی
گرا جتنا بھی میری آنکھ سے بر روزگارِ خود

شبِ ہجراں قیامت تھی، ولے آیا نظر جب وہ
درِ جنت کھلا مجھ پر بہ دیدارِ نگارِ خود

شمارِ غم کروں میں کس طرح ہجراں میں اے یارو
فزوں کرتا شمارِ غم ہے، دردِ بے شمارِ خود

دل و جاں ہجر میں ہوتے ہیں رنجیدہ مری خاطر
رخ اس کا دیکھ کر ہوتے ہیں، پر وہ شرمسارِ خود

مجھے آرام آیا پر نہ آیا کچھ پسند اس کو
ملیں ہیں نے جو آنکھیں رات بھر پائے یارِ خود

فقیرِ بے نوا ہوں تیری بخشش سے، ولے اے جاں
ہے کیسا بخت، کیا اقبال، حیراں ہوں بہ کارِ خود

کنارِ یار ملتا خواب ہی میں ہے اگر خسرو
تو بے خوابی میں کیسے اس کو دیکھے در کنارِ خود

۱۴۰

دروغ و راستی کاں غمزۂ غماز پیوندد
دَر دصد پردۂ عاشق زلبِ وآں باز پیوندد

بلا را نو کند رسم و طریقِ فتنہ نو سازد
چوں او اول کرشمہ با طریقِ ناز پیوندد

بہ سینہ نارسیدہ بگذرد و تدر جگر شیند
خدنگے با کماں کاں تُرکِ تیر انداز پیوندد

مرا چہ حدِ وصل ست ایں قدر بس قربِ او باشد
سخن بایکدگر، کآواز با آواز پیوندد

چہ باشد حالِ من جائے کہ ہر شب بہرِ تاراجم
خیالش ساختہ با ایں دلِ ناساز پیوندد

ہمی گویند جاں خواہی مجو پیوند از و خسروؔ
ز بہرِ زیستن کنجشک با شہباز پیوندد

دروغ و راستی وہ غمزۂ غماز جوڑے ہے
کہ کرکے پردہ دَرِ عاشق کا پارے باز جوڑے ہے

نئی لاتا بلائیں ہے، نئے فتنے اٹھاتا ہے
وہ جب اپنا کرشمہ با طریقِ ناز جوڑے ہے

کرے ہے بن چلائے تیر زخمی وہ جگر میرا
کماں ناوک سے ایسے تُرکِ تیر انداز جوڑے ہے

مری حدِ وصال اتنی ہے بس، وہ سامنے آ کر
سخن با یک دگر، آواز با آواز جوڑے ہے

ہے اک بازیچۂ اطفال اس کے واسطے الفت
کہ پارہ پارہ کرکے ہر دلِ جانباز جوڑے ہے

اگر ہے زندگی پیاری تجھے اپنی تو اے خسروؔ
دلِ قمری کو کیوں با چنگلِ شہباز جوڑے ہے

۱۴۱

بتے کو ہر دمم دشنامہائے شکریں بخشد
بہ از دشنام نبود گر نبات و انگبیں بخشد

بہ غیرے گر جفا گوید برنجم کانست حقِ من
بتر رنجم اگر جائے جفایم آفریں بخشد

خوش آں دُزدیدہ خندیدن برایں دیوانۂ مسکیں
کہ مورے را ہمہ مُلکِ سلیماں زاں نگیں بخشد

چوں سنگِ نازنیناں گُل بوَد بر روئے مشتاقاں
من از دیدہ بریزم ہر گلے کاں نازنیں بخشد

چہ باشد گر چو مے مہرِ مسلمانی بوَد در وے
خدا آں نامسلماں را مگر ایمان و دیں بخشد

عجب بخشندۂ شد چشمِ خسرو بر سرِ کویش
کہ خاکِ در کند دریوزہ و دُرِّ ثمیں بخشد

اگر اک بت مجھے دشنامہائے شکریں دیدے
دہان و لب سے وہ اپنے نبات و انگبیں دیدے

مجھے ہوتی بہت ہے بدگمانی اور دشمن سے
جفاؤں کی بجائے وہ کبھی گر آفریں دیدے

کرے دُزدیدہ خندہ عاشقِ دیوانہ پر وہ گر
تو اک مُلکِ سلیماں مور کو اس کا نگیں دیدے

بنے ہے روئے مشتاقاں پہ سنگِ نازنیناں گُل
لگاؤں آنکھ سے کچھ گل اگر وہ نازنیں دیدے

مسلمانوں کا خطرے میں نہ ہووے اس قدر مذہب
خدا اس نامسلماں کو اگر ایماں و دیں دیدے

عجب ہے چشمِ خسرو بخشنے والی سرِ کوچہ
کہ خاکِ در کی مانگے بھیک اور دُرِّ ثمیں دیدے

۱۴۲

شمعِ من اگر یک شب از خانہ بروں آید
از ہر طرفے صد جاں پروانہ بروں آید

صد جامہ قبا گردد از ہر طرفے چوں او
کژ کردہ کلاہ از سر مستانہ بروں آید

من بے خبر و طفلاں سنگے بکف از ہر سو
شستہ بہ کمیں تا کے دیوانہ بروں آید

فریاد کہ از یارے عمرے بہ جفا باشم
چوں گاہِ وفا باشد بیگانہ بروں آید

گر وجہِ قرارِ من ہست از رخِ تو مردن
وہ کز خطِ تو ناگہ پروانہ بروں آید

در کشتنِ خود یارم من از تو چہ غم دارم
گر جاں ز پئے خسرو خصمانہ بروں آید

وہ شمع اگر یک شب از خانہ بروں آئے
ہر سمت سے جاں بن کر پروانہ بروں آئے

ہوں چاک گریباں صد عشاق کے اسکے سب
کج کر کے کلہ جب وہ مستانہ بروں آئے

پتھر لئے ہاتھوں میں بے تاب بہت بچے
بیٹھیں ہیں کمیں میں تا دیوانہ بروں آئے

سیکھے ہے خدا جانے کیا غیر کی محفل میں
جو آشنا وہ بن کر بیگانہ بروں آئے

رخ دیکھ کے مر جانا ہے عمر کا حاصل جب
محفل سے تری کیسے پروانہ بروں آئے

بے خوف و خطر اس کو کر قتل نہ کر غم کچھ
گر جاں ترے خسرو کی خصمانہ بروں آئے

۱۴۳

آں دل بہ چہ کار آید کاں خانۂ تو نبوَد
واں موی چہ بندد دل گر شانۂ تو نبوَد

آں کو سرِ تو دارد، پس از سرِ خود ترسد
دیوانۂ خود باشد، دیوانۂ تو نبود

خوابِ اجلم گیرد از غایتِ بیخوابی
گر مونسِ من ہر شب افسانۂ تو نبود

محروم تریں مرغم، خالِ لبِ خود بنما
حسرت نخورم بارے گر دانۂ تو نبود

از سینہ بروں کردم، آتش زدہ جانِ خود
تا سوختۂ دردے ہمخانۂ تو نبود

دیوانہ بقا ندہد دہ(۱۰) روزہ براتِ جاں
گر خسروِ مسکیں را پروانۂ تو نبود

کس کام کا وہ دل ہے جو خانہ نہ ہو تیرا
گیسو ہیں بندھے کیسے گر شانہ نہ ہو تیرا

دیوانہ بناتی ہے ہر اک کو ہوسناکی
دیوانۂ خود ہو جو دیوانہ نہ ہو تیرا

بے خوابیِ ہجراں کا ہو خوابِ اجل چارہ
مونس مرا گر ہر شب افسانہ نہ ہو تیرا

بے خال نہیں کافی اک دامِ خمِ گیسو
ہو صید نہ مرغِ دل گر دانہ نہ ہو تیرا

سینے سے بروں کر دوں، آتش زدہ جانِ خود
تا سوختۂ غم یہ ہمخانہ نہ ہو تیرا

دہ(۱۰) روزہ براتِ جاں کو کیسے بقا دے وہ
خسروؔ کو ملا گر اک پروانہ نہ ہو تیرا

۱۴۴

دردا کہ دگر مارا آں یار نمی پرسد
احوالِ دلِ پُرخوں دلدار نمی پرسد

می پرسم و می جویم در ہر نفسے صد بار
او در ہمہ عمرِ خود یک بار نمی پرسد

یار از سرِ یاریہا با ما سخنے می گفت
امسال بہ دشنامے چوں یار نمی پرسد

بیمارِ تپِ ہجرم آں ماہ طبیبِ من
دردا کہ طبیبِ من بیمار نمی پرسد

گر یار نمی پرسد خسرو چہ کند آں را
شاہ است و گدایاں را از عار نمی پرسد

افسوس کہ اب ہم کو وہ یار نہ پوچھے ہے
احوالِ دلِ پُرخوں دلدار نہ پوچھے ہے

میں پوچھتا پھرتا ہوں حال اس کا ہر اک سے پر
بھولے سے بھی وہ مجھ کو اک بار نہ پوچھے ہے

وہ یار تھا یاروں کا ملتا تھا محبت سے
اب گالیاں دے کر بھی اک بار نہ پوچھے ہے

بیماریِ ہجراں کا ہے وہ ہی معالج اک
لیکن وہ کبھی حالِ بیمار نہ پوچھے ہے

پوچھے ہے نہیں تجھ کو گر یار ترا خسروؔ
ہے شہ وہ فقیروں کو از عار نہ پوچھے ہے

۱۴۵

تا غمزۂ خونریزِ تو قصدِ دلِ ما کرد
بیچارہ دلم را ہدفِ تیرِ بلا کرد

در خواب نبیند رخِ آرام دگر بار
ہر دل کہ طمع در طلبِ وصلِ شما کرد

چندیں چہ کنی جور و جفا بر منِ مسکیں
با یارِ وفادار کسے جور و جفا کرد

ہرگز بہ جہاں نیک نہ دیدہ است و نبیند
آنکس کہ مرا دور چنیں از تو جدا کرد

دیروز چوں من شکرِ وصالِ تو نگفتم
امروز مرا سوزِ فراقِ تو سزا کرد

با جان و دلِ خسروِ بے چارہ و مسکیں
ہجرانِ تو اے دوست چہ گویم کہ چہا کرد

پھر غمزۂ خونریز کو قصدِ دلِ ما ہے
پھر دل یہ ہمارا ہدفِ تیرِ بلا ہے

دیکھے رخِ آرام نہیں خواب میں بھی وہ
اک دل جو ترا طالبِ دیدار ہوا ہے

کر مہر و وفا، مجھ سے ذرا بہرِ خدا کچھ
با یارِ وفادار یہ کیوں جور و جفا ہے

واقف نہیں وہ دل کی امنگوں سے ذرا بھی
رکھے مرے معشوق کو جو مجھ سے جدا ہے

جب شکر نہ وصلت کا کیا میں نے ادا کل
تو آج بنا سوزِ فراق اس کی سزا ہے

با جانِ و دلِ خسروِ بیچارہ و مسکیں
فرقت نے تری رات میں کیا کیا نہ کیا ہے

۱۴۶

یک دل بہ سرِ کوئے تو آباد نیابند
یک جاں ز خمِ زلفِ تو آزاد نیابند

از بسکہ گرفتارِ غمت شد ہمہ دلہا
آفاق بگردند و دلِ شاد نیابند

روزے کہ روی مست خراماں سوئے بازار
در شہر یکے صومعہ آباد نیابند

گفتی خبرت گہ گہے از باد بپرسم
از خاک طلب کیں خبر از باد نیابند

ناخوردہ خراشے ز سرِ تیشۂ ہجراں
سنگے بہ سرِ تربتِ فرہاد نیابند

خسرو ز برائے دلِ گم گشتہ چہ نالی
دانی کہ دلِ رفتہ بہ فریاد نیابند

کوچے میں کوئی دل ترے آباد نہیں ہے
جاں کوئی خمِ زلف میں آزاد نہیں ہے

عشاق گرفتارِ بلاؤں میں ہیں سارے
الفت میں تری قلب کوئی شاد نہیں ہے

آئے سوئے بازار ہے جب مست خراماں
رہتا کوئی پھر صومعہ آباد نہیں ہے

ہرجائی سے مت پوچھ دلِ زار کی حالت
کچھ دیر بھی رہتی یہ کہیں یاد نہیں ہے

ناخوردہ خراش و خلشِ تیشۂ ہجراں
سنگ اک بہ سرِ تربتِ فرہاد نہیں ہے

دل گم شدہ پائے گا نہ فریاد سے خسرو
کرتا کوئی تیری سی گو فریاد نہیں ہے

۱۴۷

صد جاں بہ یکے دانگ، بہ بازار فروشند
خوباں بہ دل و جاں ز چہ رخسار فروشند

جاں میکشدش سوئے خود و دل بسوئے خویش
بر دست گر ایں ہر دو خریدار فروشند

با غمزہ بگو کز دگراں بیشترش کش
یاراں بہ محلے کہ بود یار فروشند

ایں دل چوں ز سودائے تو افتاد بہ بازار
آنجا طلب ایں جیفہ کہ مردار فروشند

نایند بہ بازارِ بتاں، اہلِ سلامت
کانجا ہمہ جان و دلِ افگار فروشند

بارے سخنِ عاشقی از بہرِ چہ گویند
آنانکہ چو خسروؔ ہمہ گفتار فروشند

صد جان بہ یک دانگ، بہ بازار خریدیں
معشوق بیک غمزہ دلِ زار خریدیں

جب حسن کے بازار میں آتے ہیں خریدار
تاجر ہیں بت ایسے کہ خریدار خریدیں

لوں میں نہ دو عالم ترے اک بال کے عوض
گو چاہتے سب ہیں کہ مرا یار خریدیں

سودائی یہ دل اپنا نہ بازار میں لے جا
واں کوئی نہ سوداگراں مردار خریدیں

جاؤ نہ بہ بازارِ بتاں، اہلِ محبت
ہیں واں نہ صنم جو دلِ افگار خریدیں

کہنا سخنِ عاشقی بیکار ہے خسروؔ
لوگ اب نہ ترا شربتِ گفتار خریدیں

۱۴۸

ہندوئے مرا کشتنِ ترکانہ ببینید
زو سینۂ من چوبت و بتخانہ ببینید
گہ خشم و گہے عشوہ و گہ شوخی و گہ ناز
بدمستیِ آں نرگسِ مستانہ ببینید
ابادیرِ آں بت نہ کنم زو گلہ لیکن
لب تا جگرم زو ہمہ پروانہ ببینید
اے سیم برانے کہ شمارید گدایم
از قطبِ زماں بخششِ شاہانہ ببینید
خسرو تکند جز سخن آں لبِ شیریں
شیرینیِ ایں گفتہ و افسانہ ببینید

ہندو کا مرے شیوۂ ترکانہ دیکھئے
دل کو بنا دیا مرے بت خانہ دیکھئے
گہ خشم و گہ کرشمہ و گہ ناز و گہ ادا
کیسی ہے اس کی نرگسِ مستانہ دیکھئے
شعلے سے رخ کے اک بتِ آتش پرست نے
کیسے بنا دیا مجھے پروانہ دیکھئے

دربارِ حسن میں وہ فقیروں کے واسطے
کیسے کرے ہے بخششِ شاہانہ دیکھئے
خسرو کرے ہے ذکرِ لبِ یار جب کبھی
کیسا بنائے نوش ہے افسانہ دیکھئے

۱۴۹

بوئے ز سرِ زلفِ نگاریں بہ من آرید
یک تار ازاں طرۂ مشکیں بہ من آرید

مخمورم و جانم بہ سوئے مے نگراں است
آں بادہ کہ در داد نختیں بہ من آرید

خوابیدہ کہ از خاک بر آیم پسِ صد سال
از میکدہ بوئے مئے رنگیں بہ من آرید

ہر گہ کہ غمے گشت پدید از دل، گفتم
غم را نخورد جز دلِ غمگیں، بہ من آرید

جاں می سپرد از غمِ ہجرانِ تو خسرو
روزے خبرِ عاشقِ مسکیں بہ من آرید

بوئے سرِ گیسوئے نگاریں مجھے دیدو
ہر پیچ و خمِ کاکلِ مشکیں مجھے دیدو

مخمور ہوں میں، چشم مری ہے بسوئے مے
پھر، بادہ ملا تھا جو نخستیں، مجھے دیدو

مقصود جگانا مجھے تربت میں اگر ہو
از میکدہ بوئے مئے رنگیں مجھے دیدو

جب ہے غمِ فرقت کا نہیں کوئی مداوا
ہو غم کا جو خواہاں دلِ غمگیں مجھے دیدو

مل جائے تمہیں گر کہیں وہ عشق کا مارا
لا کر خبرِ خسروِ مسکیں مجھے دیدو

۱۵۰

باد آمد و زاں سروِ خراماں خبر آورد
در کالبدِ سوختہ جانِ دگر آورد

امروز ہم از اولِ صبحم سرِ مستی ست
آں بوئے کہ بودہ ست کہ بادِ سحر آورد

من آب طلب کردم ازیں دیدہ دریں سوز
او خود ہمہ پرکالۂ خونِ جگر آورد

زاں مرغ کہ شب نالہ ہمی کرد، بپرسید
جائے گلِ خندانِ مرا در نظر آورد

خونِ منِ دل سوختہ در گردنِ قاصد
کاں نامہ کہ آورد از او دیر تر آورد

خسرو نگہش دار کہ اکسیرِ حیات است
گردے کہ صبا دوش ازاں رہگذر آورد

لے باد گر از سروِ خراماں خبر آئے
اندر بدنِ سوختہ جانِ دگر آئے

ہے آج صبحدم ہی سے مجھ کو سرِ مستی
کیسی ہے بوئے مے کہ بہ بادِ سحر آئے

جب میں طلبِ آب کروں چشم سے اپنی
ہو خوب کہ پرکالۂ خونِ جگر آئے

اک مرغِ چمن رو کے یہ کہتا تھا سحر گہ
یارب گلِ خنداں وہ کبھی تو نظر آئے

خونِ دلِ بے تاب ہے بر گردنِ قاصد
لائے تو ہے خط دیر سے لے کر مگر آئے

اکسیر ہے وہ جانِ حزیں کے لئے خسرو
یا بادِ صبا خاک جو از رہگذر آئے

۱۵۱

یک خندہ بزن، زاں لبِ لعلِ شکر آلود
بر عاشقِ مسکیں کہ رخ از خونِ تر آلود

یک شب ز برائے دلِ من، محرمِ من باش
بشنو ز دلم چند حدیثِ جگر آلود

ما ناکہ بپرسی ز دلِ من کہ چہ کردی
در کوئے تو کز خوں ہمہ دیوار و در آلود

جانہا کہ گرفتارِ لبت گشت، چہ دانی
پرواز مجو از مگسانِ شکر آلود

نزلِ غمِ تو باد حرامم بہ فراقت
گر چشمِ دلم، ہیچ گہ از خواب و خور آلود

آسودہ بہ خاکِ درت اینک سرِ خسرو
زاں صندلِ راحت کہ بریں دردِ سر آلود

یک خندہ گہے، اے لبِ لعلِ شکر آلود
بر عاشقِ مسکیں کہ رخ از خونِ تر آلود

ہو بہرِ خدا محرمِ دل رات کو آ کر
تا تجھ کو سناؤں میں حدیثِ جگر آلود

مت پوچھ تُو حالِ دلِ افگار کہ خوں سے
پہلے ہی ترے کُو میں ہیں دیوار و در آلود

عشاق گرفتارِ لبِ یار ہیں، جیسے
مشغولِ شکر ہوں مگسانِ شکر آلود

انزالِ غمِ فرقتِ جاناں نہ روا ہو
گر چشم مری ہو کبھی از خواب و خور آلود

خسرو کے لئے خاکِ درِ یار ہے جیسے
صندل ہو برائے بشرِ دردِ سر آلود

۱۵۲

اے زلفِ تو دامِ دلِ دانا و خردمند
دشوار جہد دل کہ در افتاد دریں بند

بودیم خردمند، کہ زدِ عشقِ تو برما
دیوانگی آورد و نماندیم خردمند

شیرینست دروغِ تو، زہم ارچہ زنی لاغ
حلوہ نتواں خورد از نیساں کہ تو سوگند

اے باد بجنباں سرِ آن زلف و بہ بخشای
برحالِ پریشانِ پریشاں شدۂ چند

اصحابِ ہوس چاشنیِ عشق چہ دانند
لذت ندہد تشنۂ مے را شکر و قند

بگذار کہ بیروں روَد از پردۂ دل از
کایں پردہ نماندہ ست کنوں قابلِ پیوند
ہرگز نروَد نقشِ رخت از دلِ خسرو
زانگونہ کہ از رانِ سگاں داغِ خداوند

وہ زلف کہ دامِ دلِ دانا و خردمند
پُر پیچ و خم و چین و شکن جس کا ہر اک بند

تھے عاقل و فرزانہ، ہوئی عشق میں لیکن
دیوانگی ایسی کہ رہے کچھ نہ خردمند

شوخی میں ہے شیرینیِ جاں، جھوٹ میں شیرہ
حلوے کی طرح بیش ہے شیریں تری سوگند

بخشش ہو اگر لائے صبا زلف کی خوشبو
برحالِ پریشانِ پریشاں شدۂ چند

اصحابِ ہوس چاشنیِ عشق نہ جانیں
حظ تشنۂ مے کو نہ ملے از شکر و قند

عاشق کا ہوا پردۂ دل پارہ کچھ ایسا
ہرگز نہ رہا اب وہ ذرا قابلِ پیوند
جائے گا نہیں نقش ترا از دلِ خسرو
جاتا نہیں از رانِ سگاں داغِ خداوند

۱۵۳

عاقل ندہد عاشقِ دلسوختہ را پند
سلطاں نہ نہد بندۂ محنت زدہ را بند

اے یارِ عزیز! اندۂ دوری تو چہ دانی
من دانم و یعقوب فراقِ رخِ فرزند

عیبم مکن، اے خواجہ کہ در عالمِ معنی
جہل است خردمندی و دیوانہ خردمند

در دیدۂ من حسرتِ رخسارِ تو تا کے
در سینۂ من آتشِ ہجرانِ تو تا چند

تا جاں بود، از مہرِ رخش برنکنم دل
گر میر نہد بندم و گر پیر دہد پند

ناچار چوں شد بندۂ فرمانِ تو خسرو
چوں گردنِ طاعت نہ نہد پیشِ خداوند

عاقل نہ کرے عاشقِ دل سوختہ کو پند
سلطاں نہ کرے بندۂ کلفت زدہ کو بند

اے یار غمِ ہجر سے واقف ہو تُو کیسے
یعقوب ہی جانے ہے فراقِ رخِ فرزند

حجت نہ کر اے خواجہ کہ در عالمِ معنی
نادان عقلمند ہے دیوانہ خردمند

در دیدۂ من حسرتِ رخسارِ تو تا کے
در سینۂ من آتشِ ہجرانِ تو تا چند

جائے گا مرے عشقِ بتاں، دل سے نہ ہرگز
گر میر کرے بند یا گر پیر کرے پند

ناچار ہوا جب ہے ترا بندۂ خسرو
پھر کیوں نہ کرے سر کو وہ خم پیشِ خداوند

۱۵۴

ترسم کہ از اطرافِ جہاں دُود بر آید
گر آہِ من از جانِ غم اندُود بر آید

بر بوئے تو آتش زدہ ام مجمرۂ دل
از وے چہ عجب گر نفسِ عُود بر آید

آتش کدۂ دل بر ما چند بپوشم
شک نیست کہ از آتشِ ما دُود بر آید

دل خود چہ متاع است کہ از ما طلبد دوست
حقا کہ اگر جاں طلبد زُود بر آید

ہر دل کہ ندارد خبر از حسنِ ایازی
شرط است کہ گِردِ دلِ محمود بر آید

بعدِ من اگر گوش نہی بر سرِ خاکم
از خاک ہمہ نغمۂ داؤد بر آید

خسرو نتواند کہ کند فکرِ وصالت
کارے ست کہ با طالعِ مسعود بر آید

ڈرتا ہوں ز اطرافِ جہاں دُود نہ آئے
گرم آہ زِ جانِ الم اندُود نہ آئے

بُو سے تری جب آگ لگی مجمرِ دل میں
کیوں اس سے پھر عاطر نفسِ عود نہ آئے

پوشیدہ رکھوں کس طرح آتش کدۂ دل
ممکن نہیں آتش سے کبھی دُود نہ آئے

دل کیا ہے طلب جاں بھی کرے یار مری گر
ممکن ہے یہ کیسے، وہ بروں زُود نہ آئے

جس دل کو نہیں حسنِ ایازی کی خبر ہو
ہرگز وہ قریبِ دلِ محمود نہ آئے

گر کان لگا کر تو سُنے خاک پہ میری
کچھ گوش میں جز نغمۂ داؤد نہ آئے

ہے وصل کی امید اگرچہ تجھے خسرو
بر کام یہ، بے طالعِ مسعود نہ آئے

۱۵۵

سروے چو تو در خلخ و نوشاد نباشد
ایں نازکی اندر گُل و شمشاد نباشد

چوں تو خوشی اے دوست بہ ویرانیِ دلہا
آباد تر آں سینہ کہ آباد نباشد

غمہا خورم و نالہ بہ گوشت نرسانم
کاسودہ دلاں را سرِ فریاد نباشد

گفتی کہ سرت خاک کنم بر سرِ ایں کو
اے خاک بر آں سر کہ بدیں شاد نباشد

معذور ہمی دارمت ار جور کنی زانک
در مذہبِ خوباں روشِ داد نباشد

مگریز ز درماندگیِ جانِ اسیراں
کانجا کہ تو باشی دلے آباد نباشد

ہر چند کہ خسرو بہ سخن می نبرد دل
چوں نرگسِ جادوئے تو استاد نباشد

بے سرو ترے باغ کوئی شاد نہیں ہے
یہ نازکی اندر گُل و شمشاد نہیں ہے

خوش تو ہے اگر دیکھ کے ویرانیِ دل کو
آباد ہے وہ سینہ جو آباد نہیں ہے

کھاتا ہوں میں غم خون کے پیتا ہوں میں آنسو
لگتی تجھے اچھی مری فریاد نہیں ہے

کہتا ہے کروں گا ترا سر خاک سرِ کُو
ہو خاک وہ سر سن کے جو یہ شاد نہیں ہے

ہے تجھ کو روا جور و جفا مجھ پہ ستمگر
در مذہبِ خوباں روشِ داد نہیں ہے

تجھ سے نہیں درماندگیِ جانِ اسیراں
ہے دل جو کوئی عشق میں برباد نہیں ہے

خسرو نہ اثر بات میں تیری ہے کہ تیرا
وہ دیدۂ جادو ہوا استاد نہیں ہے

۱۵۶

یک روز بہ عمرے زمنت یاد نیاید
یک شب ہے از کوئے غمت شاد نیاید

از بوئے توام سوختہ شد، وہ دلم آخر
کمتر شود ایں شعلہ، اگر باد نیاید

فرداش مخوانید بہ بالینگہِ من، زانک
شیریں بہ سرِ تربتِ فرہاد نیاید

دشوار نباشد دگرم بندگیِ دل
آزاد کس از جانِ خود آزاد نیاید

نو روز در آید ز برائے ہمہ مرغاں
بلبل ز پئے رفتنِ صیاد نیاید

دیوانہ بگردم من ازیں کوی، بہ آں کوی
دیوانہ وش آں ترکِ پریزاد نیاید

خسرو چوں کند نالہ چو فرہاد، شبے نیست
کز نالۂ او کوہ بہ فریاد نیاید

گر جا کے، ترے کُو سے کوئی شاد نہ آئے
بہتر ہے وہ کرتے اسے آباد نہ آئے

بن تیرے خموشی سے جلے ہے یہ شمعِ دل
شعلہ نہیں لپکے ہے اگر باد نہ آئے

بالیں پہ بلاؤ نہ مرا یار، کہ یاروں
شیریں بہ سرِ تربتِ فرہاد نہ آئے

آزاد ہے جانے کے لئے زلف میں دل، گو
آزاد وہاں سے کوئی آزاد نہ آئے

اے مرغِ چمن، گل ہیں کِھلے باغ میں ہر سو
کیا خوب ہو ایسے میں جو صیاد نہ آئے

ہم دولتِ دل لے کے جو بیٹھے ہیں تو پھر کیوں
یغما کے لئے تُرکِ پریزاد نہ آئے

فریاد جو خسرو کو ہو فرہاد کی طرح
ممکن نہیں اک کوہ پہ فریاد نہ آئے

۱۵۷

روزے اگر آں ماہ بہ مہمانِ من آید
دورانِ فلک در تۂ فرمانِ من آید

بن کر کبھی گر ماہ وہ مہمانِ من آئے
دورانِ فلک در تۂ فرمانِ من آئے

دیوانہ دلے داشتم آوارہ شد از من
کے باز دریں سینۂ ویرانِ من آید

آوارہ ہوا عشق میں دل دیکھئے پھر کب
دیوانہ وہ در سینۂ ویرانِ من آئے

ہر صبحدم از گریہ شود خونِ دلم آب
کز بادِ نسیمِ گلِ خندانِ من آید

ہر صبح مرا خون بنے آنکھ میں پانی
تا بادِ نسیمِ گلِ خندانِ من آئے

من دانم و من، چاشنیِ دردِ تو جانا
حاشا کہ طبیب از پئے درمانِ من آید

ہے دردِ ترا چاشنی میرے لئے اے جان
حاشا کہ طبیب از پئے درمانِ من آئے

جانم تو ستاں، باز تنم خاک ستاند
آندم کہ اجل در طلبِ جانِ من آید

دے خاک کو تن، جان حفاظت سے مگر رکھ
جس وقت اجل در طلبِ جانِ من آئے

دانی کہ چہا میگذرد بر دلِ خسرو
در گوشِ تو گر نالہ و افغانِ من آید

تجھ کو بھی ہو معلوم کچھ حالِ دلِ خسرو
گر گوش میں تیرے کبھی افغانِ من آئے

۱۵۸

دل بستۂ بالائے یکے تنگ قبا شد
باز این زِ برائے دلِ تنگم چہ بلا شد

یارانِ موافق ہمہ فارغ ز غم و درد
ہر جا کہ غمے بود نصیبِ دلِ ما شد

نے روز قرار و نہ شبم ہیچ ندانم
کاں صبر کہ وقتے بہ دلم بود کجا شد

پامال شد آں دل کہ زما برد بہ رفتار
خود بیں کہ چنیں چند دلش در رہ پا شد

میرفت سوار او و بہ نظارہ زہر سو
شد جامہ قبا جامۂ جاں نیز قبا شد

بر بادِ ہوا داد بسے چو دلِ خسرو
ہر ذرہ کہ از گردِ رہِ او بہ ہوا شد

دل بستۂ سیمیں بدنِ تنگ قبا ہے
لی مول کیوں یہ عاشقِ دل تنگ بلا ہے

یارانِ موافق ہیں غم و درد سے فارغ
ہر جا کہ ہے غم، غم وہ بنے ایک مرا ہے

رہتا ہوں میں بے تاب شب و روز خدایا
وہ صبر کہ تھا دل میں کہاں اب وہ گیا ہے

پامال نہ کر یوں اسے اور دیکھ خدارا
کیسے دلِ بے تاب ترے در تہِ پا ہے

لغزش تری رفتار میں ایسی ہے کہ ہر سو
ہے جامہ قبا جامۂ جاں نیز قبا ہے

برباد ہوا دل ترا خسرو ہوا جیسے
ہر ذرۂ گردِ رہِ جاناں بہ ہوا ہے

۱۵۹

آباد نشد دل کہ خرابِ پسراں شد
حسنِ پسراں آفتِ صاحب نظراں شد

افسردہ جمالِ خطِ خوباں چہ شناسد
کیں سرمہ نہ شائستۂ ناقص بصراں شد

دلہائے عزیزاں شمر آں جملہ نگیں ہا
کاندر کمر آرائشِ زریں کمراں شد

آں خواجہ کہ می گفت کہ دارم خبر از عقل
در عشق در آمد، یکے از بیخبراں شد

جز حسرت و مردن نبوَد چارۂ عشاق
فریاد و فغاں عربدۂ حیلہ گراں شد

خسرو ز رخِ خوب و زمے توبہ نمی کرد
ناگاہ بدید آں رخِ زیبا نگراں شد

آباد نہیں دل جو خرابِ پسراں ہے
حسنِ پسراں آفتِ صاحب نظراں ہے

افسردہ دلاں قدرِ خطِ یار نہ جانیں
یہ سرمہ نہ شائستۂ ناقص بصراں ہے

عاشق کا دلِ ریش ہے مانندِ نگیں اک
جو در کمر آرائشِ زریں کمراں ہے

خواجہ ہے جو اک باخبر و عالم و عاقل
وہ عشق میں اک تاجِ سرِ بے خبراں ہے

جز مرگ نہیں چارۂ محرومیِ عاشق
فریاد و فغاں عربدۂ حیلہ گراں ہے

توبہ مے و معشوق سے خسرو کو ہو کیسے
رکھتا اسے دیدارِ بت اب بھی نگراں ہے

١٦٠

دل نیست که در وے غمِ دلدار نگنجد سنداں بود آں دل که در او یار نگنجد	ہے دل کوئی جس میں غمِ دلدار نہیں ہے سینہ ہے کوئی جو ہوا افگار نہیں ہے
در دل چوں بود عشق نگنجد خرد و عقل در مجلسِ خاصِ ملک اغیار نگنجد	کیا کام وہاں عقل کا جس دل میں ہو الفت بزمِ عشق کی یہ طالبِ اغیار نہیں ہے
آں را سخنِ عشق رسد کو بہ دل از دوست صد تیرِ بلا گنجد و آزار نگنجد	ہے دل وہی اک قابلِ سرمایۂ الفت غمِ یار کا جس کے لئے آزار نہیں ہے
گر حسن فروشی بہ دگر جلوہ بروں ای تا در ہمہ بازار خریدار نگنجد	کرتا تو ہے تُو حسن فروشی ترا لیکن دے سکتا بہا کوئی خریدار نہیں ہے
خواہیم که نقلے ز دہانِ تو بخواہیم بے ہودہ چہ گوئیم چوں گفتار نگنجد	عاشق کو لبِ یار کی خواہش ہے مگر یہ بیہودہ طلب قابلِ گفتار نہیں ہے
کوشد که رہد خسروِ بیدل ز غمت لیک با حکمِ قضا حیلہ و ہنجار نگنجد	کیسے ہو غمِ جاں سے رہائی تجھے خسرو با حکمِ قضا حیلہ و ہنجار نہیں ہے

١٦١

یارم چوں بہ خندہ شکرِ بستہ کشاید
وائے آنکہ بہ سویش نظرِ بستہ کشاید

مُردیم بہ کویش کہے آں نرگسِ پُر خواب
بر ما چہ شود گر بصرِ بستہ کشاید

آں کس کہ کمر بستہ بہ خونِ ہمہ شہر است
در کلبۂ ما کے کمرِ بستہ کشاید

گر من بہ چنیں نالہ کنم غنچہ ازاں درد
ہرگز نتواند کہ سرِ بستہ کشاید

بندی درِ خود بر من و حلقہ نزنم زانک
آں بخت ندارم کہ درِ بستہ کشاید

از گریہ جگر بست دلم اہلِ دلے کو
کز چہرۂ خسرو جگرِ بستہ کشاید

خندے سے جو تیری شکرِ بستہ کھُلے ہے
ہے جو بھی جہاں میں نظرِ بستہ کھُلے ہے

جاں نرگسِ پُر خواب نکلتی ہے ہماری
جب بھی کبھی تیری بصرِ بستہ کھُلے ہے

ایسا ہے کمر بستہ بہ خوں تُو کہ کرے ہے
خوں اور جو تیری کمرِ بستہ کھُلے ہے

یوں ہووے ہے غمگین وہ سن کر مرا نالہ
غنچے کا کبھی پھر نہ سرِ بستہ کھُلے ہے

کمزور کیا ہے غمِ الفت نے کچھ ایسا
دستک سے مری وہ نہ درِ بستہ کھُلے ہے

میں ڈھونڈتا پھرتا ہوں زمانے میں وہ خسرو
رخ دیکھ کے جس کو جگرِ بستہ کھُلے ہے

۱۶۲

جائے گذرت، اے بتِ چالاک نیفتد
کز ہر طرفے در جگرے چاک نیفتد

گر در تہِ پائے تو نخواہد کہ کند فرش
نورِ مہ و خورشید بر افلاک نیفتد

خوں ریز ز عشاق و فگن لعل بساطے
تا سایۂ بالائے تو بر خاک نیفتد

خواہم کہ ز سر خیزم و در پائے تو افتم
جاں باز چو من عاشقِ بے باک نیفتد

رحمت مکن، ار گریہ کند عاشقِ بدچشم
کز دیدۂ ناپاک دُرِ پاک نیفتد

خوش می گذری بیخبر از گریۂ خسرو
ہشدار کت آہِ دلِ غمناک نیفتد

جب ناز سے دیکھے بتِ چالاک نہیں ہے
ہے کوئی جگر وہ جو کرے چاک نہیں ہے

گر مہ کے مرے، فرش کرے ہے نہ تہِ پا
پُرنور رہے کچھ مہِ افلاک نہیں ہے

تربت میں ہوں بےتاب میں، آ سروِ خراماں
سایہ تری قامت کا جو بر خاک نہیں ہے

یہ جان کے لے جاں مری، اے جان کہ مجھ سا
جاں باز کوئی عاشقِ بے باک نہیں ہے

بے کار ہے شب دشمنِ بدچشم کا گریہ
دے دیدۂ ناپاک دُرِ پاک نہیں ہے

ناراض نہ خسروؔ سے ہو نقصان کسی کا
کرتی کوئی آہِ دلِ غمناک نہیں ہے

۱۶۳

برفت آں دل کہ با صبر آشنا بود
چہ می گویم نمیدانم کجا بود
ہمہ شب دیدہ ام خفتن ندادہ ست
کہ بوئے گلرخِ من با صبا بود
ازاں بر گل زند فریاد بلبل
کہ او سالے تمام از گل جدا بود
منال اے بلبل، از بد عہدیِ گل
کہ تا بودہ ست خوبی، بے وفا بود
تو اے زاہد کہ اندر کوئے اوئی
چگونہ می توانی پارسا بود
ز در بیروں مراں بیگانہ وارم
کہ ایں بیگانہ وقتے آشنا بود
غمت بس بود، بد گفتن چہ حاجت
ترا گر کُشتنِ خسرو رضا بود

مرا دل صبر سے جو آشنا ہے
خدا جانے کہاں اور کیوں گیا ہے
جھپکتی آنکھ پل بھر ہے نہ میری
کہ بوئے یارِ گل رخ با صبا ہے
کرے فریاد کیوں بلبل نہ ہر دم
کہ گلشن میں ہُوا گل سے جدا ہے
تو بد عہدیِ گل پر رو نہ بلبل
کہ ہر معشوق ہوتا بے وفا ہے
نہ جا، اے پارسا کوئے بتاں میں
نہ رہ سکتا کوئی واں پارسا ہے
اٹھا در سے نہ عاشق، ڈر خدا سے
کسی کا تُو، وہ تیرا آشنا ہے
نہ کر یوں سرزنش، کر قتل اس کو
تجھے جب کُشتنِ خسرو روا ہے

۱۶۴

شکر پیشِ لبت شیریں نگویند
رُخت را لالہ و نسریں نگویند

ز دیدہ می کنم شکرِ خیالت
اگرچہ ظلم را تحسیں نگویند

دلِ گم گشتہ گر یابم نشانش
درا ا گیسوئے چیں در چیں نگویند

چنانش لطف ہا کردہ ست زنہار
کہ یاآں کافرِ بے دیں نگویند

کند خلقے دعائے صبر و عاشق
ز کینِ عاشقاں آمیں نگویند

کساں کایں قصۂ خسرو شنیدند
حدیثِ خسرو و شیریں نگویند

شکر پیشِ دہاں شیریں نہ کہنا
رخِ بت کو گل و نسریں نہ کہنا

وہ غم دے جس قدر لیتا و لیکن
دلِ سنگین کو سنگیں نہ کہنا

دلِ مرشد کو قیدی دیکھ بھی
اسیرِ زلفِ چیں در چیں نہ کہنا

پرستارِ بتاں اہلِ وفا ہے
اسے اک کافرِ بے دیں نہ کہنا

دعائے صبر و تابِ ظلم دینا
بہ کینِ عاشقاں آمیں نہ کہنا

سنانا قصۂ خسرو اگر ہو
حدیثِ خسرو و شیریں نہ کہنا

۱۶۵

بہ ہر درد و غمے دل مبتلا شد
چرا یکبارہ یار از ما جدا شد

ہوا دل درد و غم میں مبتلا ہے
وہ جب سے ہو گیا مجھ سے جدا ہے

برید از دوستانِ خود بہ یکبار
دریغا حاجتِ دشمن روا شد

اسے ہے ناروا یاروں کی یاری
ولیکن یاریِ دشمن روا ہے

بگفتم عاشقاں را ناسزائے
کنوں عاشق شدم اینم سزا شد

میں کہتا عاشقوں کو ناسزا تھا
ہوں اب عاشق ملی مجھ کو سزا ہے

بہ رندی و بہ شوخی و بصد ناز
دلِ من برد و آنگہ پارسا شد

وہ لے کر دل بہ عیاری و شوخی
کہے اپنے کو دلبر، پارسا ہے

شب از ہمسایہ ہا فریاد برخاست
مرا نالیدنِ شبہا بلا شد

فغاں کرتے ہیں ہمسائے بھی سن کر
مری فریاد کچھ ایسی بلا ہے

وفا و مہربانی کرد با خلق
چوں دورِ خسرو آمد بے وفا شد

وفا و مہربانی خلق سے ہے
مگر خسرو پہ وہ کرتا جفا ہے

١٦٦

دلم زینساں کہ زار و مبتلا شد
ازاں نا مہربانِ بے وفا شد
مباد از آہِ کس آں روی را خوے
اگرچہ جانِ مسکیناں فنا شد

مرا وقتے خوشی بودہ ست در دل
مسلماناں ندانم تا کجا شد

دمِ سرد خزاں راسکہ نوزد
بہ چمن بے برگ و بلبل بے نوا شد

چرا می نالد ایں مرغِ چمن زار
مگر او نیز از یاراں جدا شد

مکن بر خسروِ دلخستہ جورے
اگر او لطف تا کردہ رہا شد

کرے جو قلب زار و مبتلا ہے
وہ اک نا مہربانِ بے وفا ہے
پشیماں ہو خدایا وہ نہ ظالم
کرے جو جانِ مسکیناں فنا ہے

بتِ کافر رکھے ہے شاد مجھ کو
مسلمانوں خسارہ اس میں کیا ہے

خزاں غارت گری کرتی ہے کیسی
بہ چمن بے برگ و بلبل بے نوا ہے

کرے مرغِ چمن ہے آہ و نالہ
لگے ہے وہ بھی یاروں سے جدا ہے

نہ کر جور و ستم خسرو پہ اتنے
رہی اس میں نہ اب تابِ جفا ہے

۱۶۷

دلِ عاشق چرا شیدا نباشد بہ عشق اندر جہاں رسوا نباشد	عدو ہرگز ترا شیدا نہیں ہے کہ وہ میری طرح رسوا نہیں ہے
نگوئی تا بہ کے، اے شوخِ دلبر ترا پروائے حالِ ما نباشد	تجھے اے نوجوانِ شوخ دلبر ذرا فریاد کی پروا نہیں ہے
بہ بُستانِ لطافت سرو باشد ولے چو قدِ او رعنا نباشد	بہ بُستانِ لطافت سرو ہے اک ولے تیری طرح رعنا نہیں ہے
کدامیں دیدہ در وے نیست حیراں مگر چشمے کہ او بینا نباشد	ہے کوئی چشم، حیراں ہے نہیں جو سوا اس کے کہ جو بینا نہیں ہے
نہ دل باشد کہ غافل باشد از یار نہ سر باشد کہ پُر سودا نباشد	ہے دل کوئی کہ غافل یار سے ہے کوئی ہے سر، جو پُر سودا نہیں ہے
بہ نوعے دل ز خسروؔ در تو بستم کہ با غیرِ تو ام پروا نباشد	بنا بندہ ہے خسروؔ اور اس کو کسی کی جز ترے، پروا نہیں ہے

۱۶۸

دل مارا شکیب از جاں نباشد
ور از جاں باشد، از جاناں نباشد

مرا دشوار از و باشد صبوری
زجاناں دل صبور آساں نباشد

نباشد نالہ عیب از دردمندے
کہ دردش باشد و درماں نباشد

غمت شد در دلِ شوریدہ ساکن
کہ جائے گنج جز ویراں نباشد

ندارد مہ جمالِ روئے خوبت
وگر ایں باشد، اما آں نباشد

شکیبا دل مرا از جاں نہیں ہے
ہے گر جاں سے تو از جاناں نہیں ہے

مجھے دشوار ہے کرنی صبوری
کہ رکھنا صبر و شوق آساں نہیں ہے

کرے نالہ نہیں کیوں دردمند اک
کہ اس کے درد کا درماں نہیں ہے

الم ہے در دلِ شوریدہ ساکن
کہ جائے گنج جز ویراں نہیں ہے

کرے ہے ماہ میرا ماند مہ کو
جو زیبائی یہاں ہے، واں نہیں ہے

۱۶۹

چمن را رنگ و بو چندیں نباشد
چمن را جعدِ مشک آگیں نباشد

لبت را جاں نخواہم حاش اللہ
کہ جاں ہرگز چنیں شیریں نباشد

ترا ہرگز خود اے بد عہد و بد مہر
غمِ حالِ منِ مسکیں نباشد

مسلماناں من آں بت می پرستم
کہ در بت خانہ ہائے چیں نباشد

شما دیں از منِ بیدل مجوئید
کہ ہرگز بیدلاں را دیں نباشد

مرا گویند در ہجراں مخور غم
کسے بے دوست چوں غمگیں نباشد

لگے اچھی ذرا نسریں نہیں ہے
یہاں جب گیسوئے مشکیں نہیں ہے

ہے لب محبوب تر جاں سے بھی تیرا
کہ جاں ایسی مری شیریں نہیں ہے

تجھے بالکل بھی اے بد عہد و بد خو
غمِ حالِ دلِ مسکیں نہیں ہے

مسلمانوں وہ بت میں پوجتا ہوں
جو در بتخانہ ہائے چیں نہیں ہے

مرا کیش و مذہب پوچھو نہ یاروں
جو ہو بیدل وہ رکھتا دیں نہیں ہے

نہ پوچھو حالِ دل ہجراں میں لوگوں
کہ مجھ جیسا کوئی غمگیں نہیں ہے

۱۷۰

دلِ من خوں شد و جاناں نداند
وگر گوئیم قدرِ آں نداند

مسیحا مردہ داند زندہ کردن
ولے دردِ مرا درماں نداند

دلِ دیوانۂ خود کام دارم
کہ فرمانِ مرا فرماں نداند

مسلماں نیست او در مذہبِ ما
کہ کفرِ عاشقاں ایماں نداند

نگاریناؐ دلِ سنگینت ہرگز
حقِ آزردۂ ہجراں نداند

نداند رفت خسرو جز بہ کویت
کہ بلبل جز رہِ بُستاں نداند

ہے کیوں خونخوار وہ جاناں، نہ جانے
نکالے جاں ہے، قدرِ جاں نہ جانے

کرے مُردوں کو زندہ ہے مسیحا
ولے وہ درد کا درماں نہ جانے

ہے دل دیوانۂ خود کام ایسا
کہ فرماں کو مرے فرماں نہ جانے

مسلماں وہ نہیں مذہب میں میرے
جو کفرِ عشق کو ایماں نہ جانے

دلِ سنگیں ترا، اے جان، ہر گز
حقِ آزردۂ ہجراں نہ جانے

کہیں جائے نہ خسرو جز کوئے تو
کہ بلبل جز رہِ بُستاں نہ جانے

۱۷۱

خطے از لعلِ جاناں می برآید
کہ دُود از روزنِ جاں می برآید

سرِ زلفش بنفشہ دستہ دستہ
ز اطرافِ گلستاں می برآید

برآمد ماہِ تاباں در شب اینجا
شبے از ماہِ تاباں می برآید

مسلماناں نگہدارید خود را
کہ کفرِ کج ز ایماں می برآید

دلِ خسرو در آں زلف است دانم
از آں خاطر پریشاں می برآید

رُواں از لعلِ جاناں، ہے نکلتا
کہ دُود از روزنِ جاں ہے نکلتا

سرِ کاکل بنفشہ دستہ دستہ
ز اطرافِ گلستاں ہے نکلتا

مہِ تاباں وہ آئے کاش امشب
کہ شب میں ماہِ تاباں ہے نکلتا

خبر رکھو مسلمانو، خبر کچھ
کہ کفرِ کج ز ایماں ہے نکلتا

کیا کیا زلف نے خسرو کے دل پر
کہ وہ خاطر پریشاں، ہے نکلتا

۱۷۲

سرِ زلفِ تو یاری را نشاید
کہ دشمن دوست داری را نشاید

دلا خود را بہ چشمِ او مدہ زانک
مقامِ استواری را نشاید

حریفش بودہ ام شب مگری اے چشم
کہ ایں شربت خماری را نشاید

بہ جاں کندن رہا کن نیم کشتہ
کہ ایں تن زخمِ کاری را نشاید

خرابم کرد چشمت راست گفتند
کہ ترکِ مست یاری را نشاید

مراں از در کہ خسرو بندۂ تست
عزیزش کن کہ خواری را نشاید

کبھی وہ یار یاری ہے نہ کرتا
کہ دشمن دوست داری ہے نہ کرتا

بچ اے دل دیدۂ جادو سے اس کے
کہ وہ کچھ استواری ہے نہ کرتا

بہا اے آنکھ تو آنسو نہ اتنے
کہ یہ شربت خماری ہے نہ کرتا

بدن کو زخم دے جیسے بھی چاہے
یہ رنجِ زخمِ کاری ہے نہ کرتا

وہ جادو چشم لوٹے دین و دل ہے
کہ ترکِ مست یاری ہے نہ کرتا

اٹھائے تو ہے کیوں خسرو کو در سے
یہ جبکہ آہ و زاری ہے نہ کرتا

۱۷۳

از یادِ تو دل جدا نہ خواہد شد
وز بندِ تو جاں رہا نہ خواہد شد
پیوندِ تو از تو نگسلم ہرگز
تا جامۂ جاں قبا نہ خواہد شد

تیرِ مژہ می زنی کہ کس پیشت
چوں من ہدفِ بلا نہ خواہد شد

دردے دارم بہ سینہ از عشقت
کاں دردِ کہن دوا نہ خواہد شد
گفتی کہ غلامِ من نشد خسروؔ
ہم خواہد شد چرا نہ خواہد شد

یاد سے دل جدا نہ ہو جائے
بند سے جاں رہا نہ ہو جائے
تیرے رشتے کو توڑنے سے کہیں
جامۂ جاں قبا نہ ہو جائے

بے توجہ چلا نہ تیرِ نظر
یہ کہیں پھر خطا نہ ہو جائے

درد دے پر نہ اس قدر کہ کہیں
یہ خود اپنی دوا نہ ہو جائے
ظلم خسروؔ پہ کر نہ یوں کہ کہیں
درمیاں چوں چرا نہ ہو جائے

۱۷۴

نالہ برآید ہر طرف کاں بت خراماں در رسد
فریادِ بلبل خوش بود چوں گل بہ بستاں در رسد

من خود نخواہم برد جاں از سختیِ ہجراں، ولے
اے عمر، چنداں صبر کن، کاں سست پیماں در رسد

شب درمیانِ کشتگاں بشنید چوں نالیدنم
گفتا کہ می کن یک دو شب ایں ہم بہ پایاں در رسد

اے دل کہ بدخومی کنی، از دیدنش چشمِ مرا
معلوم گردد، باش تا شبہائے ہجراں در رسد

امروز میرم پیشِ تو، تا شرمسارِ دل شوی
بر تو چہ منت جانِ من فردا کہ فرماں در رسد

گر خسروا می سوزدت از خامیش رنجہ مشو
بسیار باید تا ہنوز آں شوخِ ناداں در رسد

ہر جا ہوا نالہ، جہاں وہ بت خراماں آگیا
فریادِ بلبل بڑھ گئی، جب گل بہ بستاں آگیا

تیار ہے لینے کو جاں گو سختیِ ہجراں، ولے
اے عمر قدرے صبر کر، وہ سست پیماں آگیا

شب درمیانِ کشتگاں، اس نے سنی میری فغاں
بولا نہ رو، دورِ الم تیرا بہ پایاں آ گیا

دیدۂ مرا دیدار سے روشن ہوا اس کے، ولے
پل بھر نہ دیکھا تھا اسے، دورانِ ہجراں آگیا

کرنے خجل اس کو جو میں مرنے لگا، اس نے کہا
ہوں بے خطا، جب موت کا خود تیری فرماں آگیا

جلنے کا دل خسرو نہ کر، شکوہ کوئی اور شکر کر
جو خود جلانے کو تجھے وہ شوخِ ناداں آگیا

۱۷۵

مارا چہ جاں باشد کہ تو برما فشانی نازِ خود
بر شیر مرداں تیز کن چشمِ شکار اندازِ خود

صد جانست نرخِ نازِ تو، از بہرِ جانِ سوختہ
بر چو منے ضائع مکن، بشناس قدرِ نازِ خود

ہر گاہ گاہے از دلم خواہم بر آرم نالۂ
گر خود بہ حیرت گم شوم گہ گم کنم آوازِ خود

دردست اندر جانِ من، کس چو منے باور کند
چوں کس ندارد دردِ من، پیشِ کہ گویم رازِ خود

خود کُشت خسروؔ خویش را کافتد ترا بر وے نظر
بیہودہ تہمت می نہی بر غمزۂ غمازِ خود

کمزور و دل خستہ ہوں میں، مجھ کو دکھا مت نازِ خود
بر شیر مرداں تیز کر چشمِ شکار اندازِ خود

صد جان و دل قربان ہیں تیری ادائے ناز پر
ضائع نہ کر مجھ پر یہ تو، کر کچھ تو قدرِ نازِ خود

ہر گہ گہے کرتا ہوں میں نالہ و فریاد و فغاں
گہ گم بہ حیرت ہوں، گہے کرتا ہوں گم آوازِ خود

یہ درد و غمِ جاں کا مری کرتا کوئی باور نہیں
جب غم کسی دل میں نہیں کس سے کہوں میں رازِ خود

دی جان خسروؔ نے ہے خود، تا ہو تری نظرِ کرم
تہمت لگاتا تو ہے کیوں بر غمزۂ غمازِ خود

۱۷۶

میخواہد آں سروِ رواں کامروز در صحرا شود
تا چند پیراہن چو گل ہر جانبے یکتا شود

صد چشمِ پاکاں در رہش، ویں دیدۂ آلودہ ہم
آں بخت کو کاں شوخ را ایں دیدہ زیرِ پا شود

بدخوئے من تو آں نہ ای کآساں ز دل بیروں شوی
عمرم دریں اندہ رود، جانم دریں سودا شود

سرمست و غلطاں مے بکف در پیشِ مسجد گن گذر
صوفی کہ لافِ زہد زد بگذار تا رسوا شود

منگر کہ خسرو پیشِ تو بیہودہ گوئی می کند
بلبل چوں بیند روئے گل، دیوانہ و شیدا شود

سروِ رواں جلوہ نما جا کر جو در صحرا ہوا
واں پر بھی زیبائی میں وہ بے مثل و بے ہمتا ہوا
آنکھیں بچھائیں راہ میں، بد قسمتی دیکھو مری
بچ کر چلا ایسا مرا دیدہ نہ زیرِ پا ہوا
دل میں سمایا ہے وہ یوں آساں نہیں کرنا بروں
کوشش تو کی، رخصت نہ پر دل سے ترا سودا ہوا
سرمست و غلطاں مے بکف دیکھا جو اس نے یار کو
صوفی خراباتی بنائی کر بہت رسوا ہوا
خسرو کی کر اے گل بدن بیہودہ گوئی درگزر
بلبل ہے گل وہ دیکھ کر دیوانہ و شیدا ہوا

۱۷۷

چند ز دُور بنیمت، وہ کہ دلم کباب شد
چند ز غصہ خوں خورم، وائے کہ خونم آب شد

دی کہ کلہ نہادہ کژ مست و خراب می شوی
در نظرِ کہ آمدی، خانۂ من خراب شد

سوختہ بود دل ز تو، حسنِ رخِ تو شد فزوں
سوختہ تر شود کنوں چوں مہت آفتاب شد

رختِ وجودِ من ہمہ غارتِ فتنہ گشت تا
ہندوئے طرۂ توام رہزنِ خورد و خواب شد

گر غمِ خویش گویمت، خشم کنی، چہ حیلہ چوں
قصۂ من ز روزِ بد در خورِ ایں جواب شد

خسروِ خستہ دردِ خود گفت شبے بہ مجلسے
دیدۂ روشناں ہمہ غرقۂ بخونِ ناب شد

ہجر نے، جانِ من، ترے دل کو کیا کباب ہے
پی میں رہا ہوں خونِ دل جب سے بنا یہ آب ہے

سرخوش و مست و کج کلہ جب تُو ہوا تو کر دیا
دیکھ کے یک نظر مجھے، خانہ مرا خراب ہے

سوختہ حسنِ ماہ سے دل تھا ولے اسے کیا
سوختہ اور جب بنا مہ ترا آفتاب ہے

رختِ وجود اور مرا غارتِ فتنہ ہو گیا
زلفِ سیاہ جب ہوئی رہزنِ خورد و خواب ہے

میرے بیانِ حالِ دل سے جو ہوا ہے خشمگیں
قصۂ غم کا کس طرح تُو نے دیا جواب ہے

خسروِ خستہ تُو نے جب کر دیا دردِ دل بیاں
چشم ہر ایک ہو گئی غرقۂ خونِ ناب ہے

۱۷۸

دوش مابودیم و آں مہرو، شبِ مہتاب بود
روئے او کردہ ست لطفے، زلفِ او در تاب بود

داستانِ عشق کز ابروئے او می خواند دل
سورۂ یوسف نوشتہ بر سرِ محراب بود

بہرِ سجدہ پیشِ پایش، ہم نجاکِ پائے او
دیدہ را بے نم بماندم گرچہ در غرقاب بود

شکر ایزد را کہ رخ زردیِ ما پوشیدہ نیست
سرخیِ چشمم بہ پیشش ہم ز خونِ ناب بود

بر لبش بود اعتمادِ من، مگر جاں بخشد او
آنکہ روح اللہ گماں بردیم آں قصاب بود

خسرو آں شبہا کہ با آں آبِ حیواں زندہ داشت
آں ہمہ بیداریِ شبہا تو گوئی خواب بود

آج میں ہوں اور مہرو اور شبِ مہتاب ہے
لطف کرتا رخ ہے اور گیسو میں پیچ و تاب ہے

قصۂ الفت پڑھایا دل کو ابرو نے ہے جو
سورۂ یوسف نوشتہ بر سرِ محراب ہے

بہرِ سجدہ پیشِ پا میں نے نجاکِ آستاں
خشک رکھا چشم کو گرچہ یہ درِ غرقاب ہے

کر دیا چہرہ ہے زریں زردیِ غم نے مرا
سرخ رکھے چشم کو پر لعلِ خونِ ناب ہے

اعتماد اس کے لبوں پر تھا دل و جاں سے، ولے
جس کو روح پرور سمجھتے تھے وہ اک قصاب ہے

نالۂ شبگیرِ خسرو ہے نہ آبِ زندگی
درحقیقت شب کی بیداری یہ سب اک خواب ہے

۱۷۹

اے خوش آں وقتے کہ آں بد عہد بامایار بود
ایں متاعِ دَرد را در کوئے او بازار بود

بوستانہا کاندرا و بودیم خوش با دوستاں
آں ہمہ گلہا تو پنداری سراسر خار بود

بارہا بینم بہ خود آں عیش را یاد آورم
کاں ہماں مرغے ست یا رب کاندراں گلزار بود

مے کہ گفتم چاشنی کن، نے گمانے بود بد
لیک مقصودم دوائے سینۂ افگار بود

گر دلم دشمن گرفتی ایں چنینش ہم مسوز
کآخر امروز دشمن گشت، وقتے یار بود

دیدہ گر فردا مراخصمی کند، بر حق بوَد
زانکہ مسکیں بہرِ من بسیار شب بیدار بود

خسروا دل بد مکن از نامرادی ہائے دہر
کآسماں را کیں ہمہ با مردمِ ہشیار بود

خوب تھا وہ وقت جب یاری وہ کرتا یار تھا
کوچۂ جاناں متاعِ درد کا بازار تھا

دوستوں کے ساتھ رہتا تھا گلستانوں میں میں
جا بجا تھے گل کھلے، ہر گل وہاں بے خار تھا

لے کے آتی تھی بہاراں کاروانِ رنگ و بو
مرغِ بے پروا تھا اک میں، آشیاں گلزار تھا

بیٹھ کر صحنِ چمن میں جب پیا کرتا تھا میں
بادۂ گلگوں دوائے سینۂ افگار تھا

مت جلا دل کو مرے دشمن سمجھ کر اس طرح
یاد رکھ وہ دن، تو اس کا اور وہ تیرا یار تھا

مجھ سے دیدے کو مرے ہے دشمنی تو ٹھیک ہے،
مدتوں سے واسطے میرے وہ شب بیدار تھا

صبر کر خسرو، نہ کر ناکامیابی کا گلہ
کب نہیں گردوں عدوئے مردمِ ہشیار تھا

۱۸۰

تا جہاں بود، از جہاں ہرگز دلم خرم نبود
خرمی خود ہیچگہ گوئی کہ در عالم نبود

گرچہ کارِ عاشقاں پیوستہ سامانے نداشت
ایں چنیں یکبارگی ہم ابتر و درہم نبود

غم بروں ز اندازہ شد مارا و دل برجا نماند
اے خوش آں وقتے کہ دل برجای بود و غم نبود

با دلِ مجروح رفتم دی بہ دکانِ طبیب
حُقہ را چوں باز کرد، از بختِ من مرہم نبود

آدمی خوش دل نباشد، گرچہ در جنت بوَد
آدمی خود کے تواند بود، چوں آدم نبود

گر توانی خسروا دل را عمارت کن، ازانک
در جہاں کس را بنائے آب و گِلِ محکم نبود

اس جہاں میں ایک دن بھی دل مرا خرم نہ تھا
آشنا آرام سے گویا کبھی عالم نہ تھا

گرچہ کارِ عاشقاں دائم ہے بے برگ و نوا
اس قدر لیکن کبھی یہ ابتر و درہم نہ تھا

خونِ دل پیتا ہے اور کھاتا ہے غم لختِ جگر
خوب تھا جب چین سے تھا دل، اسے کچھ غم نہ تھا

مَیں دواخانے میں لے کر تو گیا دل کو مگر
میری بدبختی کہ واں پر بھی کوئی مرہم نہ تھا

رہ سکے گا دائماً جنت میں کیسے آدمی
رہ سکا جبکہ وہاں کچھ دیر بھی آدم نہ تھا

کس طرح ہو گی عمارت دل کی خسرو جب کبھی
خاکداں میں اس وجودِ آب و گِل محکم نہ تھا

۱۸۱

باز گل بشگفت و گلرویاں سوئے بستاں شدند
مطرب و بلبل بہم در نغمہ و دستاں شدند

میہمانِ دیگرے بود او بہ باغ و من بہ رشک
جملہ مرغانِ چمن از آہِ من بریاں شدند

چوں گلے بینم، تو یاد آئی و جاں پارہ شود
ایں ہمہ سرہائے غنچہ بہرِ جاں پیکاں شدند

باغ حاجت نیست ہم در کوئے خود بیں کاہلِ دل
خاک گشتند اول و آنگاہ گل و ریحاں شدند

دولتِ حسنت فزوں بادا کہ نیکوتر شود
ایں ہمہ دلہا کہ از اقبالِ تو ویراں شدند

می شدند اہلِ وفا مہمانِ رویت بلکہ شاں
بر جگر ہائے کبابِ خویشتن مہماں شدند

خسروا با ما بیا تا با خیالش خوش شویم
زانکہ ہر کس با نگارِ خویش در بستاں شدند

کھِل گئے گل اور رواں گلرخ سوئے بستاں ہوئے
مطرب و بلبل بہم در نغمہ و دستاں ہوئے

وہ عدو کے ساتھ تھا اور رشک تھا ایسا مجھے
آہِ دل سے میری مرغانِ چمن بریاں ہوئے

دل ہوا خوں، دیکھ کر گل یاد تو جب آ گیا
اس طرح سرہائے غنچہ بہرِ جاں پیکاں ہوئے

اہلِ دل نے یوں بنایا باغ کوچے کو ترے
خاک وہ پہلے ہوئے اور پھر گل و ریحاں ہوئے

ہو فزوں تر حسن کی دولت تری اللہ کرے
دل ہیں کتنے جو ترے اقبال سے ویراں ہوئے

کاش ہوں مہمانِ دیدارِ رخِ زیبا ترے
بر جگر ہائے کبابِ خویش جو مہماں ہوئے

تو خیالِ یار میں خسرو ہے خوش لیکن عدو
لے کے اپنے بت روانہ سب سوئے بستاں ہوئے

۱۸۲

دل زدستِ من برفت و آرزوئے دل بماند
وز من اندر ہر سرِ کو گفتگوئے دل بماند
ہر کجا بنیم غمِ دل گویم و گویم از انک
بر زباں افسانہ ہائے آرزوئے دل بماند
زِ رخ جانم یک نظر شد ہیں یکے زیں سو از انک
دیر شد کایں رختِ سد پیشِ روئے دل بماند
شرمسارم از سگانِ کوئے تو زاں کز رہی
دل تو بردی و بہ گردِ کوی بوئے دل بماند
بر سرِ کوئے تو می ترسم کہ جاں ہم گم کند
عاشقِ گم گشتہ کاندر جستجوئے دل بماند
خسروا گر دل کشی سہل است از بندِ قضا
کایں رسن ناید بروں کاندر گلوئے دل بماند

دل لیا گرچہ نہیں پر آرزوئے دل رہی
کوچہ و بازار میں ہر گفتگوئے دل رہی
دل کے جانے سے کمی آئی نہ غم میں بھی ذرا
اور زبان پر بھی حدیثِ آرزوئے دل رہی
ترِخ جاں ہے، اک نظر، کر اک نگہ مجھ پہ کبھی
کب سے یہ پونجی ہے میری پیشِ روئے دل رہی
شرمساری ہے سگانِ کو سے مجھ کو، جو ترے
بعد لے جانے کے دل بھی پیشِ بوئے دل رہی
مجھ کو ڈر ہے، جان وہ کر دے گا گم کو میں ترے
تیرا عاشق جس کو دائم جستجوئے دل رہی
کشمکش تجھ کو ہے خسرو، لیکن از بندِ قضا
ہو بروں کیسے رسن جو در گلوئے دل رہی

۱۸۳

رفتیم از چشم و در دل حسرتِ رویت بماند
بر شکستی و بہ جانم نقشِ گیسویت بماند

مردنِ من بیں کہ چوں شب باز گشتم از درت
کالبد باز آمد و جاں بر سرِ کویت بماند

گردنت آزاد باد و خونِ من در گردنم
چوں بہ کُشتن خو گرفتی و ہماں خویت بماند

رفت جانِ پُر ہوس تا بوسد ابروئے ترا
ہم دراں بوسیدنِ محرابِ ابرویت بماند

زاں شبے کیں سو گذشتی گیسوئے مشکیں کشاں
تاکنوں مستم کہ تو بگذشتی و بویت بماند

ایں بگفتن راست می آید کہ خسرو خوش بزی
چوں زید بیچارۂ کز دیدنِ رویت بماند

تُو گیا، اس دل میں لیکن حسرتِ رُو رہ گئی
اور گیا جب دل تو جاں میں یادِ گیسو رہ گئی

دیکھ میں کیسے مَرا ہوں در سے جب چلنے لگا
جسم لے آیا ولے جاں بر سرِ کُو رہ گئی

چھوٹنی عادت ہے، مشکل، کچھ نہیں تیری خطا
ظلم سے توبہ تو کی، پر قتل کی خو رہ گئی

مسجد و محراب و منبر ترک میں نے کر دئے
دل میں لیکن الفتِ محرابِ ابرو رہ گئی

جب کیا آزاد دل کو تُو نے قیدِ زلف سے
چھٹ گئی گر زلف، دل میں زلف کی بُو رہ گئی

عمرِ خسرو کی کٹی سب انتظارِ دید میں
اور مَرا جب، اس کے دل میں حسرتِ رُو رہ گئی

۱۸۴

ژالہ از نرگس فرو بارید و گل را آب داد
وز تگرگِ روح پرور مالشِ عناب داد

چشمِ مستِ او کہ مژگاں را بہ قتلم تیز کرد
خنجرِ زہراب دادہ، در کفِ قصاب داد

ہر خدنگِ غمزۂ را کاو بہ شستِ ناز بست
آں خدنگ اول نشاں بر سینۂ احباب داد

باز آں ابرو کمانِ غمزہ زن قصدِ کہ کرد
چشمِ او بارے ز مژگاں ناوکِ پرتاب داد

صبحدم نرگس کو دیوے ایک ژالہ آب ہے
جاں فزا اولا کرے اک، مالشِ عناب ہے

تیز مژگاں کو کرے ہے چشم بہرِ قتل جب
خنجرِ زہرآب دیوے در کفِ قصاب ہے

جب چلائے ناز سے اک تیر ہے تو کس طرح
وہ لگائے اک نشاں بر سینۂ احباب ہے

گر کرے ابرو کمانِ غمزہ زن وہ قصدِ جاں
نیشِ مژگاں سے بنائے ناوکِ پرتاب ہے

۱۸۵

بر بُنا گوشت بلائے خط کہ سر بر میکند
جزو جزوِ عاشقِ بیچارہ ابتر میکند

سروِ کز بالائے خود در سر کند باد آں مبیں
آں نگر، کش باد پیشت خاک بر سر میکند

چند گوئی پیشت آیم وہ کہ چو تو یوسفے
سر کجا در خانۂ تاریکِ مادر میکند

شوخیش بیں کاشکارم می نوازد در نہاں
با رقیبِ خویش اشارت سوئے خنجر میکند

رو برون، اے جانِ معزول از درونِ من کہ عشق
شغلِ جاں در سینہ با جاناں مقرر میکند

عاشقاں جان و جہاں بہرِ بتاں تر کردہ اند
سہل باشد آنکہ خسرو دیدہ را تر میکند

کان کی لَو پر جو اک بالا مقرر کر دیا
جزو جزوِ عاشقِ بے چارہ ابتر کر دیا

سروِ بالا کے ہے سر میں ناز لیکن دیکھئے
خاک نے آلودہ اس کا کس طرح سر کر دیا

عہدِ وصلت تُو نے توڑا جب تو اے یوسف مرے
کلبۂ احزانِ جاں کو اور حزیں تر کر دیا

دیکھئے شوخیٔ نوازش اس نے کر کے ظاہراً
با رقیباں اک اشارہ سوئے خنجر کر دیا

جا نکل، اے جانِ معزول اب کہ الفت نے مری
شغلِ جاں در سینہ با جاناں مقرر کر دیا

تارکِ جان و جہاں ہیں عاشقاں بہرِ بتاں
کیا ہوا خسرو نے اک دیدہ اگر تر کر دیا

۱۸۶

جاں کہ چو تو دشمنے را دوست داری میکند
دشمنِ خود را بہ خونِ خویش یاری میکند

دل کہ مہماں خواند بر جانم بلا و فتنہ را
کار دارانِ غمت را حق گزاری میکند

یک دل آباداں نپندارم کہ ماند در جہاں
زاں خرابی ہا کہ آں چشمِ خماری میکند

مُردم از نالیدن و روزے نگفتی اے رقیب
کیست ایں کاندر پسِ دیوار زاری میکند

گرچہ بے حدِ من است اے دوست امارت بر درت
دیدۂ من آرزوئے خاکساری میکند

در نمازِ بت پرستی از من آموزد سجود
برہمن کو دعویٔ زنار داری میکند

جاں کو تجھ سے دشمنِ جاں دوست داری ہو گئی
دیدۂ خونخوار سے بھی دل کی یاری ہو گئی

فتنہ و آشوب کو مہماں بنایا دل نے جب
کار دارانِ الم سے حق گزاری ہو گئی

کر دئیے برباد جس نے دل جہاں میں ہے وہی
شور و شر جس کا سبب چشمِ خماری ہو گئی

چھپ کے میں روتا ہوں اور تو پوچھتا تک بھی نہیں
یہ پسِ دیوار کس کو آہ و زاری ہو گئی

سرمۂ خاکِ درِ جاناں کی قدرت دیکھئے
چشمِ شہ کو آرزوئے خاکساری ہو گئی

مجھ سے آدابِ نمازِ بت پرستی سیکھ لے
کہن تیری برہمن زنار داری ہو گئی

۱۸۷

باز تُرکِ مستِ من آہنگِ بازی میکند
کس نکردہ ست آنکہ آن تُرکِ طرازی میکند

زلفِ او را سر بسر عالم بہ موئے بستہ شد
ہندوئے را بیں کز اینساں تُرکتازی میکند

از خیالش ماندہ ام شرمندۂ کاندر چشمِ من
گہ گہے می آید و مردم نوازی میکند

می رَود در خونِ ہر سرگشتۂ دامن کشاں
پس بہ آبِ چشمِ من دامن نمازی میکند

می برد چو کافراں بر جانِ خسرو تاختن
از برائے رغمِ نامِ خویش غازی میکند

ایک تُرکِ مست پھر آہنگِ بازی کر گیا
کون کرتا ہے جو وہ تُرکِ طرازی کر گیا

باندھ کر عالم کو سارے ایک پیچا پیچ میں
گیسوئے ہندو یہ کیسی ترکتازی کر گیا

ہو گئی شرمندگی مجھ کو خیالِ یار سے
آنکھ میں آ کر وہ جب مردم نوازی کر گیا

اس قدر شب میں بہایا خونِ دل تھا آنکھ سے
صبحدم اس سے وضو ہر اک نمازی کر گیا

قتلِ خسرو کو کیا کافر نے اک اور بعد میں
وہ برائے رغمِ نامِ خویش غازی کر گیا

۱۸۸

دل کہ با خوبانِ بدخو آشنائی میکند
شیشۂ با خارۂ زور آزمائی میکند

زاہدے کو خو بہ مسجد کرد و خوباں اندید
ہست نابالغ ضرورت پارسائی میکند

چوں طمع دارند مشتاقاں وفا از نیکواں
حسن چوں با نیکواں ہم بیوفائی میکند

شعلۂ مشرق کہ چرخ افروخت میدانی کہ چیست
بر دلِ ہم صحبتاں داغِ جدائی میکند

گر نہ خسرو از حیاتِ خویشتن سیر آمدہ ست
از چہ با خوبانِ بدخو آشنائی میکند

دل کو با خوبانِ بدخو آشنائی ہو گئی
سنگ سے، شیشے کو اک زور آزمائی ہو گئی

متقی وہ، دشمنی تھی بت پرستوں سے جسے
دیکھ کر بت اس کی رخصت پارسائی ہو گئی

عاشقاں رکھتے نہیں اب دل میں امیدِ وفا
ان کو ایسی دل فزا کچھ بیوفائی ہو گئی

پر توئے دلدار دیکھا شعلۂ مشرق میں جب
گم شبِ ہجراں کی تکلیفِ جدائی ہو گئی

تنگ آیا تھا نہ خسرو عمر سے تو کیوں اسے
پھر سے با خوبانِ بدخو آشنائی ہو گئی

۱۸۹

از دلِ غمگیں ہوائے دلستانم چوں رود
یا سرِ سودائے آں سروِ روانم چوں رود

تا توانائے بُدم، بارِ غمش بُردم بہ جاں
خود کنوں عشقش ز جانِ ناتوانم چوں رود

از دلم نیشِ جفائش گر رود، نبود عجب
لذتِ دشنامِ او ہرگز ز جانم چوں رود

غمزۂ قصابِ او میریزدم خوں، شاکرم
جائے شکر است ایں شکایت بر زبانم چوں رود

بعدِ مُردن، گر شوم خاک و تنم گردد غبار
داغِ مہرِ او ز مغزِ استخوانم چوں رود

گر ز پا افتم در آں کوی ور رَود تیغم بہ سر
زینقدر از دل غمِ آں دلستانم چوں رود

قدِ یارم از نظر گہ گہ رود خسرو ولے
نقشِ روئے او ز چشمِ خوں فشانم چوں رود

عشق تیرا قلب سے، اے دلستاں جاتا نہیں
سر سے سودا بھی ترا سروِ رواں جاتا نہیں

تھی توانائی تو بارِ غم نہ تھا کچھ، اور اب
چھوڑ کر میری یہ جانِ ناتواں جاتا نہیں

گرچہ نکلا ہے ترا نیشِ جفا دل سے ولے
ذائقہ دشنام کا از کامِ جاں جاتا نہیں

خوں بہاتا غمزۂ قصاب ہے، شکرِ خدا
لیکن اک شکوہ جو ہے وردِ زباں جاتا نہیں

بن گیا ہے خاک بعدِ قتل گو میرا بدن
چھوڑ کر پر عشق مغزِ استخواں جاتا نہیں

نیم بسمل ہوں میں اور سر پہ ہے شمشیرِ عدو
عشق تیرا دل سے پر، اے دلستاں جاتا نہیں

یار کا دیدار قسمت میں نہیں خسرو ولے
نقشِ رُو اس کا ز چشمِ خوں فشاں جاتا نہیں

۱۹۰

گر کنی یاری و گر آزار بر من بگذرد
ہر چہ می خواہی بکن اے یار بر من بگذرد

گفتی از من بگذرم زیں سو بود بر تو ستم
ایں ستم اے کاشکے ہر بار بر من بگذرد

صبحدم مستِ شرابِ شوق بیروں او فتم
بسکہ شب در نالہ ہائے زار بر من بگذرد

زود تر خاکم کن اے گردوں مگر بختم بود
کاں خرامان سروِ خوش رفتار بر من بگذرد

اے خوش آں دیوانگی و مستی و رسوائیم
کز پئے نظارۂ آں یار بر من بگذرد

رفت عمر و گفتگوئے عشق از خسرو نرفت
عمرِ باقی ہم دریں گفتار بر من بگذرد

عشق میں دل کو لگا آزار ہو تو ٹھیک ہے
جان پر ہر دم ستم اے یار ہو تو ٹھیک ہے،

چاہیے جتنا کر ستم مجھ پر تو اے جاں غم نہ کر
دائما بھی دل پہ غم کا بار ہو تو ٹھیک ہے،

چاہیے مستِ شرابِ شوق ہونا صبحدم
رات کو لیکن فغانِ زار ہو تو ٹھیک ہے،

چاہیے آنا خراماں ناز سے گلزار میں
گر نہ لغزاں سروِ خوش رفتار ہو تو ٹھیک ہے

مستی و رسوائی و دیوانگی ساری تری
گر پئے نظارۂ دلدار ہو تو ٹھیک ہے،

گفتگوئے عشق خسرو کو رہی جو عمر بھر
عمرِ باقی میں بھی یہ گفتار ہو تو ٹھیک ہے،

۱۹۱

من نمی خواہم کہ چشمِ غیرِ آں رو بنگرد
چشمِ بد حیف است کاندر روئے نیکو بنگرد

حاجتِ تیر و کماں نبود فتد مرغ از ہوا
در پریدن گر سوئے آں چشم و ابرو بنگرد

غیرتم آید کہ بادِ صبح بر کویت وزد
یا شب اندر روزن آید ماہ و آں رو بنگرد

حرزِ بازو کرد خسرو نامِ میمونِ ترا
شوق چوں غالب شود، در حرزِ بازو بنگرد

ڈر ہے مجھ کو، وہ کہیں میرا نہ مہرو دیکھ لے
چشمِ بد یارب نہ اس کا روئے نیکو دیکھ لے

حاجتِ تیر و کماں کیا، صید ہووے مرغ ہے
دُور ہی سے گر وہ اس کے چشم و ابرو دیکھ لے

رشک آتا ہے صبا گر کوئے جاناں میں چلے
یا وہ گر روزن میں آ کر ماہ و مہرو دیکھ لے

نامِ میمونِ نگاریں کا بنا تعویذ، اور
شوق ہو غالب جو خسرو حرزِ بازو دیکھ لے

۱۹۴

دستِ ماہِ روزہ تا در چشمِ عشرت خاک زد
اشکِ خونیں ریخت جام و گل گریباں چاک زد

یا رب از ہجرِ کہ در پوشید نیلوفر کبود
لالہ از دردِ کہ داغے بر دلِ غمناک زد

با ہمہ چشمے کہ نرگس باز دارد در چمن
اہلِ بینش را نمی شاید قدم بر خاک زد

با وجودِ ساقیِ مہر وئے من، در باغِ حسن
میتواں آتش دریں مشتِ خس و خاشاک زد

مژدہ بر خسرو اگر گوید شبے در گوشِ او
عینِ عید اینک علم بر گوشۂ افلاک زد

جب سے کر تا ماہِ روزہ عیش و عشرت خاک ہے
خوں بھرا ہے جام میں، گل کا گریباں چاک ہے

ہجر میں کس کے بتا نیلا ہے نیلوفر ہوا
داغ کس کے درد کا در لالۂ غمناک ہے

چشمِ نرگس دیکھ کر اندوہگیں اندر چمن
رہ نہ سکتا اہلِ بینش کا قدم بر خاک ہے

باوجودِ ساقیِ گلفام باغِ حسن میں
راکھ جل کر ہو گیا دل کا خس و خاشاک ہے

غم نہ کر اور دیکھ خسرو ماہِ نو سے کس طرح
عید کا پرچم لگا بر گوشۂ افلاک ہے

۱۹۳

تا سرم باشد تمنائے تو ام در سر بوَد
پادشا باشم گرم خاکِ درت افسر بوَد

روزگار از زلفِ تو بادا پریشاں روز و شب
تا دلِ بد روزِ من ہر دم پریشاں تر بوَد

من بہ گرمائے قیامت خوں خورم بر یادِ دوست
جوئے شیر آں را نما کو تشنۂ کوثر بوَد

عشق را پروانہ باید تا کہ سوزد پیشِ شمع
خود مگس بسیار یابی ہر کجا شکر بوَد

خوبرو آں بہ کہ باشد آب و آتش در جہاں
تا وجودِ عشق بازاں خاک و خاکستر بوَد

یار جائے و منِ بیچارہ جائے بیقرار
وہ چہ خوش باشد کہ بر بازوئے خسرو بر بوَد

سر مرا جب تک ہے تیری آرزو در سر رہے
اور خاکِ در تری سر پر بنی افسر رہے

روزگاراں زلف سے ہوویں پریشاں روز و شب
تا دلِ بد روز یہ ہر دم پریشاں تر رہے

خونِ دل پیتے رہے دن رات یادِ یار میں
ہم تو جنت میں بھی رہ کر تشنۂ کوثر رہے

جس جگہ جلتی ہے شمع، جلتے ہیں پروانے وہاں
جس طرح رہوے مگس ہے جب تلک شکر رہے

آب و آتش کو ملاتے ہیں لبوں پر خوبرو
تا وجودِ عشق بازاں خاک و خاکستر رہے

ہو پریشاں خاطرِ خسرو نہ ہرگز اس قدر
زلفِ جاناں گر پریشاں اس کے بازو پر رہے

۱۹۴

فرخ آں عیدے کہ جاں قربانیِ جاناں بوَد
خرم آں جانے کہ پیشِ نیکواں قرباں بوَد

چوں نگوید نازنینِ من مبارک بادِ عید
جاں شکر ریزی کند، دیدہ گلاب افشاں بوَد

بذلہ گوی و عشوہ ساز و شوخ چشم و غمزہ زن
خوبروئے کایں چنیں باشد، بلائے جاں بوَد

جاں دہد جانا دہانت ہر کہ را شربت دہد
ایں چنیں شربت نباشد چشمۂ حیواں بوَد

رُو بہ گاہِ تیغ راندن سوئے قربانی مدار
تا مگر جاں دادن آں بیچارہ را آساں بوَد

دوستان از صحبتِ ما، گرچہ آزاد آمدند
تا زید خسروؔ غلام و بندۂ ایشاں بوَد

عید فرخ ہو جو جاں قربانیِ جانان ہو
جان خرم ہو جو پیشِ نیکواں قربان ہو

عید میں گر مجھ سے ہم آغوش ہو وہ نازنین
جاں شکر ریزی کرے اور لب گہر افشان ہو

بذلہ گو و عشوہ ساز و شوخ چشم و غمزہ زن
ہو اگر وہ خوبرو، تو اک بلائے جان ہو

بخش جاں عشاق کو، دے کر دہن سے تُو کبھی
ایک شربت جس کا طالب چشمۂ حیوان ہو

عید کے دن جا سوئے قصاب خانہ اور کر
جان کو قربان تا مرنا تجھے آسان ہو

کوئی بہتر اور خسروؔ اس سے قربانی نہیں
تجھ سا بسمل گر غلام و بندۂ جانان ہو

۱۹۵

زلف گرد آور کہ بازم دل پریشاں میشود
روی پنہاں کن کہ بازم دیدہ حیراں میشود

عاشقاں را صد بلا پیش است گاہِ دیدنت
جز یکے راحت کہ بارے مُردن آساں میشود

زانچہ من خوردم غمت، بارے پشیماں نیستم
گر دلت از لطفِ ناکردہ پشیماں میشود

از ہلاکم دوستاں غمناک و من خوش میشوم
کانچہ بارے کامِ جانانِ من است آں میشود

اے کہ پندم می دہی پیشِ تو آسانست، لیک
ایں کسے داند کہ او را خانہ ویراں میشود

آنکہ گفتندے کہ از خوبانش روزِ بد رسد
اینک اینک جانِ خسرو گفت ایشاں میشود

دیکھ کر زلفِ پریشاں دل پریشاں ہو گیا
دید سے نورِ نظر کی دیدہ حیراں ہو گیا

صد بلائے جان ہے دیدارِ رُو عشاق کو
ہے مگر راحت کہ مرنا ان کو آساں ہو گیا

غم اٹھانے دل کو آساں ہو گئے اس کے بہت
لطفِ ناکردہ سے جب وہ بت پشیماں ہو گیا

قتل سے میرے ہیں غمگیں دوست لیکن خوش ہوں میں
سرعتِ جلاد سے یہ کام آساں ہو گیا

عشق سے کرنا منع آسان ہے واعظ، ولے
اس سے جا کر پوچھ خانہ جس کا ویراں ہو گیا

مت کرو بدگوئیِ خوبانِ تند و ترش خو
کس طرح خسرو یہ دیکھو ان پہ قرباں ہو گیا

۱۹۶

تا خیال روئے آں شمعِ شبستاں دیدہ شد
سوختم سر تا قدم پیدا و پنہاں دیدہ شد

میشود از پرتوِ رخسارِ مہر افروزِ تو
دیدہ ہا روشن مگر خورشیدِ تاباں دیدہ شد

زآمد و رفتِ خیالِ قامتِ زیبائے او
جلوہ گاہِ نازِ آں سروِ خراماں دیدہ شد

از پئے نظارۂ گلبرگِ رویت یک بیک
قطرہ ہائے اشکِ من بر نوکِ مژگاں دیدہ شد

چشمِ خسرو بود و روئے او حکایت مختصر
گر بہ چشمِ خود کسے را صورتِ جاں دیدہ شد

مثلِ پروانہ ہیں وہ شمعِ شبستاں دیکھ کر
جل گیا سر تا قدم پیدا و پنہاں دیکھ کر

پرتوِ رخسارِ مہر افروز سے روشن ہے دل
ہو منور ارض جیسے مہرِ تاباں دیکھ کر

دیکھنے جاتا نہیں کوئی قدِ سروِ چمن
جلوہ گاہِ نازشِ سروِ خراماں دیکھ کر

چاہتے ہیں لوگ تجھ کو دیکھنا عشاق کے
قطرہ ہائے اشکِ خوں بر نوکِ مژگاں دیکھ کر

ہے منور چشمِ خسرو نورِ روئے یار سے
جان پڑ جاتی ہے دل میں روئے جاناں دیکھ کر

۱۹۷

باز بادِ صبح بوئے آشنائی میدہد
آبِ چشمِ مستمنداں را روائی میدہد

بیں کہ چندیں زاہد از خلوت بروں خواہد فتاد
باد را کاں زلف شغلِ عطر سائی میدہد

اے رُخت آشوب و چشمت فتنہ و زلفت بلا
دل نگر کو با کیانم آشنائی میدہد

آمدم بر آستانِ دولت امیدوار
کیست کو درویش را راہِ گدائی میدہد

خود مکن بیگانگی با ما چوں میدانی کہ چرخ
آشنایاں را ز یکدیگر جدائی میدہد

خونِ خسرو رائگاں مزدِ رقیبت برمن است
گر بیک شمشیرم از دستت رہائی میدہد

جب ہوائے کو سے بوئے آشنائی مل گئی
آبِ چشمِ مستمنداں کو روائی مل گئی

دیکھ اے صوفی، نکل کر کنجِ خلوت سے بروں
زلف سے کیسے صبا کو عطر سائی مل گئی

روئے شہر آشوب و چشمِ مست و زلفِ پُر بلا
دل کو کیسی آفتوں سے آشنائی مل گئی

لے کے آیا در پہ ہے درویش امیدیں ترے
اس کو کیسی دیکھ اِک راہِ گدائی مل گئی

کر نہ یوں بیگانگی اور دیکھ دورِ چرخ سے
تجھ سے کتنے آشناؤں کو جدائی مل گئی

خونِ خسرو کا نہ قطرہ تک ہوا اک رایگاں
تیغ سے جب جان کو تن سے رہائی مل گئی

۱۹۸

غم مخور اے دل کہ باز ایامِ شادی ہم رسد
ہر کجا دردے ست آں را عاقبت مرہم رسد

درمیانِ آدمی و آنچہ مقصودِ وے است
گر بود صد سالہ رہ چوں وقت شد یکدم رسد

گاؤ و خر را از غم و شادیِ عالم بہرہ نیست
خاص بہرِ آدم است از شادی و از غم رسد

بگذر از اندیشہ چوں می بگذرد اندیشہ نیست
ہر جفائے کاں بر اہلِ عالم از عالم رسد

دوستاں خاکِ شمایم چوں مئے شادی خورید
جرعۂ ریزید تا ایں خاک را زاں نم رسد

خسروا ناخوش مشو کایامِ شادی در گذشت
بر خدا دل نہ کہ خوش خوش کامِ شادی ہم رسد

شادمانی ہو اسے قدرے نہ اتنا غم ملے
اس دلِ پُر درد کو گر ایک دن مرہم ملے

درمیانِ مقصد و دل چاہے جتنا ربط ہو
جو ملے ہے سب کا سب دل کو ہے وہ یکدم ملے

گاؤ و خر کو شادی و غم سے نہیں بہرہ وری
بہرِ انساں ہے یہ سب شادی ملے یا غم ملے

اہلِ عالم ہے اگر تو اس کا اندیشہ نہ کر
جو جفا ہے اہلِ عالم کو ہے از عالم ہے

بادۂ شادی پیو جب دوستوں تو اک جرعہ
خاکِ پر میری بھی پھینکو تا اسے کچھ نم ملے

دن گئے شادی کے خسرو درد و غم کا دور ہے
کر دعا اللہ سے تا رنج و غم کچھ کم ملے

۱۹۹

خبرم شدہ ست کامشب سرِ یار خواہی آمد
سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد

غم و غصۂ فراقت بکشم چنانکہ دانم
اگرم چو بخت روزے بہ کنار خواہی آمد

منم و دلے و آہے رہِ تو درونِ ایں دل
مرو ایمن اندریں رہ کہ فگار خواہی آمد

مئے تست خونِ خلقے و ہمی خوری دمادم
مخور ایں قدح کہ فردا بہ خمار خواہی آمد

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بہ امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

بہ یک آمدن ببردی دل و جان صد چو خسرو
کہ زید اگر بدینساں دو سہ بار خواہی آمد

ہے خبر یہ گرم امشب مرا یار آ رہا ہے
میں فدا ہوں رہ پہ جس سے وہ سوار آ رہا ہے

شبِ ہجر میں ہوا اک ہے عجیب حال، جب سے
ہے سنا کہ یار میرے بہ کنار آ رہا ہے

رہِ پیچ پیچِ الفت میں ہیں خوف و خطر اتنے
کہ جو آ رہا ہے واں سے، وہ فگار آ رہا ہے

تری مے میں خونِ خلقت ہے کچھ اس قدر کہ پی کر
نہ سرور مل رہا ہے، نہ خمار آ رہا ہے

تری رہ میں آ کے بیٹھے ہیں غزالِ دشت سارے
انہیں آس ہے کہ کرنے تو شکار آ رہا ہے

اُسے شوقِ قتل و غارت ہوا اس قدر ہے خسرو
کہ نہ ایک بار بلکہ کئی بار آ رہا ہے

۲۰۰

گذرد ہمے و یک شب بہ منت گذر نباشد
برودِ شبے و ما را خبر از سحر نباشد

رسدت بر اوجِ خوبی، اگر آفتاب گردی
کہ در آفتاب گردش چو توئے دگر نباشد

نتواں ز بعدِ دیدن نظر از تو بر گرفتن
نتواند آنکہ چشمش بود و نظر نباشد

سخنِ تو آں حلاوت کہ شکر تو انش گفتن
زغمِ تو دارد، الے تے سخن از شکر نباشد

خبرم مپرس از من، چوں مقابلِ من آئی
کہ چوں در رخِ تو بینم، ز خودم خبر نباشد

بہ ملا تم ہمہ کس درِ صبر می نماید
کہ بداست صبر لیکن چکنم، اگر نباشد

دلِ مستمندِ خسرو سخنِ تو پیشِ ہر کس
چو قلم فرو نخواند، اگرش دو سر نباشد

شبِ غم میں یاں سحر کا جو ہوا گزر نہیں ہے
گئی شب ہے اور مجھ کو خبرِ سحر نہیں ہے

ترے اوجِ حسن و خوبی سے ہوا ہے سب پہ روشن
کہ منیر مہرِ تاباں بہ رخِ دگر نہیں ہے

تجھے دیکھ کر ہٹے ہے نہ کوئی نگاہ رخ سے
جو ہٹے تری شکل سے وہ کوئی نظر نہیں ہے

نہ شہد میں وہ حلاوت ہے، جو بات میں ہے تیری
ہے ترا نہیں وہ ہرگز، جو سخن شکر نہیں ہے

تُو نہ پوچھ حال میرا جو کیا فراق نے ہے
ترے غم میں مجھ کو اپنی رہی کچھ خبر نہیں ہے

دلِ عاشق و صبوری میں نہیں ہے ربط کوئی
ہو قرار دل کو کیسے، مجھے صبر گر نہیں ہے

دلِ مستمندِ خسرو کو قرار کس طرح ہو
کہ تہی رہے جب اس کا کبھی تجھ سے سر نہیں ہے

۲۰۱

تو ز لب سخن کشادی، ہمہ خلق بے زباں شد
تو بہ رہ خرام کردی، ہمہ چشم ہا رواں شد

بہ رہے کہ دی گذشتی، ہمہ کس بہ نرخِ سرمہ
بخرید خاکِ پایت، دل و دیدہ رایگاں شد

چہ کشش دراز داری سرِ زلفِ ناتواں را
کہ بداں کمندِ دلکش دلِ عالمے بہ جاں شد

رخِ تو بس است سودم بہ فدائے تارِ مویت
دل و جاں و عقل و ہوشم کہ ز دولتِ زیاں شد

صفتِ کمالِ حسنت چہ منے چگونہ گوید
کہ ہزار ہمچو خسرو ز رخِ تو بے زباں شد

ترے لب کی گل فشانی سے ہر ایک بے زباں ہے
تری طرزِ خوش خرامی سے سرشکِ خوں رواں ہے

اسے سب خریدتے ہیں سرِ رہ بہ نرخِ سرمہ
تری خاکِ پا نہ جائے مری جان، رایگاں ہے

خمِ زلفِ عنبریں میں ہے کشش یہ کس بلا کی
کہ تری کمندِ دلکش پہ فدا ہر ایک جاں ہے

لب و زلف و چشم و ابرو میں ہے بیش فتنہ خیزی
مگر ان سے اور بہتر نہ ملے کوئی زیاں ہے

نہ بیان کر سکا ہے صفتِ جمالِ خسرو
کہ ہوا وہ دیکھتے ہی ترا حسن، بے زباں ہے

۲۰۲

دلبراں مہر نمایند و وفا نیز کنند
دل براں مہر نبندی کہ جفا نیز کنند

عاشقاں گرچہ ترا بہرِ جفا بد گویند
از پئے چشمِ بدِ خلق دعا نیز کنند

عالمے را بکُش از غمزہ کہ تُرکاں بہ خدنگ
گرچہ بکُشند بسے صید رہا نیز کنند

ہجر مپسند چوں دانی کہ وکیلانِ سپہر
دوستاں را بہم آرند و جدا نیز کنند

منعماں گرچہ برانند گدارا از در
گہ گہے حاجتِ درویش روا نیز کنند

سوئے خسرو نگہے کن بہ طفیلِ دگراں
کاہلِ دولت نگہے سوئے گدا نیز کنند

دل میں آجائے تو دلبر بھی وفا کرتے ہیں
ورنہ دن رات وہ رہ رہ کے جفا کرتے ہیں

ظاہراً کرتے گلہ ہیں ترے عاشق ہر دم
چھپ کے پر تیرے لئے وہ بھی دعا کرتے ہیں

صید کرتے ہیں جو صیاد ہر ایک کو اپنا
رحم آجائے تو کچھ وہ بھی رہا کرتے ہیں

قرب اک دو ہی کو دیتے ہیں وکیلانِ فلک
وصل کے بعد پھر ان کو بھی جدا کرتے ہیں

در سے معشوق اٹھاتے ہیں و لیکن گاہے
ہو جو توفیق تو حاجت بھی روا کرتے ہیں

سوئے خسرو بھی کبھی دیکھ طفیلِ غیراں
گاہے ظالم بھی تو انعام دیا کرتے ہیں

٢٠٣

رسمِ خونریز درآں خوئے جفاساز بماند
ایں کلہ بر سرِ آں ترکِ سرانداز بماند

گر رود جان و گہے باز بیاید در تن
گر بہ تاباک درِ اندیشۂ آں ناز بماند

باد حتے کہ برآید سرِ عشاق ز دوش
ایں ہوا در سرِ آں سروِ سرافراز بماند

بستنِ چشم ندانم کہ چہ باشد آنگاہ
کہ برفت از نظر و دیدۂ من باز بماند

زاہدے در تو نظر کرد، صلاحش بُردی
بہ یکے بازی ازاں چشمِ دغاباز بماند

نالۂ ناخوشِ خسرو کہ ز غم می آید
خجل آواز کہ چوں مطربِ ناساز بماند

رسمِ خونریز دروں خوئے جفاساز رہے
کج کلہ سر پہ بھی اے تُرکِ سرانداز رہے

قتل کر کے جو مجھے خاک کیا ہے اس نے
کاش یہ خاک درِ اندیشۂ طناز رہے

وہ ہوا جس سے ہیں شوریدہ و حیراں عاشق
خوب ہو گر بہ سرِ سروِ سرافراز رہے

ہے نہ ممکن یہ کہ جب جائے مجھے چھوڑ کے تُو
تُو نہ ہو اور یہ دیدہ نہ مرا باز رہے

خوب ہو تجھ سے اگر آنکھ لڑائے زاہد
کھیلتی اس سے تری چشمِ دغاباز رہے

نالۂ ناخوشِ خسرو جو بھرا ہے غم سے
ہے وہ آواز جو با مطربِ ناساز رہے

۲۰۴

بر رخِ ہمچو مہش طرۂ چو شب نگرید
انگبیں در لبِ شرینش لبالب نگرید

پیشِ محرابِ دو ابروش کہ طاق است بہ حسن
عالمے دست بر آوردہ بہ یارب نگرید

چوں بدیدید رخش، زیرِ زنخداں بینید
در تہِ پارۂ مقنع چہِ غب غب نگرید

چشمش از ہر مژۂ ساختہ مشکیں قلمے
میدہد فتویٰ خونِ ہمہ، مذہب نگرید

در گلستانِ لطافت، چو گلِ نوخیزش
تنگ اندام و تنگ پوش و تنگ لب نگرید

بندۂ خسرو را کہ در وصفِ جمالش ہر روز
نو بہ نو دفتر و دیوانِ مرتب نگرید

زلف بر عارضِ مہ وش، صفتِ شب دیکھو
لب بھرے شہد و شکر سے بھی لبالب دیکھو

پیشِ محرابِ دو ابرو، شکلِ طاقِ حرم
عالمے دست بر آوردہ بہ یارب دیکھو

زیرِ چاہِ ذقنِ یوسفِ ثانی، یارو
در تہِ پارۂ پردہ، چہِ غب غب دیکھو

دیدۂ مست نے اک کلکِ مژہ سے لکھ کر
دے دیا فتویِٔ خوں، آہ یہ مذہب دیکھو

در گلستانِ لطافت، گلِ نو وارد کے
تنگ اندام و تنگ پوش و تنگ لب دیکھو

حسنِ خوباں کی ستائش میں لکھے خسرو کے
نو بہ نو دفتر و دیوانِ مرتب دیکھو

۲۰۵

رویت از غالیہ خطِ بر رخِ گلفام کشید
ماہِ نو، طرۂ مشکینِ تو در دام کشید

روز بازارِ چمن را بہ بہائے نستانند
لالہ از خاکِ تو، گرچہ درمے وام کشید

صبحِ روئے تو بدینساں کہ برآمد امروز
تو مبر ظن کہ چو من سوختہ تا شام کشید

با وصالِ تو بہ یک لحظہ فراموش کند
ہر کہ جورِ فلک و محنتِ ایام کشید

دل بہ کامے برسد از تو ہم آخر روزے
غصۂ کارِ خود از عالمِ خود کام کشید

نامِ عشق است بلائے دل و آخر بہ جہاں
سر پسِ نام بروں خسروِ بدنام کشید

گل و لالہ کو خجل ہے رخِ گلفام کرے
ماہِ نو، زلفِ سیاہ ہے تری در دام کرے

لوگ بازارِ چمن میں نہ خریدیں اس کو
نقلِ لالہ گو تری بیش، گل اندام کرے

آئے جب تو ہے کرے رخ سے مری شب کی سحر
اور جائے تو مرے دن کی ہے تو شام کرے

وصلِ یک لحظہ فراموش کرا دیتا ہے
جو بھی جورِ فلک و محنتِ ایام کرے

کام مقصد کے مطابق مرے ہوگا اک دن
گو خرابی ہے بہت عالمِ خود کام کرے

عشق ہے گرچہ بلا ایک، نہ کر ترک اسے
چاہے جتنا بھی وہ خسرو تجھے بدنام کرے

۲۰۶

هر شب از سینۂ من تیرِ بلا میگذرد
تو چہ دانی کہ بریں سینہ چہا میگذرد

دل اگر سنگ بود طاقتِ آتش نبود
آنچہ از غمزۂ او بر دلِ ما میگذرد

عاشقاں را ہمہ عمر از پئے نظارۂ تو
شب بزاری و سحر گہ بہ دعا میگذرد

یارب ایں بادِ سحر از چہ چنیں خوش بوی است
مگر اندر سرِ آں زلفِ دوتا میگذرد

تو چہ مرغے کاثرت نیست کہ از سوزِ دلم
سوخت ہر مرغ کہ بر روئے ہوا میگذرد

خسروا بگذر از اندیشۂ خوباں کامروز
موسمِ فتنہ و ایامِ بلا میگذرد

دمبدم قلب سے جب تیرِ بلا گزرے ہے
کیا کہوں مجھ پہ ترے ہجر میں کیا گزرے ہے

دل نہیں سنگ کہ ہو طاقتِ آتش اس میں
وہ جلے جب ہے تو غم حد سے مرا گزرے ہے

عمر بھر دید کی امید میں مشتاقوں کی
شب یہ زاری و سحر گہ بہ دعا گزرے ہے

عاطر و مشک فشاں بادِ صبا ہووے ہے
جب بھی جا کر وہ درونِ زلفِ دوتا گزرے ہے

آتش ایسی ہے مرے دل میں کہ ہر مرغ یہاں
پر جلائے ہے جو بر روئے ہوا گزرے ہے

کر نہ اندیشۂ خوباں کہ تراب خسرو
موسمِ فتنہ و ہنگامِ بلا گزرے ہے

۲۰۷

شب ز سوزے کہ بریں جانِ حزیں میگذرد	شب میں جو سوز سے برجانِ حزیں گزرے ہے
شعلۂ آہِ من از چرخِ بریں میگذرد	شعلۂ آہِ دل از چرخِ بریں گزرے ہے
زاہد از صومعہ زنہار کہ بیروں نروی	امن سے کُنج میں صوفی ہے، و لے واں سے بھی
کہ ازاں سوئے بلائے دل و دیں میگذرد	گاہے گاہے وہ بلائے دل و دیں گزرے ہے
میگذشتی شب و از ماہ برآمد فریاد	دیکھ کر شب میں تجھے ماہِ فلک کہوے ہے
کایں چہ فتنہ است کہ بر روئے زمیں میگذرد	ایک فتنہ ہے جو بر روئے زمیں، گزرے ہے
باد از بوئے تو مست است دلیریش نگر	مست ہووے ہے تری بُو سے ہوا تو کیسے
کہ دواں پیشِ شہِ تخت نشیں میگذرد	وہ دواں پیشِ شہِ تخت نشیں گزرے ہے
گر کنی جور و گر تیغ زنی بر خسرو	دیکھ آ کر تو ستمگر کہ ترے خسرو کے
ہمچناں داں کہ ہماں نیز و ہمیں میگذرد	دل پہ کیا کچھ تری فرقت میں نہیں گزرے ہے

۲۰۸

آنکہ ہر شب بہ دلم آید و جائے بکند
چہ شود روزئے اگر یادِ گدائے بکند

مست و شمشیر کشاں بر سرم آید ہر روز
یارب اندر دلش افگن کہ خطائے بکند

بختِ ما گر نہ چو ما سوختہ باشد آخر
کارِ پیچیدۂ ما را سر و پائے بکند

با چنیں جور و جفائے کہ تو داری پس ازیں
نہ ہمانا کہ مرا عمر وفائے بکند

پُر غبار آید از کوئے تو خسروؔ ہر روز
در دو د گریہ و در حال صفائے بکند

دل میں ہر وقت جو آ کر مرے جا کرتا ہے
بھول کر بھی وہ نہیں یادِ گدا کرتا ہے

مست و شمشیر کشاں آئے مرے پاس ہے جب
کہہ سکے کون ہے یارب، وہ خطا کرتا ہے

سوختہ مجھ سا مرا بخت ہے ایسا کہ مرا
کارِ پیچیدہ وہ اور بے سر و پا کرتا ہے

جور سے تیرے مجھے ہے نہ گلہ مرنے کا
کیوں کرے عُمر نہیں تُو جو وفا کرتا ہے

گرد آلود ہے خسروؔ ترے کُو میں ایسا
رات بھر رخ کو وہ اشکوں سے صفا کرتا ہے

۲۰۹

گر دلِ عاشقم از عشقِ تو رنجور شود
کلبۂ جاں ز بلاہائے تو معمور شود

ہست روشن بہ رُخت دیدہ اگر خاکِ رہت
باز در دیدہ کشم، نورِ علیٰ نور شود

حالیہ چشمِ تو مست است، چہا میکند او
آہ! اگر غمزہ زناں آید و مخمور شود

گفت لعلت بہ تبسم کہ دل از ما برگیر
از عسل، امرِ محال است مگس دُور شود

میرود جاں بہ سرِ کوئے تو، دیدار طلب
موسیٰ آرے طلبد وصل کہ بر طُور شود

جانِ من روئے تو شد اے خوشی جانم گر
خسروِ سوختہ از وصلِ تو مسرور شود

قلبِ شیدا مرا جب عشق سے رنجور ہوا
کلبۂ جاں بھی آفات سے معمور ہوا

رخِ پُر نور نے روشن جو کیا تھا دیدہ
خاکِ رہ سے وہ تری نورِ علیٰ نور ہوا

دیدۂ مست سے تھا تیرے ہر اک مست ولے
دیکھ کے غمزہ وہ کچھ اور بھی مخمور ہوا

دُور جس طرح نہ رہتی ہے مگس شکر سے
وہ شکر لب نہ مرے دل سے کبھی دُور ہوا

طلبِ دید میں میرے لئے کُو ہے تیرا
مظہرِ دوست، جو موسیٰ کے لئے طُور ہوا

کیا گیا تیرا ہوا کون سا نقصان اس سے
خواب میں خسروؔ اگر وصل سے مسرور ہوا

۲۱۰

مستِ من بے خبر از بزم چوں در خانہ شود
جاں بہ ہمراہیِ آں نرگسِ مستانہ شود

دشمنِ جانِ خودم پیشِ تو اے تیر انداز
دوست نبوَد کہ بلا بیند و بیگانہ شود

می کنم شکرِ جفایت کہ چوں شہ ریزد خوں
بندگاں را ہمہ گفتارِ ندیمانہ شود

باچناں سلسلۂ زلف کہ لیلیٰ دارد
حق بدستِ دلِ مجنوں ست کہ دیوانہ شود

ساقیا بو کہ نظر بر شودم بر نظرت
بادہ می ریز کہ تا بر سرِ پیمانہ شود

بسکہ پروانہ شود سوختۂ شمع ز عشق
عارف از سوختگیِ عاشقِ پروانہ شود

ہمہ شب خسرو افسانۂ یار و ہر بار
قدرے گوید و سر بر سرِ افسانہ شود

جام و بادہ و سبو و خُم و میخانہ ہو
ہمرہِ جان بھی اک نرگسِ مستانہ ہو

میں نہیں دشمنِ جاں اپنا پر اے تیر فگن
یار وہ کیا جو بلا دیکھ کے بیگانہ ہو

مانگتا دل مرا اک یار ہے ایسا ظالم
قتل کرنا جسے اک کارِ ندیمانہ ہو

دیکھ کر سلسلۂ زلفِ دراز لیلیٰ
ہو عجب بیش اگر قیس نہ دیوانہ ہو

نگہِ مست کا کر اپنی لحاظ، اے ساقی
اس قدر ڈال کہ مے بر سرِ پیمانہ ہو

عاشقِ شمع بہت ہوتے ہیں پروانے سب
ہے وہ عاشق جو بنا عاشقِ پروانہ ہو

کیا ہوا گر نہ ہوا ختم فسانہ خسرو
ہے نہ افسانہ وہ اک، ختم جو افسانہ ہو

۲۱۱

گر سرِ زلفِ تو از باد پریشاں نشود
خلق بیچارہ چنیں بیدل و حیراں نشود

وہ ازاں روئے مرا جاں بلب آمد یارب
کہ گرفتار بہ دل ہیچ مسلماں نشود

من گناہِ دلِ دیوانۂ خود میدانم
عشق بازست و ہمہ عمر بہ ساماں نشود

یارب از رنجِ دلِ ماش نگیری ہر چند
کہ جفا ہا کند و ہیچ پشیماں نشود

مردماں در من و بیہوشیِ من حیرانند
من در آں کس کہ ترا بیند و حیراں نشود

خسرو آہوئے رمیدہ ست ز خوباں کہ بر او
گر دلِ شیر نہی بیش پریشاں نشود

باد سے گیسوئے مشکیں جو پریشان نہ ہو
عاشقِ زار ترا بیدل و حیران نہ ہو

عشقِ کافر نے کیا ہے مجھے عاجز ایسا
مجھ سا کوئی بھی گرفتار مسلمان نہ ہو

دل سے کہتا ہوں کہ ممکن نہیں اے دیوانے
تو کرے عاشقی اور بے سروسامان نہ ہو

جرم ہے حسن کا یارب وہ خطاوار نہیں
گر کرے جور و جفا اور پشیمان نہ ہو

لوگ حیراں ہیں مجھے دیکھ کے حیراں اور میں
اُس پہ حیراں جو تجھے دیکھ کے حیران نہ ہو

دل غزالوں نے رمیدہ جو کیا خسرو کا
دے دل ایسا اسے یارب کہ پریشان نہ ہو

۲۱۲

عاشقے را کہ غمِ دوست بہ از جاں نبوَد
عاشقِ جاں بوَد او عاشقِ جاناں نبوَد

مُردن از دوستی اے دوست، ز ہندو آموز
زندہ در آتشِ سوزاں شدن، آساں نبوَد

زہر کش از کفِ ساقی تو، اگر میخواری
کیست کش تشنگیِ چشمۂ حیواں نبوَد

اے کہ عاشق نہ ای، ار دم دہدت غمزہ ترے
دل نبندی کہ نکوروی مسلماں نبوَد

چند پرسی کہ چرا خلق بہ رُویم حیرانست
ایں حکایت ز کسے پرس کہ حیراں نبوَد

خسروا بلبلی آخر، بہ قفس ہم خوش باش
دَورِ گردوں ست، ہمہ باغ و گلستاں نبوَد

جو بھی دیوے غمِ جاناں کے عوض جان نہیں
عاشقِ جان ہے وہ، عاشقِ جانان نہیں

دیکھ ہندو کو، اگر سوز کا شکوہ ہے تجھے
شوق سے آگ میں جلنا بھی کچھ آسان نہیں

آبِ حیواں تری آنکھوں سے ملے ہے ساقی
کیا ہوا گر ترا خُم چشمۂ حیوان نہیں

ایک عیار ہے، طرار ہے، ہشیار ہے وہ
دے نہ دل اس کو، وہ کافر ہے، مسلمان نہیں

دیکھ کر رخ ترا حیران ہوئے لوگ ہیں کیوں
پوچھنا گر ہے تو پوچھ اس سے جو حیران نہیں

گردشِ پا میں تری بلبلِ شیدا خسرو
دَورِ دوراں ہے کوئی سیرِ گلستان نہیں

۲۱۳

مردِ صاحب منظر از کوئے تو آساں نرود
ہر کہ را جاں بود از خدمتِ جاناں نرود

آنکہ در عشق زُخت لافِ ہواداری زد
بہ جفا از درت، اے خسروِ خوباں نرود

از خیالِ منِ سودا زدہ اندر رہِ عمر
یک نفس صورتِ آں سروِ خراماں نرود

با خضر ذکرِ لبِ لعلِ تو می باید گفت
تا دگر در طلبِ چشمۂ حیواں نرود

باغباں از رخِ زیبائے تو بیند، دیگر
از پئے چیدنِ گل سوئے گلستاں نرود

خسروِ خستہ کہ ماندہ ست بہ دہلی دربند
آہ اگر زو خبرے سوئے خراساں نرود

کام عاشق کوئی کرکے یہاں آساں نہ گیا
جب تلک جان تھی از خدمتِ جاناں نہ گیا

تیرے کوچے میں گیا کرنے ہوا خوری جو
چھوڑ پھر در وہ ترا خسروِ خوباں نہ گیا

یک نفس چھوڑ کے میرے دلِ سودائی کو
عمر بھر نقش ترا سروِ خراماں نہ گیا

سن کے ذکرِ لبِ شیرینِ شکر خا تیرا
پھر خضر در طلبِ چشمۂ حیواں نہ گیا

باغباں دیکھ کے تیرا رخِ زیبا، ہرگز
پھول چننے کے لئے سوئے گلستاں نہ گیا

دلِ خسرو لیا دلی نے کچھ اس طور سے تھا
پھر وہ ہرگز سوئے شیراز و خراساں نہ گیا

۲۱۴

تو کہ روزت بہ نشاطِ دل و جاں میگذرد
شب، چہ دانی، کہ مرا بے تو چساں میگذرد

آبِ خوش میخورد ایں خلق زسیلِ چشمم
بسکہ دل سوختہ زاں آبِ رواں میگذرد

قامتت راست چو تیر است و عجائب تیرے
کہ زمن دُور و مرا در دل و جاں میگذرد

ناوکِ چشم تو ام میکُشد و غیرت ہم
کہ چرا در دل و جانِ دگراں میگذرد

دلِ گم کردہ ہمی جوید خلقے در خاک
اندر آں راہ کہ آں سروِ رواں میگذرد

سوزِ جانہاست مبادا کہ رسد در گوشت
نالہ ہا کز دلِ خسرو بہ دہاں میگذرد

تُو جو رہ سے بہ نشاطِ دل و جاں گزرے ہے
آ کبھی پاس، مری عمرِ جواں گزرے ہے

سیل سے اس کے ہے سیرابیِ دشت و صحرا
دیکھ جا کر یہ کہاں اشکِ رواں گزرے ہے

کیا ضرورت ہے چلانے کی اسے، اے جاناں
بِن چلے تیر یہ جب از دل و جاں گزرے ہے

قتل کرنا مجھے مقصود ہے گر تیر ترا
پھر یہ کیوں از دل و جانِ دگراں گزرے ہے

ڈھونڈتا دل ہے، اگر خاک میں ڈھونڈو اس کی
جس روش سے وہ مرا سروِ رواں گزرے ہے

کان میں اس کے نہ پڑ جائے فغاں وہ خسرو
جو ترے دل سے نکل کر بہ دہاں گزرے ہے

۲۱۵

یارب این شهرهٔ لشکر ز کجا می آید
کہ ز عشقش دلِ خلقے بہ بلا می آید

فتنۂ جانِ منِ خستہ دل آمد چشمش
باز بر جانِ من این فتنہ کجا می آید

بادِ مشک از سرِ زلفش بوزید، اے بلبل
بوستاں را خبرے دہ کہ صبا می آید

از وفا بوئے ندارد، تو چنیں صورت کن
گرچہ از صورتِ او بوئے وفا می آید

ما بہ نظارۂ آں ماہ چناں مستغرق
کہ ہمہ خلق بہ نظارۂ ما می آید

خسروا ہر چہ ترا بر سرت آید، نہ از اوست
عقل داند کہ سراسر ز قضا می آید

لے کے لشکر وہ اگر تُرک مرا آئے ہے
ہمرہِ غارت و آشوب و بلا آئے ہے

چشم آئے ہے بلا بن کے اگر جاں لینے
زلف بھی کم نہ لئے جور و جفا آئے ہے

مژدہ اک اہلِ گلستاں کو دے، اے بلبل
بوئے گیسو لئے پھر بادِ صبا آئے ہے

ایسی ہو وے ہے مرے دل کو کبھی خوش فہمی
بے وفاؤں سے بھی کچھ بوئے وفا آئے ہے

غرق ہوتا ہوں کبھی اس طرح نظارے میں
خلق سب دیکھنے نظارہ مرا آئے ہے

عیب اس پہ نہ لگا، تجھ پہ بلا، اے خسرو
جو بھی آئے ہے وہ از قدر و قضا آئے ہے

۲۱۶

سبزہ ہا می دمد و آبِ رواں می آید
ابر چو دیدۂ من گریہ کناں می آید

از پسِ گشتنِ صحرا و لبِ جوی و چمن
ہوسے در دلِ ہر پیر و جواں می آید

سروِ بالائے من از من شدہ زانم ناخوش
کہ بہ گلزار بسے سروِ رواں می آید

جاں کشم پیش و جہاں ہم اگرت دست دہد
اندر آں راہ کہ آں جانِ جہاں می آید

نہ ہمانا کہ من امشب بکشم تا بہ سحر
کاے صبا از تو مرا بوئے فلاں می آید

اینک آں شوخ ہمی آید و خلقے بیہوش
مُردہ را مژدہ رسانید کہ جاں می آید

خسروا دست بہ فتراکِ امیدِ کہ زدی
توسنے داں کہ نہ در ضبطِ عناں می آید

جا بجا شوخ و دواں، آبِ رواں آئے ہے
ابر با شور و شر، گریہ کناں آئے ہے

دیکھ کر سبزہ و گل، برگ و گیا تازہ و تر
اک ہوا در دلِ ہر پیر و جواں آئے ہے

سرو و شمشاد و صنوبر ہیں خوش و خرم سب
یا خدا پھر نہ وہ کیوں سروِ رواں آئے ہے

جان دیتا ہے جہاں راہ و روش پر اس کی
جب وہ بر راہ و روش، جانِ جہاں آئے ہے

کلفتِ ہجر میں ہوتی ہے کمی وقتِ سحر
لے کے جب بادِ صبا بوئے فلاں آئے ہے

ہے عجب دیکھ کے جاندار جسے مرتے ہیں
اس کے دیدار سے بے جان ہیں، جاں آئے ہے

اسپِ چوگاں نہ سمجھ قلب ترا اے خسرو
ہے وہ توسن جو نہ در ضبطِ عناں آئے ہے

۲۱۷

ایں چنیں تند کہ آں قلب شکن می آید
سہمے از غمزۂ او در دلِ من می آید

چہ خطا رفت ندانم کہ برابرو زدہ چیں
بہرِ آزارِ من آں تُرکِ ختن می آید

مستی و رندی و عاشق کُشی و شیوہ و ناز
ہر چہ گویند ازاں تنگ دہن می آید

بہ وفاداریِ او گشت تنم خاک و ہنوز
نکہتِ دوستیِ او ز کفن می آید

خسروا شعرِ تو اسرارِ خدا نیست مگر
کز سخن ہائے توام بوئے حسن می آید

کرنے پرسش بھی وہ گر قلب شکن آئے ہے
تیر ترکش میں لئے شیر فگن آئے ہے

جرم عادت ہے خطا اس میں کوئی اس کی نہیں
بہرِ آزار وہ گر تُرکِ ختن آئے ہے

غمزہ و شیوۂ عاشق کُشی و ناز و ادا
ساتھ سب کچھ یہ لئے تنگ دہن آئے ہے

تن ہوا خاکِ لحد ہے مرا لیکن اب تک
نکہتِ دوستی از گردِ کفن آئے ہے

ہے سخن میں نہ ترے رمزِ خدا اے خسرو
پھر بھی اشعار سے کچھ بوئے حسن آئے ہے

۲۱۸

گر چہ در کُشتنِ عشاق زبوں می آید
بارے آں شکل ببنید کہ چوں می آید

گر کنم گریۂ دل ماندگی از تست اے دوست
کیں شکایت ہمہ از بختِ نگوں می آید

دل بہ صیاد کجا سوزد اگر نالہ کند
مرغِ بیچارہ کہ در دام زبوں می آید

خوشم از گریۂ خود گرچہ ہمہ خونِ دل است
زانکہ بوئے تو ز ہر قطرۂ خوں می آید

تا شبم چوں گذرد آہ کہ بازم در دل
یادِ آں سلسلۂ غالیہ گوں می آید

حذر از گوشۂ چشمش کہ ز شوخی خود را
مست می سازد و با سحر و فسوں می آید

خسروا چوں سخن اول نشنیدی ناچار
بکش از دوست بلائے کہ کنوں می آید

چاہے جتنا بھی وہ سر کرکے نگوں آئے ہے
بن کئے قتل نہ قاتل کو سکوں آئے ہے

شکوۂ جور و جفا ہے نہ مجھے تجھ سے کوئی
آئے غصہ ہے تو بر بختِ نگوں آئے ہے

بے اثر زاری و فریاد و فغاں ہے اس کی
مرغِ بیچارہ کہ در دام زبوں آئے ہے

گریہ اچھا ہے اگرچہ ہے مرا خوں اس میں
کہ بوئے دوست ز ہر قطرۂ خوں آئے ہے

دلِ سودائی تڑپتا ہے بہت جب بھی اسے
یاد وہ سلسلۂ غالیہ گوں آئے ہے

دیدۂ یار کرے مست ہے اور مستوں کو
مست ہو کر وہ جو با سحر و فسوں آئے ہے

ہے بلاؤں سے گھرا خسروؔ تو ایسا کہ ترا
کام کچھ بھی نہ فسانہ و فسوں آئے ہے

۲۱۹

خشمگیں یارِ مرا دل بہ رضا باز آمد
گُلِ بدعہد بہ بُستانِ وفا باز آمد

آنکہ ہموارہ جفا بود و ستم عادتِ او
کرد آہنگِ وفا و ز جفا باز آمد

آں ہمہ مستی و شوخی و بلا انگیزی
باز جانِ منِ دل سوختہ را باز آمد

بہ دعا پیشِ خود آوردمش اما عجب است
در جہاں عمرِ کسے کے بدعا باز آمد

دلِ گم گشتۂ خود جستم و در بانش گفت
کہ دلِ رفتہ دریں کوی کرا باز آمد

خسروا تن بہ قضا دہ کہ ہوا ہائے کہن
تازہ شد از سرو ایامِ بلا باز آمد

خشمگیں یار مرا دل بہ رضا پھر آئے
گُلِ بدعہد بہ بُستانِ وفا پھر آئے

ڈال دے دل میں خدایا کہ وہ ظالم اک دن
کر کے آہنگِ وفا ترکِ جفا پھر آئے

باہمہ مستی و شوخی و بلا انگیزی
کاش کرنے ہی کو وہ جور و جفا پھر آئے

ہے دعا تو، مجھے لگتا نہیں لیکن، اے جاں
جان بے جاں میں کرنے سے دعا پھر آئے

ڈھونڈتا ہوں دلِ گم گشتہ تو سب کہتے ہیں
ہو یہ سکتا نہیں دل جا کے ترا پھر آئے

پھر سے کرتا ہے اگر عہدِ وفا تو خسرو
ہے نہ ممکن کہ نہ یہ لے کے بلا پھر آئے

۲۲۰

ہر کسے گاہِ جوانی تگ و پوئے دارد
گشتِ باغے و نشاطِ لبِ جوئے دارد

دوست دارم خمِ گیسوئے نکورُویاں را
واں کسے را کہ دلے در خمِ موئے دارد

کاشکے خاک شوم من بہ زمینے کانجا
تُرکِ من گاہِ سواری تگ و پوئے دارد

ہاں وہاں تا نکند عمر بہ بُستاں ضائع
ہر کہ در خانہ تماشائے نکوئے دارد

خسروا رجاں بہ غمت داد ترا بادا عیش
چو توئے را چہ غمِ ارجانِ چو اوئے دارد

دل جوانی میں ہر اک کا تگ و پُو رکھے ہے
شوقِ گلزار و نشاطِ لبِ جُو رکھے ہے

مجھ کو رغبت ہے خمِ زلفِ نکورُویاں سے
اور اُس سے کہ جو دل درِ خمِ مُو رکھے ہے

خاک و خاشاک بنوں کاش میں میداں کی جہاں
تُرک وہ گاہِ سواری تگ و پُو رکھے ہے

زندگی ضائع نہ کرتا ہے گلستانوں میں
ہر کہ درِ خانہ تماشائے نکو رکھے ہے

غم سے مرنے کا ترے غم نہیں کرتا خسرو
وہ جو سنگیں دل و روئے نکو رکھے ہے

۲۲۱

اے کہ از خاکِ درت دیدہ منور گردد
وصفِ روحت چوں کنم، روح معطر گردد

دیدہ در زیرِ قدمہات نمی گرید ازاں
کہ مبادا کفِ پائے تو بہ خوں تر گردد

ناوکے بر دلِ ریشم فگن، اے دیدۂ من
تا بوَد ریشِ درونم بہ بروں سر گردد

اے بسا جاں بہ سرِ کوئے تو شد خون، و ہنوز
میرود تا بہ سرِ کوئے تو محشر گردد

سازمش خون و بہ پیشِ سگت اندازم اگر
بے جراحت ز سرِ کوئے تو دل بر گردد

اشکِ خسرو ہمہ از خونِ جگر ساختہ است
از قدمہات چوں ریزم، ہمہ گوہر گردد

خاک سے در کی مرا دیدہ منور کر دے
روح کو گیسوئے مشکیں سے معطر کر دے

رو نہ سکتا ہوں میں قدموں پہ ترے سر رکھ کر
کہ ترا پاؤں کہیں خوں سے نہ یہ تر کر دے

ناوکِ چشمِ فسوں ساز سے کر خونریزی
یا قلم دشنۂ مژگاں سے مرا سر کر دے

یوں کر عشاق کو شمشیر سے تتر بتر
شورشِ کو سے خجل فتنۂ محشر کر دے

دلِ صد ریش کی مژگاں سے جراحت کر کے
ریش کچھ اور اسے، اے مرے دلبر کر دے

اشک، جس میں ہے ترا خونِ جگر اے خسرو
اس کے پاؤں پہ گرا کر اسے گوہر کر دے

۲۲۲

وقتے آں کافرِ بے رحم از آنِ من بود
دلِ آوارہ شدہ نیز، از آنِ تن بود
شمعِ شب گریہ ہمی کرد ہمہ شب، ماناک
شعلہ ہائے دلِ پُرسوزِ منش روشن بود

نشدند آنِ خودم در غمِ جاناں، چہ کنم
عقل دیوانہ و عشق آفت و دل دشمن بود

بیں کہ چو موی شد از ساعدِ سمین نگار
آہنیں بازوئے فرہاد کہ خارا کن بود
میکنم شُکر لیت، گرچہ بسے نقدِ بلا
برمن از غمزۂ آں دولتِ مرد افگن بود

دی کہ رسوا شدہ ای دیدی و گفتی کایں کیست
دامن آلودہ بہ خوں خسروِ تر دامن بود

عشق کچھ ایسا دل و جاں کا ہوا دشمن ہے
قلبِ آوارہ مرا زار ہے، لاغر تن ہے
دیکھ کے گریۂ شمع رات کو لگتا ہے مجھے
شعلۂ دل نے مرے اس کو کیا روشن ہے

کیسا آزار لگا ہے یہ غمِ جاناں ہے
عقل دیوانی و عشق آفت و دل دشمن ہے

رنجِ الفت سے وہ اب ساعدِ سیمیں کی طرح
آہنیں بازوئے فرہاد نہ خارا کن ہے

عشقِ لب میں، مری سب نقدِ بلا کا باعث
غمزۂ دولتِ معشوقہ مرد افگن ہے

عشق و رندی نے کیا اس کو ہے رسوا ایسا
دامن آلودہ بہ خوں خسروِ تر دامن ہے

۲۲۳

جاں فدائے پسرانے کہ نکو رُو باشند
راحتِ جان ست جفاشاں کہ جفاجُو باشند

خود زخوبانِ پری چہرہ ہمیں کار آید
کہ ستمگارہ و مردم کُش و بدخو باشند

چہ کند آہوئے مسکیں کہ نسبک جاں ندہد
شہسواراں کہ بہ دنبالۂ آہو باشند

عاشقاں در روشِ عشق مسلماں نشوند
کہ نہ در سوختنِ خویش چو ہندو باشند

صفتِ نرگسِ جادوئے تو کردن نازند
شاعراں گرچہ چو خسرو ہمہ جادو باشند

قلب شیدائے غزالاں کہ نکو رُو ہیں وہ
جاں فدائے رخِ خوباں کہ جفاجُو ہیں وہ

ہے فدا دل مرا خوبانِ پری چہرہ پر
کہ ستمگارہ و مردم کُش و بدخو ہیں وہ

ایک غمزے سے گراتے ہیں غزالِ دل کو
شہسواراں کہ بہ دنبالۂ آہو ہیں وہ

عاشقی بت کی نہ بس کی ہے مسلمانوں کی
جل سکے جب نہ کبھی صورتِ ہندو ہیں وہ

سامنے نرگسِ جادو کے نہیں کچھ خسرو
تیرے اشعار کہ گنجینۂ جادو ہیں وہ

۲۲۴

یارِ زیبائے مرا باز بہ من بنمائید
تُرکِ رعنائے مرا باز بہ من بنمائید

لالہ می رویدم از خونِ جگر بر رخسار
سروِ بالائے مرا باز بہ من بنمائید

نیست آراستہ بے آں مہِ زیبا مجلس
مجلس آرائے مرا باز بہ من بنمائید

پیشتر زانکہ بہ یغما برود خانۂ عمر
شیرِ یغمائے مرا باز بہ من بنمائید

از فراقم ہمہ ناسازی و نابینائی ست
یارِ زیبائے مرا باز بہ من بنمائید
عشرتم یاد ہمی آید از افزائشِ غم
عشرت افزائے مرا باز بہ من بنمائید

یارِ زیبا مرا پھر مجھ کو دکھا دے یارب
تُرکِ رعنا مرا پھر مجھ کو دکھا دے یارب

رخ مرا خونِ جگر سے ہے بنا لالہ گوں
سروِ بالا مرا پھر مجھ کو دکھا دے یارب

ہو وے مجلس نہیں آراستہ بے ماہ مری
مجلس آرا مرا پھر مجھ کو دکھا دے یارب

پیشتر اس سے کہ غارت ہو بھرا عمر کا گھر
شیرِ یغما مرا پھر مجھ کو دکھا دے یارب

ہے یہ سب ہجر سے ناسازی و نابینائی
یارِ زیبا مرا پھر مجھ کو دکھا دے یارب
عیش آتا ہے مجھے یاد بہ افزائشِ غم
عشرت افزا مرا پھر مجھ کو دکھا دے یارب

۲۲۵

یار باز آمد و بوئے گل و ریحاں آورد
خندۂ باغ مرا گریۂ ہجراں آورد

باز گلہائے تو از دردِ کہن یادم داد
غنچہ ہا بر جگرم زخم چو پیکاں آورد

فصلِ نوروز کہ آورد طرب بہر ہمہ خلق
چشم بد روزِ مرا موسمِ باراں آورد

ہر سحر باد کہ بر سینۂ من میگذرد
در چمن بوئے کباب از پئے مستاں آورد

بہ چہ کار آید بے سروِ خودم گرچہ بہار
سوئے ہر باغ بسے سروِ خراماں آورد

باد یا رب چو رقیبِ تو پریشاں ہمہ وقت
کہ ترا بر سرِ دلہائے پریشاں آورد

باچناں رُو زنی از بر دلِ خسرو صد تیر
بتواں خوردن و بر روئے تو نتواں آورد

یار گرچہ مرا بوئے گل و ریحاں لایا
خندۂ باغ وہ لے گریۂ ہجراں لایا

برگِ گل دیکھ کے یاد آیا مجھے دردِ کہن
غنچہ اک زخم جگر صورتِ پیکاں لایا

وقتِ گل سب کے لئے لایا طرب ہے لیکن
میری آنکھوں کے لئے موسمِ باراں لایا

چل کے سینے سے اگر آیا ہوا کا جھونکا
در چمن بوئے کباب از پئے مستاں لایا

بن مرے سرو ہے کیا موسمِ گل وہ گرچہ
سوئے گلزار بہت سروِ خراماں لایا

سارباں ہو نہ پریشاں کبھی وہ یا رب
جو اُسے بر سرِ دلہائے پریشاں لایا

رشک آیا دلِ خسرو پہ ہے سب کو جب وہ
قلب فتراک میں کچھ کشتۂ خوباں لایا

۲۲۶

ہر کہ را یارے چو تو سرکش بود
کے ز بیمِ تیغ سر درکش بود

مجلسے کانجا بود شمعے چو تو
مرغِ جاں پروانۂ آتش بود

چند گہ بگذار تا می بینمت
تا کہ جانم وامِ تو مہوش بود

گر بہ یک بوسہ لبت نتواں گزید
آں یکے بوسہ بہ جائے شش بود

خسروا گر عاشقی از غم منال
عشق بازاں را دلِ غم کش بود

یار جس کا تجھ سا اک سرکش بنا
جو بھی کچھ اس سے ملا دلکش بنا

شمعِ محفل تھا جہاں بھی تُو وہاں
مرغِ جاں پروانۂ آتش بنا

رہگزر میں تیری جو تھا راہرو
خاک سے تحم تر وہ اے مہ وش بنا

کاٹ تیرا لب لیا بوسے نے جس
ایک وہ بوسہ بجائے شش بنا

کیوں کرے نالہ ہے خسرو اس طرح
کیا نہ دل اس کا ابھی غم کش بنا

۲۲۷

لعلِ شیرینے چوں خنداں می شود
در جہاں شیرینی ارزاں می شود

لعلِ شیریں لب جو خنداں ہو گیا
انگبیں دنیا میں ارزاں ہو گیا

قدِ او ہر گہ کہ جولاں میکند
گوئیا سروِ خراماں می شود

سرو گلزاروں میں پا در گِل ہوئے
سرو قد جب وہ خراماں ہو گیا

پرتوِ رُویش چوں می تابد ز دُور
آفتاب از شرم پنہاں می شود

پرتوئے رخسارِ تاباں دیکھ کر
شرم سے خورشید پنہاں ہو گیا

قصۂ زلفش نمی گویم بہ کس
زانکہ خاطر ہا پریشاں می شود

قصۂ گیسو بیاں جب بھی کیا
سن کے دل ہر اک پریشاں ہو گیا

من نہ تنہا میشوم حیرانِ او
ہر کہ او را دید حیراں می شود

تھا نہ اک میں ہی ہوا حیران جو
جس نے رخ دیکھا وہ حیراں ہو گیا

خسروؔے کز کلکِ گوہر بارِ او
کارِ بے ساماں بہ ساماں می شود

کلکِ گوہر بار سے خسروؔ ترے
کارِ بے ساماں بہ ساماں ہو گیا

۲۲۸

دلم از بخت گہے شاد نبود
جانم از بندِ غم آزاد نبود

یک دم از عمرِ گرامی نگذشت
کاں ہمہ ضایع و برباد نبود

گر بہ بینی دلِ ویرانِ مرا
گوئیا ہیچ گہ آباد نبود

شب ہمی دانم کاو آمد و بس
بیش از خویشتنم یاد نبود

خانہ گلشن شدہ بے منتِ باغ
سرو بود ار گل و شمشاد نبود

ناگہ آہوئے من از دام بہ جست
زانکہ اندازۂ صیاد نبود

خسرو از تلخیِ شیریں دہناں
آنچناں ست کہ فرہاد نبود

قلب الفت میں مرا شاد نہ تھا
بندشِ غم سے یہ آزاد نہ تھا

تھا نہ اک لمحہ میری عمر کا جو
عشق میں ضایع و برباد نہ تھا

دیکھ کر قلبِ حزیں لگتا ہے
گھر یہ جیسے کبھی آباد نہ تھا

اس کی آمد کے علاوہ شب میں
جو ہوا مجھ کو ذرا یاد نہ تھا

سرو سے گھر تھا بنا اک گلشن
کیا ہوا گر گل و شمشاد نہ تھا

دام میں خود ہی گیا دل میرا
اس کو اندیشۂ صیاد نہ تھا

تھی بجا تلخیِ شیریں دہناں
پر یہ خسرو کوئی فرہاد نہ تھا

۲۲۹

گر سخن زاں لبِ چو نوش شود
پستہ را خندہ فراموش شود

ہم سخن جس سے لبِ نوش ہوا
وہ ہوا مست، وہ مدہوش ہوا

در حدیثِ دُرِ دندانت کنم
صدف آنجا ہمہ تن گوش شود

دُرِ دنداں کی حکایت سن کر
صدفِ لب ہمہ تن گوش ہوا

ز آسماں روئے تو گر مہ بیند
بر زمیں افتد و بیہوش شود

ماہ نے جب رخِ جاناں دیکھا
گِر زمیں پر گیا، بے ہوش ہوا

بادہ بر یادِ لبِ شیرینت
ہمہ گر زہر بود نوش شود

جب دیا آنکھ ملا کر تُو نے
زہر بھی میرے لئے نوش ہوا

دل کہ پوشیدہ بہ زلفت پیوست
ترسم از غم کہ سیہ پوش شود

قید ہو کر شکنِ گیسو میں
غم سے دل میرا سیہ پوش ہوا

گر کنی میل بہ سوئے خسرو
شاہ کے ہمدمِ جادوش شود

دیکھ اے خسروِ خوباں کیسا
زار یہ خسروِ غم کوش ہوا

۲۳۰

گر جامِ غم فرستی، نوشم کہ غم نباشد
کانجا کہ عشق باشد، ایں مایہ کم نباشد

سودائے تست در جاں، نقشت درونِ سینہ
حرفے بروں نیفتد تا سر قلم نباشد

من خود فتوح دانم مردن بہ تیغت، اما
بر تیغِ تو چہ گوئی، یعنی ستم نباشد

اے دوست تا نخندی بر پائے لغزِ عاشق
دانی کہ مستِ مسکیں ثابت قدم نباشد

اے بادِ صبحگاہی کآفاق می نوردی
گردیدہ ای نشاں دہ جائے کہ غم نباشد

خسرو تو خود نشینی با عاشقان و لیکن
در صیدگاہِ شیراں سگ محترم نباشد

رہوے کچھ ہم کو پی کر ساقی الم نہیں ہے
الفت میں گرچہ غم کا سرمایہ کم نہیں ہے

دل سے خیال تیرا آئے نہیں ہے باہر
سر جب تلک ہمارا ہووے قلم نہیں ہے

ہم چاہتے ہیں جورِ تیغ مژہ سے مرنا
تیرِ نظر میں گرچہ کچھ کم ستم نہیں ہے

عاشق کی لغزشِ پا پر یوں ہنسو نہ لوگوں
مانا یہ مستِ مسکیں ثابت قدم نہیں ہے

جائے تو جا بجا ہے، اے بادِ صبحگاہی
جا اک بتا وہ ہم کو دکھے جو غم نہیں ہے

خسرو نہ بیٹھ جا کر محفل میں عاشقوں کی
شیروں کی صید گہ میں سگ محترم نہیں ہے

۲۳۱

سروے چو قامتِ تو در بوستاں نباشد
زیرا کہ بوستاں را سروِ رواں نباشد

ہر جا کہ بگذری تو، باشد زیانِ دلہا
در شہر کس نباشد کش زیں زیاں نباشد

چشمت بہ نیم غمزہ صد جاں فروشد، ارے
رخصتِ مقامراں را نرخِ گراں نباشد

گویند، خسروا از عشق خود را چہ فاش کردی
خود رنگِ عشقبازاں از رخ نہاں نباشد

کوئی بھی سرو تجھ سا در بوستاں نہیں ہے
ہیں سرو تو بہت سے سروِ رواں نہیں ہے

کرتا زیاں دلوں کا ہے تو جو اک ادا سے
ہے شہر میں نہ کوئی جس کو زیاں نہیں ہے

بیچے ہے نیم غمزۂ صد جان کے عوض گر
غمزے کا نرخ جاناں، تیرا گراں نہیں ہے

ہے کچھ عجب نہ خسرو افشائے راز تیرا
اسرارِ عشقبازاں رہتا نہاں نہیں ہے

۲۳۲

مارا ز کوئے جاناں عزمِ سفر نباشد
بے عمر زندگانی کس را بسر نباشد

وصفِ دہانِ شیریں میگویم و ندانم
در وصفِ او چہ گویم کاں مختصر نباشد

وصلِ تو بے رقیباں ہرگز نہ شد میسر
بے خار و خس کسے را گل در نظر نباشد

برآہِ دردمنداں خود را اسیر نسازی
کایں تیرِ پُر بلا را سہم از سپر نباشد

بر آستانِ شاہے درویشِ بے نوا را
غیر از درِ گدائی راہِ دگر نباشد

با تو کجا رساند قاصد سلامِ خسرو
جائے کہ محرم آنجا بادِ سحر نباشد

مجھ کو ز کوئے جاناں عزمِ سفر نہیں ہے
بے یار زندگانی ہووے بسر نہیں ہے
وصفِ دہانِ شیریں کرتا میں جب بیاں ہوں
ہوتا کسی طرح سے یہ مختصر نہیں ہے
ہوتا نہیں میسر بے غیر وصلِ جاناں
بے خار پھول کوئی آتا نظر نہیں ہے
آساں نہیں ہے بچنا آہوں سے عاشقوں کی
تیرِ بلا کو ہووے خوفِ سپر نہیں ہے
بر آستانِ شاہی درویشِ بے نوا کو
غیر از درِ گدائی راہِ دگر نہیں ہے
دے کس طرح سے قاصد تجھ کو سلامِ خسرو
محرم بھی جب وہاں پر بادِ سحر نہیں ہے

۲۳۳

دی مست بودہ ام کہ زخویشم خبر نبود
من بودم و دو محرم و یالے دگر نبود

سوزِ دلم بدید و زِ چشمش نمے نریخت
ایں یارِ خانہ سوختہ را ایں قدر نبود

دیوانہ کرد عاشقی و بیدلی مرا
یارب دلم کہ برد، کجا شد، مگر نبود

دوش آمدی و معذرتے گر نکردمت
معذور دار ازانکہ زخویشم خبر نبود

بر من ز روزگار بسے فتنہ میگذشت
چشمت بلا شد، ار نہ بہ جانم خطر نبود

خسرو زبہرِ عشق گذشتہ چہ غم خوری
چوں رفت، گو مباش، اگر بود و گر نبود

ہوں مست اسقدر کہ مجھے کچھ خبر نہیں
یار و عدو میں فرق بھی آتا نظر نہیں

دیکھے ہے جب جلا، وہ جلاتا ہے اور بھی
کچھ خانہ سوختہ کی وہ کرتا قدر نہیں

دیوانگی کرے ہے فزوں، بے دلی مری
ہووے کم آبِ اشک سے سوزِ جگر نہیں

معذور ہوں کہ عذر کے قابل نہیں رہا
بے خود ہوں، خود کی مجھ کو رہی کچھ خبر نہیں

خوگر ہوا ہوں، فتنۂ دوراں کا اس قدر
کچھ آفت و بلا کا رہا اب خطر نہیں

خسرو نہیں تجھے غمِ الفت تو غم نہ کر
پروا نہ کر رہی تجھے پروا اگر نہیں

۲۳۴

یارے کہ بر جدائی اوم گماں نبود
ماہے نہ بود آں کہ شبے درمیاں نبود

بیگانہ وار از سرِ ما سایہ واگرفت
ما را ز آشنائی او ایں گماں نبود

دامانش چوں گذاشت حقِ صحبتِ قدیم
گیرم کہ دستِ ہیچ کشش درمیاں نبود

گل آمد و بباغ رسیدند بلبلاں
واں مرغِ رفتہ را ہوسِ آشیاں نبود

زامیدِ وصل زیستنم بود آرزو
ورنہ فراقِ یار بہ جانے گراں نبود

خسروؔ اگر گلِ تو ز گلزار شد منال
دانی کہ ہیچ گہ چمنِ بے خزاں نبود

ہو جائے گا وہ ہم سے جدا، یہ گماں نہ تھا
ایسا تھا یار، کوئی عدو درمیاں نہ تھا

بیگانگی سے دُور رہے گا وہ آشنا
خواب و خیال میں بھی ہمیں یہ گماں نہ تھا

دامن ہمارے ہاتھ سے کیوں چھٹ گیا ترا
دستِ جفا کسی کا اگر درمیاں نہ تھا

سبزہ تھا، گل تھے، باغ میں بلبل ہزار تھے
لیکن یہ مرغِ رفتہ سرِ آشیاں نہ تھا

امیدِ وصل دل میں رہی وقتِ مرگ بھی
جاں پر غمِ فراق اگرچہ گراں نہ تھا

خسروؔ نہ رو کہ گل ترا آ کر چلا گیا
اس خاکداں میں کوئی چمن بے خزاں نہ تھا

۲۳۵

دی زخمِ ناخنش بہ رخِ چوں سمن چہ بود
واں درہمی بہ سلسلۂ پُر شکن چہ بود
آلودۂ خمار چرا بود نرگسش
پژمردگیش در گل و در نسترن چہ بود
آں لحظہ کامد ار نہ فرشتہ ست یا پری
گاہِ نظارہ مُردنِ ہر مرد و زن چہ بود
خونِ من و مئے دگراں گر نخوردہ بود
آں رنگِ خون و بوئے میش در دہن چہ بود
کُشتن صلاح بود چو رسوا شدیم ازانک
تدبیرِ پردہ پوشیِ ما جز کفن چہ بود
دوش آں زماں کہ رفت ز پیشِ تو خسروا
چوں ماند جان و دل چہ شد و حالِ تن چہ بود

دنداں کا زخم بر رخِ رشکِ سمن ہے کیوں
آشفتگی یہ سلسلۂ پُر شکن ہے کیوں
آلودۂ خمار ہے نرگس کیوں باغ میں
پژمردگی یہ برگِ گل و نسترن ہے کیوں
ہے جبکہ وہ دل آرا و دلدار و دل فزا
گاہِ نظارہ مقتلِ ہر مرد و زن ہے کیوں
مے دوسروں کی خون مرا گر پیا نہیں
یہ رنگ و بوئے بادہ و خوں در دہن ہے کیوں
خواری کے خوف سے جو کیا قتل ہے مجھے
اے عیب پوش لاش مری بے کفن ہے کیوں
آزار گر نہ عشق ہے خسروؔ، تو اس قدر
تُو نیم جان و خستہ دل و زار تن ہے کیوں

۲۳۶

دل در ہوایت، اے بتِ عیار جاں دہد
چو بلبلے کہ دُور ز گلزار جاں دہد

از رشکِ زلفِ غالیہ سائے تو ہر شبے
گر جاں بوَد، بہ نافۂ تا تار جاں دہد

ابرو دوتا شدہ ست برآں چشمِ پُرخمار
چو مشفقے کہ بر سرِ بیمار جاں دہد

اے ناخدا ترس، برآں خستہ رحم کن
کز شوقِ آں دو لعلِ شکر بار جاں دہد

یا رب تو جاں بہ سروِ سہی دہ کہ در چمن
ہر لحظہ پیشِ آں قد و رفتار جاں دہد

خسروؔ بہ غمزۂ تو دہد جاں چنانکہ کس
بر دستِ شحنگانِ ستمگار جاں دہد

فرقت میں میں نے اے بتِ عیار جان دی
بلبل کی طرح بے گل و گلزار جان دی

گیسوئے مشک بیز پہ رشک آیا اس قدر
میں نے برائے نافۂ تا تار جان دی

ابرو نے دیکھ کر تری مخمور چشم کو
مشفق کی طرح بر سرِ بیمار جان دی

کر رحم قلب پر مرے، اے ناخدا ترس
اس نے بہ شوقِ لعلِ شکر بار جان دی

اے سروِ نازنیں ترے عاشقِ زار نے
ہر لحظہ پیشِ قامت و رفتار جان دی

کس طرح دیکھ، غمزۂ غماز پر ترے
خسروؔ نے اے نگارِ ستمگار جان دی

۲۳۷

باز آں سوارِ مست بہ نخچیر میرود
دستم ز کار و کار ز تدبیر میرود

اے کاشکے کہ بر دلِ خونینِ من رسد
آں تیرِ او کہ بر دلِ نخچیر میرود

نقاشِ چیں بہ قبلۂ محرابِ ابرویش
از بہرِ تو بہ کردنِ تصویر میرود

ہر ساعتے کہ می گذرد قامتش بہ دل
گویا کہ در درونۂ من تیر میرود

دیوانہ شد دلم، رہِ زلفِ تو بر گرفت
مسکیں بہ پائے خویش بہ زنجیر میرود

نزدیک شد ہلاکتِ خسروؔ ز دوریت
در کارِ او ہنوز، چہ تقصیر میرود

میں اس سوارِ مست کا نخچیر ہو گیا
یہ کام بھی مطابقِ تدبیر ہو گیا

آیا شکار کے لئے ابرو کماں وہ جب
آباد و شادماں دلِ نخچیر ہو گیا

تصویرِ یار دیکھ کے نقاشِ چین بھی
حیران بیش، صورتِ تصویر ہو گیا

مخمور چشم نے تری ڈالی اگر نظر
ہر دل کے پار ایک ترا تیر ہو گیا

دیوانگی تو دیکھ کہ خود قلب زلف میں
جا کر اسیرِ حلقۂ زنجیر ہو گیا

لاچار ہجر میں ہوا خسروؔ کچھ اس طرح
مشہور اس کا قصۂ دل گیر ہو گیا

۲۳۸

کارے ست در سرم که به ساماں نمی شود
دردے ست در دلم که به درماں نمی شود

می کن بناز خنده که دیوانه تر شوم
دیوانگیِ من چوں به پایاں نمی شود

رخسار می نمائی که خوش لذتے ست آنکه
جاں کندنت ز دیدنت آساں نمی شود

جانم فدائے نرگسِ او باد ہر زماں
خوں می کند ہزار و پشیماں نمی شود

دل را ز عشق چند ملامت کنم که ہیچ
ایں کافرِ قدیم مسلماں نمی شود

خسرو که ہست سوخته و خام سوزِ عشق
آتش زنش که پخته و بریاں نمی شود

الفت میں درد کا کوئی درماں نہیں ہوا
کوئی مرا سا بے سر و ساماں نہیں ہوا

دارو نہ کارگر ہوئی، نے پند، نے دعا
دیوانگیِ عشق کا پایاں نہیں ہوا

دل کو تھی آرزو ترے دیدار کی، ولے
آنکھوں کو دیکھنا تجھے آساں نہیں ہوا

صد جاں فدائے دیدۂ جاناں کہ وہ کبھی
کر خون دل ہزار، پشیماں نہیں ہوا

کی ہے ملامتِ دلِ شیدا بہت، ولے
یہ کافرِ قدیم مسلماں نہیں ہوا

خسرو ہے خام سوز کچھ ایسا کہ عشق کی
آتش سے بھی وہ پختہ و بریاں نہیں ہوا

۲۳۹

بر من کنوں کہ بے تو جہاں تیرہ فام شد
اے شمعِ جاں درآی کہ روزم بہ شام شد

تو خوش بہ ناز خفتہ کہ عیشت حلال باد
مسکیں کسے کہ خواب بہ چشمش حرام شد

ہر مرغ شاد باگل و ہر سرو در چمن
بیچارہ بلبلے کہ گرفتارِ دام شد

ناز و کرشمۂ کہ کنی ہر دم اے صبا
می زیبدت کہ بپیشِ تو سلطاں غلام شد

بدنامی است عشقِ بتاں دُور بہ زما
آں عاشقے کہ دُور زما نیک نام شد

خسرو کہ زیست باہمہ خوباں بہ توسنی
اینک بہ نیم چابکِ عشقِ تو رام شد

تیرے بدوں جہان مرا تیرہ فام ہے
اے شمعِ جان آ کہ ہوئی دن میں شام ہے

تجھ کو حلال عیش ہے سوتا ہے ناز سے
رہتا میں جاگتا ہوں کہ سونا حرام ہے

ہر مرغ شاد باگل و ہر سرو در چمن
بیچارہ مرغِ دل کہ گرفتارِ دام ہے

کس سے یہ ناز سیکھ لیا تُو نے اے صبا
بندہ بنا ہے شہ ترا سلطاں غلام ہے

بدنام ہم ہیں عشق میں، زاہد پرہیز کر
رہ کر تُو ہم سے دُور بنا نیک نام ہے

خسرو بنا ہے توسنِ خوباں جب سے اک
کیسا ہوا وہ چابکِ الفت سے رام ہے

۲۴۰

یارے کش از کرشمۂ خوبی نشاں بوَد
از وے وفا مجوی کہ نامہرباں بوَد

زانجا کہ ہست خندۂ گل بلبلِ خراب
برحق بوَد کہ عاشقِ روئے چناں بوَد

نزدیکِ دل بوند بتاں واں کہ ہمچو تست
نزدیکِ دل مگوی کہ نزدیکِ جاں بوَد

خاموشیش حکایتِ حال است گوش دار
عاشق کہ در حضورِ رُخت بے زباں بوَد

گفتی کہ نالہ ہائے فلاں گوشِ من ببرد
آخر چنیں چرا ہمہ شب در فغاں بوَد

عمداً جدا مباش کہ در جانِ خسروی
گر خود ہزار سالہ رہ اندر میاں بوَد

جس یار کا کرشمۂ خوبی نشان ہے
اس سے وفا نہ مانگ، وہ نامہربان ہے

جائز ہے گل کو دیکھ کے فریاد گر کرے
بلبل جسے کہ الفتِ روئے جوان ہے

رہتا ہے جان بوجھ کے جو دُور ایک بت
نزدیکِ جسم گر نہیں، نزدیکِ جان ہے

اس کی کرے بیان حکایت ہے خامشی
تیرے حضور میں جو رہے بے زبان ہے

اس کا بیانِ حالِ دلِ زار سن۔ کبھی
کرتا جو رات بھر ترے کُو میں فغان ہے

خسروؔ سے توڑ مت کبھی، اے جانِ خسروی
جو ربط اس کے اور ترے درمیان ہے

۲۴۱

تُرکے و خوبروئے، کسے کیں چنیں بوَد
نبوَد عجب اگر دلِ او آہنیں بوَد

مائیم و خواب ہائے پریشاں تمام شب
خوش وقت آنکہ باچو توئے ہمنشیں بوَد

پیرایۂ گلو بوَد از دستِ دوست تیغ
وآں خوں کزو چکد، عَلمِ آستیں بوَد

اے مستِ ناز، جرعۂ خود را بہ روئے خاک
مفگن کہ پای لغزِ بزرگانِ دیں بوَد

شد جانِ صد ہزار چو مَن در سرِ لبت
آرے، بلائے مور و مگس انگبیں بوَد

یارب چگونہ خواب کند آنکہ خسروا
ہر شب ہزار یار بشش اندر کمیں بوَد

وہ تُرک اک جو سیم تن و مہ جبین ہے
کیا ہے عجب کہ قلب رکھے آہنین ہے

ہم کو ہیں خواب ہائے پریشاں تمام شب
ہر وقت خواب اس کا مگر شکرین ہے

ہے تیغ دستِ یار میں پیرایۂ گلو
ٹپکے ہے خون جو، عَلمِ آستین ہے

پھینکے ہے ایک جرعہ جو ساقی زمین پر
لغزاں کرے وہ پائے بزرگانِ دین ہے

ہیں جانِ صد ہزار فدائے لب و دہن
ایسی بلائے مور و مگس، انگبین ہے

خسروؔ کو نیند کس طرح آئے، بتائیے
آفت تمام شب جو رہے درکمین ہے

۲۴۲

شوخی نگر کہ آں بتِ عیار می کند
دل را بہ بندِ زلف گرفتار می کند

ہر دم بہ شیوۂ ز کسے می بَرد دلے
در حلقہ ہائے زلف نگوں سار می کند

دشمن دریغ بود کہ رہ یافت پیشِ دوست
حیف است گل کہ ہمدمِ خار می کند

انکارِ عشقبازیِ ما می کنند خلق
ما خاکِ آں کسیم کہ ایں کار می کند

تا دید شیخ رونقِ بازارِ عاشقاں
ہر بامداد خرقہ بہ بازار می کند

جز عقلِ عاقلاں نکند صید چشمِ تو
مست است و قصدِ مردمِ ہشیار می کند

درخوردِ دوست نیست نثارِ سرِ ترا
خسرو سرے کہ دارد ایثار می کند

شوخی بہت وہ اک بتِ عیار کر گیا
دل کو بہ بندِ زلف گرفتار کر گیا

لے کر مرے وہ دل کو بصد نازش و ادا
در حلقہ ہائے زلف نگوں سار کر گیا

ایسی عدو نے راہ دلِ دلربا میں کی
گل سے وہ بیش ہمدمِ خار کر گیا

انکارِ عاشقی نہ کوئی کر سکا کبھی
ایسا یہ کارِ عاشقِ بیکار کر گیا

صوفی بہ رشکِ رونقِ بازارِ عاشقاں
نیلام دلقِ صوف بہ بازار کر گیا

دیدہ کرے نہ صید جو جز عقلِ عاقلاں
وہ سب ہلاک مردمِ ہشیار کر گیا

تھا لائقِ نثار نہ خسرو کا سر دلے
در پر وہ یار کے اُسے ایثار کر گیا

۲۴۳

چوں آں بت از سرِ کو باہزار ناز برآید
زخلق ہر طرفے آہِ جاں گداز برآید

زتند بادِ جگر ہا مرا درونہ بلرزد
گلے کہ بر سرِ آں سروِ سرفراز برآید

بہ یادِ آں قد و قامت سرشکِ لعلِ دو چشم
بہ ہر زمیں کہ بریزد، درختِ ناز برآید

عجب مدار ز بارانِ عشق و تخمِ محبت
چو سبزہ از گلِ محمود، اگر ایاز برآید

نماز نیست مرا جز بسوئے بت نہ ہمانا
کہ کارِ خسروِ گمرہ ازاں نماز برآید

اگر وہ بت سرِ کوُ باہزار ناز آئے
نکل کے دل سے ہر اک آہِ جاں گداز آئے

بہ تند بادِ جگر ہا مجھے ہے ڈر کہ کہیں
نہ بادیہ بسرِ سروِ سرفراز آئے

کہیں گرے جو مری آنکھ سے سرشکِ خوں
زمیں سے ایک نکل کر نہالِ ناز آئے

نکل کے خاک سے محمود صوتِ نرگس
عجب نہیں کہ بہ نظارۂ ایاز آئے

پڑھے نماز نہ جز سوئے بت ہے گر خسرو
ہو خوب، کام محبت میں یہ نماز آئے

۲۴۴

چون تُرکِ مستِ من آلودۂ شراب در آید
زشورِ او نمکے در دلِ کباب در آید

لبش اگر گُشدم در سوالِ بوسۂ ترسم
ولیک غمزہ مبادا کہ در عتاب در آید

کج است تیرِ مژہ، راست می زنی بہ دلِ من
کہ تیرِ کج چوں بہ آتش رسد بہ تاب در آید

زبہرِ دیدنِ ہندوستانِ زلفِ تو ہر شب
بیا ببیں کہ ز سیلابِ چشم آب در آید

زگریہ در غمِ رویت بہ چشمِ خسروِ بیدل
نماند آب اگر، بو کہ خونِ ناب در آید

جو تُرکِ مست وہ آلودۂ شراب آیا
طفیلِ شورِ نمک در دلِ کباب آیا

سوالِ بوسۂ لب اس سے گر کیا میں نے
ہزار ناز سے کرنے کو وہ عتاب آیا

مژہ کا تیر ہے کج، مت اسے چلا دل پر
کہ تیرِ کج جو بہ آتش گیا بہ تاب آیا

بہ یادِ کاکلِ ہندوئے یار فرقت میں
بجوشِ چشم کی گنگا میں سیلِ آب آیا

شبِ فراق میں رونے سے چشمِ خسرو میں
رہا نہ آب تو بہنے کو خونِ ناب آیا

۲۴۵

ہجے گذشت کہ چشم خبر ز خواب ندارد
مرا شبے ست سیہ رُو کہ ماہتاب ندارد

بہ جانِ دوست کہ مردہ ہزار بار بہ از من
کہ یارے از دلِ بد خوئے من عذاب ندارد

تو اے کہ با مہِ من خفتہ ای بہ ناز شبت خوش
منم کہ روزِ مرادِ من آفتاب ندارد

چہ گومیت کہ بخواہم بس است دیدنِ رُویت
مخند بیہدہ بر بیدلے کہ خواب ندارد

نہ عقل ماند نہ دانش، نہ صبر ماند و نہ طاقت
کسے چنیں دلِ بے چارۂ خراب ندارد

زحالِ خسرو پرسی، چہ پرسیش کہ ز حیرت
بہ پیشِ روئے تو جز خامشی جواب ندارد

بہت دنوں سے مری آنکھ میں جو خواب نہیں
شبِ سیاہ میں نکلے ہے ماہتاب نہیں

بجانِ یار کہ بہتر ہے مجھ سے اک مردہ
کہ اس پہ وہ کرے نازل کوئی عذاب نہیں

عدو ہے ایک کہ سوتا ہے مہ کے ساتھ بہ شب
ہوں ایک میں کہ مرے دن میں آفتاب نہیں

نہ کہہ کہ دیکھنا کافی ہے خواب میں مجھ کو
نہ اُس پہ ہنس کہ جسے کچھ مجالِ خواب نہیں

رہی نہ عقل، نہ دانش، نہ صبر کی طاقت
کسی کے پاس مرا سا دلِ خراب نہیں

نہ پوچھ حالتِ خسرو کہ دے سکے ہے وہ
ترے حضور میں جز خامشی جواب نہیں

۲۴۶

زگشت مست رسید و بہ ہوشِ خویش نبود
دلم ز صبر بسے لاف زد و لیش نبود

زدند راہِ دلم آہوانِ بے انصاف
کہ از ہزار خدنگش یکے بہ کیش نبود

بصد ہزار دلش عاشقاں خریدارند
بہائے یوسف اگر ہفدہ قلب بیش نبود

نمک بہ ریشِ من اے پارسا مزن از پند
بہ شکرِ آنکہ دلت ہیچگاہ ریش نبود

چوں وصل می طلبی خسروا ز بلا مگریز
کہ در جہاں عسلے بے گزندِ نیش نبود

رہا میں دیکھ کے تجھ کو بہ ہوشِ خویش نہ تھا
قرار کم تھا بہت دل میں، صبر بیش نہ تھا

کمان دار غزالاں تھے جا بجا رہزن
ہزار تیر تھے لیکن کوئی بہ کیش نہ تھا

ہزار دل سے خریدار ہر زلیخا تھی
بہائے یوسفِ کنعاں اُسے یہ بیش نہ تھا

بہت وہ پند سے واعظ نمک چھڑکتا تھا
کہ اس کا قلب ہوا عاشقی سے ریش نہ تھا

گلہ گزند کا تھا عشق میں کیوں جب خسرو
عسل کسی کو ملا بے گزندِ نیش نہ تھا

۲۴۷

شبے برآمد و از ماہِ من خبر نرسید
نسیمے از سرِ آں زلفِ تازہ تر نرسید

کدام دیدۂ خونبار شد عنا گیرش
کہ دُور ماندۂ من ہیچ ازاں سفر نرسید

بسوختم بہ شبِ ہجر و کُنجِ تنہائی
کہ کس ز حالِ منِ مستمند بر نرسید

گذشت بر دلم اندوہِ صد ہزار قیاس
ہنوز ایں شبِ ہجرِ مرا سحر نرسید

بصد دعا نظرے خواست در رخش خسروؔ
در انتظار بمرد و بداں نظر نرسید

شبِ فراق میں مہ کی مرے خبر نہ ملی
نسیمِ عاطرِ گیسوئے تازہ تر نہ ملی

ضرور کوئی عنا گیر تھا رقیب وہاں
اسے جو فرصتِ پرسش دروں سفر نہ ملی

جلا کیا میں شب و روز سوزِ فرقت سے
بیانِ غم کی اجازت مجھے مگر نہ ملی

پھرا میں ڈھونڈتا فرقت کی شب ستاروں میں
افق کے دشت میں لیکن مجھے سحر نہ ملی

رہا میں دیکھتا ہر بزم میں ولے خسروؔ
مری نظر سے کہیں یار کی نظر نہ ملی

۲۴۸

گل رسید و ہر کسے سوئے گلستاں میرود
در چمن ہا ہر طرف سروے خراماں میرود

عاشقاں گریان و مستِ ما کہ نوشش باد مے
مے بکف سوئے چمن در عینِ باراں میرود

کوریِ آں دیدۂ محروم باز آں نازنیں
بر بساطِ نرگسِ تر مست و غلطاں میرود

گر چمن خواہی و فردوس انیک انیک سوئے دوست
خلقِ آوارہ کجا در باغ و بستاں میرود

اے کہ ساماں جوئی از من کے بود ثابت قدم
مستِ بیچارہ کہ پائے او پریشاں میرود

خسروا در خاک آسانی تپیدن دوزنیست
ہست دشوار آنکہ او از دل نہ آساں میرود

فصلِ گل میں جو ہر اک سوئے گلستاں جائے ہے
دیکھنے کو وہ مرا سروِ خراماں جائے ہے

عاشقاں گریان و یارِ مستِ من غمزہ کناں
مے بکف سوئے چمن در عینِ باراں جائے ہے

دیکھ تو اے دیدۂ محروم کیسے گل مرا
بر بساطِ نرگسِ تر مست و غلطاں جائے ہے

روضۂ فردوس جب ہے کوچۂ دلدار میں
خلقِ آوارہ یہ کیوں در باغ و بستاں جائے ہے

کس طرح ثابت قدم ہو راہِ الفت میں تری
مستِ بیچارہ کہ جو غلطان و لغزاں جائے ہے

مشکلیں گرچہ بہت خسرو ہیں راہِ عشق میں
آخراً عاشق کی ہر مشکل ہو آساں جائے ہے

۲۴۹

دلِ مرا چوں ز روئے تو یاد می آید
ہزار شادی در دل زیاد می آید

تو پائے خویش فراموش کردہ ای از حسن
کجات از منِ سرگشتہ یاد می آید

غمِ تو در دلم آتش نہاد و از لعلت
صد آتشِ دگر اندر نہاد می آید

سوادِ چیں شدہ زلفینِ تو کہ ہر سحرم
نسیمِ مشک فشاں زاں سواد می آید

مرادِ سینۂ خسرو توئی و روئے ترا
ہر آں صفت کہ کنم بر مراد می آید

کچھ اس طرح سے کبھی دل میں یاد آئے ہے
کہ رنج کم کم و شادی زیاد آئے ہے

کیا ہے حسن نے مغرور اس قدر کہ تجھے
ذرا یہ عاشقِ خستہ نہ یاد آئے ہے

تھی کم نہاد میں کیا آگ لب سے جو تیرے
صد آتشِ دگر اندر نہاد آئے ہے

سوادِ زلف میں ہے مشک اسقدر کہ صبا
لئے ہزار وہ مشکیں سواد آئے ہے

مرادِ سینۂ خسرو ہے تو و روئے تو
اگرچہ بر نہ کبھی یہ مراد آئے ہے

۲۵۰

بیا نظارہ کن، اے دل کہ یار می آید
زبہرِ بردنِ جانِ فگار می آید

فراز مرکبِ نازو سوار در عقبش
ہزار شیفتۂ بے قرار می آید

زمستی ارچہ بہ ہر سوی می فتد، لیکن
زبہرِ بردنِ دل ہوشیار می آید

چہ گردہا کہ برآورد باشد از دلہا
کہ فرق تا بقدم پُر غبار می آید

مکن بہ سروِ سہی نسبتِ درختِ قدش
زسرو کے گل و غنچہ بہ بار می آید

کنوں بنال بہ زاری چو بلبلاں خسروؔ
کہ بہرِ نالۂ بلبل بہار می آید

ہو شادماں تُو اے دل کہ یار آتا ہے
نکالنے کو وہ جانِ فگار آتا ہے

فرازِ مرکبِ نازو سوار پے در پے
ہزار شیفتہ و بے قرار آتا ہے

اگرچہ مست ہے وہ بیش، لوٹنے کے لئے
دلِ حزیں کو، بہت ہوشیار آتا ہے

نہ بچ سکا جو کسی طور گردِ دلہا سے
تو سر سے پاؤں تلک پُر غبار آتا ہے

کبھی نہ سرو سے کر نسبتِ قدِ جاناں
بہ سرو کب گل و غنچہ بہ بار آتا ہے

تو کُر سکے بھی فغاں جس قدر کر اے خسروؔ
کہ بہرِ زار ہی دورِ بہار آتا ہے

۲۵۱

سپیدہ دم کہ جہانے زخواب برخیزد
نقابِ شب ز رخِ آفتاب برخیزد

ز بادِ صبح کہ بر اوجِ آسماں گذرد
ز روئے شاہدِ مشرق نقاب برخیزد

رود بہ راہِ رہاوی ربابِ مطربِ صبح
حریفِ خفتہ ز بانگِ رباب برخیزد

خوش آں کسے کہ نشیند بہ بادہ وقتِ سحر
نمازِ خفتن مست و خراب. برخیزد

کجاست ساقیِ بیدار بخت و خواب آلود
کہ بہرِ دادنِ جامِ شراب برخیزد

بہ آفتاب بگوئید، برنیاید تا
ز خوابِ خوش ملکِ کامیاب برخیزد

کجاست خسروِ شب زندہ داشتہ کہ بہ صبح
بدست کردہ دلے چوں کباب برخیزد

صبح. صبح کہ زمانہ زخواب اٹھے ہے
نقابِ شب ز رخِ آفتاب اٹھے ہے

بہ بادِ صبح جو بر اوجِ چرخ جائے ہے
ز روئے شاہدِ مشرق نقاب اٹھے ہے

نوائے مطربِ رقاصۂ فلک سن کر
حریفِ خفتہ بہ بانگِ رباب اٹھے ہے

جو چاہتا ہے کرے نوش صبح دم بادہ
اٹھے اگر ہے تو مست و خراب اٹھے ہے

کدھر ہے ساقیِ بیدار بخت و خواب آلود
جو بہرِ گردشِ جامِ شراب اٹھے ہے

کہو مہر سے نہ نکلے کہ صبح دم جلدی
نہ خواب سے ملکِ کامیاب اٹھے ہے

کبھی جو بزم میں جاتا ہے یار کی خسرو
دلِ حزیں کو بنا کر کباب اٹھے ہے

۲۵۲

دلے کہ نرگسِ مستش بہ ناز بستاند
کراست زہرہ کزاں حیلہ ساز بستاند
خوشا جوانی و مستیِ من دراں ساعت
کہ من پیالہ دہم، او بہ ناز بستاند
بر آستانش برم آبِ دیدہ را بہ نیاز
مگر کہ تحفۂ اہلِ نیاز بستاند
کسے کہ دل زخمِ زلفِ او بروں آرد
کبوترے ست کہ از چنگِ باز بستاند
بسوخت خسرو در آتشِ غمت بگداخت
مراد از تو بہ سوز و گداز بستاند

دل اک بجسے تری نرگس بہ ناز لیوے ہے
ملے نہ پھر کہ وہ اک حیلہ ساز لیوے ہے
خوشا جوانی و مستی مری کہ دیتا ہوں
میں جب بھی جام اسے، وہ بہ ناز لیوے ہے
زہے نصیب، مرے آبِ چشم کو وہ اک
سمجھ کے تحفۂ اہلِ نیاز لیوے ہے
کوئی جو دل کو خمِ زلف سے نکالے ہے
کبوتر ایک وہ از چنگِ باز لیوے ہے
ملے ہے عشق میں سوزش، گلہ نہ کر خسرو
جو دل ترا وہ بسوز و گداز لیوے ہے

۲۵۳

کدام شب کہ ترا در کنار خواہم کرد
بِنائے خانۂ عمر استوار خواہم کرد

کدام روزِ منِ بے قرارِ بے ساماں
بہ زیرِ پائے تو آخر قرار خواہم کرد

بہ آبِ دیدہ، نگارا کفت نخواہم شُست
بہ خونِ دل کفِ پایت نگار خواہم کرد

دلم کہ تختہ شد از دستِ غم چو آئینہ
نگاہ دار کہ ناگہ فگار خواہم کرد

حدیثِ عشقِ تو بسیار داشتم پنہاں
زحد گذشت، کنوں آشکار خواہم کرد

اگر تُو شب میں کبھی ہم کنار ہو جائے
بِنائے خانۂ عمر استوار ہو جائے

ہو زیرِ پا جو دلِ بے قرارِ بے ساماں
اسے سکون ملے، با قرار ہو جائے

بچھائی آنکھ ہے رہ پر ولے ہے ڈر کہ بہ خوں
نہ پاؤں پر ترے نقش و نگار ہو جائے

نہ اس قدر دے اسے غم کہ فکر ہے مجھ کو
فگار دل نہ کہیں اور فگار ہو جائے

تُو دیکھ غمزۂ غماز سے ترے، اے جاں
نہ رازِ عشق کہیں آشکار ہو جائے

۲۵۴

به بختِ آنکه به موئے تو راه خواہم کرد
ز خواب یا به خیالت نگاه خواہم کرد

چوں ہیچ قصۂ شبہائے مات باور نیست
کنوں ستاره و مه را گواه خواہم کرد

بپوشش چشمِ من و آبِ دیدگاں امروز
که من نظارۂ آں کج کلاه خواہم کرد

گذر چه میکنی آخر به سویم، اے ساقی
مکن که توبۂ عمرم تباه خواہم کرد

ز بہرِ آنکه ببینم برابرت سایه
ز دُودِ سینه جہانے سیاه خواہم کرد

جفا که میرود امشب ز ہجر بر خسرو
حکایت ار بزنم صبحگاه خواہم کرد

بصد فغاں میں اُس دل میں راہ کرتا ہوں
ہزار جان فدائے نگاہ کرتا ہوں

کرے یقیں ہے نہ جب وہ حدیثِ ہجراں کا
مہ و ثریا و پرویں گواہ کرتا ہوں

اے دوستوں، مری آنکھوں سے پونچھ دو آنسو
کہ میں نظارۂ یک کج کلاہ کرتا ہوں

نہ جا پرہیز پہ اور دیکھ ساقیا کیسے
امیدِ مے پہ میں توبہ تباہ کرتا ہوں

سیاہیِ شبِ ہجراں کو دیکھ کر اپنی
بہ دُودِ سینہ جہاں کو سیاہ کرتا ہوں

شبِ فراق میں کوئی سنے اگر خسرو
بیانِ جور سے میں صبحگاہ کرتا ہوں

۲۵۵

اگرچہ با تو حدیثِ جفا بخواہم کرد
ولیک، تا بتوانم وفا بخواہم کرد

من ایں بلا ہمہ از دیدہ دیدہ ام او را
بہ نا نمودنِ رویت سزا بخواہم کرد

بہ راہِ وصل، بہ یک بوسہ جاں بخواہم یافت
ولیک وقتِ شمردن ادا بخواہم کرد

خطاست بوسہ زدن بر لبِ دہانِ تو لیک
تو خواہ تیغ بزن، من خطا بخواہم کرد

ہر آں نماز کہ ناکردہ ماند پیشِ بتاں
اگر خدای بخواہد قضا بخواہم کرد

وَ اِن یَکاد بہ روئے نکو بخواہم خواند
کہ بہرِ دیدۂ بد، ہم دعا بخواہم کرد

چوں دل برفت ز خسرو چہ سود بند صبر
چوں دل بیامد، وقفِ شما بخواہم کرد

بیان گرچہ حدیثِ جفا ہے کی میں نے
نہ کم کسی سے جہاں میں وفا ہے کی میں نے

بلائیں شوق سے لی ہیں، ملی ہیں جو کچھ بھی
قبول عشق میں ساری سزا ہے کی میں نے

بہ راہِ وصل، بہ یک بوسہ جاں پڑی دل میں
پر اس کی، ہجر میں قیمت ادا ہے کی میں نے

لب و دہن کو ترے چومنا خطا ہے اگر
تُو قتل کر مجھے بیشک خطا ہے کی میں نے

نمازِ عشقِ بتاں ہیں، جو فرض تھی مجھ پر
کبھی نماز نہ ایسی قضا ہے کی میں نے

وَ اِن یکاد میں پڑھتا ہوں دیکھ کر تجھ کو
کہ بہرِ دیدۂ بد، ہر دعا ہے کی میں نے

بہ یک کرشمہ فدا جان و دل ہیں سب، خسرو
متاع ہے پاس جو وقفِ ادا ہے کی میں نے

۲۵۶

شب اوفتاد و غمم باز کار خواہد کرد
دو چشمِ تیرہ ستارہ شمار خواہد کرد

چوں یار دید کہ قصدِ رقیب دارم گفت
گدا نگر کہ بہ سگ کارزار خواہد کرد

خیالِ یار گذر کرد ایں طرف، اے صبر
بیا کہ باز مرا بیقرار خواہد کرد

گزیر نیست ز تو، ہر جفا کہ ہست، بکن
کہ بندہ ہر چہ بوَد، اختیار خواہد کرد

مگو حکایتِ او اے رقیبِ بد، چندیں
کہ در دلم ہمہ شب خار خار خواہد کرد

بہ عشق مرد شود کُشتہ، ویں ہنر خسروؔ
اگر حیات بوَد، مردوار خواہد کرد

خراب دل کو بہت غم کا بار کرتا ہے
دو چشمِ تیرہ ستارہ شمار کرتا ہے

وہ دیکھ کر مجھے لڑتا رقیب سے بولا
فقیر سگ سے یہ کیوں کارزار کرتا ہے

اے صبرؔ آ کے مدد کر کہ آج شب مجھ کو
خیالِ یار بہت بیقرار کرتا ہے

رہا نہ عشق میں تھا اختیار جس دل کو
غم اس کو اور بھی بے اختیار کرتا ہے

کرے ہے خار سے جب گل مرا شناسائیُ
بہت وہ دل کو مرے خار خار کرتا ہے

اگرچہ لاغر و کمزور ہے بہت خسروؔ
کرے وہ کچھ بھی ہے جو مَردوار کرتا ہے

۲۵۷

منم کہ تا زیَم از عشق مست خواہم بود براہِ خوباں چو خاک پست خواہم بود	ہوا ہے جب سے مجھے عشق، مست رہتا ہوں روش میں گرد کی مانند پست رہتا ہوں
چوں عقل از سرِ تقویٰ ز دست رفت کنوں شراب در سر و ساغر بدست خواہم بود	پرہیز و عقل سے کرتا پرہیز ہوں، واعظ شراب در سر و ساغر بدست رہتا ہوں
ببرد حسنِ بتاں دینم، اے مسلماناں چو ہندواں، پس ازیں بت پرست خواہم بود	لیا بتوں نے ہے دیں جب سے، اے مسلمانوں میں بن کے دیر میں اک بت پرست رہتا ہوں
صلاحِ کاہشِ جان است، عشق خواہم باخت فسادِ لذتِ عیش است مست خواہم بود	صلاح صدمۂ جاں ہے میں عشق کرتا ہوں فساد لذتِ عشرت ہے، مست رہتا ہوں
چوں خوردہم بہ ازل جامِ عاشقی خسروؔ ہمیشہ مستِ شرابِ الست خواہم بود	ازل میں پی ہے مئے عاشقی جو، اے خسروؔ مدام مستِ شرابِ الست رہتا ہوں

۲۵۸

صبا ز زلفِ تو بوئے بہ عاشقاں آورد
نسیمِ آں بہ تنِ رفتہ باز جاں آورد

ہزار جاں سزد از مژدہ گر بہ باد دہند
کہ نزدِ دلشدگاں بوئے دلستاں آورد

خبر ز چینِ سرِ زلفِ مشکبوئے تو داد
صبا چوں از دلِ گم گشتہ ام نشاں آورد

ہزار بوسہ لبم زد ز شوق بر دہنم
ازانکہ نامِ دہانِ تو بر دہاں آورد

بہ شستِ ہجرِ تو بر جانِ بے قرارم زد
ہر آں خدنگ کہ ایام در کماں آورد

کسے بہ قربتِ تو دست یافت چو خسروؔ
کہ رُو سوئے تو، ولے پشت بر جہاں آورد

نسیمِ زلف کی بو جب بہ عاشقاں لائی
تنِ نحیف میں پھر ڈالنے کو جاں لائی

ہزار جانِ گرامی فدائے باد کہ وہ
برائے دل شدگاں بوئے دلستاں لائی

وہ لے کے آئی خبر پیچِ زلفِ مشکیں کی
صبا جو گم شدہ دل کا مرے نشاں لائی

دئیے لبوں نے دہن کو ہزار بوسے خود
زبان جب بھی ترا نام بر دہاں لائی

چلائے ہجر نے میرے دلِ حزیں پر سب
بلا کے تیر جو تقدیر در کماں لائی

کرے ہے ناز بہت اس نماز پر خسروؔ
جو رُو سوئے تو، ولے پشت بر جہاں لائی

۲۵۹

چوں خطِ سبزِ تو بر آفتاب بنویسند
بہ دُودِ دل سبقِ مشکناب بنویسند

حدیثِ لعلِ رواں پرورِ تو میخواراں
بہ دیدہ بر لبِ جامِ شراب بنویسند

معیّن است کہ طوفاں دگر پدید آید
چوں نامِ دیدۂ ما بر سحاب بنویسند

محررانِ فلک شرحِ آہِ دلسوزم
بہ یک رسالہ کہ بر ہفت باب بنویسند

سزد کہ بر رخِ خسروؔ قلم زنانِ سرشک
دعائے خسروِ عالی جناب بنویسند

جو سبز خط ترا بر آفتاب لکھتے ہیں
بہ دُودِ دل سبقِ مشکناب لکھتے ہیں

حدیثِ لعلِ رواں پرورِ تو، مے خواراں
بہ دیدہ بر لبِ جامِ شراب لکھتے ہیں

بپا کرے ہیں وہ طوفان دشت و صحرا میں
جو نامِ چشم مرا بر سحاب لکھتے ہیں

محررانِ فلک شرحِ آہِ دلسوزی
ہے اک رسالہ کہ بر ہفت باب لکھتے ہیں

ہے خوب گر رخِ خسروؔ پہ خون کے آنسو
دعائے خسروِ عالی جناب لکھتے ہیں

۲۶۰

در تو کسانے کہ نظر می کنند
ہستی خود زیر و زبر می کنند

صندلِ دردِ سرِ عشق است آنک
خاکِ درت تکیۂ سر می کنند

از پئے بوئے تو نفس ہائے من
خاصیتِ بادِ سحر می کنند

خندہ کہ بر من دو لبت می زنند
نرخِ گل و شکلِ گہر می کنند

پند کہ گویند بہ دلسوزیم
سوختہ را سوختہ تر می کنند

خسرو اگر سیر ز جاں نیستند
خلق در آں رُو نظر می کنند

جب اسے تیری نذر کرتے ہیں
دل بہت زیر و زبر کرتے ہیں

صندلِ دردِ سری بنتی ہے
خاک جو تکیۂ سر کرتے ہیں

زلف سے سانس معطر، عاشق
صورتِ بادِ سحر کرتے ہیں

ہووے خنداں ہیں اگر معشوقاں
کم بہت نرخِ گہر کرتے ہیں

پند سے اور دلِ عاشق کو
واعظاں سوختہ تر کرتے ہیں

دیکھ معشوق ترا سب خسرو
لوگ دل اس کی نذر کرتے ہیں

۲۶۱

مگر فتنۂ عشق بیدار شد
کہ خلوت نشیں سوئے خمّار شد

بگوئید با پیرِ دیرِ مغاں
کہ دیں کفر و تسبیح زنار شد

عجب نیست بر سر اناالحق ازاں
کہ مانندِ منصور بردار شد

ایا دوستاں موسمِ یاری است
کہ کارم بدینگونہ دشوار شد

ایا عاشقاں موسمِ زاری است
کہ احوالِ یاراں چنیں زار شد

مگر بخت سودائے زلفش دلم
کہ در چنگِ محنت گرفتار شد

یہ عیاری آموخت خسرو کنوں
کہ جویائے آں شوخِ عیار شد

ہوا فتنۂ عشق بیدار ہے
کہ زاہد کا رخ سوئے خمّار ہے

صلاح ایک پیرِ مغاں کی ہے یہ
کہ دیں کفر و تسبیح زنار ہے

اناالحق کے اسرار جس پر کھلے
وہ مانندِ منصور بردار ہے

نہیں کیا رہا موسمِ دوستی
کہ یاری بنی کارِ دشوار ہے

ہوئی آہ و زاری ہے مقبول کیا
کہ عاشق کی حالت ہوئی زار ہے

بنا دل ہے سودائی زلف کیا
کہ در چنگِ کلفت گرفتار ہے

ہے سادہ دلِ خسرو ایسا کہ وہ
ہوا طالبِ شوخِ عیار ہے

۲۶۲

سبزہ ہا نو دمید و یار نیامد
تازہ شد باغ و آں نگار نیامد

نو بہار آمد و حریفِ شرابم
یہ تماشائے نو بہار نیامد

چشمِ من جوئبار گشت ز گریہ
سروِ من سوئے جوئبار نیامد

آمد آں گل کہ باز رفت ز بستاں
وہ کہ آں آشنائے یار نیامد

خونِ دل خوردم و بسوختم آرے
برکس آں بادہ خوشگوار نیامد

آنچہ از غم گذشت بر دلِ خسرو
ہر کرا گفتم استوار نیامد

سبزہ و گل ہیں اور یار نہیں
باغ تازہ ہے اور نگار نہیں

نو بہاراں ہے اور آیا وہ
یہ تماشائے نو بہار نہیں

چشم ہے جوئبار، آتا پر
سرو وہ سوئے جوئبار نہیں

پہلوئے باغ میں رہا لیکن
گل بنا آشنائے یار نہیں

خونِ دل پینا اور جگر کھانا
عاشقی کارِ خوشگوار نہیں

بارِ خسرو یہ ہے ترے جتنا
غم کا اتنا کسی پہ بار نہیں

۲۶۳

تا ترا جسم و جاں شکار بوَد
ہر کرا دل بوَد، فگار بوَد

کُشت خالِ لبِ تو ام آرے
مگسِ شہد زہر دار بوَد

ہر کسے کز لبِ تو مے نوشد
تا زید ہم درآں خمار بوَد

پارسائے کہ چو جواناں ست
در نمازش کجا قرار بوَد

گریہ ام خوش نیایدت آرے
شربتِ درد خوشگوار بوَد

پائے تو زیں پس و سرِ خسرو
عمر باید کہ پائیدار بوَد

جسم میرا اگر شکار ہوا
کم نہ کچھ قلب بھی فگار ہوا

مر گئے لب کو دیکھ کر تیرے
نوش یوں نیشِ زہر دار ہوا

بادۂ لب ترا پیا جس نے
دائماً رندِ پُر خمار ہوا

یادِ ابروئے یار سے زاہد
پیشِ محراب بے قرار ہوا

شربتِ درد بن گیا گریہ
غم بھی الفت میں خوشگوار ہوا

جب رکھا پاؤں سر پہ خسرو کے
پا سے تیرے وہ پائیدار ہوا

۲۶۴

پیشِ روئے تو یاسمیں کہ بوَد
پیشِ لعلِ تو انگبیں کہ بوَد

ہر کجا نامِ طرۂ تو برند
نافۂ خامِ پوستیں کہ بوَد

گل کہ بو می بردز بادِ صبا
باچناں روئے نازنیں کہ بوَد

چوں ببینم کہ پا نہی بہ زمیں
سر نہم من بہ ہر زمیں کہ بوَد

خسروؔت شد غلام و بندۂ و لیک
بجز از بندِ ایں چنیں کہ بوَد

پیشِ روئے تو یاسمیں ہے کیا
پیشِ لعلِ تو انگبیں ہے کیا

پیشِ گیسوئے عنبریں اے جاں
نافۂ خامِ پوستیں ہے کیا

تازگی و تری و رنگِ گل
پیشِ رخسارِ نازنیں ہے کیا

ماہؔ مہ دیکھ کر مراؔ بولا
آسماںؔ بن گئی زمیں ہے کیا

بندگی و غلامیِ خسروؔ
جز خمِ زلفِ عنبریں ہے کیا

۲۶۵

ہر کرا یار یار می افتد
مقبل و بختیار می افتد

اے بسا دُر کہ در محیطِ سرشک
ہر دمم در کنار می افتد

گر نہ مست است جادویش زچہ رُو
بر یمین و یسار می افتد

گلِ صد برگ را دگر در دام
ہمچو بلبل ہزار می افتد

دلم از شوقِ چشمِ سر مستش
دمبدم در کنار می افتد

رحم بر آں پیادہ کو ہر دم
در کمندِ سوار می افتد

ہر کہ او خوار می فتد خسروؔ
ہمچو ما بادہ خوار می افتد

یار جس کا وہ یار ہوتا ہے
بیشں وہ بختیار ہوتا ہے

واہ وہ دُر کہ گر کے آنکھوں سے
زیورِ عشقِ یار ہوتا ہے

جادوئے چشم کس طرح دیکھو
بر یمین و یسار ہوتا ہے

گلِ صد برگ پر فدا ہر دم
عندلیبِ ہزار ہوتا ہے

ناوکِ چشمِ مستِ جاناں سے
قلبِ مستاں فگار ہوتا ہے

خوش وہ بیدل ہے صید دل جس کا
در کمندِ سوار ہوتا ہے

عشق میں خوار ہو کے اور عالی
خسروؔ بادہ خوار ہوتا ہے

۲۶۶

دل ز روئے تو دُور نتواں کرد
با رُخت یادِ حور نتواں کرد

جورِ تو در رخِ تو نتواں گفت
گلہ اندر حضور نتواں کرد

چشمِ بد دُور از چناں روئے
کہ ازو چشم دُور نتواں کرد

گہ بگریم گہے غزل خوانم
دل بدینہا صبور نتواں کرد

سوخت چو شمع جانم وزیں شمع
کارِ خسرو بہ نور نتواں کرد

دل ترے رخ سے دُور کیسے ہو
عاشقی میں صبور کیسے ہو

داد خواہی ہو کس طرح تجھ سے
گلہ اندر حضور کیسے ہو

چشمِ بد دُور تو کہوں لیکن
چشم اُس رخ سے دُور کیسے ہو

شورِ نالہ ہو یا غزل خوانی
ہو نہ جب تُو صبور کیسے ہو

شمعِ محفل ہے غیر کی جب تُو
کارِ خسرو بہ نور کیسے ہو

۲۶۷

دلبرم بے وفاست چتواں کرد
میلِ او با جفاست چتواں کرد

شوخ وہ بے وفا ہے کیا کیجے
اس کو خوئے جفا ہے کیا کیجے

چوں دلِ پادشاہِ کشورِ حسن
فارغ از ہر گداست چتواں کرد

جب دلِ شاہِ کشورِ خوبی
فارغ از ہر گدا ہے کیا کیجے

ماجرا ہا میانِ حسن و وفاست
حسن دُور از وفاست چتواں کرد

ماجرا ہے میانِ حسن و وفا
حسن پر بے وفا ہے کیا کیجے

دلبرِ بے وفائے عہد شکن
چوں نہ بر عہدِ ماست چتواں کرد

دلبرِ بے وفائے عہد شکن
جب نہ بر عہدِ ما ہے کیا کیجے

از غمت جاں بہ لب رسید مرا
چوں ترا ایں رضاست چتواں کرد

غم سے تیرے ہے لب پہ جاں لیکن
جب یہ تیری رضا ہے کیا کیجے

آں بتِ سست عہد سخت کماں
ظلم پیشش رواست چتواں کرد

وہ بتِ سست عہد و سخت کماں
ظلم رکھتا روا ہے، کیا کیجے

دل بہ شوخی ربود از دستم
دلبرِ دلرباست چتواں کرد

قلب شوخی سے لے گیا میرا
دلبرِ دلربا ہے کیا کیجے

کلّیِ اختیارِ تو خسروؔ
چوں بہ دست قضاست چتواں کرد

کلّیِ اختیارِ تو خسروؔ
جب بہ دست قضا ہے کیا کیجے

٢٦٨

دلِ با درد را کجا یابند
گونۂ زرد را کجا یابند

دلِ با درد کو کہاں ڈھونڈیں
چہرۂ زرد کو کہاں ڈھونڈیں

بارِ اندوہِ بیدلاں چہ خوش است
نفسِ سرد را کجا یابند

آتشِ غم رکھے ہے سینہ جب
نفسِ سرد کو کہاں ڈھونڈیں

خوبروئے من از بتاں فرد است
ایں چنیں فرد را کجا یابند

فرد جو خوبرو ہو خوباں میں
ایسے اک فرد کو کہاں ڈھونڈیں

چو منے کو کہ حالِ من پرسد
یارِ ہمدرد را کجا یابند

حال آئے جو پوچھنے ایسے
یارِ ہمدرد کو کہاں ڈھونڈیں

ہر کہ در عشق جاں دہد مرد است
ایں چنیں مرد را کجا یابند

جاں دے عشق میں جو مردی سے
ایسے اک مرد کو کہاں ڈھونڈیں

سگِ کوئے ست خسرو اندر عشق
شیرِ ناورد را کجا یابند

سگ ہے کوچے کا جب بنا خسرو
شیرِ ناورد کو کہاں ڈھونڈیں

۲۶۹

شکنِ زلف باز خواہی کرد
برمہ از شب طراز خواہی کرد
روزہ داریم لبِ خ بپوش ارنہ
روز بر ما دراز خواہی کرد
راست کردی ز ابرواں محراب
می نماید نماز خواہی کرد
بہ گدائی بہ کوئیت آئیم لیک
در بروئیم فراز خواہی کرد
کارِ خسرو ز دست شد وقت است
گر ز ظلم احتراز خواہی کرد

گرہِ زلف باز کر دیجے
رخ پہ پھر وہ طراز کر دیجے
شربتِ لب کی یاد سے یاروں
روزِ روزہ دراز کر دیجے
ابروئے یار کے تصور سے
پُر خصوع اور نماز کر دیجے
ہیں فقیر و غریب اے درباں
در کو ہم پر فراز کر دیجے
حالِ خسرو سنا کے ظالم کو
مائلِ احتراز کر دیجے

۲۷۰

لبش در شکر خندہ جاں می برد
شکیب از منِ ناتواں می برد

شکر خندۂ یار جاں لے گیا
شکیبِ دلِ ناتواں لے گیا

پیالہ بکف چوں رواں می شود
دلِ عاشقاں را رواں می برد

پیالہ بکف وہ رواں جب ہوا
دلِ عاشقاں سے رواں لے گیا

کمر بستہ در دل دروں می رود
پس آنگاہ جاں از میاں می برد

کمر بستہ در دل دروں جب گیا
گیا اور جاں از میاں لے گیا

گرم پرسد از بردنِ دل کسے
اشارت کنم کاں جواں می برد

جو پوچھیں دلِ پیر کس نے لیا
کہوں کس طرح اک جواں لے گیا

سرِ زلف کآید ہمی بر لبش
نمک سوئے ہندوستاں می برد

خمِ زلف آیا جو لب چومنے
نمک سوئے ہندوستاں لے گیا

شبے میہماں شو ببیں کار زوت
صبوری ز خسرو چساں می برد

بنا کے گدا عشق اک شہ تجھے
کہاں سے وہ خسرو کہاں لے گیا

۲۷۱

ہوائے خرم است و ہر طرف باراں ہمی بارد
نگویم قطرہ کز بالا گل و ریحاں ہمی بارد

نگوں سر شاخہائے سبزہ گوئی در ہمی جنبد
زبس کابرِ دُر افشاں لولوئے غلطاں ہمی بارد

خوش آں وقتے کہ مطرب در سماع و نیکواں سرخوش
خراماں درمیانِ سبزہ و باراں ہمی بارد

زبہرِ پائے خوباں را بساطِ سبزہ می شوید
ہر آبے کز ہوا بر سبزۂ بُستاں ہمی بارد

وُلے ہر قطرہ بر جاں آب دادہ ہست چو پیکاں
جدا افتادۂ را کز مژہ طوفاں ہمی بارد

ہوائے ابر با ہمصحبتاں خسرو غنیمت داں
کہ عیش و خوش دلی از صحبتِ ایشاں ہمی بارد

چمن میں ابرِ رحمت بر گل و ریحان برسے ہے
فضا خرم ہوئی ہے ہر طرف باران برسے ہے

بنا ہے ابر دُر افشاں کچھ ایسا آب کا اس کی
ہر اک قطرہ مثالِ لولوئے غلطان برسے ہے

ہے مطرب در سماع، سرخوش ہیں رندان، مست ہے ساقی
خراماں لولیانِ شوخ ہیں، باران برسے ہے

برائے مقدمِ خوباں، بساطِ سبزہ دھوئے ہے
ہوا سے قطرۂ آبی جو بر بُستان برسے ہے

بہ یادِ آبِ پیکانِ مژہ، تاریکیِ شب میں
فراقِ یار میں آنکھوں سے اک طوفان برسے ہے

ہوائے ابر با ہمصحبتاں خسرو غنیمت ہے
کہ عیش و خوش دلی از صحبتِ یاران برسے ہے

۲۷۲

ہوائے خرم است و ابرِ لُولُو بار می بارد
زلالِ زندگی بر شاخِ خضر آثار می بارد

گلِ سُرخ انار از شاخِ سبزش چوں چکاند خوں
تو پنداری کہ طوطی گوہر از منقار می بارد

خراماں سروِ من مست و لطافت می چکد از وے
چہ ناز است و کرشمہ وہ کزاں رفتار می بارد

ہوائے ابر عاشق را غم آرد آں ہمہ قطرہ
ز بہرِ جانِ عاشق خنجرِ خونخوار می بارد

اگر غرقِ عرق رخسارۂ خوباں ندیدہ ستی
نگہ کن قطرہ ہائے خوش کہ بر گلزار می بارد

فرشتہ چو مگس پابستہ می گردد بہ شیرینی
چو در وصفِ تو خسروؔ شکر از منقار می بارد

ہوا خرم ہوئی ہے ابرِ لُولُو بار برسے ہے
زلالِ زندگی بر شاخِ خضر آثار برسے ہے

گرے گلنار ہیں اس طرح سبزے پر کہ لگتا ہے
ز طوطیِ غزل خواں گوہر از منقار برسے ہے

خراماں سرو ہے اس طرح کچھ میرا کہ آج اس کی
ادا و ناز از ہر لغزشِ رفتار برسے ہے

ہوائے ابرِ عاشق میں ہے اک طوفانِ غم ایسا
کہ ہر قطرے سے اس کے خنجرِ خونخوار برسے ہے

اگر غرقِ عرق رخسارۂ خوباں نہیں دیکھا
نگہ کر قطرۂ خوش پر جو بر گلزار برسے ہے

ہوئے شیریں فرشتے طرزِ شیرینی سے یوں اس کی
کہ بہرِ وصفِ خسروؔ شکر از گفتار برسے ہے

۲۷۳

خوش آں شبے کہ سرم زیرِ پائے یار بماند
دو دیدہ در رہِ آں سروِ گلعذار بماند

شراب ہا کہ کشیدم بہ روئے ساقیِ خویش
برفت از سر و دردِ سر و خمار بماند

چراش سیر ندیدم کہ زود گشتم مست
مرا درونِ دل ایں داغِ یادگار بماند

گذشت آں شب و آں عیش و آں نشاط، ولیک
بہ یادگار دریں سینۂ فگار بماند

حدیثِ اہلِ نصیحت نگنجدم در دل
کہ در درونہ سخن ہائے آں نگار بماند

غمم بکشت بہ زاری و ہم خوشم، بارے
کہ ایں فسانۂ خسرو بہ گوشِ یار بماند

خوشا وہ سر کہ سدا زیرِ پائے یار رہا
زہے وہ دیدہ کہ در راہِ گلعذار رہا

ملا جو بادۂ باقی تھا، صبح دم اس کا
رہا نشہ نہیں، باقی ولے خمار رہا

جو دیکھتے ہی رخِ یار، میں ہوا بے خود
مدام دل میں مرے داغِ یادگار رہا

گئے وہ عیش، وہ شب، وہ نشاط، وہ رونق
مگر وہ یار دروں سینۂ فگار رہا

حدیثِ اہلِ نصیحت رہی نہ اس دل میں
جو مسکنِ سخنِ دلکشِ نگار رہا

بیان غم کا بہ زاری کیا، ولے خوش ہوں
کہ یہ فسانۂ خسرو بہ گوشِ یار رہا

۲۷۴

دل شد ز دست و بر مژہ از خوں نشاں بماند
جاں رفت و یارِ گمشدہ بر جائے جاں بماند

از ناخن ارچہ سینہ کنم، کے بروں شود
خارے کہ در درونۂ جانم نہاں بماند

مرہم نکرد ریشِ مرا پندِ دوستاں
واندر دلم جراحتِ گفتارِ شاں بماند

یک چند ہر چہ ہست بود مستِ مے پرست
دستِ صلاح در تہِ رطلِ گراں بماند

مارا وداع کرد دل و عقل ہر چہ بود
الّا سرِ نیاز برآں آستاں بماند

خسرو ز آہِ گرم بر آتش نہاد نعل
بر ہر زمیں کہ از سُمِ اسپش نشاں بماند

دل لے گیا، لہو کا مژہ پر نشاں رہا
لے کر بھی جاں، نگار وہ بر جائے جاں رہا

کوشش نکالنے کی جراحت سے کی بہت
پر خارِ عشق جان کے اندر نہاں رہا

مرہم لگا نہ پند سے بر زخمِ دل، ولے
اک داغِ گفتگو بہ دلِ ناتواں رہا

بد مست مے پرست ہوئے متقین، گو
دستِ صلاح در تہِ رطلِ گراں رہا

گرچہ وداع ہوئے دل و ادراک و دیں مرے
لیکن سرِ نیاز یہ بر آستاں رہا

خسرو نے نعلِ آہ دیا ڈال آگ میں
بر ہر زمیں کہ از سُمِ توسن نشاں رہا

۲۷۵

عشاق ہر شب از تو بہ خوناب خفتہ اند
چو شمعِ صبح مردہ و بے تاب خفتہ اند

آخر نصیحتے بکن آں ہر دو چشم را
مستند، درمیانۂ محراب خفتہ اند

صد خوں بکردہ اند رقیباں کافرت
آگہ نیند زآہِ جگر تاب، خفتہ اند

از ما چہ آگہی ست کساں را کہ تا بہ روز
بے التفات در شبِ مہتاب خفتہ اند

در آرزوئے خارۂ رخسارۂ تو اند
شاہنشہاں کہ بر سرِ سنجاب خفتہ اند

خسروؔ زخستگانِ درش خاستن مجوی
کایشاں ز زخمِ ناوکِ پُرتاب خفتہ اند

روتے ہوئے جو غم میں بہ خوناب سو گئے
مانندِ شمعِ صبح تھے، وہ بے تاب سو گئے

دو دیدہ ہائے یار ہوئے مستِ ناز تھے
اتنے کہ درمیانۂ محراب سو گئے

خوں کر کے دل عدو مرے آرام سے بہت
آگہ نہ تھے زآہِ جگر تاب، سو گئے

تھے شوقِ ماہ رُو سے نہ آگہ جو ماہ رو
بے التفات در شبِ مہتاب سو گئے

در آرزوئے خارۂ رخسارہ ہیں ترے
شاہنشہاں کہ بر سرِ سنجاب سو گئے

خسروؔ اٹھا نہ خواب سے عاشقِ زار کو
کھا کے جو زخمِ ناوکِ پُرتاب سو گئے

۲۷۶

گرچہ خوباں زمہ فزوں باشند
پیشِ آں ماہِ من زبوں باشند

مرد مانے کہ روئے او دیدند
تا ببا شند سرنگوں باشند

اے دلِ خوں گرفتہ عشق مباز
کہ بتاں تشنگانِ خوں باشند

عافیت را بخواب می جویند
دردمنداں کہ بے سکوں باشند

عقل دردِ سر است زیں معنی
عارفاں عاشقِ جنوں باشند

عشق بازی ز خسرو آموزند
لیلیٰ و مجنوں ار کنوں باشند

گرچہ مہ سے بتاں فزوں ہیں سب
مہ کے آگے مرے زبوں ہیں سب

دیکھ کر نازِ حسن و رعنائی
میر و سردار سرنگوں ہیں سب

اے دلِ خوں گرفتہ، رہ بچ کر
یہ بتاں تشنگانِ خوں ہیں سب

میکدے میں پناہ لیتے ہیں
دردمنداں کہ بے سکوں ہیں سب

عقل ان کے لئے ہے بے معنی
عارفاں عاشقِ جنوں ہیں سب

سن کے آتے تماشہ بیں خسرو
دیکھنے کو ترا جنوں ہیں سب

۲۷۷

یاراں کہ بودہ اند، ندانم کجا شدند
یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند

اے گل چوں آمدی ز زمیں، گو چگونہ اند
آں روی ہا کہ در تہِ گردِ فنا شدند

آں سروراں کہ تاجِ سرِ خلق بودہ اند
اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پا شدند

بازیچہ ایست طفل فریب، ایں متاعِ دہر
بے عقل مردماں کہ بدیں مبتلا شدند

کس را چہ شد کہ نقدِ مرادے نمی رسد
مانا کہ خازنانِ فلک بے نوا شدند

خسرو گریز کن کہ وفا نیست در جہاں
ز اہلِ جہاں کہ ہمچو جہاں بے وفا شدند

یارانِ غمگسار نہ جانے وہ کیا ہوئے
کرکے جو ایک ایک، جہاں سے جدا ہوئے

اے نو گلِ بہار بتا کس طرح سے ہیں
وہ گلرخاں جو در تہِ گردِ فنا ہوئے

وہ سروراں جو تاجِ سرِ خلق تھے کبھی
کس طرح مل کے خاک میں سب خاکِ پا ہوئے

گرچہ ہے دل فریب متاعِ جہاں بہت
ناداں ہیں اس فریب میں جو مبتلا ہوئے

نقدِ مراد ان سے کسی کو نہیں ملی
لگتا ہے خازنانِ فلک بے نوا ہوئے

کرتے نہیں وفا وہ کسی سے بھی خسروا
اہلِ جہاں، جو مثلِ جہاں بے وفا ہوئے

۲۷۸

اے اہلِ دل نخست زجاں ترکِ جاں کنید
وانگہ نظارہ در رخِ آں دلستاں کنید

از سرمہ رُوسیہ چہ شوید اے دو چشمِ من
از خاکِ پاش دامنِ ہمت گراں کنید

یاراں کشید بر سرِ من خنجرِ ستم
وز بہرِ گشتِ شہر سرم بر سناں کنید

در من زنید آتش و خاکسترِ مرا
بر سیلِ چشمِ خویش بہ سویش رواں کنید

تا کشتیِ مرادِ من اندر عدم شود
بر وے زپردۂ دلِ من بادباں کنید

خسرو ز دردِ دل چو حبش شد برائے دوست
پیشانیش بہ داغِ غلامی نشاں کنید

پہلے ہے سب سے شرط یہ تسلیمِ جاں کرو
پھر چاہو جس قدر ہوسِ دلستاں کرو

سرمے سے رُوسیہ نہ کرو چشمِ شوق کو
خاکِ قدم سے دامنِ ہمت گراں کرو

کرنا اگر قلم ہے بہ تیغِ ستم تو پھر
سر بہرِ گشتِ شہر مرا بر سناں کرو

کرنا ہے سوختہ مجھے گر، راکھ کو مری
بر سیلِ چشمِ خویش سوئے بت رواں کرو

تا کشتیِ مراد مری جائے در عدم
اس کا قماشِ پردۂ دل، بادباں کرو

خسرو بنا ہے جل کے حبش عشق میں تو پھر
داغ ایک بندگی کا جبیں پر نشاں کرو

۲۷۹

چوں بادِ صبح بہ آں سروِ خوش خرام شود
سلام گویم و جاں ہمرہِ سلام شود

غلامِ اویم و ہر کس کہ بیند آں صورت
ضرورت است کہ ہمچو منش غلام شود

عنایتے کہ رہی نیم کشتِ غمزۂ تست
بہ یک اشارتِ ابروئے تو تمام شود

جفا کنی تو و من پیشِ خلق شکر کنم
مرا جمالِ تو باید کہ نیک نام شود

ببرد خواب ز ہمسایہ نالۂ خسرو
مباذ مرغِ چمن پائے بندِ دام شود

جو صبح جلوہ نما سروِ خوش خرام ہوا
روانہ ساتھ صبا کے مرا سلام ہوا

چمن میں دیکھ کے خنداں گلابِ رخ اس کا
ہر ایک میری طرح بندہ و غلام ہوا

جو نیم بسملِ غمزہ تھے عاشقاں ان کا
بہ یک اشارۂ ابرو تمام کام ہوا

کرشمہ حسن کا ہے یہ کہ باوجودِ جفا
جمالِ یار زمانے میں نیک نام ہوا

اڑائی سب کی ہے خسرو نے نیند جب سے وہ
مثالِ مرغِ چمن پائے بندِ دام ہوا

۲۸۰

صبا چوں در سرِ آں زلفِ نیم تاب شود
شکیب در دلِ بینندہ تنگ تاب شود

بہ ترکِ دینِ مسلمانیش بباید گفت
دلے کہ در شکنِ زلفِ نیم تاب شود

سیاہ رُوی شدم زیں سفید رخساراں
چو ہندوئے کہ پرستارِ آفتاب شود

بہ ہر جفا کہ کند چشمِ تو رضا دارم
کہ از خصومتِ تُرکان جہاں خراب شود

بہ ہر زمیں کہ چو آبِ حیات بخرامی
دہانِ مُردہ بہ زیرِ زمیں پُر آب شود

سوالِ غمزدگاں راز لب دَرے بکشای
کہ جانِ خستہ بہ دریوزۂ جواب شود

نخفت خسروِ مسکیں دریں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کفِ پایت نہد، بخواب شود

جو دستِ باد درونِ زلفِ نیم تاب ہوا
شکیب در دلِ عشاق تنگ تاب ہوا

بنا وہ جا کے پرستارِ کافرِ ہندو
دل اک جو در شکنِ زلفِ نیم تاب ہوا

سیاہ رُو میں، بہ شوقِ سفید رخساراں
ہوں مثلِ ہندوِ، پرستارِ آفتاب ہوا

قبول مجھ کو ہر اک جورِ چشمِ ناز ہے یوں
کہ از خصومتِ تُرکاں جہاں خراب ہوا

وہ آبِ زندگی لے کر گیا جہاں اپنی
دہانِ مُردہ بہ زیرِ زمیں، پُر آب ہوا

سوالِ غمزدہ سن اور کھول دَر اپنا
کہ دل یہ خستہ بہ دریوزۂ جواب ہوا

یہ سن کے، در ہوسِ پا نہ سو سکا خسروؔ
کہ زیرِ پا جو ہوا دیدہ، وہ بخواب ہوا

۲۸۱

غم کُشت مرا آں بتِ نوشاد نیامد
کنجشک بمرد از خفۂ صیاد نیامد

عاشق شدم ایں بود گنہ، وای کہ ہجرش
جاں برد و ازیں یک گنہ آزاد نیامد

چہ سود ازیں مردنِ بے بہرہ کہ شیریں
روزے بسرِ تربتِ فرہاد نیامد

گفتی کہ شبے زُود رسم، روزِ بدم بیں
کآں نیز بہ روزِ دگرت یاد نیامد

فریاد کناں دی بہ سرِ کوئے تو رفتم
جز گریہ کسے در پئے فریاد نیامد

خسرو بہ ستم جاں دہ و انصاف مجُو زانک
در مذہبِ خوباں روشِ داد نیامد

غم سے میں مَرا اور بتِ نوشاد نہ آیا
کرنے کے لئے صید وہ صیاد نہ آیا

باہر ترے کوچے سے کوئی عاشقِ شیدا
آلام سے ہو کر کبھی آزاد نہ آیا

کیا فائدہ مرنے سے اگر خسروِ شیریں
رونے بہ سرِ تربتِ فرہاد نہ آیا

آنے کو کہا شب میں، میں بدروز ہوں ایسا
تا روزِ دگر، عہد تجھے یاد نہ آیا

فریاد میں لے کر گیا کوچے میں ترے گر
جز گریہ کوئی در پئے فریاد نہ آیا

ظالم پہ نہ اُس کر تو فدا جاں، کبھی جو
خسرو تری سننے کے لئے داد نہ آیا

۲۸۲

کدام دل کہ تو غمزہ زدی، فگار نہ شد
کدام کس کہ ترا دید و بے قرار نہ شد

بسوخت نالۂ من سنگ را عجب سنگ است
دلت کہ سوختہ زیں نالہ ہائے زار نہ شد

نظارہ می کنم از دُور، می خورم جگرے
کہ جز بدامنم ایں نُقلِ خوشگوار نہ شد

جہاں پُر از گل و سروِ روانم از من دُور
حسابِ من بہ جہاں گوئیا بہار نہ شد

متاعِ وصل نہ اندر قیاسِ ہمتِ ماست
کہ مرغِ سدرہ غلیواژ را شکار نہ شد

بہ عشق دوزخیِ خام سوز شد خسرو
ازاں کہ سوخت دریں کار، پختہ کار نہ شد

ہے دل کوئی ترے غمزے سے جو فگار نہیں
جو دیکھنے کو تجھے اور بے قرار نہیں

جلائے نالہ ہے پتھر، تو ہے عجب پتھر
وہ دل جو سوختۂ نالہ ہائے زار نہیں

بنا فراق جگر خوار ہے کہ پاس اس کے
بجز جگر کوئی اور نُقلِ خوشگوار نہیں

نہ آیا سرو مرا ہے جو موسمِ گل میں
لگے ہے آئی یہاں تک ابھی بہار نہیں

متاعِ وصل نہ اندر قیاسِ ہمت ہے
کہ مرغِ سدرہ وہ ہوتا مرا شکار نہیں

بہ عشق دوزخیِ خام سوز ہے خسرو
کہ جل کے کار میں اس، ہے وہ پختہ کار نہیں

۲۸۴

کسے کہ دیدنِ آں تُرکِ بادہ نوش رَود
بہ پای آید و چو بیندش، بہ دوش رود

تبارک اللہ ازاں رُو کہ بہرہ خواہد برد
چوں ہم ز دیدنِ او آدمی ز ہوش رود

گر آں حریف رَود سوئے قبلہ، صوفی را
گلیمِ زہد بہ دکانِ مے فروش رود

خراشِ سینۂ ہمسایہ شد خروشِ دلم
کسے مباد کہ در گوشش ایں خروش رود

صلائے عیش ہمی آیدم ز یاراں، لیک
دلم نماند کہ سوئے نشاط و نوش رود

طریقِ سروِ قبا پوش دید تا خسروؔ
دلش نخواست کہ بر سروِ سبز پوش رود

کوئی جو دیکھنے اک تُرکِ بادہ نوش گیا
گو چل کے آیا، ولے مر کے وہ بدوش گیا

تبارک اللہ وہ ایسا ہے اک پری چہرہ
کہ دیکھتے ہی اسے آدمی کا ہوش گیا

وہ سوئے قبلہ گیا جب تو شیخ و صوفی کا
عبائے زہد بہ دکانِ مے فروش گیا

خراشِ سینۂ ہمسایہ گو خروش ہے یہ
ولے نہ گوش میں اس کے مرا خروش گیا

صلائے عیش دی یاروں نے بار بار، ولے
کبھی نہ دل مرا سوئے نشاط و نوش گیا

طریقِ سروِ قبا پوش دیکھ کر خسروؔ
نہ دل کبھی بسوئے سروِ سبز پوش گیا

۲۸۴

کسے کہ دیدنِ آں چشمِ خوابناک رود
عجب مداں کہ بہ خوابِ خوشش ہلاک رود

زمیں بہ یادِ لبت بوسہ می زنم لیکن
چگونہ آرزوئے انگبیں بہ خاک رود

چنیں کہ روئے تو گلبرگِ نازک است مباد
کہ سوئیت از دلِ من آہِ سوزناک رود

بہ عشق دعوئ آتش پرستیش نرسد
برہمنے کہ در آتش چوں ترسناک رود

فدائے غمزہ زنے باد جاں کہ جانبِ او
درست آید و دلہائے چاک چاک رود

گناہِ خسرو اگر دوستی ست غمزہ مزن
کہ از جہاں چو شہیدانِ عشق پاک رود

کوئی جو دیکھنے اک چشمِ خوابناک گیا
وہ دیکھتے ہی بخوابِ عدم ہلاک گیا

بیادِ لب دیا بوسہ زمیں کو جب دیکھو
یہ شوقِ انگبیں کیسے مرا بخاک گیا

جلا نہ آتشِ ہجراں میں یوں کہ آہوں کا
کبھی نہ ضائع مرا تیرِ سوزناک گیا

وہ دعویٰ عشق کا آتش پرست کر نہ سکا
برہمن ایک جو آتش میں ترسناک گیا

کرشمہ ناز کا دیکھو کہ تیغِ مژگاں سے
وہ کس طرح مرا کر قلب چاک چاک گیا

شہیدِ عشق میں خسرو ہوا تو دنیا سے
گناہگار تھا ہو کر مگر وہ پاک گیا

۲۸۵

ہوائے در سرم افتادہ جانم خاک خواہد شد
جہانے در سرِ آں غمزۂ بے باک خواہد شد

تو میزن غمزہ تا من می خورم خوش خوش بہ جاں پیکاں
چہ غم دارد ترا گر سینۂ من چاک خواہد شد

بسوزم خویش را از جورِ بختِ بد، ولے ترسم
کہ آتش، سوختہ از ننگِ ایں خاشاک خواہد شد

خدایا زو نپرسی و مرا سوزی بہ جائے او
کہ کُشتہ عالمے زاں نرگسِ چالاک خواہد شد

زہے شادی گر او آید کہ بیند حالِ من، لیکن
من ایں شادی نمی خواہم کہ او غمناک خواہد شد

ازاں لب تلخ می گوئی بترس از مُردنِ خسرو
کہ ہر زہرے کہ آید از لبش تریاک خواہد شد

ہوا سر میں ہے میرے، جان جل کر خاک ہووے ہے
جو دل یہ درپئے یک غمزۂ بے باک ہووے ہے

خوشی سے ناوکِ غمزہ چلا جتنا بھی تُو چاہے
تجھے کیا غم اگر عاشق کا سینہ چاک ہووے ہے

جلا کر خود کو جورِ بخت سے اپنے، میں ڈرتا ہوں
کہ آتش، سوختہ خود دیکھ کر خاشاک ہووے ہے

خدایا مت پکڑ اس کو، جلا اس کی جگہ مجھ کو
جو عالم یہ قتیلِ نرگسِ چالاک ہووے ہے

زہے شادی، وہ آیا پوچھنے کو حال ہے لیکن
فزوں ہوتا ہے غم میرا، وہ جب غمناک ہووے ہے

تُو بہرِ قتلِ خسرو گالیاں دیتا ہے اور اس کو
لبوں سے زہر تیرے گر ملے، تریاک ہووے ہے

۲۸۶

ز دُوریِ تو چوں خونابۂ من افزوں شد
مرنج ز اشکِ من ار آستانت گلگوں شد

بکُش بہ ناز جہانے کہ شکل و شوخیِ تو
نہ کم زفتنۂ دہر و بلائے گردوں شد

کرشمہ چند کنی یک نظر بہ گوشۂ چشم
بدیں طرف کہ جگر ہائے بیدلاں خوں شد

بہ خونِ دیدہ نوشتم چوں قصۂ دلِ خویش
درست نسخۂ از داستانِ مجنوں شد

خیالِ خندۂ تست، ایں نہ گریۂ خسرو
کہ چشمہاش چنیں پُر زدُرِّ مکنوں شد

ہوا جو ہجر میں خوناب میرا افزوں ہے
کیا دَر اور ترا آنسووں سے گلگوں ہے

کرے ہے قتل ہر اک کو کہ نازِ حسن ترا
نہ کم زفتنۂ دہر و بلائے گردوں ہے

بجائے ناز و کرشمہ، کر اک نگاہِ کرم
کہ ہو رہا ترے عشاق کا جگر خوں ہے

لکھا جو خون سے ہے میں نے حالِ دل اپنا
ہے نسخہ ایک کہ از داستانِ مجنوں ہے

خیالِ خندہ ہے تیرا، نہ گریۂ خسرو
کہ اس کی چشم پُر از گہر ہائے مکنوں ہے

۲۸۷

چوں کشادی دہانِ شکر خند
تُنگِ شکر شود کشادہ ز بند

سوزم از دیدنِ لبت بنشست
کز نظر می کشم حلاوتِ قند

چشمِ قصابِ تو کُشد ہر روز
در دکانِ بلا جوانے چند

چشمِ بد دُور در پذیر از من
کہ مرا سوزی از طفیلِ سپند

پا مکش از سرِ من و بگذار
سایۂ زیرِ پائے سروِ بلند

باغمت خسرو آنچناں خُو کرد
کہ بہ شادی نمی شود خورسند

جب کھلا وہ دہانِ شکر خند
تُنگِ شکر ہوا کشاد ز بند

دے لگانے لبوں سے لب مجھ کو
ان سے تا کھینچ لوں حلاوتِ قند

چشمِ قصاب قتل کرتی ہے
در دکانِ بلا جوانے چند

چشمِ بد دُور تجھ سے کرتا ہوں
ہو کے سوزاں میں خود بجائے سپند

مت ہٹا پاؤں سر سے رہنے دے
سایۂ زیرِ پائے سروِ بلند

خُو ہے خسرو کو اس قدر غم کی
ہے خوشی میں بھی اب نہ وہ خورسند

۲۸۸

امروز کہ از باراں شد سبزۂ رعنا تر
سیم و زرِ گل جملہ گشتند بہ صحرا تر
احوالِ دو چشمِ من در گریہ یکے بنگر
چو خانۂ پُر روزن اینجا تر و آنجا تر

صد جاں نہ یکے باید تا صرف کنم در رہ
گرد چوں کفِ پایت در راہِ تماشا تر

در سبزہ خرامیدن کردی ہوس و شستن
خود سبزہ نہ خواہد بود از خطِ تو رعنا تر

بالا ترِ ہر جادو چشمِ تو ہمی بینم
ابروئے تو می بینم از چشمِ تو بالا تر

خسرو صفتِ خوباں میگوئی کہ خود نبود
در ہیچ گلستانے بلبل ز تو گویا تر

امروز کہ باراں سے ہے سبزۂ رعنا تر
سیم و زرِ گل جملہ جاتے ہیں بہ صحرا تر
تُو دیکھ کبھی آ کر جو حال ہے آنکھوں کا
ہے خانہ یہ پُر روزن اینجا تر و آنجا تر

صد جانِ گرامی کو کرتا ہوں فدا رہ پر
ہو وے جو ترا پا ہے در راہِ تماشا تر

بڑھتی ہے ہوس تیری اور موسمِ باراں میں
سبزہ نہیں لگتا یہ خط سے ترے رعنا تر

بالا ترِ ہر جادو ہے چشم تری لیکن
ابرو تری اے جاناں ہے چشم سے بالا تر

جب خوبیِ خوباں تو کرتا ہے بیاں خسرو
ہوتا نہیں بلبل بھی تجھ سے کوئی گویا تر

۲۸۹

اے شمعِ رخِ تو مطلعِ نور
زیں حسن و جمال چشمِ بد دُور

رخِ روشن ہے تیرا مطلعِ نور
خدا تجھ سے رکھے ہر چشمِ بد دُور

با پرتوِ عارضِ تو خورشید
چوں شمع در آفتاب بے نور

مقابل میں ترے عارض کے اے جان
ہوا خورشیدِ عالم تاب، بے نور

رخسارِ تو در جہاں فروزی
مانندۂ آفتاب مشہور

جہاں افروزیِ رخسار تیری
ہوئی سارے زمانے میں ہے مشہور

از روئے تو شام صبح گردد
وز زلفِ تو صبح شامِ دیجور

بنائے شام کو ہے صبح ترا رخ
تری زلفوں سے ہے صبح، شامِ دیجور

از دستِ غمِ تو در زمانہ
یک خانۂ دل نماند معمور

زمانے میں تری رنجش کے ہاتھوں
رہا خانہ نہ دل کا کوئی معمور

خاطر نرود بہ گلستانے
آں را کہ جمالِ تست منظور

گلوں سے کچھ رہی اسکو نہ رغبت
ہوا جس دل کو تیرا حسن منظور

خسرو کہ ہمیشہ بر درِ تست
از درگہِ خود مکن ورا دور

فقیرِ بے سر و ساماں ہے خسرو
نہ رکھ درگاہ سے اپنی اسے دُور

۲۹۰

اے ز چو تو بت، شدہ صد پارسا زنار دار
آفتابی، روئے ما در قبلۂ دیدار دار

رشکم آید ز آنچہ غمہایت دگر یاراں خورند
آں ہمہ یکجا کن و پیشِ من غم خوار دار

ناوکے زن بر دلم کز زحمتِ خود وارہم
خویش را بہرِ دلم یکدم دریں پیکار دار

دردِ دل چوں از تو یادم میدہد مرہم مکن
بر دگر دلہا در آویز و دلم افگار دار

من نہ آں یارم کہ دارم پیشِ تو خود را عزیز
راضیم، خواہی عزیزم دار و خواہی خوار دار

رنگ می آرد کفِ پایت ز خونِ چشمِ من
یکدمے پا را بر ایں دو دیدۂ خونبار دار

چند گوئی نیست بے ہوشیِ مشتاقاں ز من
میتوانی، خسروِ بیچارہ را ہشیار دار

صوفیوں کا قلب اے بت، بستۂ زنار کر
زاہدوں کا رُو بسوئے قبلۂ دیدار کر

ہو گئی ہے عاشقی میں مجھ کو غم خواری کی خو
فرطِ غم سے اور اک غم خوار کو غم خوار کر

خون کر کے تیر سے، غم سے رہائی دے مجھے
جنگ میں کرتا ہوں دل سے تُو بھی کچھ پیکار کر

زخمِ دل رکھتا ہے تازہ یاد تیری، جانِ من
کر سکے جتنا بھی تُو، دل کو مرے افگار کر

بندۂ ناچیز ہوں، تجھ کو ہے سارا اختیار
چاہے قدر و منزلت دے، چاہے مجھ کو خوار کر

چاہتا ہے گر حنا بندی تو اے جاناں، مرا
رنگ آمیزِ کفِ پا، دیدۂ خونبار کر

ہے نہیں گر باعثِ بے ہوشیِ عشاق تُو
ہو سکے تو خسروِ لاچار کو ہشیار کر

۲۹۱

یارب آں رُوئیست یا گلبرگِ خنداں در نظر
یارب آں بالاست یا سروِ خراماں در نظر
اے خوش آں ساعت کہ بینم آں رخ و گیرم لبش
بادۂ خوش بر کف و گلنارِ خنداں در نظر

تا تو اے سروِ خراماں در چمن بگذشتہ ای
می نیاید بیش بلبل را گلستاں در نظر
یک زماں از دل فرونائی ہمہ شب تا بروز
گرچہ باشد تا بروزم ماہِ تاباں در نظر
خلق گل بینند و من روئے تو زیرا خوشتر است
یک نظر در دوست از صد سالہ بُستاں در نظر

یارب اک چہرہ ہے یا گلبرگِ خنداں در نظر
ہے سہی قد ایک یا سروِ خراماں در نظر
اک زمانہ تھا کہ رکھتے عاشقاں تھے رات دن
بادۂ خوش برکف و گلنارِ خنداں در نظر

جب سے دیکھا ہے خرامِ یار، بلبل کے لئے
بیش اس سے ہے نہ کچھ اندر گلستاں در نظر

بے مہِ روئے نگاریں، تیرگی جاتی نہیں
گرچہ رہتا رات بھر ہے ماہِ تاباں در نظر

چاہیے گل رخ، بجائے گل کہ خوشتر ہے مجھے
یک نظر در یار از صد سالہ بُستاں در نظر

۲۹۴

اے ترا در زیرِ ہر لب شکرستانے دگر
جز لبت ما را نمک ندہد نمکدانے دگر

من غمِ دل گویم و تو ہمچناں مشغولِ ناز
تو بہ شہرے دیگر و من در بیابانے دگر

وہ کہ چنداں جانِ محنت کش مرا سوزی بسوز
خانہ خالی کن کہ آمد باز مہمانے دگر

زاں لبِ چوں آبِ حیواں کشتہ شد شہرے تمام
اے خضر بنما اگر ہست آبِ حیوانے دگر

بر دلِ من غارتِ کافر میارید اے بتاں
زانکہ بود ایں کافرستاں را مسلمانے دگر

ہر چہ ممکن بود کردم چارہ و درمانِ خویش
بعد ازیں جز جاں سپردن نیست درمانے دگر

با چنیں خونابہ دست از چشمہا خسروؔ بشوی
زانکہ ایں خانہ نیارد تابِ بارانے دگر

جز دہاں کوئی نہ گر ہے شکرستانِ دگر
ہے نہ جز لب بھی ترے کوئی نمکدانِ دگر

دیکھ کر نازو نیازِ تو و من کہتا ہوں میں
تو بہ شہرِ دیگر و من در بیابانِ دگر

دل نہ کر میرا خراب، اے خانہ برانداز یوں
جز ترے کوئی نہیں اس میں ہے مہمانِ دگر

دشمنِ جاں آبِ حیوانِ لبِ جاناں ہوا
اے خضر دکھلا کوئی اب آبِ حیوانِ دگر

اے بتاں، مجھ پہ رحم کچھ تو کہ ہے کوئی نہیں
کافرستاں میں تمہارے اک مسلمانِ دگر

سوئے مقتل جا رہا ہوں جان دینے کے لئے
جب کہ اب کوئی نہیں ہے اور درمانِ دگر

خوں فشانی مت کرو آنکھوں سے خسروؔ اس قدر
اب رہی دل میں نہ کچھ ہے تابِ بارانِ دگر

۲۹۳

جولانِ توسنش ہیں، ہر سو غبارِ دیگر
فتراکِ او نگہ کن، ہر سو شکارِ دیگر

دلہا اسیر گیرد، جانہا شکار سازد
ہرگز نہ دیدہ ام من زینساں سوارِ دیگر

از خندۂ تو بر جاں یک یادگار دارم
وز داغِ ہجر بر جاں صد یادگارِ دیگر

ہر دو لبِ تو، جاناں از یک مے اند لیکن
ہر نرگسِ تو دارد خواب و خمارِ دیگر

یکبار دل بہ من دہ، سوگند می خورم من
بینم اگر بہ خوباں در عمر بارِ دیگر

از دستِ خوبرویاں دیوانہ گشت خسرو
تنہا نہ او کہ چو او چندیں ہزارِ دیگر

جولانِ اسپ میں ہے ہر سو غبارِ دیگر
فتراک میں ہے تیرے ہر دم شکارِ دیگر

دل سب اسیر تیرے، جانیں شکار تیری
دیکھا نہیں کسی نے تجھ سا سوارِ دیگر

اک یادگار تیرے خندے سے میری جاں میں
پر دل میں ہجر سے ہیں صد یادگارِ دیگر

لعلیں لبوں پہ تیرے رنگِ شرابِ احمر
آنکھوں میں تیری جاناں خواب و خمارِ دیگر

یک بار گر تُو دیکھے نظرِ کرم سے مجھ کو
دیکھوں میں پھر نہ خوباں، اے جان، بارِ دیگر

خسرو ہی اک نہیں ہے شیدائے خوبرویاں
مانند اس کے، عاشق ہیں صد ہزارِ دیگر

۲۹۴

اے شہسوار، دست بہ سوئے عناں مبر
بر صید تیر مفگن و از خلق جاں مبر

چوں در شکار بر سرِ آہو گذر کنی
چشمت بس است، دست بہ تیر و کماں مبر

گفتی کہ نیست یادِ منت، از خدا بترس
بر من کہ سوختم ز فراق ایں گماں مبر

دل بردہ ای بیا شہِ مردم شکار، وہ
تن لاغر است، طعمۂ زاغ استخواں مبر

سودے بکن، ہمیں کہ بیائی بہ سوئے من
صبر و قرارِ خسروِ مسکیں زیاں مبر

اے شہسوار، عزمِ رکاب و عناں نہ کر
مقصد شکارِ دل ہے ترا قصدِ جاں نہ کر

کافی کمانِ ابرو و تیرِ نگہ ہیں جب
صیدوں کو تو نشانۂ تیر و کماں نہ کر

جلتا ہوں آگ میں تری فرقت کی رات دن
میں نے بھلا دیا ہے تجھے، یہ گماں نہ کر

اک لاشِ بے کفن ہوں، دفن کر کہیں مجھے
کر کے ہلاک طعمۂ زاغ استخواں نہ کر

آیا قرار و صبر ہے مدت کے بعد جب
خسرو ہوا و حرص میں اس کو گنواں نہ کر

۲۹۵

از چشمِ تو کہ ہست زتو، جاں شکار تر
دل نیست در جہاں زدلِ من فگار تر

می گوئی تلخ از آں لبِ شیریں کہ زہر تست
زآبِ حیات بر دل و جاں سازگار تر

گفتم کہ ہوشیار شو اے دل بہ کارِ عشق
عقلم بہ گوش گفت، زمن ہوشیار تر

در عشق بد گوار بود پندِ دشمناں
حقا کہ پندِ دوست از آں ناگوار تر

پرسی کہ چوں نخست دلت بیقرار نیست
گر باورم کنی قدرے بیقرار تر

رخ ہر چہ بیش بر درِ تو می زنم بہ سنگ
بختم نگر کہ ہست زرم بے عیار تر

اس آنکھ سے جو تجھ سے بھی ہے، جانشکار تر
دل سے مرے، نہ دل ہوا کوئی فگار تر

دے چاہے جس قدر بھی کہ دل کے لئے مرے
تریاق سے، ہے زہر ترا سازگار تر

دل سے کہا کہ عشق میں ہو ہوشیار کچھ
بولا میں کیسے عقل سے ہوں ہوشیار تر

گو ناگوار عشق میں ہے پندِ دشمناں
ہوتی ہے پندِ دوست ولے ناگوار تر

کافی نہیں ہے اس کے لئے بیقرار دل
کرنا وہ چاہتا ہے اسے بیقرار تر

گھسنے سے سنگِ در پہ ترے روئے زرد کو
بد قیمتی کرے ہے یہ زر بے عیار تر

۲۹۶

قمر برید ز من مہر و من خرابِ قمر
شبم دراز چو گیسوئے نیم تابِ قمر

خرابہ ہا ہمہ چوں از قمر شود روشن
چراست تیرہ دلِ من، چوں شد خرابِ قمر

تمام شب قمرِ آسماں نمی خسپد
کہ چشم ایں قمرِ ما بہ بست خوابِ قمر

ز نور باشد ہر قطرہ چشمۂ خورشید
چوں خوں چکد ز رخ، ہمچو آفتابِ قمر

کنوں دمیدنِ صبح از رخِ قمر باشد
چوں آفتاب نہاں شد ز ماہتابِ قمر

گر آید و برود زود تر نہ جائے گلہ است
ازآں کہ نیست نہاں خسروا شتابِ قمر

خراب میں ہوں ز بیدادِ بے حسابِ قمر
دراز شب ہے جوں گیسوئے نیم تابِ قمر

ہوئے قمر سے ہیں روشن خرابہ ہا لیکن
ہے تار دل مرا جب سے ہوں میں خرابِ قمر

تمام شب قمرِ آسماں نہیں سوتا
وہ دیکھتا ہے اگر چشم نیم خوابِ قمر

ہوا ہے چشمۂ خورشیدِ آسماں تاباں
یہ نور ہائے رُخِ رشکِ آفتابِ قمر

رخِ قمر سے سحر کی طرح ہے شب روشن
ہے آفتاب نہاں گر ز ماہتابِ قمر

یہ خو ہے اس کی شکایت نہ کر تو اے خسرو
کرے اگر تجھے بے تاب ہے شتابِ قمر

۲۹۷

منم بہ خانۂ تن اینجا و جاں بہ جائے دگر
بہ دل توئی و سخن بر زباں بہ جائے دگر

بہ بوستاں روم از غم ولے چہ سود کہ ہست
دلم بہ جائے دگر بوستاں بہ جائے دگر

کجا بہ کوئے تو مانَد نسیمِ باغِ بہشت
زمیں است جائے دگر، آسماں بہ جائے دگر

نشاں ز کوئے تو پرسند و من ز بس غیرت
تو جائے دیگر و گویم نشاں بہ جائے دگر

بگو چگونہ تواں گفت زندہ خسروؔ را
کہ او بہ جائے دگر ماند و جاں بہ جائے دگر

بدن بہ جائے دگر، روح و جاں بہ جائے دگر
بہ قلب تُو و سخن بر زباں بہ جائے دگر

ہو دل سے کیسے مرا غم چمن میں دُور کہ جب
ہے دل بہ جائے دگر بوستاں بہ جائے دگر

نہ آسکے ہے ترے کُو میں بادِ خلد کہ ہے
زمیں بہ جائے دگر آسماں بہ جائے دگر

پتا کسی نے جو پوچھا تو رشک سے میں نے
بتا دیا ترا اُس کو نشاں بہ جائے دگر

وہ ڈالے جان ترے تن میں کس طرح خسروؔ
ہے تُو بہ جائے دگر اور جاں بہ جائے دگر

۲۹۸

رخِ گل خوش است و از وے رُخت اے نگار خوشتر
چہ بود گلے کہ رُویت زد و صد بہار خوشتر

چہ روم بہ باغ و بستاں چو گلے بہ تو نماند
ز گلے کہ بے تو بینم بہ دو دیدہ خار خوشتر

بہ یکے سخن کہ گوئی بہ زِیَد دوبارہ مُردہ
کہ زآبِ زندگانی دو لبت دو بار خوشتر

منم و شبے و با دل ہمہ شب حکایتِ او
کہ غمِ دراز گفتن بہ شبانِ تار خوشتر

چو روم بہ خاک جانم کند ایں سخن بہ حسرت
کہ برایں تنِ زمینی رہِ آں سوار خوشتر

غمِ ہجر راست ذوقے کہ بہ وصفِ کس نیاید
تو اگر شراب خواری زمیت خمار خوشتر

چو غلامِ تست خسرو زِید و بمُرد فریاد
تو ازیں دو گوی بیشت کہ کدام کار خوشتر

رخِ گل ہے خوش تو اس سے ہے تُو اے نگار خوشتر
تری شکل بلکہ اے جاں ہے ز صد بہار خوشتر

نہیں تُو اگر وہاں تو ہیں نہ باغ و بوستاں کچھ
کہ ترے بغیر آنکھوں میں ہے گل سے خار خوشتر

تری اک سخن سے ہو وے ہے دوبارہ زندہ مردہ
کہ زآبِ خضر دو لب ہیں ترے دو بار خوشتر

ہمہ شب تری حکایت کہی میں نے دل سے اپنے
کہ ہے غم بہت سا کہنا بہ شبانِ تار خوشتر

مجھے خاک میں رہے گا بہت انتظار اس کا
کہ مرے تنِ زمینی پہ ہے راہِ یار خوشتر

مجھے دے شراب ساقی تجھے کیوں ہے فکرِ فردا
تری مے اگر ملے تو ہے مجھے خمار خوشتر

ہوا جب سے تیرا خسرو ہے غلام ایک اس کو
نہیں بندگی سے تیری کوئی اور کار خوشتر

۲۹۹

اے سرم را بہ خاکِ پات نیاز
عاشقی راز سر کنم آغاز

جاں ز نازت ہمی شکیبد و نیست
چارۂ چوں بر آمدہ ست نیاز

گفتی، از من نہاں مکن رازت
کے شنیدی کہ من نگفتم راز

یادم آید ز زلفِ او، اے دل
باز گوئی بہ ما شب است دراز

یکدم اے بخت باز روشن کن
چشمِ محمود را بہ پائے ایاز

خسروؔ آوازِ خوب دارد دوست
کیست کاو نیست عاشقِ آواز

خاکِ پا سے ملی جو سر کو نیاز
عاشقی کا زسر ہوا آغاز

جاں سے لیوے ہے صبر ناز، ولے
اس کا چارہ نہیں سوائے نیاز

راز اپنا میں کیوں کہوں تجھ سے
جب تو رکھتا نہیں کسی کا راز

یاد آتی ہے زلف جب تیری
رات ہوتی ہے اس سے اور دراز

یکدم اے بخت کر کبھی روشن
چشمِ محمود کو بہ پائے ایاز

ہے خوش آواز یار اے خسروؔ
اور دنیا ہے عاشقِ آواز

۳۰۰

زمن چوں دل ربودی، رفت جاں نیز
کہ در دل داشت شوقت این و آں نیز

زیاقوتِ لبت مارا طمع ہاست
کزو زندہ ست جاں و ہم رواں نیز

رقیبت را مدہ دشنام ازاں لب
کہ دل را سخت می آید رواں نیز

سر پابوسِ تو تنہا نہ دل راست
کہ مشتاق است جانِ ناتواں نیز

دلے بودم، شد آں پابندِ زلفت
نمی یابم ازو نام و نشاں نیز

غمت خسرو چہ گوید آشکارا
کہ نتواں گفت رازِ تو نہاں نیز

چُرا کر لے گیا دل بھی تو جاں بھی
کہ ہے مرغوب ایں بھی اور آں بھی

ہوں میں عاشق ترے یاقوتِ لب کا
کہ زندہ اس سے ہے جاں بھی، رواں بھی

رقیبوں کو نہ دے دشنام اے جاں
کہ مردہ دل ہے ان کا اور جاں بھی

ہے دل ہی کو نہ پابوسی کی خواہش
کہ ہے مشتاق جانِ ناتواں بھی

ہوا جب سے ہے دل پابندِ گیسو
گیا ہے نام بھی اس کا نشاں بھی

چھپائے بھی، بتائے بھی ہے خسرو
کہ غم ہے آشکارا بھی نہاں بھی

۳۰۱

کشادی چشمِ خواب آلود را باز
درِ فتنہ بہ عالم کردہ ای باز

بہ دَورِ ماہِ رویت زلفِ شبرو
پریشاں کاری اکنوں کرد آغاز

بہ بُستاں گر روی در سجدہ آید
بہ پیشِ قامتت سروِ سرافراز

ربودی دل زمن وانگہ سپردی
بہ دستِ طرۂ دلدوزِ غماز

چہ جائے جاں کہ بر دل می زند تیر
چوں گردد تُرکِ چشمت ناوک انداز

اگر ندھی بہ عمرے کامِ خسرو
روا باشد بہ غیرِ او مپرداز

کیا گر باز چشمِ ناز کو باز
درِ فتنہ بہ عالم کر دیا باز

بہ دَورِ ماہِ رُخ، گیسوئے رہزن
کرے آشفتہ کاری کا ہے آغاز

اگر آئے خراماں بوستاں میں
کرے سجدہ اسے سروِ سرافراز

چرا کر دل مرا رکھا ہے اس نے
بہ دستِ طرۂ دلدوزِ غماز

کیا تیرِ بلا سے ریش سینہ
ہوا جب تُرکِ دیدہ ناوک انداز

نہ خسرو کی کرے ہے کارسازی
ولے دشمن کا ہووے ہے وہ دمساز

۳۰۲

تن پیر گشت و آرزوئے دل جواں ہنوز
دل خوں شد و حدیثِ بتاں بر زباں ہنوز

آہنگ کردہ سوئے بتاں جانِ کمتریں
کافر دلانِ حسن دروں سوئے جاں ہنوز

صد غم رسید و مرگ ہنوزم نمی رسد
صد کعبہ رفت و مہرِ دلم رائیگاں ہنوز

عالم تمام پُر ز شہیدانِ خفتہ گشت
تُرکِ مرا خدنگِ بلا در کماں ہنوز

بیدار ماندہ شب ہمہ خلق از نفیرِ من
واں چشمِ نیم مست بہ خوابِ گراں ہنوز

ہر دم کرشمہ ہائے وے افزون و آنگہے
خسرو ز بندِ او بہ امیدِ اماں ہنوز

تن ہے ضعیف، خواہشِ دل پر جوان ہے
دل خوں ہے پر حدیثِ بتاں بر زبان ہے

رکھتی ہے عزم سوئے بتاں جانِ کمتریں
کافر دلوں کا قصد وے سوئے جان ہے

زندہ امیدِ وصل ہے دل میں ابھی تلک
کوشش تمام گرچہ ہوئی رائیگان ہے

صیدوں سے پُر جہان ہے، اس کے وے ابھی
رکھتا ہزار تیر وہ اندر کمان ہے

بیدار خلق سب ہے فغاں سے مری، وے
وہ چشمِ نیم مست بہ خوابِ گران ہے

خسرو کرشمہ ہائے بتاں سے ہے ریش گو
رکھتا ابھی تلک وہ امیدِ امان ہے

۳۰۳

نازنیناں و چار بالشِ ناز
خاکساران و آستانِ نیاز

جور و خواری کشیدن از محبوب
خوشتر است از ہزار نعمت و ناز

گوشِ مجنون و حلقۂ لیلیٰ
سرِ محمود و آستانِ ایاز

نام و ناموسِ دین و دنیا را
چہ محل پیشِ عاشقِ جانباز

عشق در ہر دلے فرو ناید
زانکہ ہر سینہ نیست محرمِ راز

امشب از رفتہ باز نتواں گفت
زانکہ شب کوتہ است و قصہ دراز

خسرو ار گریہ کرد معذور است
کش چو شمع است کارِ سوز و گداز

نازنیناں و غمزۂ طنّاز
خاکساران و آستانِ نیاز

جور و بیدادِ یار سے خوشتر
ہیں نہیں صد ہزار نعمت و ناز

گوشِ مجنون و حلقۂ لیلیٰ
سرِ محمود و آستانِ ایاز

نام و ناموسِ مذہب و دنیا
ہیں نہ کچھ پیشِ عاشقِ جانباز

نہ ہر اک دل میں گنجِ الفت ہے
کہ نہ سینہ ہر اک ہے محرمِ راز

کس طرح ہو بیانِ غم پورا
رات کوتہ ہے اور قصہ دراز

روئے خسرو نہ کیوں کہ جب اسکا
صورتِ شمع ہے کارِ سوز و گداز

۳۰۴

بیا کہ بزمِ طرب را چمن نہاد اساس
بیا کہ بادِ صبا گشت عیسوی انفاس

بنوش بادۂ گلگوں بہ طرفِ باغ کہ من
زپا فتادہ ام از دستِ محنتِ افلاس

بہ راہِ کعبہ کہ از ہر طرف کمیں گاہے ست
اگر ز خویش گذشتی، قدم منہ بہ ہراس

کسے بہ دلقِ مرقع کجا شود درویش
چوں سینہ صاف نباشد چہ سود ترکِ لباس

دروں چوں پاک شود از کدورتِ اغیار
تو خواہ جامۂ اطلس بپوش، خواہ پلاس

حدیثِ دوزخ و جنت دگر مگو خسرو
وصالِ یار طلب کن، گذر ازیں وسواس

تُو آ کہ بزمِ طرب سے ملی چمن کو اساس
تُو آ کہ بادِ صبا میں ہیں عیسوی انفاس

چمن میں بادۂ گلگوں کی کر سخا، ساقی
کہ تنگ دل ہوں میں از دستِ کلفتِ افلاس

ہیں گرچہ دشت میں اس جا بہ جا کمیں گاہیں
یہ راہِ شوق ہے اس میں نہ رکھ قدم بہ ہراس

پہن کے خرقہ بنا ہے نہیں کوئی صوفی
نہ گر ہے صاف ترا دل تو کر نہ ترکِ لباس

پڑے ہے فرق نہ کوئی، نہ دل ہو پاک اگر
ہو چاہے جامۂ اطلس، ہو چاہے دلقِ پلاس

حدیثِ دوزخ و جنت نہ ہم سے کہہ خسرو
وصالِ یار طلب کر، نہ کر یہاں وسواس

۳۰۵

خرابیِ من ازاں چشمِ پُرخماری پرس
ہلاکِ جانم ازآں لالۂ بہاری پرس

ززخمِ غمزہ چہ پرسی کہ در جگر چند است
زصد فزونست، ولے زخمہائے کاری پرس

غلامِ چشمِ توام گرچہ ناوکِ تو خوش است
ولیک لذتِ آں از دلِ شکاری پرس

دلم کہ زود فراموش میکند خود را
مپرس ہیچ ز ہجران و بیقراری پرس

مراست دردِ سرے از خمارِ مستیِ عشق
علاجِ دردم ازاں نرگسِ خماری پرس

کجاست دولتِ آنم کہ بر درت باشم
نشانِ من بہ سرِ کوئے خاکساری پرس

سرودِ ذوقِ فراواں شنیدہ ای اکنوں
بیا ز خسرو ذوقِ فغان و زاری پرس

وجہ خرابیِ دل چشمِ پُرخماری ہے
ہلاک جان کرے لالۂ بہاری ہے

کیا ہے ریش جگر ہی مرا نہ غمزے نے
لگایا قلب پہ بھی زخم ایک کاری ہے

ہوں میں غلام اگرچہ کمانِ ابرو کا
بہت لذیذ ولے ناوکِ شکاری ہے

کیا ہے درد نے بے ہوش ہجر میں، لیکن
ذرا بھی کم نہ ہوئی دل کی بیقراری ہے

خمارِ عشق سے ہے دردِ سر مگر اے جاں
علاج اس کا تری نرگسِ خماری ہے

ملی نہ سر کو مرے خاکِ آستاں جو تری
نشانِ سر بہ سرِ کوئے خاکساری ہے

سرودِ ذوقِ فراوان سن کے، اے خسرو
ہوا نہ کم ترا ذوقِ فغان و زاری ہے

۳۰۶

مرا کارے ست مشکل با دلِ خویش
کہ گفتن می نیارم مشکلِ خویش

خیالت داند و چشمِ من و غم
کہ ہر شب در چہ کارم با دلِ خویش

ز واپس ماندگاں یادے کن آخر
چہ رانی تند جانا محملِ خویش

مرا در اولیں منزل رہ افتاد
ترا خوش باد راہ و منزلِ خویش

نہ من زانگونہ در دریا فتادم
کہ آید کشتیم در ساحلِ خویش

چہ فرصتہا کہ گم کردم دریں راہ
ز بختِ خوابناکِ غافلِ خویش

کم از جولانیٔ آخر در رہِ ما
چوں خسرو خاک کرد آب و گلِ خویش

مجھے ایسی ہے مشکل با دلِ خویش
کہ آساں ہے نہ کہنا مشکلِ خویش

ہے دیدہ ہی مرا جو جانتا ہے
کیا شب میں جو میں نے با دلِ خویش

نہ پیچھے چھوڑیوں پس ماندگاں کو
چلا مت تیز اتنی محملِ خویش

شکستہ پا ہوں میں منزل میں پہلی
مبارک تجھ کو راہ و منزلِ خویش

ہے خستہ اس قدر کشتی کہ اس کو
نہ لا سکتا ہوں اندر ساحلِ خویش

مواقع کس قدر ضائع ہوئے ہیں
ز بختِ خوابناکِ غافلِ خویش

تو کر جولاں کہ خسرو نے جلا کر
بنائی خاک ہے آب و گلِ خویش

۳۰۷

دُزدانہ در آمد از درم دوش
افگندہ کمندِ زلف بر دوش

آیا دُزدانہ یار اندرٔ دوش
ڈال کر اک کمندِ زلف بہ دوش

برخاستم و فتادم از پای
چوں او بنشست رفتم از ہوش

گر گیا میں زمیں پۂ جب اٹھا
وہ جو بیٹھا تو گر گیا مدہوش

گشتم بہ نظارۂ جمالش
حیران و خراب و مست و بیہوش

کر کے نظارہ ہو گئی خلقت
مست و حیران و بے خود و بیہوش

آں نرگسِ نیم مستِ جادوش
آہو برۂ بہ خوابِ خرگوش

نرگسِ نیم مست و جادوگر
آہو و نیم خوابیِ خرگوش

بے روئے تو نوش میشود نیش
وز دستِ تو نیش میشود نوش

تو نہ ہو گر تو نوش نیش بنے
اور تو ہو تو نیش بھی ہے نوش

یک حلقہ بہ گوشِ خسروؔ انداز
کہ بندۂ تست و حلقہ در گوش

حلقہ در گوش ہووے خسروؔ ہے
حلقۂ زلف دیکھ کر بر گوش

۳۰۸

سالہا خوں خوردہ ام از بختِ بے سامانِ خویش
تا زمانے دیدہ ام روئے خوشِ جانانِ خویش

از خیالِ او چہ نالم، رفت چوں کارم ز دست
من بہ خونِ خویش پروردم بلائے جانِ خویش

بسکہ خود را گم کنم شبہا بہ گردِ کوئے تو
رہ نیابم باز سوئے خانۂ ویرانِ خویش

گر کُشندم بہرِ او پیش و بہ من آتش زنند
تا ہمی سوزم، ہمی بینم رخِ سلطانِ خویش

میکَشم خاکِ درت در چشم و کُشتہ می شوم
چند خونابہ خورم زیں دیدۂ گریانِ خویش

از جفائے تست خوں اندر دلِ خسروؔ مدام
از وفا نبوَد کہ باشم در پئے سامانِ خویش

خونِ دل ہے روز و شب از بختِ بے سامانِ خویش
میں نے دیکھا جب سے ہے روئے خوشِ جانانِ خویش

جب سے مسکن دل بنایا ہے خیالِ یار نے
خون سے پالی ہے خود میں نے بلائے جانِ خویش

کُو ترا آباد کرنے کے لئے جو بھی گیا
جا سکا پھر وہ نہ سوئے خانۂ ویرانِ خویش

آتشِ ہجراں میں میں جلتا رہا لیکن مجھے
آگ میں آیا نظر ہر دم رخِ سلطانِ خویش

خاک کا سرمہ لگا کر آستانِ یار پر
خوں بہاتا میں رہا از دیدۂ گریانِ خویش

تُو نہیں کرتا اگر تو خود ہی کرتا ہے تبہ
دل ہوا خسروؔ کا ہے یوں درپئے سامانِ خویش

۳۰۹

مست و لایعقل گذشتم از درِ میخانہ دوش
سالکے دیدم نشستہ پیشِ پیرِ مے فروش

ق

گشتہ از دنیا و مافیہا بہ کلّی اختیار
از پئے یک جرعہ مے برباد دادہ عقل و ہوش

مطرباں افتادہ بے خود ہر یکے بر یک طرف
از نفیرِ آسودہ چنگ و از فغاں بربط خموش

شمعِ مجلس ایستادہ زرد و لرزان و نزار
آتشے بر سر دو دیدہ آمدہ خوش خوش بہ جوش

خواستم تا بگذرم زاں در کہ ناگہ از دروں
چشمِ سالک بر من افتاد و درآمد در خروش

گفت اے غافل کجائی چند گردی ہر طرف
بگذر از خویش و درآور شربِ ما یک جرعہ نوش

تو ہم از دُردی کشاں شو در خراباتِ مغاں
تا بیابی ہر چہ خواہی ایں نصیحت دار گوش

مست و بیخود میں گیا درِ خانۂ خمّار دوش
دیکھ کر صوفی کو بیٹھا پیشِ پیرِ مے فروش

غافلِ دنیا و مافیہا ہوا تھا اس قدر
کر رہا تھا بہرِ یک جرعہ تباہ وہ عقل و ہوش

مطرباں نغمہ زناں و ساقیاں عشوہ کناں
از نفیرِ آسودہ چنگ و از فغاں بربط خموش

شمعِ مجلس از خروش و سوزِ لرزان و نزار
از فروغِ شعلہ بر سر آمدہ خوش خوش بہ جوش

دیکھ کر آتا ہوا مجھ کو درونِ میکدہ
آ گیا صوفی کے دل میں ایکدم جوش و خروش

بولا اے غافل کہاں پر تھا تو اُتنی دیر سے
پاس آ کر بیٹھ میرے جام مے کر ایک نوش

دُرد کش ہو رند ہو اندر خراباتِ مغاں
گر طلب فرصت ہے غم سے یہ نصیحت کر بہ گوش

۳۱۰

دوش ما بودیم و جامِ بادہ و مہتابِ خوش
واں پسر مہمان و عشرت را ہمہ اسبابِ خوش

سوئے لب می بُرد جام و انگبیں می گشت مے
بسکہ مے را چاشنی میداد زاں جلابِ خوش

از خمِ ابرو سخن می گفت آں خورشید رُو
من نمازِ چاشت میکردم دراں محرابِ خوش

گفتم امشب خرم و خوش بیدمت در خواب گفت
پاسباں خفتہ نباید گرچہ بیند خوابِ خوش

خواب بود آں یا خیال آخر کجا شد آں نشاط
از لب و رُوی و شراب و خلوت و مہتابِ خوش

خسروا خوش خوش ز دیدہ خونِ نابے میخوری
تا منم از چشمِ خود ہرگز نہ خوردم آبِ خوش

دوش تھے عشاق و دورِ ساغر و مہتابِ خوش
شاہداں مہمان و عشرت باہمہ اسبابِ خوش

بن رہا تھا لب کی شیرینی سے بادہ انگبیں
دے رہا تھا مے کو لب پر چاشنی لُعابِ خوش

دیکھ کر خورشیدِ رُوئے یار پر ابرو کا خم
میں نمازیں پڑھ رہا تھا پیشِ یک محرابِ خوش

جب کہا خرم ہوں تجھ کو دیکھ کے میں خواب میں
بولا اے عاشق تجھے جائز نہیں ہے خوابِ خوش

اب خیال و خواب ہے میرے لئے عشرت جو تھی
از لب و رُو و شراب و خلوت و مہتابِ خوش

کس خوشی سے خون بہاتا ہے وہ اپنی آنکھ سے
اور خونیں اشک کو کہتا ہے خسرو آبِ خوش

۳۱۱

چندیں شبم گذشت بہ کُنجِ خرابِ خویش
نورے ندادیم شبے از ماہتابِ خویش

روئے چناں مپوش ز عشاقؔ کاہلِ دل
از تشنگاں دریغ ندارند آبِ خویش

او حال پرسد از من و گریہ دہد جواب
فریادِ من ز گریۂ حاضر جوابِ خویش

بینم شبت بہ خواب و ز مستی و بے خودی
گویم بہ درد بادر و دیوارِ خوابِ خویش

گر نہ کباب کردنِ دلہا شدش حلال
آں مست را بحِلِ نکنم من کبابِ خویش

گر نزدِ دوست کشتنِ عاشق صواب شد
خسروؔ نہ دوستی ست کہ جوید صوابِ خویش

شب بھر رہا میں گرچہ بہ کُنجِ خرابِ خویش
روشن نہ تُو نے رات کی از ماہتابِ خویش

پوشیدہ عاشقوں سے نہ رکھ رُو کہ اہلِ دل
تشنہ لبوں سے دُور نہ رکھتے ہیں آبِ خویش

جب حال پوچھتے ہیں تو دیتی جواب ہے
فریادِ من ز گریۂ حاضر جوابِ خویش

گر دیکھتا ہوں خواب میں تجھ کو تو دردِ دل
کرتا بیاں ہوں بادر و دیوارِ خوابِ خویش

کرنا کبابِ دل ہے روا گو تجھے، ولے
رکھتا نہاں میں غم سے ترے ہوں کبابِ خویش

گو قتلِ عاشقاں ہے کارِ صواب اک
خسروؔ سے رکھ تو دُور یہ کارِ صوابِ خویش

۳۱۲

ابرِ خوش است و وقتِ خوش است و ہوائے خوش
ساقیِ مست دادہ بہ مستاں صلائے خوش

بارانِ خوش رسید و حریفانِ عیش، را
گشت آشنائے جان و نہ بے آشنائے خوش

آنکس ز ہوشیاریِ عقل است بے خبر
کز بادہ بے خبر نہ شود در ہوائے خوش

گرچہ دعائے توبہ خوش است، اے فرشتہ ہاں
تا سوئے آسماں نبری ایں دعائے خوش

مستانِ عشق را دل و جاں وقفِ شاہد است
حجت ز خطِ ساقی و مطرب گوائے خوش

بے روئے خوب خوش نبود دل بہ ہیچ جا
گل گرچہ خوبرو بود و باغ جائے خوش

عشقِ بتاں اگرچہ بلائے ست جانگداز
خسرو بہ جان و دیدہ خرید ایں بلائے خوش

ہیں جب بہار و ابر و فضا و ہوائے خوش
ہو خوب ساقیا! تو اگر دے صلائے خوش

باران و رعد و برق بنے ہیں بہاریں
ناشاد عاشقوں کے لئے آشنائے خوش

ہشیاریِ خرد سے رہا جو ہے بے خبر
پینے سے بے خبر نہ ہوا در ہوائے خوش

گر ہے دعائے توبہ خوش، اے کاتبِ عمل
لے کر تو آسماں پہ نہ جا یہ دعائے خوش

مستوں نے جان و دل ہیں کئے وقفِ شاہداں
اس بات کے ہیں ساقی و مطرب گوائے خوش

بے حسنِ روئے یار نہ ہووے ہے شاد دل
گرچہ حسین گل ہے گلستاں ہے جائے خوش

عشقِ بتاں اگرچہ بہت ہے بلائے جاں
خسرو خرید جاں کے عوض یہ بلائے خوش

۳۱۳

آں چشمِ سخن گو نگر و آں لبِ خاموش
واں تلخیِ گفتار و شکر خندۂ خوں نوش

پوشیدہ نماند آتشِ من در تنِ چو کاہ
آں شعلہ بر آمد کہ نہفتیم بہ خس پوش

تو خواہ دلا خوں شو و خواہی برو اے جاں
کاں شوخ نخواہد شدن از سینہ فراموش

عمرم شد و روزے بہ رُخت سیر ندیدم
زیرا کہ تو می آئی و من می روم از ہوش

آتش بودم بے تو بہ آگندۂ دوزخ
گر لالہ کشم در بر و گر سرو در آغوش

از رہ زدنِ خسرو اگر منکری اے شوخ
آں دُزدِ سیہ را چہ نشانی بہ بنا گوش

وہ چشمِ سخن گو تری وہ اک لبِ خاموش
وہ تلخیِ گفتار و شکر خندۂ خوں نوش

پوشیدہ رہی آگ نہیں کاہِ بدن میں
شعلہ میں نہاں رکھ نہ سکا اندرِ خس پوش

دل خون ہو یا جائے مری جان بدن سے
کر وہ نہیں سکتا ہوں کبھی شوخ فراموش

کس طرح میں دیکھوں ترا حسنِ رخِ زیبا
یک لخت تجھے دیکھ کے ہوتا ہوں جو بیہوش

ایندھن میں جہنم کا بنوں بن ترے اے جاں
گر گل مرے پہلو میں ہو گر سرو در آغوش

خسرو کا اگر دل نہ چرایا ہے تو جاناں
یہ دُزدِ سیہ زلف ہے کیوں نزدِ بنا گوش

۳۱۴

گہ گہ نظرے باز مدار از منِ درویش
چو منعمِ بخشندہ بہ دریوزۂ درویش

مارا دلِ صد پارہ و لعلت نمک آلود
مشمار کہ تا روزِ اجل بہ شود ایں ریش

ساقی منگر توبہ، قدح بر سرِ من ریز
تا غرقہ شود ایں خردِ مصلحت اندیش

ایمانِ من اندر شکنِ زلفِ بتاں شد
کافر کندم دل کہ اگر گردم ازیں کیش

اے آں کہ زنی طعنہ بہ خسرو زپئے عشق
تو فارغی از درد کہ من خوردم ازایں نیش

در پہ ترے آیا ہوں کہ مشکل میں ہے جاں بیش
اے منعمِ بخشندہ ہٹا گھر سے نہ درویش

لعلِ نمک آلود ترا دیکھ کے، اے جاں
صد پارہِ جگر ہو گیا، دل ہو گیا صد ریش

کر سر پہ نگوں ساقیا، بادے کا قرابہ
تا غرق ہو مے میں خردِ مصلحت اندیش

ایماں مرا اندر شکنِ زلفِ بتاں ہے
کافر ہوں اگر ترک کروں میں یہ کبھی کیش

طعنہ کوئی دیوے ہے اگر عشق کا خسرو
لگتا مرے دل پر ہے یہ آ کر صفتِ نیش

۳۱۵

ہر کس نشستہ شاد بہ کام و ہوائے خویش
بے چارہ من اسیرِ دلِ مبتلائے خویش

ہم جاں درونِ ایں دل وہم دوست وہ کہ من
خوناب ہا خورم زدلِ بے وفائے خویش

فرداست ار بہ بندہ جدائی دلا بیا
کامروز نوحہ بکنم از برائے خویش

جاناں رسم بہ کوئے تو من آں کبوترم
کآید بہ میہمانیِ شاہیں بہ پائے خویش

من در ہوائے یار برم پے کہ بر پرم
پرندہ بہ زمن کہ پرد در ہوائے خویش

خسرو ز خویش بہر تو بیگانہ شد چنانک
گوئی کہ ہیچ گاہ نبود آشنائے خویش

ہر اک ہے شادیاں پہ بہ شوق و ہوائے خویش
ہوں میں ہی اک اسیرِ دلِ مبتلائے خویش

یہ دیکھ کر کہ اس میں ہے جاناں بھی جان بھی
خوں کر دیا ہے میں نے دلِ بے وفائے خویش

ہونا جدا جو تجھ سے ہے فردا تو خوف سے
امروز کر رہا ہوں میں نوحہ برائے خویش

ہوں اک پرند میں ترے کوچے میں وہ جو خود
آیا بہ میہمانیِ شاہیں بہ پائے خویش

بے پر ہوا ہوا میں تری یوں پرندِ دل
اُڑ یہ سکا نہ پھر کبھی اندر ہوائے خویش

بیگانہ خود سے عشق میں ہے خسرو اس قدر
لگتا ہے تھا کبھی یہ نہیں آشنائے خویش

۳۱۶

آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش
وقت است خوش بہار کہ وقتِ بہار خوش

در باغ با ترانۂ بلبل دریں ہوا
مستی خوش است و بادہ خوش است و بہار خوش

مائیم و مطربے و شرابے و محرمے
جائے بہ زیرِ سایۂ شاخِ چنار خوش

اے باد کاہلی مکن و سوئے دوست رَو
مارا بکن بہ آمدنِ آں نگار خوش

با او در آں زماں کہ مَیش راہ میدہد
بازی خوش است و بوسہ خوش است و کنار خوش

از وے خوش است بر شکنیہا بہ گاہِ ناز
وز خسروِ شکستہ فغاں ہائے زار خوش

سرو و صنوبر و چمن و شاخسار خوش
گل خوش بہار سے ہیں، گلوں سے بہار خو

ساقیِ گلعذار کے فیضان سے آج
مستی و عیش و عشرت و کیف و خمار خو

ہوں گر شراب و شاہد و مطرب جو باغ
پینا ہے زیرِ سایۂ شاخِ چنار خو

لے کر تو کوئے یار سے آ اور کر
گلشن میں، اے نسیم! بہ بوئے نگار خو

طرفِ چمن میں شاہد و ساقی کے فیض
ہیں لہو و لعب و بازی و بوس و کنار خو

فرقت میں یارِ قلب شکن کی، ترے ہیں
اے خسروِ شکستہ فغاں ہائے زار خو

۳۱۷

اے ز سودائے تو در دل رونقِ بازارِ عشق
مرہمِ جانہاست از یادِ لبت آزارِ عشق

دی کہ میرفتی بہ پیشِ عاشقاں غمزہ زناں
دیگراں بسمل شدند و من شدم مردارِ عشق

تیغِ خود بگذار تا وامِ تو بگذارم ازانک
وامِ معشوق است سر بر گردنِ عیارِ عشق

عاشق ار بر زیستن میرد رخش بنما بسیر
تا بمیرد زاں مفرح جاں کناں بیمارِ عشق

از دعایت من چوں اے زاہد نگشتم نیک بخت
تو بیا بارے چو من بد بخت شو در کارِ عشق

خسروا با جان و دل ہم قصۂ جاناں مگوی
زانکہ نتواں گفت با نامحرماں اسرارِ عشق

تیری الفت سے ہے دل میں رونقِ بازارِ عشق
مرہمِ جاں بن گیا ہے عشق میں آزارِ عشق

تُو گیا کل جب بہ پیشِ عاشقاں غمزہ زناں
نیم بسمل ہو گئے سب، میں ہوا مردارِ عشق

سر قلم کر تیغ سے تا قرض ہو تیرا ادا
قرضِ معشوقاں ہے سر بر گردنِ افگارِ عشق

روئے جاں افزا دکھا مرنے سے پہلے تُو اسے
تاکہ صحت مند ہو کر کچھ مرے بیمارِ عشق

تُو دعا کرتا ہے زاہد نیک بختی کی مری
میں یہ کہتا ہوں کہ تُو بد بخت ہو در کارِ عشق

مت سنا خسرو ہر اک کو قصۂ درد و الم
ہیں نہ کہنے ٹھیک با نامحرماں اسرارِ عشق

۳۱۸

رسید دوش ندائے ازیں بلند رواق
کہ اے مقیمِ زوایائے شہر بندِ فراق

دریں حضیض چرا گشتہ ای چنیں محبوس
گذر چو طائرِ قدسی ز اوجِ ایں نُہ طاق

منافقند و ریائی جمیعِ اہلِ بشر
بیا بہ صحبتِ یارانِ بے ریا و نفاق

ترا بہ روزِ ازل با حبیب عہدے بود
چہ آمدت کہ فراموش کردہ ای میثاق

کسے کہ مسکنِ اصلیش عالمِ علوی ست
چہ میکند بہ خراساں چہ میرود بہ عراق
زخویش بگذر و باز آی سوئے ما خسروؔ
کہ نیست خوشتر ازیں جای در ہمہ آفاق

ندا یہ آئی سرِ شام از بلند رواق
کہ اے مقیمِ زوایائے شہر بندِ فراق
نکل تُو خاک کے زنداں سے طائرِ قدسی
کہ ہے مقام ترا اک بلندیِ نُہ طاق

جمیعِ اہلِ بشر ہے منافقوں سے پُر
تُو آ بہ صحبتِ یارانِ بے ریا و نفاق

کیا جو روزِ ازل تھا حبیب سے اپنے
وہ کیوں کیا ہے فراموش تُو نے اک میثاق

ہو جس کا عالمِ علوی میں مسکنِ اصلی
مقام اس کا ہو کیوں اصفہان و یزد و عراق
تُو لامکاں میں آ چھوڑ کر مکاں خسروؔ
کہ جا نہ اس سے ہے بہتر کوئی بھی در آفاق

٣١٩

تُرکِ سفید رُوی و سیہ چشم و لالہ رنگ
مثلت نزاد مادرِ ایام شوخ و شنگ

زلفِ تو بر رخِ تو ہر آنکس کہ دید گفت
بگرفت ملکِ چین و حبش پادشاہِ زنگ

با تیرِ چشم جادو و ابروئے چو کماں
داری قدے کشیدہ تر از قامتِ خدنگ

آہو صفت شکارِ دلِ عاشقاں کند
آں شیر گیر آہوئے چشمِ تو چوں پلنگ

در سنگ سیم باشد و ایں طرفہ تر کہ تو
داری درونِ سینۂ سیمیں دلے چو سنگ

آبِ حیاتم از لب و دنداں رواں شود
گر بوسۂ بہ بندہ دہی زاں دہانِ تنگ

بر نظمِ خسرو از سرِ مستی سخن مگیر
کو ہست در ہوائے تو فارغ ز نام و ننگ

تُرکِ سفید رُو و سیہ چشم و لالہ رنگ
معشوق جس سے کوئی نہیں بیش شوخ و شنگ

دیتے خراج ہیں اسے مصر و عراق و چیں
ہندوئے زلف جو ہے بنا بادشاہِ زنگ

ابرو ہے بیش اس کی خمیدہ تر از کماں
اس کا ہے قد کشیدہ تر از قامتِ خدنگ

کرتا غزالِ چشم ہے اک صیدِ عاشقاں
خونخوار و شیر گیر ہے جو صورتِ پلنگ

ہوتی ہے سیم سنگ میں لیکن رکھے ہے اک
دل اندرونِ سینۂ سیمیں وہ تُرکِ سنگ

آبِ زلالِ زندگی دیوے لبوں سے ہے
بوسہ جو اک ملے ہے کبھی از دہانِ تنگ

لوگو لگاؤ عیب نہ خسرو کی نظم پر
ہے وہ ہوائے یار میں فارغ ز نام و ننگ

۳۲۰

مرا بہرت خصومتہاست با دل
کنوں با من دریں سودا و با دل

گلہ مجھ کو ہوا ہے بیش با دل
بنا میرے لئے ہے اک وبا دل

اگر بادِ سرِ زلفت ہمین است
کجا ما و کجا جان و کجا دل

کیا برباد ہے گیسو نے ایسا
کجا ما و کجا جان و کجا دل

ز تو از گوشۂ چشمے اشارت
زما عقل و زما جان و زما دل

ز تو از گوشۂ چشمے اشارت
زما عقل و زما جان و زما دل

دل ار بیگانہ گشت از من نرنجم
کہ عاشق را نباشد آشنا دل

ہوا کیا گر ہوا بیگانہ مجھ سے
بنا میرا یہ کب تھا آشنا دل

بہ خونِ گرم دل پیوست با دوست
بدینساں چوں تواں کردن جدا دل

بخونِ گرم ہے پیوست جب یہ
کروں میں یار سے کیسے جدا دل

بماندم در بلائے دل کہ یارب
مبادا ہیچ کس را مبتلا دل

گھرا ہے یوں بلاؤں سے کہ یارب
نہ ایسا ہو کسی کا مبتلا دل

بہ یک دلدار بس کن خسروا زانک
نہ بندد ہیچ عاشق جا بہ جا دل

تجھے معشوق اک کافی ہے خسرو
کہ دیوے ہے نہ عاشق جا بہ جا دل

۳۲۱

مسلماناں برفت از دستِ من دل	مسلمانوں وہ کافر لے گیا دل
چوں دیدم آنچناں شکل و شمایل	دکھا کر یک لمحہ شکل و شمایل
زہے صانع خدا کز لطف بنگاشت	زہے صانع خدا جس نے بنایا
ازنیساں صورتے از آب و از گِل	پری چہرہ وہ اک از آب و از گِل
نباشد چوں جمالت مجلس افروز	نہ ہو مجلس فروز اس رخ کی طرح
اگر خورشید بنشیند بہ محفل	اگر خورشید خود آئے یہ محفل
دلم منزل بہ زلفت کرد، گوئی	ہوا جب دل مقیم زلف اس نے
نخواہد رفت ازیں فرخندہ منزل	نہ چھوڑی یہ کبھی فرخندہ منزل
ملامت می کنند اصحاب مارا	ملامت دوست جو کرتے ہیں اتنی
ز دردِ ما مگر ہستند غافل	وہ دردِ عشق سے میرے ہیں غافل
ندارم طاقتِ دردِ فراقت	نہیں تابِ فراقِ یار مجھ کو
فراقِ دوستاں کارے ست مشکل	کہ ہجرِ دوستاں ہے بیش مشکل
دریں رہ خسروا دیوانہ می باش	ملی دیوانگی جس کو ہو خسرو
نمی باید شنیدن پندِ عاقل	نہیں اس کے لئے کچھ پندِ عاقل

۳۲۲

خیز کہ جلوہ می کند چہرۂ دل کشائے گل
عالمِ بے خودی خوش است خاصہ کہ در ہوائے گل

نافہ کشائے بوستاں سکہ بنامِ گل زدہ
خطبۂ بلبلاں ہمہ نیست مگر ثنائے گل

تاجِ مرصع آورد شاخے زہر شگوفۂ
تختِ زمردیں زند تخت بہ زیرِ پائے گل

ابرِ رواسپہ می رود بہرِ نظارۂ چمن
سرو پیادہ می شود پیشِ درِ سرائے گل

مستیِ ما بہ بوئے تو بہرِ خدا چہ جائے مے
شادیِ من بہ روئے تو بے تو جہاں چہ جائے گل

جلوہ نما ہوا ہے جب چہرۂ دل کشائے گل
مستی و بیخودی ہے خوش باغ میں در ہوائے گل

نافہ کشائے بوستاں سکہ بنامِ گل زدہ
خطبۂ بلبلاں بھی ہے نام زدِ ثنائے گل

تاجِ مرصع بن گیا شاخ پہ ہر شگوفہ اک
تختِ زمردیں بنا تخت بہ زیرِ پائے گل

ابرِ رواں ہے ہر طرف بہرِ نظارۂ چمن
سرو پیادہ پا ہوا پیشِ درِ سرائے گل

مستیِ من بہ بوئے تو بہرِ خدا چہ جائے مے
شادیِ من بہ روئے تو بے تو جہاں چہ جائے گل

۳۲۳

ترکِ من، رفتم زکویت گر زمن گشتی ملول
خیر بادت می کنم یک سجدۂ فردا قبول

زور و زر باشند اسبابِ وصال، اما مرا
نیست چیزے غیرِ زاری در تمنائے وصول

دمبدم از خونِ دل با تو نویسم نامہ لیک
جز نسیمِ صبحدم دیگر نمی یابم رسول

در حریمِ کعبۂ روحانیاں، یعنی کہ دل
جز خیالِ دوست کس را نیست امکانِ نزول

عاقلاں گر غافلند از حالِ خسرو عیب نیست
از مجانیں کے خبر دارند اربابِ عقول

دیکھ کر کوچے میں مجھ کو، تو ہے کیوں اتنا ملول
بندگی آیا ہوں کرنے، کر مرا سجدہ قبول

زور و زر ہیں وصل کے اسباب، لیکن ہے نہ کچھ
پاس میرے غیرِ زاری در تمنائے وصول

دمبدم با خونِ دل لکھتا ہوں میں نامہ، ولے
جز نسیمِ صبحدم دیگر نہیں کوئی رسول

در حریمِ کعبۂ روحانیاں، یعنی کہ دل
جز خیالِ دوست اب کس کو ہے امکانِ نزول

حالِ خسرو سے اگر ہیں عاقلاں غافل، تو کیا
مجنوؤں سے بے خبر رہتے ہیں اربابِ عقول

۳۲۴

منِ مسکیں چہ کنم، پیشِ کہ گویم غمِ دل
کہ زعشقِ تو بجز غصہ ندارم حاصل

اے صبا حالِ دلِ من برِ دلدار مگوی
کہ جہانے ز غمِ عشقِ تو شد لایعقل

طمعِ دانہ کند مرغ کہ در دام افتد
ورنہ در دامِ غم و غصہ نیفتد عاقل

خلق را میل بہ حورانِ بہشتی باشد
چہ کنم نیست مرا جز بہ تو خاطر مایل

بہ قیامت بَرَد از عشقِ تو حسرت خسرو
کہ بہ تشریفِ وصالِ تو نگردد واصل

کیا کروں، جاؤں کہاں، کس سے کہوں دردِ دل
کہ ترے عشق سے جز غم نہ ہوا کچھ حاصل

ایک میں ہی نہیں دل جس کا ہوا دیوانہ
سارا عالم ہے محبت میں تری لایعقل

مرغِ دانا کو کرے صید ہے طمعِ دانہ
آئے کوئی ہے نہیں دام میں ورنہ عاقل

میل حوروں سے خلائق کو ہے لیکن میری
ہے بجز تیرے کسی پر نہیں خاطر مایل

لے کے آتا ہے قیامت میں تمنا خسرو
زندگانی میں ہوا وہ جو نہ تیرا واصل

۳۲۹

رستہ بودم مہ من چند گہ از زاریِ دل
از نمکدانِ تو شد تازہ جگر خواریِ دل

تو ہمی آئی و صد غارتِ جاں از ہر سو
در چنیں فتنہ کجا صبر کند یاریِ دل

ہر کسے با دلِ آزاد ازیں شہر گذشت
من گرفتار بماندم بہ گرفتاریِ دل

دل گنہ کرد کہ عاشق شد و نزدِ خوباں
نشود عفو ہمہ عمر گنہ گاریِ دل

وقتے افگن نظرے جانبِ من، اے خورشید
کہ سیہ رُوی بماندم ز شبِ تاریِ دل

عشق گویند کہ کارِ دلِ بیدار بوَد
بہرہ ام خوابِ اجل بود ز بیداریِ دل

پند گویا ہم ازیں گونہ خرامم بگذار
کہ نمی آید ازیں خسرو معماریِ دل

کم زیادہ نہ ہوئی تھی مری کچھ زاریِ دل
کی نمک نے ترے پھر تازہ جگر خواریِ دل

لے کے صد غارتِ جاں ساتھ میں آیا جب تُو
دیکھ کر اور بھی بے صبر ہوئی یاریِ دل

کوئی آزاد دل آیا جو نظر ایک کبھی
بڑھ گئی دیکھ کے کچھ اور گرفتاریِ دل

ہے گناہ عشقِ رخِ خوب، ولے خوباں کو
بیشتر اس سے نہ کوئی ہے گنہگاریِ دل

ڈال اک اے مرے خورشید، نظر مجھ پر بھی
کہ سیہ رُو مجھے کرتی ہے شبِ تاریِ دل

گرچہ کارِ دلِ بیدار ہے الفت، لیکن
لے گئی خوابِ اجل میں مجھے بیداریِ دل

دل ہے برباد تو رہنے دے یونہی اے ناصح
کرنی آتی نہیں خسرو کو ہے معماریِ دل

۳۲۶

ہمیشہ در فراقت با دلِ افگار میگریم
غمت را اندکے می گویم و بسیار میگریم

شبے کاندر حریمت رہ نمی یابم بصد زاری
بہ حسرت می نشینم در پسِ دیوار میگریم

اگر مردم بہ مستی گاہ گاہے گریۂ دارند
چہ حال است ایں کہ من ہم مست و ہم ہشیار میگریم

گہے در خلوتِ تاریک از ہجرِ تو می نالم
گہے در فرقتت در کوچہ و بازار میگریم

چہ سوز است ایں نمیدانم بہ جانِ خسروِ مسکیں
کہ چو ابرِ بہار اندر سرِ کہسار میگریم

تری فرقت میں اے جاں! با دلِ افگار روتا ہوں
بیاں غم کر نہیں سکتا اگر! بسیار روتا ہوں

بصد زاری میں جا سکتا نہیں جب تیرے ایواں میں
تو حسرت سے بہت جاناں پسِ دیوار روتا ہوں

اگرچہ گاہ گاہے مست ہو کر سب ہی روتے ہیں
گہے میں مست روتا ہوں! گہے ہشیار روتا ہوں

گہے روتا ہوں خلوت میں شبِ تاریکِ ہجراں کی
گہے میں دیکھ کر تجھ کو سرِ بازار روتا ہوں

لگا آزار ہے خسرو کچھ ایسا جانِ مسکیں کو
کہ مثلِ ابرِ دریا بار! بر کہسار روتا ہوں

۳۴۷

بگویم حالِ خویشت، لیک از آزار می ترسم
وگر ندہم بروں، زاندیشۂ گفتار می ترسم

چہ حال است ایں کہ از بیمِ رقیباں ننگرم رُویت
ہوس می آیدم گل چیدن و از خار می ترسم

معاذ اللہ کہ از مردن بترسم در غمت، لیکن
ز داغِ دُوری و محرومیِ دیدار می ترسم

دلے دارم کباب از دستِ غم پیشت کُشم، لیکن
زخوئے نازکِ آں نرگسِ خونخوار می ترسم

جوانی، خندہ بر خونابۂ پیراں مکن، زیرا
تو می خندی و من زیں گریۂ بسیار می ترسم

نیم خسرو کہ فرہادم، بماندہ جانم از عشقت
اگر ماندہ ست، از شیرینیِ گفتار می ترسم

نہیں میں از بیانِ رنجش آزار ڈرتا ہوں
اگر ڈرتا ہوں تو از تلخیِ گفتار ڈرتا ہوں

بہت رکھتا ہوں گل چینی کی خواہش قلب میں لیکن
رقیبوں سے ترے میں، اے گلِ پُرخار ڈرتا ہوں

نہیں ہے خوف مرنے کا بحمد اللہ مجھے لیکن
ز داغِ دُوری و محرومیِ دیدار ڈرتا ہوں

کرا کر خونِ دل اپنا میں دردِ عشق کے ہاتھوں
زخوئے نازکِ یک نرگسِ خونخوار ڈرتا ہوں

نہ ہنس اے نوجواں یوں دیدۂ خونبارِ پیراں پر
تو ہنستا ہے و لے رونے سے میں بسیار ڈرتا ہوں

زباں تیری اگرچہ تیشۂ فرہاد ہے خسرو
میں ڈرتا ہوں تو از شیرینیِ گفتار ڈرتا ہوں

۳۲۸

سوارہ آمدی و صیدِ خود کردی دل و تن ہم
کمندِ عقل بگسستی، لجامِ نفسِ توسن ہم

بدامن می نہفتم گریہ، ناگہ مست بگذشتی
شدم رسوا من تردامن و صد چاک دامن ہم

تو ناوک میزنی بر جان و جانِ من ہمی گوید
کہ چشمِ بد جدا زان ناوک و زان ناوک افگن ہم

نہادم ہر چہ بود از سر، سرے ماندہ مرا بر تن
چوں بارِ سر سبک کردی، سبک کن بارِ گردن ہم

چنانم با خیالت خو، شد در کنجِ تنہائی
کہ بربستم در از خورشید و ماہ بلکہ روزن ہم

شبے روشن کن آخر کلبۂ تاریکِ من چوں من
دلِ تاریک در کارِ تو کردم، چشمِ روشن ہم

چہ کیش است آخر اے خسرو کہ بے خوبان نہ ای یکدم
زمانے آخر از بت باز می ماند برہمن ہم

سوار اک صید کرتا ہے مرا دل بھی، مرا تن بھی
کمندِ عقل توڑے ہے، لگامِ نفسِ توسن بھی

چھپائے اشک دامن میں، وہ آیا مست ہو کر جب
ہوا رسوا میں تردامن بھی اور صد چاک دامن بھی

دعا کرتی ہے جاں جب صید بنتی ہے وہ ناوک سے
بچا ناوک بھی چشمِ بد سے یارب، ناوک افگن بھی

گیا ہے سر سے بارِ عقل گو سر ہے ابھی تن پر
سبک جب بارِ سر ہے سب، سبک ہو بارِ گردن بھی

سمایا ہے خیالِ یار ایسا کنجِ خلوت میں
کیے ہے خورشید و مہ پر بند دروازہ بھی، روزن بھی

کرے وہ کلبۂ تاریک کیوں روشن نہیں ہے جب
فدا اس پر دلِ تاریک بھی ہے، چشمِ روشن بھی

تجھے خسرو بتوں کی اس قدر خواہش ہے کیوں ہر دم
نہیں رہتا حضورِ بت میں جب ہر دم برہمن بھی

۳۲۹

سودائے سرِ زلفت کاندر دل و جاں دارم
زاندیشہ دلم خوں شد تا چند نہاں دارم

گر سر نہ نہم پیشت خاکے بہ نہی بر سر
من سرمہ کنم آں را در دیدۂ جاں دارم

رگردِ دلم از عشقت گردابِ بلا شد غم
تا چند ازیں طوفاں خود را بہ کراں دارم

باتو چہ دہم ہر دم چوں ہست دمِ سردم
گل را چہ برم مہمانٔ چوں بادِ خزاں دارم

در ہجرِ تو خسرو را اینک بہ لب آمد جاں
جانے کہ رسد بر لب چندش بہ زباں دارم

کب تک غمِ الفت کو اندر دل و جاں رکھوں
اک رازِ محبت کو کب تک میں نہاں رکھوں

اے باد تو لے کر آ خاکِ رہِ جاناں کچھ
تا سرمہ بنا کر یہ در دیدۂ جاں رکھوں

گردابِ بلا غم ہے گردِ دلِ شیدا گر
طوفان میں کب تک اس خود کو بہ کراں رکھوں

جب دل میں ہے وہ اور جب سینے میں ہیں سرد آہیں
کیسے میں بچے اس سے یہ بادِ خزاں رکھوں

بے دم جو کیا مجھ کو ہے ہجر نے اے خسرو
نام اس کا میں کس طرح ہر دم بہ زباں رکھوں

۳۳۰

جاں زحمتِ خود بُرد و بہ جاناں نرسیدیم
دل رخنہ شد از درد و بہ درماں نرسیدیم

موریم کہ گشتیم لگد کوبِ سواراں
درگوشہ کہ برپائے سلیماں نرسیدیم

در عشق غبارِ سرِ زلفش تنِ خاکی
شد خاک و بداں زلفِ پریشاں نرسیدیم

چو مرغ کہ دارند نگاہ از پئے کُشتن
در دام بماندیم و بہ بُستاں نرسیدیم

اے بادِ سلامے برسانی تو اگر ما
در خدمتِ آں سروِ خراماں نرسیدیم

از خونِ جگر نامۂ دردِ تو نوشتیم
بگذشت ہمہ عمر و بہ جاناں نرسیدیم

جاں سے میں گیا اور بہ جاناں نہیں پہنچا
خوں دل کا کیا اور بہ درماں نہیں پہنچا

گو مور کی طرح تھا لگد کوبِ سواراں
فریاد کہ برپائے سلیماں نہیں پہنچا

تھا خاک پریشان بہت عشق میں اس کے
لیکن میں بہ گیسوئے پریشاں نہیں پہنچا

میں دام میں مرغانِ ہوادار کی طرح
ایسا تھا گرفتار بہ بُستاں نہیں پہنچا

پہنچا مرا پیغام دیا باد نے، گر میں
در خدمتِ یک سروِ خراماں نہیں پہنچا

لکھا تھا جو نامہ اسے اک خونِ جگر سے
بے نام و نشاں تھا وہ، بہ جاناں نہیں پہنچا

۳۳۱

عمرے شد و ما عاشق و دیوانہ بماندیم
در دام چو مرغ از ہوسِ دانہ بماندیم
ہر مرغ ز باغے و گلے بہرہ گرفتند
مائیم کہ چو بوم بہ ویرانہ بماندیم
وقتے دل و جان و خردے ہمرہِ ما بود
عشق آمد و زینشاں ہمہ بیگانہ بماندیم
در کوئے بتاں رفت ہمہ عمر دریغا
چو برہمنِ پیر بہ بتخانہ بماندیم
خاکسترے افتادہ، نہ دم ماندہ و نہ دُود
زیرِ قدمِ شمع چو پروانہ بماندیم
ناگاہ پری صورتے اندر نظر آمد
دیدیم در آں صورت و دیوانہ بماندیم
خسرو بہ زبانہا کہ فتادیم ز زلفش
گوئی تو کہ موئیم کہ در شانہ بماندیم

پیری میں بھی ہم عاشق و دیوانہ رہے ہیں
یوں دام میں اک از ہوسِ دانہ رہے ہیں
رہتا ہے ہر اک مرغ گلستان میں لیکن
ہم بوم کی مانند بہ ویرانہ رہے ہیں
ہمدم تھے دل و جان و خرد کے، مگر ان سے
ہے جب سے ہمیں عاشقی بیگانہ رہے ہیں
کوچوں میں بتوں کے ہے کٹی عمر ہماری
ہندو ہیں، برہمن ہیں، بہ بتخانہ رہے ہیں
خاکسترِ بے دُود سرِ شام ہی بن کر
بر پائے شمع صورتِ پروانہ رہے ہیں
آیا ہے نظر جب سے پری چہرۂ جاناں
صورت کے ہم اس، عاشق و دیوانہ رہے ہیں
یوں قید کے شائق دلِ عشاق تھے خسرو
رہ جب نہ سکے زلف میں، در شانہ رہے ہیں

۳۳۲

عاشق شدم و محرمِ ایں کار ندارم
فریاد کہ غم دارم و غمخوار ندارم

بسیار شدم عاشق و دیوانہ ازیں پیش
آں صبر کہ ہر بار بُد ایں بار ندارم

یک سینہ پُر از قصۂ ہجر است ولیکن
از تنگدلی طاقتِ گفتار ندارم

ایں کوریِ چشمِ غمِ نادیدنِ یار است
ورنہ غمِ ایں چشمِ گہربار ندارم

مرگم ز تو دور افگند اندیشہ ام ایں است
اندیشہ از ایں جانِ گرفتار ندارم

خوں شد دلِ خسرو ز نگہداشتنِ راز
چوں ہیچ کسے محرمِ اسرار ندارم

دل درد سے لبریز ہے دلدار نہیں ہے
فریاد کہ غم بیش ہے غم خوار نہیں ہے

ہوں عاشق و دیوانہ میں اس بار کچھ ایسا
ہر بار جو تھا صبر وہ اس بار نہیں ہے

سینہ ہے مرا ہجر سے پُر قصہ ولیکن
از تنگ دلی طاقتِ گفتار نہیں ہے

بے عکسِ رخِ یار ہے تاریک یہ گرچہ
معذور ولے چشم گہربار نہیں ہے

فرقت میں ترے تن سے نکلنے کے علاوہ
اندیشہ کچھ اے جانِ گرفتار نہیں ہے

کیسے میں نہاں راز رکھوں غیر سے خسرو
کوئی جو یہاں محرمِ اسرار نہیں ہے

۳۳۳

ہر دم غمِ خود با دلِ افگار بگویم
چوں زہرۂ آں نیست کہ با یار بگویم

دشنام کہ می گفت شبے ہم ز زبانش
ہر دم بہ ہوس خود را صد بار بگویم

ہر شب رَوم اندر سرِ آں کوی و غمِ خود
چوں نشنود او با در و دیوار بگویم

کُو جانِ گرفتار کہ باور کند از من
گر من غمِ ایں جانِ گرفتار بگویم

افگار کنم ہمچو دلِ خود، دلِ آں کس
کو را سخنے زاں دلِ افگار بگویم

خوں شد ز نہفتن دل و اکنوں رَوم اے جاں
رسوا شوم و بر سرِ بازار بگویم

یک روز بپرس آخر ازاں محنتِ شبہا
تا کے غمِ خسرو بہ شبِ تار بگویم

کیسے غم و دردِ دلِ افگار بتاؤں
کیسے تجھے احوال یہ اے یار بتاؤں

دشنام ہیں کچھ چاشنی ایسی ہے کہ سب کو
یک بار نہ دو بار، میں صد بار بتاؤں

سنتا نہیں فریاد مری تو، ہے تو کوُ میں
کیا جا کے اسے، با در و دیوار بتاؤں

ان کو جو ہیں آزاد گرفتاریِ جاں سے
کیسے میں غمِ جانِ گرفتار بتاؤں

ہو جائیں دل افگار ستم گار و جفاگر
گر ان کو میں دردِ دلِ افگار بتاؤں

رکھنے سے نہاں راز ہے دل خون کچھ ایسا
خواہش ہے کہ اب یہ سرِ بازار بتاؤں

جو حال ہے خسرو کا شبِ ہجر میں اے جاں
تُو آئے جو سننے بہ شبِ تار بتاؤں

۳۳۴

بہ بستی چشمِ من ز افسوں زباں ہم
دلم بُردی نہ تنہا بلکہ جاں ہم

گیا لے کر ہے دل بھی اور جاں بھی
فسوں سے بند کر دی ہے زباں بھی

ز تیرِ تست ما را دعویِ خوں
گواہی می دہد دل آں کماں ہم

کیا ہے خونِ دل تیروں نے تیرے
گواہ اس کے ہیں دل بھی اور کماں بھی

برو اے باد بوسے زن بر آں پای
اگر چیزے نگوید از دہاں ہم

تُو جا اے باد دے بوسہ قدم کو
اجازت ہو تو چوم اس کا دہاں بھی

بدہ ساقی کہ من مست و خرابم
پیالہ خوردہ ام رطلِ گراں ہم

خرابی تا ہو میری ساقیا دے
پیالہ بھی مجھے رطلِ گراں بھی

بت اندر قبلہ دارم نہ ہمیں بت
کہ زنارِ مغانہ بر میاں ہم

محبت ہے بتوں کی دل میں میرے
ہے زنارِ مغانہ بر میاں بھی

اگر افتد قبول ایں جانِ خسرو
بہ بوسے می فروشم رایگاں ہم

گیا ضائع نہیں ہے دل ہی اے جاں
ہوئی ہے عمرِ خسرو رایگاں بھی

۳۳۵

دلِ بے عشق را من دل نگویم
تنِ بے سوز را جز گِل نگویم

شکایت ناورم از عشق بر عقل
جفائے شحنہ با عاقل نگویم

الا اے آبِ حیواں پیشِ زلفت
رہِ ظلمات را مشکل نگویم

بسوزم در غمت ویں راز با کس
فراقم گر کند بسمل نگویم

بہ خسرو گویم ایں غم کو اسیر است
وگر خود بلینمش عاقل نگویم

دلِ بے عشق کو اک دل کہو مت
تنِ بے سوز کو جز گِل کہو مت

کرو شکوہ نہ اے عاشق خرد کا
جفائے شحنہ با عاقل کہو مت

بہ نورِ رخ ہوا روشن ہے گیسو
رہِ ظلمات کو مشکل کہو مت

کرے گر قتل غم شکوہ کرو مت
کرے فرقت اگر بسمل کہو مت

خردمندی نہیں خسرو میں بالکل
ہے سودائی اسے عاقل کہو مت

۳۳۶

زاں غمزۂ خونخوارِ جاں افگار خوش می آیدم
ناخوش بوَد زخمِ نہاں زاں یار خوش می آیدم

اے آنکہ بر دردِ دلم تدبیرِ درماں می کنی
بگذار کایں دل ہمچنیں افگار خوش می آیدم

تسبیح و زہد اے پارسا دانم کہ خوش باشد، ولے
گر راست می پرسی ز من زنار خوش می آیدم

شاہد پرستم خواندہ ای، اے زاہد و منکر نیَم
پنہاں چہ دارم پیشِ تو، ایں کار خوش می آیدم

بر یادِ روِیت روئے گل می بینم و خوں می خورم
خلقے چناں داند مگر گلزار خوش می آیدم

خسرو چوں خواندی ذکرِ او یکبار دیگر خوش بوَد
میگو کہ یادِ آں صنم ہر بار خوش می آیدم

وہ غمزۂ خونخوارِ جاں افگار اچھا ہے بہت
جو زخم دیوے دل کو ہے وہ یار، اچھا ہے بہت

تدبیرِ درماں کر نہ اے غمخوار میرے درد کی
سینہ اگر میرا رہے افگار، اچھا ہے بہت

صوم و صلوٰۃ و تسبیح و تقویٰ ہیں سب اچھے ولے
میرے لئے اے پارسا زنار اچھا ہے بہت

یہ بت بنائے ہاتھ سے اپنے ہیں خود اللہ نے
کر بت پرستی اے فقیہہ، یہ کار اچھا ہے بہت

گلشن میں اس کی یاد سے ہوتا ہے خونِ دل مرا
گرچہ خلائق کے لئے گلزار اچھا ہے بہت

گو تنگ ہیں خسرو ترے ذکرِ صنم سے لوگ سب
کہہ دے کہ کرنا ذکرِ بت صد بار اچھا ہے بہت

۳۴۷

امشب میانِ نوخطاں سرمست و غلطاں بودہ ام
جمعم کہ بارے یک شبے مست و پریشاں بودہ ام

در جمعِ خوباں بودہ ام گر بر تنے عاشق شدم
عیبم مکن اے پارسا در کافرستاں بودہ ام

گر من اسیرِ بت شدم اے پارسا عیبم مکن
آخر منِ گمراہ ہم روزے مسلماں بودہ ام

پرسی کہ با من بودہ ای وقتے و غمہا خوردہ ام
دُور از تو اکنوں مردہ ام آں روز با جاں بودہ ام

شد خسروِ عشقم بلا زیں پس من و دیوانگی
رفت آنکہ وقتے عقل را در بندِ فرماں بودہ ام

میں مست تجھ کو دیکھ کر سرمست و غلطاں تھا بہت
زلفِ پریشاں نے کیا تیری پریشاں تھا بہت

گر مجمعِ خوباں میں ہوا اے شیخ عشقِ بت مجھے
کر سرزنش میری نہ یوں وہ کافرستاں تھا بہت

بچنا اسیری سے بتوں کی کام کچھ آساں نہیں
غرہ نہ کر اے پارسا میں بھی مسلماں تھا بہت

مُردہ ہوں میں بےجاں ہوں دُوری میں اب گرچہ کبھی
رکھتا میں دل میں جان تھا زندہ میں اے جاں تھا بہت

خسرو بنایا عشق نے ہے ایک دیوانہ مجھے
ورنہ تو میں بھی عقل کے دربندِ فرماں تھا بہت

۳۳۸

از غمزہ ناوک زن شدی آماج گاہت دل کنم
ہر روز جانے بایدم تا بر درت منزل کنم

دل رفت و جاں ہم میرود گوئی کہ بے ما خوش بزی
گیرم کہ ہر کس دل دہد جاں از کجا حاصل کنم

حاصل مرا صبحِ طرب دل عاشقِ شبہائے غم
بدروزِ مادر زاد را از حیلہ چوں مقبل کنم

دی گفت صیدِ جاں کنم، گفتم چہ داری از عمل
گفتا کہ ترکِ کافرم، ہر سو شکارِ دل کنم

گفتم کہ خلق از دیدنت جاں می دہد بارے بکش
گفتا نمی بایدمرا چنداں کساں بسمل کنم

گویند خسرو میل کن بر دیگراں زاں بیوفا
جان ودلم بُردی کرا بر دیگراں مایل کنم

تُو تیر غمزے کے چلا آماج گہ میں دل کروں
کر رہزنی تُو راہ پر تیری میں اک منزل کروں

کہتا ہے زندہ باد تُو، کرتا ہوں جب میں جاں فدا
جاں دے کے تجھ پر جانِ من، جاں کس طرح حاصل کروں

عاشق شبِ غم کا ہے دل، کہتا ہے جب خوش باش تُو
پیدائشی بدروز کو حیلے سے کس مقبل کروں

کرنے کا دل کو صید جب شکوہ کیا، کہنے لگا
ہوں ترکِ کافر تو نہ کیوں ہر سو شکارِ دل کروں

میں نے کہا جلوہ دکھا، تا جان دیں عاشق ترے
بولا کہ بسمل ہیں یہ سب، کیسے میں اور بسمل کروں

کر میل تُو با دیگراں، کہتا تو ہے خسرو لے
ہوں جب نہ جان و دل تو میں کیسے انہیں مایل کروں

۳۳۹

یک شب اگر من دُور ازاں گیسوئے درہم اوفتم
بالینِ سودا زیرِ سر بر بسترِ غم اوفتم

چوں در نگیرد سوزِ من با شمعِ رویش دل ازاں
رُو سوئے دیوار آورم در شب بہ ماتم اوفتم

چوں نقطہ بیشِ خط نہد از خاک گندم گوں رخش
زاں دانۂ دَرد ازبلا رونزے چو آدم اوفتم

با غمزہ گو تا زاں کماں تیرے زند بر جانِ من
باشد بہ فتراکِ تو زاں ابروئے پُرخم اوفتم

خواہم چو خسرو یک شبے افتم بداں مہ در دچار
بسیار می خواہم ولے از بختِ بد کم اوفتم

گر دُور مجھ سے ایک شب گیسوئے درہم ہو گیا
بالینِ سودا زیرِ سر بر بسترِ غم ہو گیا

بے شمعِ روئے یار جب سوزش فزوں دل کی ہوئی
جا کر پسِ دیوار میں مشغولِ ماتم ہو گیا

در دامِ گیسو خال تھا رخسارِ گندم گوں پہ جو
دانہ تھا اک جو باعثِ تقصیرِ آدم ہو گیا

حاجت چلانے کی رہی تجھ کو نہ تیروں کی کوئی
بے تیر جب دل صیدِ ابروئے پُرخم ہو گیا

بسیار تھا شب میں جو عشقِ ماہ کا اک ولولہ
خسرو وہ اب دل میں بہت از بختِ بد کم ہو گیا

۳۴۰

آں نہ منم کہ از جفا دست زیار در کشم
یا پسِ زانوئے خرد پائے قرار در کشم

دل بہ خطِ بتاں شد و دامنِ خویش می کشد
دامنِ من بہ چند جا از سرِ خار در کشم

شاہسوارِ من کجا، تنگ قبائے کج کلہ
تاش دُرونِ چشمِ خود اسپ سوار در کشم

طاقتِ صبر طاق شد بر سرِ راہِ او روم
دیدۂ آب رفتہ را گو کہ غبار در کشم

ساقیِ بخت اگر شبے بادہ بہ کامِ ما دہد
جامِ مراد تا بہ لب از لبِ یار در کشم

خسروِ بیدلِ تو ام مستِ شبانۂ لبت
یک دو لبالبم بدہ تا بہ خمار در کشم

ہوں نہیں وہ کہ از جفا دست زیار کھینچ لوں
یا پسِ زنوائے خرد پائے قرار کھینچ لوں

دامنِ دل اٹک گیا ہے جو بہ شوقِ روئے گل
کیسے اسے اے دوستو! از سرِ خار کھینچ لوں

دیکھ کے چاہتا ہوں میں ایک سوارِ کج کلہ
اس کو دُرونِ چشمِ خود اسپ سوار کھینچ لوں

بیٹھ گیا ہوں راہ میں شاہسوار کی کہ میں
دیدۂ نم میں راہ کا گرد و غبار کھینچ لوں

بادہ بہ کامِ دل اگر ساقیِ بخت دے مجھے
جامِ مراد تا بہ لب از لبِ یار کھینچ لوں

خسروؔ ہوا میں آج ہوں مستِ شبانۂ لباں
جامِ لبالب ایک دے تا بہ خمار کھینچ لوں

۳۴۱

اے خوش آں روزے کہ ما با یارِ خود خوش بودہ ایم
بادہ نوشاں زاں لبِ لعلِ شکر وش بودہ ایم
روئے او خوش خوش ہمی دیدیم و میدادیم جاں
جاں فدائے آں دمے کز روئے او خوش بودہ ایم
قامتِ او تیر و قدِ او کماں ہر دو بہم
الغرض زاں شستِ زلفش در کشاکش بودہ ایم
انقلابِ چرخ بنگر کز پئے یک روزہ دل
مدتے از محنتِ ہجراں مشوش بودہ ایم
ہر کسے گوید کہ سوزے داشت خسروؔ بیش ازیں
ایں زماں خاکستریم ار وقتے آتش بودہ ایم

وقتِ خوش تھا جبکہ قربِ یار میں خوش ہم رہے
بادہ نوشانِ لبِ لعلِ شکر وش ہم رہے
دیکھ کر مرتے تھے ہم ناز و ادائے یار کو
جاں فدا اس رخ پہ جس کو دیکھ کر خوش ہم رہے
قامتِ دلدار تھی جو تیر، قد تھا جو کماں
زلف تھی اک شست جو اندر کشاکش ہم رہے
یاد سے گیسوئے مشکینِ پریشاں کی بہت
مدتوں در کلفتِ ہجراں مشوش ہم رہے
خسروؔ تو کہوے تھا آتش عشق ہے، اس سے بچو
بن کے لیکن خاک و خاکستر درِ آتش ہم رہے

۳۴۲

ہر شبے چوں یادِ آں رخسارِ گلناری کنم
تا بہ وقتِ صبح از مژگاں گہرباری کنم

گاہ از لطفِ دہاں دامن بسوزم زہد را
گہ ز دُودِ سینہ سقفِ آسماں تاری کنم

تیرِ مژگانش بہ جانم تا رسید از نوکِ آہ
زخمہا ہر صبح در رُخنہ طاقِ زنگاری کنم

گر تمنائے جفائے او بہ خونریزم بود
شحنۂ غم را بہ خونِ خویش ہم یاری کنم

ضربتِ غم می خورم سلطانی آسا تا بہ کے
قبلۂ جاں روئے آں رخسارِ گلناری کنم

یادِ شب بھر عاشقوں رخسارِ گلناری کرو
صبح تک مژگاں سے بھی اپنی گہرباری کرو

دامنِ تقویٰ جلاؤ آتشِ انفاس سے
دُودِ سینہ سے فلک پر تیرگی طاری کرو

جان پر لگنے سے پہلے تیرِ نوکِ آہ سے
زخمہا ہر صبح در رُخنہ طاقِ زنگاری کرو

ہو جو خونریزی کی خواہش دل میں جورِ یار سے
شحنۂ غم سے برائے خونِ دل یاری کرو

تا ملے سلطانیِ ملکِ محبت ایک دن
رُو بہ سوئے قبلۂ رخسارِ گلناری کرو

۳۴۳

سایہ وارم ہر شب از سودائے زلفت چوں کنم
چند گردِ خویشتن گہ سحر و گہ افسوں کنم

از دلِ بدخوئے خود خونابۂ دارم کہ گر
قطرۂ از دل بروں ریزم، جگر با خوں کنم

تو بہ بندِ کُشتنِ من، من بر آں کز دوستی
عمرِ خود را بگسلم، در عمرِ تو افزوں کنم

گوہرے دارم کہ در وے نیست جز لُولُوئے خام
چوں نثارِ خاکِ پایت لُولُوئے مکنوں کنم

چند گوئی عشق را از دل بران و خوش بزی
گر توانم جانِ خود از دستِ تو بیروں کنم

روحِ مجنوں آید و آموزد آیت ہائے عشق
شعرِ خسرو گر رقم بر تربتِ مجنوں کنم

تار تر شب از خیالِ گیسوئے شب گوں کرو
بہرِ لطفِ مہ وشاں گہ سحر و گہ افسوں کرو

شوقِ خونریزی ہے، دل میں ذوقِ خونخواری ہے گر
پارہ پارہ دل کرو اپنا، جگر کا خوں کرو

دلرباؤں سے ملیں جتنے بھی غم، کھا کر انہیں
عمر اپنی کم کرو، عمرِ بتاں افزوں کرو

لُولُوئے لالا گراؤ چشمِ گوہر بار سے
پھر نثارِ خاکِ پا وہ لُولُوئے مکنوں کرو

پیشتر اس کے کہ دل سے عشق ہو بیروں مرے
جان کو تن سے مرے اے جانِ من! بیروں کرو

روحِ مجنوں تا سنائے عشق کی آیات خود
شعرِ خسرو کو رقم بر تربتِ مجنوں کرو

۳۴۴

من کہ دُور از دوستاں و ز یار دُور افتادہ ام
مرغِ نالانم کہ از گلزار دُور افتادہ ام

چوں زنم کز دل دہندم خلق و دلداری کنند
من کہ ہم از دل، ہم از دلدار دُور افتادہ ام

پیشِ ہر سنگے ہمی ریزم ز دل خونابۂ
چوں کنم چوں کز در و دیوار دُور افتادہ ام

گرچہ ہجرم کُشت و ہم شادم کہ بارے چند گاہ
زاں دلِ بدبختِ بدکردار دُور افتادہ ام

عیشِ من گو تلخ باش، اے آشنا یادم مدہ
زاں لبِ شیریں کہ خسرو وار دُور افتادہ ام

دوست مجھ سے دُور ہیں اور یار سے میں دُور ہوں
مرغِ فریادی ہوں اک گلزار سے میں دُور ہوں

گرچہ کرتے لوگ دل جوئی ہیں، کیسے چین ہو
دُور دل مجھ سے ہے جب دلدار سے میں دُور ہوں

سنگ کے دل سے بہا سکتا ہوں گرچہ خوں، ولے
کیا کروں، اس کے در و دیوار سے میں دُور ہوں

گم ہوا دل ہمارا لیکن خوشی ہے یہ کہ اب
اس دلِ بدبختِ بدکردار سے میں دُور ہوں

ہو گئی ہے تلخ خسرو زندگی جب سے ہوا
اس لبِ معشوقِ شیریں کار سے میں دور ہوں

۳۴۵

زتو نعمت است و راحت لبِ شکرین و رُو ہم
بہ من آفت است و فتنہ دلِ پُر بلا و خُو ہم

نہ فقیہہ گر فرشتہ چو تو گر حریف یابد
نہ نہد ز کف پیالہ بہ بَر و سرِ سبُو ہم

تو کہ خونِ خلق ریزی، چہ غمت ازاں کہ ہر دم
رَوَد آبِ دیدۂ ما ز غمِ تو آبرُو ہم

چہ بلاست، بارک اللہ رخِ تو کزاں تحیر
بہ خموشی اند ماندہ ہمہ کس بہ گفتگو ہم

بہ فدا ہزار جانت، رہی ارچہ صد چو خسرو
بہ خراشِ غمزہ کُشتی، بہ شکنجہائے مُو ہم

ہیں اگر انعام و راحت لبِ شکریں بھی، رُو بھی
نہیں کم بلا و فتنہ ہیں ولے ادا و خُو بھی

ہوئی میفروش تجھ سی کوئی حور گر وہاں پر
گیا میکدے میں زاہد لئے جام بھی، سبُو بھی

غمِ عشق سے ہوا میں ترے اس قدر ہوں رسوا
ہوئی چشم آب سے پُر، رہی کچھ نہ آبرُو بھی

ہوا جب عیاں تحیر ترے رُو پہ، عاشقوں کی
گئی طاقتِ فغاں بھی، گئی تابِ گفتگو بھی

ہو فدا تو اس پہ خسرو جو کرے ہے قتل لاکھوں
بہ خدنگِ غمزہ ہا بھی بہ شکنج ہائے مُو بھی

۳۴۶

من اگر بر درِ تو ہر شبے افغاں نکنم
خویش را شہرہ و بدنام بدنیساں نکنم

گر دہم دردِ سرے تنگ میا بر من ازانک
نتوانم کہ ترا بینم و افغاں نکنم

روزے از یادِ رُخت پیشِ گلے خواہم مُرد
من ہماں بہ کہ گذر پیش بہ بُستاں نکنم

وہ کہ دیوانہ دلم باز بہ بازار افتاد
من نمی گفتم کا فسانۂ ہجراں نکنم

غم خورد ایں دلِ بے چارۂ غزبانش دادی
بعد ازیں چارہ ہماں ست کہ درماں نکنم

چند گویند کہ خسرو زبتاں چشم بدوز
گر میسر شودم رُوی بدیشاں نکنم

رات بھر در پہ ترے میں اگر افغاں نہ کروں
اس قدر اپنے کو رسوائے مری جاں، نہ کروں

تنگ کرتی ہے فغاں میری اگرچہ تجھ کو
کیسے ممکن ہے تجھے دیکھ کے افغاں نہ کروں

دیکھ کر گل کو جو مرتا میں تری یاد میں ہوں
ہے یہ بہتر کہ گزر طرفِ گلستاں نہ کروں

لوگ جب پوچھتے بازار میں ہیں حال مرا
کیسے ان سے میں بیاں قصۂ ہجراں نہ کروں

ہووے درماں سے فزوں درد ہے اے چارہ گروں
چارہ اب ایک ہی ہے کہ میں درماں نہ کروں

کیش خسرو جو مرا عشقِ بتاں ہے، کیسے
جان و دل سے میں پرستاریِ خوباں نہ کروں

۳۴۷

سوئے من بیں کہ زہجرت بہ گداز آمدہ ام
روی بنمای کہ بپیشت بہ نیاز آمدہ ام

بہ سرِ زلفِ درازت کششے داشتمے
زاں کشش کردہ بہ شبہائے دراز آمدہ ام

گر در ابروئے تو بینم مَنِ مدہوش مرنج
چہ کنم مست بہ محرابِ نماز آمدہ ام

خسروم از چو منے دور مکن چشم کہ من
خاکِ درگاہِ شہِ بندہ نواز آمدہ ام

دل ترے ہجر میں کر کے میں گداز آیا ہوں
جلوہ گر ہو کہ بصد عجز و نیاز آیا ہوں

زلفِ شبرنگ میں الجھا کے دلِ غمگیں کو
شب میں کرنے کے لئے تار و دراز آیا ہوں

خمِ ابرو کو ترے دیکھ کے مدہوشی میں
مست و آشفتہ بہ محرابِ نماز آیا ہوں

یوں تو خسرو ہوں ولے بن کے فقیرِ ناکس
میں بہ درگاہِ شہِ بندہ نواز آیا ہوں

۳۴۸

خرم آں روز کہ من آں رخِ زیبا بینم
او کند ناز و من از دور تماشا بینم

لشکرِ جانش کہ پیراہنِ دلہا گوئی
بس منش خواہم از اغیار کہ تنہا بینم

دل نہ و صبر نہ و ہوش نہ و طاقت نہ
من در آں صورتِ زیبا بہ چہ یارا بینم

وعدہ فرداست بہ فردا بکشم من، مگر آنک
بامداداں رخِ شہزادۂ والا بینم
شمسِ آفاق خضر خاں کہ بہ لطفِ جاں بخش
ہر دمش معجزۂ خضر و مسیحا بینم

آخر، اے شاخِ گلِ تازۂ نوبر، تا چند
خارِ حسرت خورم و جانبِ خرما بینم
کیست خسرو کہ کند بوسہ زپائے تو ہوس
ایں بسم نیست کہ از دور در آں پا بینم

کاش اک روز میں اس کا رخِ زیبا دیکھوں
وہ کرے ناز، میں نازش کا تماشا دیکھوں

کاش فرصت ہو رقیبوں سے اسے اور اس کو
کنجِ خلوت میں آتا ہوا تنہا دیکھوں

دل نہیں، صبر نہیں، ہوش نہیں، تاب نہیں
کیسے اس کو، جو نہیں ہے مجھے یارا دیکھوں

کم شبِ ہجر کا ہو درد اگر میں یارب
صبحدم وہ رخِ شہزادۂ والا دیکھوں
شمسِ آفاق خضر خان کا ہر دم اک میں
یا خدا معجزۂ خضر و مسیحا دیکھوں

آخر اے شاخِ گلِ تازۂ نوبر، کب تک
خارِ حسرت میں سہوں، جانبِ خرما دیکھوں
کاش پابوس بنوں ایک دن اس کا خسرو
اور نہ یوں بیٹھ کے میں دور سے وہ پا دیکھوں

۳۴۹

حالِ دل باز بر آئینِ دگر می بینم
باز کارِ دلِ خود زیر و زبر می بینم

مبر بیداز پئے من رنج کہ من روز بہ روز
روزگارِ دلِ شوریدہ بتر می بینم

آں پسر ناز کناں میرود اندرِ رہِ من
دلے افتادہ دراں راہگذر می بینم

کہ تواند کہ مرا باز رہاند امروز
کیست آں فتنہ کہ در پیشِ نظر می بینم

جاں بہ تا پاک بروں می رود و می آید
خلق دانند کہ من عارضِ تر می بینم

پیشِ آں زلفِ پریشانِ تو آید روزے
آنچہ من زِ ہمہ شب تا بہ سحر می بینم

بہمہ خسرو ز فراقِ تو بہ رسوائی بود
آخر الامر ہماں ست چوں در می بینم

حالِ دل باز بر آئینِ دگر دیکھا ہے
باز کارِ دلِ خود زیر و زبر دیکھا ہے

روز و شب فرقتِ دلدار میں ہوتا میں نے
روزگارِ دلِ شوریدہ بتر دیکھا ہے

جب خراماں وہ ہوا ناز سے ہر اک میں نے
دل فتادہ بہ سرِ راہگزر دیکھا ہے

چشمِ میگوں پہ پریشاں ہوا گیسو میں نے
ایک فتنہ ہے کہ در پیشِ نظر دیکھا ہے

جاں بہ تا پاک نکلتی ہے پھر آجاتی ہے
جب سے میں نے وہ گلِ عارضِ تر دیکھا ہے

ہجر کی تیرہ شبی میں بہ خیالِ گیسو
اک تماشا ہمہ شب تا بہ سحر دیکھا ہے

دامنِ صبر نہ چھٹ جائے کہیں اے خسرو
عشق میں ایک یہی میں نے خطر دیکھا ہے

۳۵۰

گرچہ از عقل و دل و دیدہ و جاں برخیزم
حاشَ اللّٰہ کہ ز سودائے فلاں برخیزم

یک زماں پیشِ من آے جان و جہانم بنشیں
تا بداں خوشدلی از جان و جہاں برخیزم

گفتیَم یا ز من و یا ز سرِ جاں برخیز
از تو نتوانم لیک از سرِ جاں برخیزم

از پسِ مرگ اگر بر سرِ خاکم گذری
بانگِ پایت شنوم، نعرہ زناں برخیزم

خسروَم بیہدہ مپسند کہ ہر دم با تو
شادماں شنیم و با آہ و فغاں برخیزم

گرچہ از عقل و دل و دیدہ و جاں میں جاؤں
حاشَ اللّٰہ کہ ز سودائے فلاں میں جاؤں

میری میت پہ تُو اے جانِ جہاں گر آئے
رقص کرتا ہوا از جانِ و جہاں میں جاؤں

اپنے جانے کا تو کچھ غم نہیں دنیا سے، ولے
کس طرح چھوڑ کے تجھ کو مری جاں میں جاؤں

تُو جنازے پہ میرے آئے اگر وقتِ دفن
بانگِ پا سن کے تری نعرہ زناں میں جاؤں

حال ایسا ہے کہ گر کوئی بلائے خسرو
آؤں گریہ کناں اور گریہ کناں میں جاؤں

۳۵۱

اے بہ چشمِ تو خمار و خواب ہم
در لبِ تو انگبیں جلاب ہم

چشم میں مستی بھی ہے اور خواب بھی
ہے لبوں میں انگبینِ ناب بھی

زلفِ مشکینت کہ دل دزدد دراو
ہست مشکل تاب چوں بیتاب ہم

دل جو بندِ گیسوئے مشکیں میں ہے
مطمئن رہتا ہے وہ بیتاب بھی

در خیالِ روی و مویت ہر شبے
طالبِ شب می کنم مہتاب ہم

زلف کچھ ایسی پریشاں رخ پہ ہے
ابر بھی ہے شب بھی ہے مہتاب بھی

بسکہ خوار است آبِ چشمم پیشِ تو
غرقِ آبم بر درت بے آب ہم

وصل کی حسرت میں دیدہ رات دن
غرق بھی ہے آب میں بے آب بھی

چند چوں بے رحمتاں خواہیم کشت
مہرے آخر میکند قصاب ہم

روز و شب ذبح نہ کر عشاق کو
رحم کرتا ہے کبھی قصاب بھی

دینِ خسرو بیں کہ ابرو و رخت
شد دلش بتخانہ و قصاب ہم

روئے بت کی کر پرستش خسروا
ہے وہاں آتش بھی اور محراب بھی

۳۵۲

اے رُخت چو ماہ واز ماہ بیش ہم
خستہ کردی سینۂ ما ریش ہم

غمزۂ تو بر صفِ خوباں زند
گر نہ رنجی، بر دلِ درویش ہم

تیرہ کردی عیشِ ما و روزِ دل
روزگارِ عقلِ دُور اندیش ہم

میرود صبرِ من آوارہ زمن
پس نمی بیند ز بیم و پیش ہم

ما و زنارِ مغانہ کز بتاں
وین نماز، استغفر اللہ کیش ہم

گرچہ بر جانم قیامت ہا از اوست
تا قیامت عمر بادش بیش ہم

ہر زماں گوئی کہ نوشِ من خوش است
گر ز خسرو پرسیٔ اے جاں، نیش ہم

شکل وہ مہ بھی ہے، مہ سے بیش بھی
دل کیا خستہ بھی اس نے، ریش بھی

تیرِ غمزہ ہر طرف چلتے ہیں جب
ایک ناوک بر دلِ درویش بھی

تیرہ روزِ دل ہوا تو تار ہو
روزگارِ عقلِ دُور اندیش بھی

صبرِ دل اس طرح آوارہ ہوا
دیکھتا پس بھی نہیں ہے پیش بھی

قشقہ و زنار و دیر و عشقِ بت
ہے یہی مذہب ہمارا، کیش بھی

ڈھائی جس نے ہے قیامت جان پر
تا قیامت وہ جیئے اور بیش بھی

جاں فزا ہے نوشِ جاناں گر تو ہے
خوش، دلِ خسرو یہ اس کا نیش بھی

۳۵۳

در فراقت زندگانی چوں کنم
با چنیں غم شادمانی چوں کنم

غم ہی غم ہے زندگانی، کیا کروں
چل بسی ہے شادمانی، کیا کروں

یار بدخو و فلک نامہرباں
تکیہ بر عمر و جوانی چوں کنم

یار بدخو اور فلک نامہرباں
ہے تبہ عمر و جوانی، کیا کروں

عشق و افلاس و غریبی و فراق
من بدینساں زندگانی چوں کنم

ہجر و افلاس و غریبی و الم
پُر ستم ہے زندگانی، کیا کروں

من نبودم مردِ سودائے تو لیک
با قضائے آسمانی چوں کنم

میری وحشت عشق میں، میرا جنوں
ہے قضائے آسمانی، کیا کروں

نرخِ بوسہ نیک می دانم ولیک
بے درم بازارگانی چوں کنم

نرخِ بوسہ صد درم، لیکن ہوں میں
بے درم بازارگانی، کیا کروں

ور بہ خسرو بوسہ ندہی آشکار
مرہمِ زخمِ نہانی چوں کنم

بے خودی میں کر دیا خسرو عیاں
تھا جو اک رازِ نہانی، کیا کروں

۳۵۴

بر جمالت مبتلایم چوں کنم
من بہ عشقت بر نیایم چوں کنم

لافِ عشقت می زنم جاناً ولے
بس فقیرِ بے نوایم چوں کنم

گفتی از کویم برو بیگانہ باش
با سگانت آشنایم چوں کنم

سر بہ شاہاں در نمی آرد حریف
من کہ درویش و گدایم چوں کنم

روزگارے شد کہ از لعلِ لبش
کُشتۂ یک مرحبایم چوں کنم

خسروِ بیچارہ می گوید بہ صدق
عاشقِ روئے شمایم چوں کنم

ہو گیا اس پر فدا ہوں کیا کروں
عشق میں میں مبتلا ہوں کیا کروں

زور و زر وہ چاہتا ہے اور میں
اک فقیرِ بے نوا ہوں کیا کروں

آشنا اس کا تھا اس کے کُو میں اب
میں سگوں کا آشنا ہوں کیا کروں

ہے نہیں شاہوں کی جب پروا اسے
میں جو درویش و گدا ہوں کیا کروں

ہو گیا لعلِ لبِ جاناں کا میں
کُشتۂ یک مرحبا ہوں کیا کروں

تُو تجربہ کار ہے خسرو بتا
اس پہ میں عاشق ہوا ہوں کیا کروں

۳۵۵

ازطرۂ تو جز رہِ سودا نیافتم
وز غمزۂ تو جز درِ غوغا نیافتم

در زلفِ تو شدم کہ بجویم نشانِ دل
خود راز دست دادم و دل را نیافتم

تا دُردیِ غمِ تو بہ کامِ دلم رسید
در دیدہ جز سرشکِ مصفا نیافتم

بر کامِ من ہر آنچہ ز جامِ لبت رسید
از جامِ خضر و کامِ مسیحا نیافتم

سلطانی از نسیمِ وصالِ تو بہرہ مند
من جز سمومِ ہجر در اعضا نیافتم

گیسو میں ہم بجز رہِ سودا نہ پا سکے
غمزے میں بھی بجز درِ غوغا نہ پا سکے

اپنے دلِ حزیں کو خم و پیچِ زلف میں
کرتے رہے تلاش، کسی جا نہ پا سکے

چکھا نہیں تھا دُردِ الم دل نے جب تلک
آنکھوں میں جز سرشکِ مصفا نہ پا سکے

جو ذائقہ ملا تھا ہمیں جامِ لب سے وہ
از جامِ خضر و کامِ مسیحا نہ پا سکے

سلطانی ہم خیالِ نسیمِ وصال میں
کچھ جز سمومِ ہجر در اعضا نہ پا سکے

۳۵۶

نے پائے آنکہ از سرِ کوُیت سفر کنم
نے دستِ آنکہ دست بہ زلفِ تو در کنم

چندیں شبم گذشت بہ کنجِ خرابِ خویش
ممکن نشد کہ لوحِ صبوری زبر کنم

ماھے متاعِ صبر کنم جمع وز آبِ چشم
در مجلسِ خیالِ تو یک روز تر کنم

خوابم نماند و خوابِ اجل ہم خوشست الیک
گر خشتے ز آستانۂ تو زیرِ سر کنم

ذوقِ جفا و جورِ تو بر من حرام باد
گر من بہ جز وفائے تو کارے دگر کنم

چشمت بہ خوابِ ناز و مرا قصۂ دراز
آمد شبم بروز، سخن مختصر کنم

یاراں ز پند بس کہ ز خسرو رہا نشد
آں دل کہ پیشِ تیرِ ملامت سپر کنم

کیسے بغیر پا ترے کوُ سے سفر کروں
کیسے بغیر دست تری زلف سر کروں

ایسا ہوا خراب ہوں میں عشق میں کہ اب
ممکن نہیں کہ لوحِ صبوری زبر کروں

کرتا متاعِ صبر بہم ہوں کہ اشک سے
در مجلسِ خیالِ تو یک روز تر کروں

بے خواب چشم کو مری خوابِ اجل ہو خوش
گر خشت آستاں کی ترے زیرِ سر کروں

جور و جفائے عاشقی مجھ پر حرام ہو
گر میں بجز وفا کوئی کارِ دگر کروں

خوابیدہ چشمِ ناز ہے ہونے کو ہے سحر
کیسے کوئی بتائے سخن مختصر کروں

یاروں کی پند سن کے ہے خواہش کہ خسروا
دل کو میں پیشِ تیرِ ملامت سپر کروں

۳۵۷

با تو چہ روز بود کہ من آشنا شدم	بد روز وہ جو ایک ترا آشنا ہوا
کز روزگارِ صبر و سلامت جدا شدم	از روزگارِ صبر و سلامت جدا ہوا
ہر دم بہ خونِ دیدۂ خود غرقہ میشوم	وہ غرق خونِ دیدۂ خونبار میں رہا
من خوں گرفتہ با تو کجا آشنا شدم	ہر خوں گرفتہ اک جو ترا آشنا ہوا
از بسکہ گم شدم بہ خیالاتِ زلفِ تو	اندر شبِ دراز میں ہجرانِ زلف میں
موے بدم کہ در دہنِ اژدھا شدم	مانندِ مور در دہنِ اژدہا ہوا
بارم نبود کوہِ غم اما بہ بوئے تو	گو کوہِ غم نہ بار تھا خوشبو سے میں تری
در زیرِ بارِ منتِ بادِ صبا شدم	در زیرِ بارِ منتِ بادِ صبا ہوا
اے پند گوی تا رخِ اور اندیدہ ای	مجھ کو برا نہ کہہ یہ بتا اس کو دیکھ کر
بگریز و جاں ببر تو کہ من مبتلا شدم	ہے کون واعظا جو نہیں مبتلا ہوا
او رخ نمی نمود بہ زاری بدیدمش	ہے وہ بلائے جاں و لے اس کے عشق میں
من خود برائے جان و دلِ خود بلا شدم	میں خود برائے جان و دلِ خود بلا ہوا
خسرو بہ بندگیت غلامے ست بے بہا	خسرو اگرچہ ناکس و ناچیز ہے و لے
خاصہ کنوں کہ بندۂ تو بے بہا شدم	اس سا نہ کوئی بندہ ترا بے بہا ہوا

۳۵۸

اے دیدہ پای شو کہ بر یار میروم
در جلوہ گاہِ آں بتِ عیار میروم

راہش ز رُفتنِ مژہ پُر خار کردہ اند
من باز دیدہ کردہ بر آں خار میروم

اے خار خارِ ہجر ز دل دُور شو کہ من
بہرِ نظارۂ گلِ رخسار میروم

اے باد پیش ازاں تو بَرو پردہ زاں جمال
بر کَن کہ من بہ دیدنِ دیدار میروم

گو زلف را کمند مکن کز میانِ تو
من خود بہ تارِ موی گرفتار میروم

من خسروم کہ زاغِ سیاہ گشتم از فراق
بلبل کنوں شوم کہ بہ گلزار میروم

دیدہ بنا کے پا بہ دَرِ یار میں گیا
اک دیکھنے کو پھر بتِ عیار میں گیا

جاروب سے مژہ کی بھرے خار راہ میں
پھر پا بنا کے چشم کو، بر خار میں گیا

اے خار خارِ ہجر کرے گا تو کیا اگر
بہرِ نظارۂ گلِ رخسار میں گیا

پردہ وہ تا ہٹائے رخِ رشکِ ماہ سے
بادِ صبا کے ساتھ بہ دیدار میں گیا

کاکل کے پیچ و خم میں ہوئی قید جان بھی
جب ڈھونڈنے کو قلبِ گرفتار میں گیا

بلبل تھا خسروا میں ولے سوزِ ہجر سے
زاغِ سیاہ بن کے بہ گلزار میں گیا

۳۵۹

غمم بکُشت کہ از یار ماندہ ام چہ کنم
بدستِ ہجر گرفتار ماندہ ام چہ کنم
نماند طاقتِ زاری و نالہ ام آں شوخ
نمی رود ز دلِ زار ماندہ ام چہ کنم
بروں دہم غمِ ہجراں و باورم نکنند
اسیرِ صحبتِ اغیار ماندہ ام چہ کنم
ہمی کنند ملامت کہ چند گریۂ خوں
ز زخمِ غمزہ دل افگار ماندہ ام چہ کنم
رقیب گفت کہ مخمور از چہ ای خسرو
بسے شب است کہ بیدار ماندہ ام چہ کنم

اسیرِ عشق و غمِ یار ہو گیا ہوں میں
بہ دستِ ہجر گرفتار ہو گیا ہوں میں
رہی نہ طاقتِ فریاد و نالہ و زاری
نزار یوں اے دلِ زار ہو گیا ہوں میں
نہ دیکھنے کی تجھے جب رہی کوئی صورت
اسیرِ صحبتِ اغیار ہو گیا ہوں میں
برا نہ کہہ مجھے اور دیکھ کس قدر واعظ
بہ زخمِ غمزہ دل افگار ہو گیا ہوں میں
بہ یادِ نرگسِ مخمورِ پُر فسوں خسرو
ہے شب کوئی کہ نہ بیدار ہو گیا ہوں میں

۳۶۰

برابرِ لبِ او انگبیں چگونہ کنم
مقابلِ رخِ او یاسمیں چگونہ کنم

خدای چوں سخنت را از انگبیں کردہ ست
بہ پیشِ تو سخن از انگبیں چگونہ کنم

بہ زردیِ دلِ من زلفِ تو ہمی آید
بگو گرفتنِ او را کمیں چگونہ کنم

بُتا بہ دیدہ نشیں کاندریں ہوس مُردم
کہ دیدہ با چو توئے ہمنشیں چگونہ کنم

بر آستیں گہر از دیدہ بر تو می ریزم
پُر از چنیں گہرے آستیں چگونہ کنم

برابرِ لبِ تو انگبیں کروں کیسے
مقابلِ رخِ تو یاسمیں کروں کیسے

سخن ہر ایک جو تیرا ہے انگبیں جیسا
بہ پیشِ تو سخنِ انگبیں کروں کیسے

ہوں گرچہ صید میں تیری کمندِ گیسو میں
بیاں حکایتِ صید و کمیں کروں کیسے

نہ بیٹھتا ہے سر آنکھوں پہ تو کبھی جو مری
سر آنکھ کو میں ترا ہمنشیں کروں کیسے

بجائے گہر گراتا ہے خون جب دیدہ
تو پُر گہر سے میں یہ آستیں کروں کیسے

۳۶۱

نہ یار وعدۂ بوس و کنار می کندم
نہ دل ز دیدنِ رُویش قرار می کندم

درونِ دل نہ یکے صد ہزار افسون ست
ہنوز آرزوئے آں سوار می کندم

ہمی خلد بہ دلِ من چو ناوکِ دشمن
نصیحتے کہ کسے دوستدار می کندم

دگر ز بختِ خودم عزتے نمی باید
ہمیں بس ست کہ پیشِ تو خوار می کندم

شرابِ عشقِ تو می بایدم بہ سر ہر چند
کہ بامدادِ اجل ہوشیار می کندم

بہ ناز گفت شبے خسروا گُلت نشگفت
ہنوز آں سخنش خار خار می کندم

کبھی جو وعدۂ بوس و کنار کرتا ہے
وہ آزمائشِ صبر و قرار کرتا ہے

کچھ اسقدر ہے مرے دل کو شوقِ نخچیری
کہ وہ سوار کا خود انتظار کرتا ہے

لگے ہے دل پہ مرے بن کے ناوکِ دشمن
نصیحت اک جو کوئی دوستدار کرتا ہے

ملے ہے عز و علا بخت سے مجھے اپنے
کبھی جو سامنے اس کے وہ خوار کرتا ہے

شرابِ عشق سے ایسی ہے بے خودی کہ مجھے
نہ خوفِ مرگ بھی اب ہوشیار کرتا ہے

کہے وہ جب ہے کہ خنداں ہو گل صفتِ خسرو
سخن یہ اس کا بہت خار خار کرتا ہے

۳۶۲

زباں نماند ز لعلت سخن کجا یابم
سخن نماند دمے زاں دہن کجا یابم

ز زلفِ تو ہمہ چوں بوئے عشق می آید
من آں نسیم ز مشکِ ختن کجا یابم

دلم ز شکلِ تو بدخو بہ بوستاں چہ روم
کرشمہ از گل و ناز از سمن کجا یابم

دریں زماں کہ مرا دشنۂ فراق بکشت
ترا کہ جانِ منی جانِ من کجا یابم

اگر ز من طلبی جاں بہ صد ہوس بدہم
من اینقدر ز دہانت سخن کجا یابم

ز دوریت غمِ خسرو چو کوہ و محرم نہ
شگاف چوں کنم ایں کوہکن کجا یابم

زباں نہیں ہے تو لب سے سخن ملے کیسے
سخن نہیں ہے تو دل سے دہن ملے کیسے

ہوں دور جبکہ غریبی میں زلف سے تیری
مجھے نسیم بہ مشکِ ختن ملے کیسے

کوئی جو دیکھ لے سرو رواں ترا اس کو
کرشمہ از گل و ناز از سمن ملے کیسے

کرے ہے قتل مجھے تیغِ ہجر گر ہر شب
تو جاں بغیر ترے جانِ من ملے کیسے

بصد ہوس دوں طلب گر کرے تو جاں میری
و لے دہاں سے ترے یہ سخن ملے کیسے

ہے کوہِ غم جو ترے دل پہ خسروا اس کو
کرے شگاف جو وہ کوہکن ملے کیسے

۳۶۳

کدام سوئے رَوم کز فراق اماں یابم
کدام تیرہ شبِ ہجر را کراں یابم

ز تند بادِ فراقم بریخت برگِ وجود
کجاست بوئے از آں بوستاں کہ جاں یابم

بہ ہجر چند کنم جاں، بمیرم ار یکبار
خلاص یابم، بل عمرِ جاوداں یابم

ز آفتابِ جمالش بسوختم، یا رب
کجا روم کہ ازیں روزِ بد اماں یابم

چوں جاں دہم من، از آں سو بَرا اے صبا خاکم
مگر ز گم شدنِ خویشتن نشاں یابم

بہ خواب داد مرا خسروا ز لبت شکرے
مگر کہ بوسہ بدیں گونہ زاں دہاں یابم

کہاں فراق کی کلفت سے میں اماں پاؤں
کہاں میں تیرہ شبِ ہجر کا کراں پاؤں

ہے برگِ زیست تبہ تند بادِ فرقت سے
کہاں وہ باغ ہے، بو سے میں جس کی جاں پاؤں

عذابِ جان ہے فرقت، اگر میں مر جاؤں
خلاص مجھ کو ملے، عمرِ جاوداں پاؤں

نہ آفتابِ رخِ یار کی ہے تاب مجھے
ملے جو سایۂ گیسو تو کچھ اماں پاؤں

تو اے صبا مری خاکِ لحد وہیں لے جا
جہاں بھی میں دلِ گمراہ کا نشاں پاؤں

مجھے بھی خواب میں بوسہ دے، خسروا شاید
اگر کبھی میں وہ معدوم اک دہاں پاؤں

۳۶۴

رُخے کہ بر کفِ پائے تو سیم تن مالم
دریغم آید، اگر بر گل و سمن مالم

درآں شبے کہ کنم گشتِ کوئے تو، ہمہ روز
دو دیدہ را بہ کفِ پائے خویشتن مالم

بہ یادِ تو ہمہ شب خوں خورم، چوں روز شود
ز بیمِ سنگدلاں خاک بر دہن مالم

غبارِ کوئے تو با خویشتن برم در خاک
عبیرِ رحمتِ جاوید بر کفن مالم

مگر رسد رخِ خسروؔ بہ پاش، ہر دم رخ
بہ صد نیاز ترِ پائے مرد و زن مالم

اگر میں رخ بہ کفِ پائے سیم تن رکھوں
تو پھر کبھی نہ اسے بر گل و سمن رکھوں

میں جاؤں شب میں جو کوچے میں اس کے تو دن بھر
دو چشم خود بہ کفِ پائے خویشتن رکھوں

پیوں میں یاد میں خوں اس کی شب کو اور دن میں
بہ خوفِ سنگدلاں خاک بر دہن رکھوں

جو خاکِ کُو ہو مرے ساتھ، تو بنا کے اسے
عبیرِ رحمتِ جاوید بر کفن رکھوں

بہ پائے یار تا پہنچ ہو تو سر کو میں خسروؔ
بہ صد نیاز بہ ہر پائے مرد و زن رکھوں

۳۶۵

غم کشے چند یارِ خویش کنم
گریہ بر روزگارِ خویش کنم

بادلِ خویش دردِ خود گویم
مویہ بر سوگوارِ خویش کنم

میرود چوں ز خونِ دل رقمے
بر درت یادگارِ خویش کنم

مرغِ دامیم کو رخصت کہ دمے
نالہ در نوبہارِ خویش کنم

چوں بہ جز غم کسے نہ محرمِ ماست
غمِ خود غمگسارِ خویش کنم

یار باید بہ وقتِ خوردنِ غم
خسروِ خستہ یارِ خویش کنم

چند غم کش میں یارِ خویش کروں
گریہ بر روزگارِ خویش کروں

دل کو اپنا سنا کے قصۂ غم
نالہ با سوگوارِ خویش کروں

خوں سے اپنا بیانِ غم لکھ کر
سنگِ در یادگارِ خویش کروں

صفتِ مرغِ دام جاناں میں
نالہ در نوبہارِ خویش کروں

جب بہ جز غم نہیں کوئی محرم
غمِ خود غمگسارِ خویش کروں

غم میں گر چاہیے کوئی غم کش
خسروِ خستہ یارِ خویش کروں

۳۶۶

خیز تا بادہ در پیالہ کنیم
گل درونِ قدح چو لالہ کنیم

با مئے جاں فزا و نغمۂ چنگ
تا بہ کے خوں خوریم و نالہ کنیم

ہر دم از دیدۂ قدح پیمای
بادۂ لعل در پیالہ کنیم

وز شکر فانِ چاردہ سالہ
طلبِ عمرِ شصت سالہ کنیم

وز بخارِ شرابِ آتش فام
ورقِ چہرہ پُر ز ژالہ کنیم

ہمچو خسرو بہ نامِ میخواراں
ملکِ دیواں بہ خوں قبالہ کنیم

بادۂ ناب در پیالہ ہو
موسمِ نو بہار و لالہ ہو

ہو جو دَورِ قدح و نغمۂ چنگ
عاشقوں کا نہ شور و نالہ ہو

ہر دم از دیدۂ قدح پیما
بادۂ لعل در پیالہ ہو

ہو جو معشوق چاردہ سالہ
طلبِ عمرِ شصت سالہ ہو

از بخارِ شرابِ آتش گوں
ورقِ چہرہ پُر ز ژالہ ہو

مثلِ خسرو بہ نامِ میخواراں
ملکِ دیواں بہ خوں قبالہ ہو

۳۶۷

ایں توئی تا بہ خواب می بینم
یا بہ شب آفتاب می بینم

رُوئے تاباں بہ خواب دیکھا ہے
شب میں اک آفتاب دیکھا ہے

در دلِ خویشتن خیالِ لبت
نمکے بر کباب می بینم

دل میں آیا خیالِ لب تو نمک
ریختہ بر کباب دیکھا ہے

یک شب از خویشتن مکن دُورم
کہ ز ہجراں عذاب می بینم

سوزشِ ہجرِ یار میں دل نے
روز و شب ہر عذاب دیکھا ہے

با کہ گویم غمِ تو کز غمِ تو
ہمہ عالم خراب می بینم

ہم ہی کیا، دردِ عشق سے ہم نے
سارا عالم خراب دیکھا ہے

مگر امروز کز پسِ عمرے
نرگست را بہ خواب می بینم

بعد مدت کے خواب میں امشب
دیدۂ نیم خواب دیکھا ہے

۳۶۸

از پسِ عمر شبے، ہمنفسِ یار شدم
خواب بود آں ہمہ گوئی تو چوں بیدار شدم

موی گشتم ز غم و بارِ اجل می بندم
رہ دراز است، نکو شد کہ سبکبار شدم

طوفِ کوئے تو ہمہ از سرِ من بیروں رفت
آنکہ گہ در چمن و گاہ بہ گلزار شدم

از سگانِ سرِ کوئے تو مرا شرم گرفت
بسکہ در گردِ سرِ کوئے تو بسیار شدم

رفت شبہا و مرا صبحِ مرادے نہ دمید
تیرہ روزے کہ بہ زلفِ تو گرفتار شدم

شربتم دہ نہ دوا زاں لبِ چو نوش کہ من
نہ ز چشمت بہ حدِ زیستن افگار شدم

خسروم بر سرِ ہر کو شدہ رسوائے جہاں
طرفہ کاندوہِ ترا محرمِ اسرار شدم

ایک شب میں جو کبھی، ہمنفسِ یار ہوا
خواب وہ نکلا، صبحدم جو میں بیدار ہوا

بیش گرچہ تھا گراں بارِ اجل، قبلِ اجل
غم نے لاغر کیا مجھ کو، میں سبکبار ہوا

طوف جس نے بھی کیا کوئے بتاں کا، ہرگز
پھر گزر اس کا نہ در گلشن و گلزار ہوا

گردِ کُو دیکھ کے گردش میں مجھے سرگرداں
شرم آلود سگِ کُو ترا بسیار ہوا

بعدِ شبہا نہ ہوئی صبحِ مراد اک حاصل
تیرہ وہ روز میں جب تیرا گرفتار ہوا

شربتِ لب کے سوا ہے نہیں چارہ کوئی
نیشِ مژگاں سے ہوں میں اس قدر افگار ہوا

ہو گیا کوچہ و بازار میں رسوا خسرو
غم ترے عشق کا یوں محرمِ اسرار ہوا

۳۶۹

در آ، اے شاخِ گل خنداں و مجلس را گلستاں کن
بہ گفتِ تلخ چوں مے عاشقاں را مست و غلطاں کن

فراواں بت پرستیدم بہ محرابِ نماز، اکنوں
بہ محرابِ دو ابروئے خودم از سر مسلماں کن

پس از مُردن مَنہ تابوتم اندر گوشۂ مسجد
ببر آں ہیمہ را، در کارِ آتشگاہِ گبراں کن

گرہِ جاں دادن است و شربتِ دیدار می خواہم
اگرچہ بر تو دشوار است بارے بر من آساں کن

طبیبا دردِ من دارد نہفتہ در دلم کارے
تو در وے اگہ بیکارست، رَو تدبیرِ درماں کن

بنائے عشقِ جاناں نو شد اندر سینۂ خسرو
بناہائے کہن از کارگاہِ غمزہ ویراں کن

تُو آ اے شاخِ گل خنداں اور محفل گلستاں کر
بہ تندیِ مئے گفتار سب کو مست و غلطاں کر

فراواں بت پرستی کی جنھوں نے عمر بھر، اے جاں
بہ محرابِ دو ابرو کافروں کو اِن، مسلماں کر

نہ رکھ تابوت کو مسجد میں، میرے بعد مرنے کے
تُو اس خاشاک کو درکارِ آتشگاہِ گبراں کر

طلب ہے شربتِ دیدار وقتِ جاں کنی تیرا
گو مشکل ہے، ولے وقتِ نزع کو مجھ پہ آساں کر

معالج، غم کو میرے کام کرنا دل کا رہتا ہے
جو ہے بے کار غم، اس کے لئے تدبیرِ درماں کر

نئی ہے اب بنائے عشق اندر سینۂ خسرو
بنا جو ہے کہن، از کارگاہِ غمزہ ویراں کر

۳۷۰

شبے باما خیالِ خویشتن را میہماں گرداں
ز باغِ عارضِ خود مجلسم را بوستاں گرداں

بہ زیبائیُ و رعنائی بروں آ یک رہ از خانہ
ز رخ بنما گلستان و ز قد سروِ رواں گرداں

ہوس دارم از آں نرگس نگاہے سوئے من بنگر
چو چشمِ ناتوانِ خود، مرا ہم ناتواں گرداں

خدا را چند سوزم ز آتشِ بے مہری آں مہ
بدہ صبرے مرا یا من، او را مہرباں گرداں

غمِ عشقِ تو دارد پائمالم تا شوم کشتہ
تو ہم با او جفا را بہرِ قتلم ہم عناں گرداں

چہ پنہاں می شوی بنمای رُوی خویش خلقے را
چو خسرو ہر طرف از عشقِ خود بے خانماں گرداں

خیال اپنا کسی شب دل میں میرے میہماں کر دے
گلِ رخسار سے مجلس کے اندر بوستاں کر دے

بہ زیبائیُ و رعنائی تو آ کر صحنِ گلشن میں
گلوں کو شرمگیں کر دے، خجل سروِ رواں کر دے

بہ چشمِ نرگسِ بیمار مجھ کو دیکھ کر، اے جاں
ہے دل جو ناتواں میرا، اسے اور ناتواں کر دے

بہت میں آتشِ بے مہریِ مہ رخ میں جلتا ہوں
خدایا! دے صبوری یا اسے کچھ مہرباں کر دے

غمِ الفت نے تیرے جب کیا پامال ہے دل کو
تو بہرِ قتل، اے جاں! جور با غم ہم عناں کر دے

نہ رہ مستور اور اپنا دکھا کر ایک دن جلوہ
مثالِ خسرو، عاشق کو ہر اک بے خانماں کر دے

۳۷۱

وصیت می کنم گر بشنود ابروکمانِ من
پس از مُردن نشانِ تیر سازد استخوانِ من

زبانِ اوست تُرکی گوی و من تُرکی نمیدانم
چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

بہ شکر نسبتِ لعلِ لبِ جاں پرورش کردم
بُرّش کن از پسِ سر گر غلط کردم زبانِ من

اگر با ما سخن گوئی ز روئے مرحمت می گو
منم فرہادِ سرگرداں توئی شیریں زبانِ من

چناں از عشق می سوزد تنم در زیرِ پیراہن
کہ از بیرونِ پیراہن نماید استخوانِ من

مرادِ خسروِ بیدل بر آر و یک زماں بنشیں
کہ رحمے بر دلت آید ز فریاد و فغانِ من

وصیت ہے یہ اک سن لے تُو اے ابرو کمانِ من
لحد میں بھی نشانِ تیر ہو یہ استخوانِ من

زباں تیری ہے تُرکی اور مجھے تُرکی نہیں آتی
ہو کیا اچھا ہو گر تیری زباں اندر دہانِ من

شکر سے نسبتِ لعلِ لبِ جاں بخش کرتا ہوں
غلط یہ ہے اگر بیروں دہن سے کر زبانِ من

برا کہنا اگر ہے کہہ محبت سے ذرا اے جاں
کہ میں فرہادِ سرگرداں ہوں تُو شیریں زبانِ من

جلایا ہے مجھے کچھ اس طرح سوزِ محبت نے
جلی جاں ہے، جلا دل ہے، جلا ہے استخوانِ من

مرادِ دل بر آئے اور رحم آئے اُسے خسرو
اگر دیکھے کبھی وہ طرزِ فریاد و فغانِ من

۳۷۲

مبارک باد ماہِ روزہ داراں
بداں مستی فزائے ہوشیاراں

مدہ اے محتسب تشویشِ چشمش
کہ در خوابِ خوش اند آں پُرخماراں

ز گریہ بیش می سوزیم با آنک
نگیرد ہیمہ آتش ز باراں

رُخت در چشمِ مشتاقاں چناں ست
کہ شربت در دہانِ روزہ داراں

خورد خونِ من آں کافر ہمہ روز
گوارا باد مے بر بادہ خواراں

غنیمت دار خوابِ بے غمی را
کہ شب تا خوش بود بر سوگواراں

بیار آں دہ قدح اے ساقیِ ہوش
کہ بر خسرو نبود ایں مے گواراں

مبارک باد ماہِ روزہ داراں
کہ ہے مستی فزائے ہوشیاراں

نہ کر تشویشِ دیدہ ہائے جاناں
کہ ہیں در خوابِ خوش وہ پُرخماراں

جلاتا ہے مجھے گریہ، اگرچہ
نہ جل سکتا ہے کچھ بھی زیرِ باراں

مجھے ہے لب ترا شیریں، جیسے
ہو شربت در دہانِ روزہ داراں

وہ پیتا خونِ دل کافر ادا ہے
ہیں پیتے جس طرح مے بادہ خواراں

غنیمت جان خوابِ بے غمی کو
کہ شب بے خواب ہے بر سوگواراں

پلا خسرو کو بھی مے ساقیا کچھ
وہ غمگیں ہے بہت اندر بہاراں

۳۷۳

برآمد ماہِ عید از اوجِ گردوں
طرب چو ماہِ نو شُد ہر دم افزوں
ہمانا حلقۂ گوشِ سپہر است
چوں لیلیٰ ہست در پہلوئے مجنوں
شفق بین و سیاہیِ شبِ عید
تو پنداری کہ ایں مشک است و آں خوں
چنیں ماہِ نو و عیدِ خجستہ
مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں
در اوصافِ کمالت نظمِ خسرو
بنامِ ایزد ہمہ سحر است و افسوں

نکل اے ماہِ عید از اوجِ گردوں
طرب تا کہ ہو تجھ سے ہر دم افزوں
فلک حلقہ بگوشِ عاشقاں ہو
اگر لیلیٰ ہو در پہلوئے مجنوں
شفق میں عید کی تاریکیِ شب
ہے جیسے مشک میں آمیزشِ خوں
ہلالِ عید اور عیدِ خجستہ
مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں
ترے اوصاف میں ہے نظمِ خسرو
پُر از نیرنگ و رنگِ سحر و افسوں

۳۷۴

خوش آمد باتوام دیدار کردن
نظر در روئے چو گلنار کردن

ہے جاں افزا ترا دیدار کرنا
نظارۂ رخِ گلنار کرنا

ق

کشیدن بادہ بر روئے تو، وانگاہ
تماشائے گل و گلزار کردن

گلِ رخ کو شگفتہ مے سے کر کے
تماشائے گل و گلزار کرنا

چہ خوش باشد ترا از خوابِ مستی
بہ زخمِ بوسہ ہا بیدار کردن

ہے اچھا کس قدر، از خوابِ مستی
بہ زخمِ بوسہ ہا بیدار کرنا

زمن در پیشِ تو کارے نیاید
بہ جز نظارۂ دیدار کردن

نہیں ہے کام کوئی اور اچھا
بہ جز نظارۂ دیدار کرنا

نیارم از لبت دل را جدا کرد
کہ نتواں خوں زخوں بیزار کردن

نہ کر لب کو جدا دل سے کہ اچھا
نہیں ہے خوں سے خوں بیزار کرنا

بہ شمشیرے نگردم منکر از عشق
زتو کشتن، زمن اقرار کردن

رواجِ عاشقی بھی ہے، روا بھی
تجھے قتل اور مجھے اقرار کرنا

مگو خسرو کہ ایں باگفتنی نیست
نمی شاید سخن بسیار کردن

دراز اتنا نہ کر قصہ، کہ خسرو
نہیں اچھا سخن بسیار کرنا

۴۷۵

اے میرِ ہمہ شکر فروشاں		اے میرِ ہمہ شکر فروشاں
توبہ شکنِ صلاح کوشاں	ق	توبہ شکنِ صلاح کوشاں
عشاق زدستِ چو تو ساقی		کرنا روا تجھے ہے ساقی
خونابہ بہ جائے بادہ نوشاں		خونابہ بہ جائے بادہ نوشاں
در میکدۂ غمت، سفالے		میخانۂ غم میں ہے سفال اک
نرخِ ہمہ معرفت فروشاں		نرخِ ہمہ معرفت فروشاں
یک خرقہ رُخت دُرست نگذاشت		رہنِ مے ہوئے ہیں خرقے
در صومعۂ کبود پوشاں		در صومعۂ کبود پوشاں
خوش وقتِ تو کآگہی نداری		اچھا ہے گر نہ آگہی ہو
از آتشِ سینہ ہائے جوشاں		از آتشِ سینہ ہائے جوشاں
بیدار گشت نرگسِ مست		نرگسِ مست بے خبر ہے
از نالۂ بلبلِ خروشاں		از نالۂ بلبلِ خروشاں
از تو سخنے بہ ہر ولایت		مر کر گیا ہے تجھ پہ، اے جاں
خسروؔ بہ ولایتِ خموشاں		خسروؔ بہ ولایتِ خموشاں

۳۷۶

یکدم فراموشم نہ ای گرچہ نیاری یادِ من
انصافِ حسنت میدہم با آنکہ ندہی دادِ من

گفتم کہ نزدِ من نشیں، مگذار زارم اینچنیں
تو نازکی و نازنیں، تنگ آئی از فریادِ من

شب مونسم پرویں بود، روزم زخوں بالیں بود
پیوستہ گر غم ایں بود، مسکیں دلِ ناشادِ من

جاں میشود از تن جدا ہیچ ار گذر افتد ترا
بوئے بیاری اے صبا، زاں سوسنِ آزادِ من

اے دل در آں زلفِ دوتا، می باش تسلیمِ بلا
کآساں نخواہد شد رہا، از دامِ ایں صیادِ من

فریادِ خسرو ہیچ گہ اندر دلش نگرفت رہ
گرچہ کند در سنگ رہ، ایں نالہ و فریادِ من

میں بھولتا تجھ کو نہیں، کرتا نہیں تُو یادِ من
لے کر میں آتا داد ہوں، سنتا نہیں تُو دادِ من

دل کو تسلی دے مرے آ کر تو کچھ، اے نازنیں
ہے بارِ خاطر پر تری گرچہ بہت فریادِ من

مونس ہوئی پرویں ہے، پُر خوں ہوا بالیں ہے
ایسا ہوا غمگیں ہے، مسکیں دلِ ناشادِ من

ہوتی ہے جاں تن سے جدا، کر کچھ رحم بہرِ خدا
لے کر تُو آ بو اے صبا، از سوسنِ آزادِ من

اے دل تُو در زلفِ دوتا، تسلیم کر ہر اک بلا
کرتا نہیں ہرگز رہا، دل کو کبھی صیادِ من

میں کر سکا دل میں نہیں اس شوخ کے رہ خسروا
گرچہ کرے ہے سنگ میں رہ نالہ و فریادِ من

۳۷۷

سودائے خوباں کم نشد زیں جانِ غم فرسودِ من
ہستی ہمہ کردم زیاں، ایں بود زینشاں سودِ من

با ہر کہ نمودم وفا دیدم جفائے عاقبت
شکرے نگفت از ہیچ کس، ایں جانِ ناخوشنودِ من

بنشیں بہ بالینم دمے من خود نخواہم زیستن
بارے بہ بینم روئے تو کافی ست خود مقصودِ من

زیں آہِ درد انگیزِ من بگریست چشمِ خلق خوں
یارب چہ بودے چشمِ تو گر پُر شدے از دُودِ من

نالیدنِ یعقوبیم در سنگ میگرد دہمی
دیوار در رقص آورد، ایں نغمۂ داؤدِ من

امشب نہانی رُوی را بر آستانش سودہ ام
اے گریہ امروزے مشو، ایں روئے خاک آلودِ من

خونابۂ خسرو چنیں دیدہ نیفگندے بیروں
گر دل ندادے ہر دمش اشکِ جگر پالودِ من

جاتا نہیں سودا ترا از جانِ غم فرسودِ من
ہے عشق ہی میرا زیاں، ہے عشق ہی میں سودِ من

کرنے سے میرے جب وفا افزوں ہوتی ہے جفا
ہوتی ہے ناخوشنود اور اک جانِ ناخوشنودِ من

تو بر سرِ بالیں آ وقتِ نزع اے جانِ من
مر جاؤں تجھ کو دیکھ کر، ہے بس یہی مقصودِ من

جب آہِ درد انگیز سے میری، ہے چشمِ خلق خوں
اے کاش کچھ تیرا کرے دیدہ بھی گریاں دُودِ من

خوں قلبِ پتھر کا مری افغانِ یعقوبی سے ہے
دیوار سن کر رقص میں ہے، نغمۂ داؤدِ من

امشب میں جبہ سا ہوا ہوں آستانِ دوست پر
اے گریہ مت امروز دھو تو روئے خاک آلودِ من

کرتا نہیں دیدہ مرا خونابہ اتنا خسروا
گر دل اسے دیتا نہیں اشکِ جگر پالودِ من

۳۷۸

ماہے گذشت وشب نخفت ایں دیدۂ بیدارِ من
یادے نکرد از دوستاں یارِ فرامش کارِ من

فریادِ شبہا ہم چنیں کز درد می آرد خبر
بسیار دلہا خوں کند ایں نالہ ہائے زارِ من

یارا چہ از چشمِ نکو دیدن نمی آرد مرا
اے دیدۂ بد، کور شو، گر ننگری در یارِ من

ہاں اے رقیب ار میکُشی، ہم بر کفش نہ تیغ را
مانا کہ شرمے آیدت از دیدۂ خونبارِ من

گر تو نیا زاری، بگو تا خویش را قرباں کنم
چہ پرسی از آزارِ دل می بیں بہ جانِ زارِ من

من خونِ خود کردم بحل زانگو نہ کت باید بکُش
باشد کہ خشمت کم شود، اے کافرِ خونخوارِ من

کرتا نہ مجھ کو یاد ہے یارِ فرامش کارِ من
سوتا نہ گرچہ یاد میں ہے دیدۂ بیدارِ من

فریاد جب غم سے مرے آگہ کرے ہے خلق کو
بسیار دلہا خوں کرے ہیں نالہ ہائے زارِ من

چشمِ نکو سے بھی نظر لگنے کا جب رہتا ہے ڈر
کر کور یارب چشمِ بد، دیکھے اگر وہ یارِ من

ہے قتل کرنا اے عدو گر، تیغ دے اس کو کہ وہ
ڈرتا نہیں تیری طرح از دیدۂ خونبارِ من

گرچہ گراں مرنا مرا خاطر پہ ہے تیری ولے
یہ دیکھ قرباں کس طرح ہوتی ہے جانِ زارِ من

بے خوف مجھ کو قتل کر، اندیشۂ پرسش نہ کر
تجھ پر ہے میرا معاف خوں، اے کافرِ خونخوارِ من

۳۷۹

ماہِ ہلال ابروئے من، عقلِ مرا شیدا مکن
غمزہ زناں زیں سو میا، آہنگِ جانِ ما مکن

ماہِ ہلال ابروئے من، یوں خون یہ دلہا نہ کر
غمزہ زناں آ مت یہاں، آہنگِ جانِ ما نہ کر

گر زلف سوئے رخ بری، گہ خال پیشِ لب نہی
جاں دارد آخر آدمی چنداں بلا یکجا مکن

غازہ لگا رخ پر نہ یوں، لب کو زباں سے تر نہ کر
عاشق ہے آخر آدمی، اتنی بلا یکجا نہ کر

دیرینہ یارانِ من اند، ایں پند گو اندوہ و غم
ور بے غمی منمای رہ، زینساں مرا تنہا مکن

ہے یارِ دیرینہ یہ غم مت کہہ تو مجھ سے، غم نہ کر
تنہا ہوں پہلے ہی بہت اب اور مجھے تنہا نہ کر

گفتی شوم فردائے ہجراں کشتنت را ساختہ
امروز مہمانِ توام، تو وعدۂ فردا مکن

کہتا ہے جاں لوں گا تری کل آ کے شامِ ہجر میں
امروز مہماں ہوں ترا، تو وعدۂ فردا نہ کر

گر عشق می بازی دلا، پروانہ شو، نے مگس
بالائے آتش چرخ زن، پرواز بر جلوا مکن

پروانہ اک الفت میں بن، آ دل نہیں ہے تو مگس
بالائے آتش طوف کر، پرواز بر جلوا نہ کر

گفتم ز زلفِ چوں توئے زنار بندم، گفت رَو
در کفر ہم صادق نۂ، زنار را رسوا مکن

میں نے کہا جو زلف کی زنار مجھ کو چاہیے
بولا کہ سچا کفر کر، زنار کو رسوا نہ کر

خسرو اگر بختت گہے یاری دہد کانجا رسی
ہم بر زمیں نہ دیدہ و گستاخیِ آں پا مکن

قسمت کی یاری سے وہاں خسرو رسائی ہو اگر
رکھ دیدہ اپنا خاک پر، آلودۂ خوں پا نہ کر

۳۸۰

خواہی دلا فردوسِ جاں، رخسارِ جاناں را ببیں
ور بایدت سروِ رواں، آں میرِ خوباں را ببیں

دارم ز تو داغِ کہن، ور نیست باور ایں سخن
بیدا دلِ من پارہ کن، و آں داغِ پنہاں را ببیں

بخرام ہمچو عاقلاں، از بہرِ جانِ غافلاں
درہم ز آہِ بیدلاں، زلفِ پریشاں را ببیں

اے چو پری در دلبری، در حسن خود گشتہ بری
خواہی سلیماں بنگری، بر تختِ سلطاں را ببیں

میگوی ہر دم خسروا سلطاں مبارک را دعا
ور راست خواہی قبلہ را، آں قطبِ دوراں را ببیں

گر چاہیے فردوسِ جاں رخسارِ جاناں دیکھیے
ہو گر طلب سروِ رواں، وہ میرِ خوباں دیکھیے

ہے دل میں اک داغِ کہن باور نہیں گر یہ سخن
اے جان، دل کو چیر کر اک داغِ پنہاں دیکھیے

برہم ہوا گلزارِ رخ کو دیکھیے فریاد سے
درہم بہ آہِ بیدلاں، زلفِ پریشاں دیکھیے

کرتا خجل حور و پری جو ہے بہ نازِ دلبری
بیٹھا وہ یوسف اک مرا بر تختِ سلطاں دیکھیے

دیجے دعا سلطان کو وقتِ نماز اور خسروا
گر چاہیے قبلہ تو سوئے قطبِ دوراں دیکھیے

۳۸۱

گرچہ زخوئے نازکت سوختہ گشت جانِ من
سوئے تو میکشد ہنوز ایں دلِ ناتوانِ من

خواب نماند خلق را در ہمہ شہر از غمت
دُور شنیدہ میشود در دلِ شب فغانِ من

گفتیم از چہ ناخوشی رنجِ تو چیست، باز گو
دُوریِ دوستان ولیں، دُور ز دوستانِ من

دُور مکن ز دامنش گردِ من اے صبا از آنک
در رہِ او ازیں ہوس خاک شد استخوانِ من

دوش ز آہِ دل مرا سوختہ بود لب، ولے
بختِ من آنک نامِ شہ بود بریں زبانِ من

شاہِ جہاں جلالِ دیں، آنک بہ یک اشارتش
دولتِ بیکرانہ شد محنتِ بے کرانِ من

بگذرد و نیوفتد ہیچ بہ خسروش نظر
پیکِ شتاب می رود تُرکِ سبک عنانِ من

خُو سے تری جلی ہے جاں گرچہ مری اے جانِ من
غم نے وَلے قوی کیا ہے دلِ ناتوانِ من

سو نہ سکے تمام شب شہر میں لوگ ایک پل
سوز و گداز و درد سے تھی یوں بھری فغانِ من

کیسے کروں بیاں میں، کرتی ہے حال جو مرا
غربت و فرقتِ وطن، دُوریِ دوستانِ من

دامنِ یار سے نہ کر اِس کو جدا تُو اے صبا
شوق و ہوس سے جو بنا خاک ہے استخوانِ من

دل سے نکل کے سوختہ کرتی ہے آہ لب مرے
آوے ہے نام جب کبھی شاہ کا بر زبانِ من

کرتا ہے اک اشارۂ شاہِ جہاں جلالِ دیں
کلفتِ بیکرانہ سب، دولتِ بے کرانِ من

فرصتِ یک نظر نہیں ہووے ہے خسروا اُسے
جائے ہے پُرشتاب یوں، تُرکِ سبک عنانِ من

۳۸۲

رفتی و شد بے تو جانم زار، باز آی و ببیں
سینۂ دارم ز ہجر افگار، باز آی و ببیں

برسرِ راہِ تو زاں بادے کہ از سویت رسید
دیدۂ من پُر خس و پُر خار، باز آی و ببیں

گر بیائی و ببینی حالِ من از گفتِ من
بُوکہ بزیَم جانِ من، یکبار باز آی و ببیں

چوں تو رفتی از من و من از خود اکنوں لطف کن
گاہِ رفتن آخریں دیدار، باز آی و ببیں

من نمی گویم بیا ویں شخصِ چو مومم نگر
از خمِ گیسوئے خود یکبار باز آی و ببیں

گر ندیدی سوزشِ مجنوں ز دردو داغِ عشق
دَردو داغِ خسروِ غمخوار باز آی و ببیں

بِن ترے ہے جان میری زار، آ کر دیکھ لے
دل ہوا ہے ہجر سے افگار، آ کر دیکھ لے

آنکھ میری بیٹھنے سے رہ پہ تیری رات دن
کس طرح ہے پُر خس و پُر خار، آ کر دیکھ لے

زار و خستہ دردِ فرقت سے تری، اے جانِ من
جی رہا ہوں کس طرح، یکبار آ کر دیکھ لے

ہے اگر ذوقِ تماشا، عاشقِ ناکام کا
وقتِ مُردن آخری دیدار، آ کر دیکھ لے

قید میں کیسا ہوا ہے ناتوان و زار دل
درِ خمِ گیسوئے خود یکبار آ کر دیکھ لے

گر نہیں دیکھا ہے دردو داغِ مجنوں اب تلک
دَرد و داغِ خسروِ غمخوار آ کر دیکھ لے

۳۸۳

صبحِ دولت میدمد یا خود رخِ جانانست ایں
بوئے گل می آید ایں یا بوئے آں بستانست ایں

دیدم از خندہ نمک ریزانش، گفتم بر کہ باز
ہم بہ خندہ گفت بہرِ سینۂ بریانست ایں

زآبِ چشمِ من گیاہِ مہر می روید مدام
بنگر اے نامہرباں تا چہ عجب بارانست ایں

ہر کہ دید آں صفحۂ رخسار خواند الحمد و گفت
اللہ اللہ آیتے از رحمتِ یزدانست ایں

رکنِ حق والائے دیں، کاختر بہ تعظیمِ تمام
پاش می بوسد گہے، دستورِ سلطانست ایں

دی رسیدہ ارغنونِ عشرتِ شادی بہ دست
داد خسرو را کہ خدمتگارِ خسرو خانست ایں

آفتابِ صبحِ دولت یا رخِ جاناں ہے یہ
بُو گلِ رخسار کی یا بوئے یک بُستاں ہے یہ

اس سے جب پوچھا نمک ریزیِ لب ہے کس لئے
ہنس کے وہ بولا کہ بہرِ سینۂ بریاں ہے یہ

آبِ دیدہ جو کرے شاداب ہے باغِ مہر
دیکھ اے نامہرباں کیسا عجب باراں ہے یہ

صفحۂ رخسار اس کا دیکھ کر سب نے کہا
اللہ اللہ آیتِ بخشائشِ یزداں ہے یہ

رکنِ حق والائے دیں کی چوم کر خاکِ قدم
آسماں کہوے ہے حسبِ رتبۂ سلطاں ہے یہ

لے کے آیا ارغنونِ عشرتِ شادی ہے جو
خسروِ ناچیز خدمتگارِ خسرو خاں ہے یہ

۳۸۴

اے بہ کویت ہر سحر گہ جائے تنہا ماندگاں
رحمتے بر چشمِ خوں پالائے تنہا ماندگاں

چوں بہ کوئے دوست تنہا پای را خاکی کند
کس بجز گریہ نشوید پائے تنہا ماندگاں

با چنیں شبہا کہ من دارم چہ باشد وہ کہ گر
یادت آید روزے از شبہائے تنہا ماندگاں

ماندایم آفتاب و مہ کہ در شبہائے غم
سایہ باشد مونسِ شبہائے تنہا ماندگاں

آفتابِ چرخ تنہا سوزد و گوید مسوز
وائے تنہا ماندگاں، اے وائے تنہا ماندگاں

تو غمِ خسرو کجا دانی کہ نشنیدی گہے
نالہ و فریادِ درد افزائے تنہا ماندگاں

ہے ترا کوُ ہر سحر گہ جائے تنہا ماندگاں
دیکھ آکر چشمِ خوں پالائے تنہا ماندگاں

ہووے خاک آلود ہیں جب پاؤں کوچے میں ترے
دھووے جز گریہ نہیں ہے پائے تنہا ماندگاں

دیکھ آکر تو کبھی فرقت میں تیری جانِ من
کٹ رہی ہیں کس طرح شب ہائے تنہا ماندگاں

بے مہِ رخسارِ رخشانِ تو در شب ہائے غم
تیرگی ہے مونسِ شب ہائے تنہا ماندگاں

جل رہا خورشید تنہا ہے جلا کر بزمِ شب
وائے تنہا ماندگاں، اے وائے تنہا ماندگاں

تا خبر خسرو کے غم کی ہو کبھی آ اور سن
نالہ و فریادِ درد افزائے تنہا ماندگاں

۳۸۵

چشم را در مُلکِ خوبی شحنۂ بیداد کن
غمزۂ خونخوارہ را بر جادواں استاد کن

زلف بر دستِ صبا نِہ، تا پریشانش کند
خان و مانے را بہ ہر موئے ازاں آباد کن

اے کہ از حسن و جوانی مست و خواب آلودہ ای
گاہ گاہ از حالِ بیدارانِ شبہا یاد کن

نالہ را ہر چند میخواہم کہ پنہاں بر کشم
سینہ می گوید کہ من تنگ آمدم فریاد کن

حسرتِ رُویت ہلاکم کرد از بہرِ خدا
رُوی بنما و دلِ درماندۂ را شاد کن

من نیم زینہا کہ خواہم از جنابت سر کشید
خواہ فرمانِ ستم فرمای و خواہی داد کن

سینۂ من کوہ در دست و بہ ناخن می کنم
آنکہ نامم بود خسرو بعد ازیں فرہاد کن

چشم کو در مُلکِ خوبی شحنۂ بیداد کر
غمزۂ خونخوار کو اس کا پھر اک استاد کر

باد سے کر کے پریشاں گیسوئے پُر تاب کو
عاشقوں کے دل سے پھر زندانِ زلف آباد کر

تُو کہ خواب آلود و مستِ نازکی و ناز ہے
گاہ گاہے حالِ بیدارانِ شبہا یاد کر

چاہتا گرچہ نہاں رکھنا میں دردِ عشق ہوں
دل یہ کہتا ہے کہ میں ہوں تنگ، کچھ فریاد کر

حسرتِ دیدار کرتی قتل ہے بہرِ خدا
رخ دکھا اپنا کبھی، شاداں دلِ ناشاد کر

در پہ آیا ہوں ترے میں مانگنے داد و دہش
خواہ فرمانِ ستم دے، خواہ عدل و داد کر

کوہ کَنی خسرو کرے سینے کی ہے ناخون سے
کچھ تو شیریں حوصلہ افزائی فرہاد کر

٣٨٦

اے دل بہ چشمِ عبرت نظارۂ جہاں کن
ظاہر نہاں چہ بینی نظارۂ نہاں کن

پرواز کن بہ ہمت، بر پر بہ اوجِ عزت
جبریلِ اوجِ خود شو بر سدرہ آشیاں کن

عمرِ روندہ خواہی پایندہ تا قیامت
زنہار نامِ نیکو با عمر ہم عناں کن

گر تختِ عاج خواہی خود را بلند منگر
در خاکِ تست بادے، زاں مشتِ استخواں کن

بیں شمع کش زسوزش گشتہ ست جانِ روشن
گر روشنیت باید، تن را بسوز، جاں کن

خسرو بہ ملکِ شہرت چندت زبانِ ہرزہ
عالم ہمہ گرفتی، شمشیر درمیاں کن

اے دل بہ چشمِ عبرت نظارۂ جہاں کر
تحقیق کی نظر سے رازِ نہاں عیاں کر

شوقِ عروج سے کر پرواز آسماں پر
جبریلِ اوجِ خود بن، سدرہ پہ آشیاں کر

مقصود عمر ہے گر پائندہ تا قیامت
زنہار نامِ نیکو با عمر ہم عناں کر

اک تختِ عاج تیرا منظورِ دل اگر ہے
خاشاک و خاک اپنا پہلے تو استخواں کر

خواہش اگر ہے تجھ کو ظلمت میں روشنی کی
آتش سے دل کی اپنے روشن چراغِ جاں کر

خسرو بہ ملکِ شہرت کرنی ہے خسروی گر
اپنی زباں کو تیغِ شیرینیِ بیاں کر

۳۸۷

اے بے خبر ز دیدۂ بے خوابِ عاشقاں
تا سوختہ دلت ز تف و تابِ عاشقاں

ذکرِ لب و دہانِ تو تسبیحِ بیدلاں
نعلِ سُمِ سمندِ تو محرابِ عاشقاں

شب خواب دیدمت بہ برِ خویشتن، ولے
آں بخت کو کہ راست شود خوابِ عاشقاں

یک شب بہ میہمانیِ خونابۂ من آی
تا بے خبر شوی ز مئے نابِ عاشقاں

خسرو نزار و غمزۂ خوباں کشید تیغ
شرمندہ می شویم ز قصابِ عاشقاں

اے بے خبر ز دیدۂ بے خوابِ عاشقاں
آ اور دیکھ سوز و تف و تابِ عاشقاں

ذکرِ لب و دہانِ تو تسبیحِ بیدلاں
نعلِ سُمِ سمندِ تو محرابِ عاشقاں

آنے سے فائدہ ترے کیا خواب میں کہ جب
آتا نہیں ہے راس کبھی خوابِ عاشقاں

یک شب بہ میہمانیِ خونابۂ من آ
اور دیکھ رنگ و آبِ مئے نابِ عاشقاں

کرتا ہے قتل خسروِ زار و نزار کو
کیسا ہے دیکھ غمزۂ قصابِ عاشقاں

۳۸۸

جانا شبے بہ کوئے غریباں مقام کن
چوں جاں دہیم در کفِ پایت، خرام کن

دعوئِ خوں بہائے دلِ خویش می کنم
یک بوسہ بر لبم زن و قطعِ کلام کن

مے کت حلال باد، بنوش و خرام کن
بر زاہدانِ صومعہ تقوی حرام کن

تا گو کہ بر لبِ تو رسم، خونِ من بریز
وانگہ بہ جامِ بادۂ رنگیں بہ جام کن

اے بادِ صبحدم، چوں بدانسوی بگذری
از من، سگانِ آں سرِ کو را سلام کن

اے دل چوں سوختی ز ہوس ہائے خامِ خویش
عمرِ عزیز در سرِ سودائے خام کن

خسرو نظر در آں رخ و وانگہ حدیثِ صبر
اندازۂ تو نیست، زباں را بہ کام کن

اے جانِ من بہ کوئے غریباں مقام کر
وہ جاں فدا قدم پہ کریں، تو خرام کر

دعوئِ خوں بہائے دلِ خویش ہے مجھے
میرے لبوں کو چوم کے قطعِ کلام کر

بادہ حلال ہے تجھے، مستی سے ایک دن
بر زاہدانِ صومعہ تقوی حرام کر

تیغِ نگاہِ ناز سے کر خونِ عاشقاں
پھر خوں سے ایک، ساقیا، رنگین جام کر

اے باد ہو گزر ترا گر کوئے یار میں
جا کر میری طرف سے سگوں کو سلام کر

اے دل جلے ہے تو جو ہوس ہائے خام سے
عمرِ عزیز در سرِ سودائے خام کر

کرتا ہے بات صبر کی خسروؔ تو عشق میں
کیسی ہے لغویت یہ، زباں در لگام کر

۳۸۹

صواب نیست بہ تو فکرِ حورِ عیں کردن
خطاست نسبتِ زلفت بہ مشکِ چیں کردن

برائے خاطرِ دشمن ز دوست برگشتی
روا نباشد با دوستاں چنیں کردن

ہزار جانِ گرامی ہنوز کم باشد
فدائے خاکِ رہِ مردِ دُوربیں کردن

مکن تعجب ازیں داغِ مے برآں خرقہ
بہ حشر خواہم ازایں داغ بر جبیں کردن

ندارد از تو دمے صبر در جہاں خسروؔ
مگس شکیب ندارد ز انگبیں کردن

درست مہ سے نہیں تشبیۂ جبیں کرنا
غلط ہے نسبتِ گیسو بہ مشکِ چیں کرنا

برائے خاطرِ دشمن یہ دشمنی تیری
نہیں روا ہے، بہ یارانِ ہمنشیں کرنا

ہزار جانِ گرامی بھی کچھ نہیں میری
فدائے خاکِ رہِ مردِ دُوربیں کرنا

بہ داغِ مے نہیں کافی ہے خرقہ آلودہ
مجھے تو چاہیے یہ داغ بر جبیں کرنا

بنا مگس جو ہے تُو عشقِ لب میں اے خسروؔ
تجھے روا نہیں پرہیزِ انگبیں کرنا

۳۹۰

چنیں کہ بے تو زمانے نمی تواں بودن
نہ مردمی بوَد از چشمِ ما نہاں بودن

دمے بہ سوئے من آئی ارچہ عیبِ شاہان ست
بہ کنجِ محنتِ درویش میہماں بودن

زدیدہ گوہر و دُر بر درت فشانم ازانک
نہ دوستی ست بہ کوئے تو رائیگاں بودن

زسینہ ام نہ ہمانا بروں روی ہمہ عمر
چنیں کہ خُوی شدت درمیانِ جاں بودن

ملامتت نکنم گر جفا کنی زیراک
رہا نمی کندت حسن مہرباں بودن

مپرس قصۂ خسرو چہ جائے پرس آں را
کہ حیرتِ رُخت آموخت بے زباں بودن

ستم ہے دل پہ ترا دُور یک زماں ہونا
کرے ہے کور نظر سے ترا نہاں ہونا

تو پاس آ مرے گرچہ ہے عیب شہ کے لئے
بہ کنجِ محنتِ درویش میہماں ہونا

گہر فشاں ترے دَر پر ہے چشم روز و شب
درست دُر کا نہ گرچہ ہے رائیگاں ہونا

نکال میں نہیں سکتا ہوں دل سے یاد تیری
پسند یوں ہے اُسے درمیانِ جاں ہونا

جفا روا ہے تجھے جس قدر بھی تو چاہے
کہ حسن کو نہیں آتا ہے مہرباں ہونا

نہ پوچھ قصۂ خسرو کہ ہے اسے تیرے
سکھا دیا رخِ حیراں نے بے زباں ہونا

۳۹۱

عالم از جامِ لب خراب مکن
تہمت اندر سرِ شراب مکن

ہر زماں تافتہ مشو بر ما
تو ہمی کارِ آفتاب مکن

با چناں رہ مرو بہ غارتِ شب
کارِ دُزدی بہ ماہتاب مکن

خیمۂ حسن را بہ صحرا زن
گردنِ عاشقاں طناب مکن

چشم از گریہ یک زماں باز آر
خانۂ مردماں خراب مکن

بے چراغ است خانۂ خسرو
ہر زماں رُوی در نقاب مکن

عالم از جامِ لب خراب نہ کر
تہمت اندر سرِ شراب نہ کر

تابشِ قہر سے جلا نہ مجھے
ماہِ من کارِ آفتاب نہ کر

شبروی کر نہ قلب کی شب میں
کارِ دُزدی بہ ماہتاب نہ کر

خیمۂ حسن تو لگا دل میں
بندِ گردن ولے طناب نہ کر

چشم گریاں ہے ہر زماں بے تو
خانۂ مردماں خراب نہ کر

شب میں تیرہ ہے خانۂ خسرو
ماہِ رخسار در نقاب نہ کر

۳۹۲

همی ریزی بہ بازی خونِ یاراں
چنیں باشد سزائے دوستداراں
منِ رسوا و ہر سو خندۂ خلق
چو مستے در میانِ ہوشیاراں
برائے صبحِ پیروزی کہ بے تست
حیاتِ من چو شامِ سوگواراں
تنم پروردہ شد در خونِ دیدہ
چناں کز مے سفالِ بادہ خواراں
نہ گویم دردِ خود باکس کزیں راز
نگنجد در دلِ نا استواراں
چہ خوش می نالد اندر عشق خسرو
چو بلبل در قفس وقتِ بہاراں

سمجھتا کھیل ہے وہ خونِ یاراں
ہے کچھ ایسی سزائے دوستداراں
میں رسوا اور خنداں خلق جیسے
ہو مست اک درمیانِ ہوشیاراں
صبحِ روشن تو میری اور میں ہوں
تری فرقت میں شامِ سوگواراں
ہے تن پروردہ خونِ دل سے جیسے
ہو بادے سے سفالِ بادہ خواراں
کہوں میں رازِ دل کیسے کہ غم سے
ہے ناواقف دلِ نا استواراں
ہے نالاں عشق میں خسرو ہو جیسے
قفس میں ایک بلبل در بہاراں

۳۹۳

یک شب اے ماہِ جہاں افروزِ من
بر من آی و باش صبر آموزِ من
نیست یک ذرہ ترا دل گرمئی
گرچہ صد دل پختہ گشت از سوزِ من
از چہ روزم شد سیہ، مانا فتاد
سایۂ شبہائے من بر روزِ من
میدہم جاں، بگذر و ناخوش مکن
بہرِ فردا مہلتِ امروزِ من
گریہ ہم بر من شبیخوں می کند
خسروا بیں لشکرِ فیروزِ من

یک شب اے ماہِ جہاں افروزِ من
جلوہ دکھلا کر ہو صبر آموزِ من
گرمِ دل یک ذرہ، اے جاں تو نہیں
پختہ صد دل گو کرے ہے سوزِ من
دن مرے کیوں ہیں سیہ، کیا ہے پڑا
سایۂ شب ہائے من بر روزِ من
وعظ سے اے متقی ناخوش نہ کر
بہرِ فردا مہلتِ امروزِ من
کیسے گریہ سے کرے شبخون ہے
دیکھ خسرو، لشکرِ فیروزِ من

۳۹۴

امروز بہ نظارۂ آں سروِ خراماں
بس عاقل و ہشیار کہ شد بے سر و ساماں

جانم شدہ گمراہ و بہ دل ماندہ خیالے
زاں سرو کہ می رفت بہ صد ناز خراماں

از چشمِ غلاماں چوں نہ ای ہیچ گہے دُور
خواہم کہ ببوسم بہ ہوس چشمِ غلاماں

گر پیشِ تو لافِ مہِ کامل نپذیرد
دعویٔ تمامی کس ازیں نیم تماماں

از بوئے خط و زلف تو بس جا کہ رود باد
گردام کند مشکے ازاں غالیہ داماں

خسرو چہ دری جامہ چو فرہاد شو از عشق
کز نالہ کسے را فگند چاک بہ داماں

امروز بہ نظارۂ یک سروِ خراماں
سب عاقل و ہشیار ہوئے بے سر و ساماں

گمراہ کرے جان ہے، لیوے ہے دل وُ دیں
وہ سرو ہُوا جو ہے بہ صد ناز خراماں

جب چشمِ غلاماں سے رہے دُور نہ ہے تُو
خواہش ہے مری چوم لوں میں چشمِ غلاماں

گر ماہ جبیں دیکھ لیں میرا مہِ کامل
دعویٔ تمامی نہ کریں نیم تماماں

کرتی ہے پریشاں وہ اگر کاکلِ مشکیں
ہوتی ہے بہت بادِ صبا غالیہ داماں

روتا ہے کبھی چاک گریبان جو کر کے
خسروؔ تو کرے چاک بھی ہے خلق کا داماں

۳۹۵

دلم را کرد صد پارہ بہ سینہ خارخارِ تو
مرا ایں گل شگفت و بس ہمہ عمر از بہارِ تو
سرِ خود میزنم بر آستانت تا بر آید جاں
کہ ایں سر دردِ خواہم بُرد با خود یادگارِ تو
ہمہ کس بینَدت جز من روا باشد کزیں نعمت
بہ محرومی بمیرد پیشِ درَ امیدوارِ تو
بہ خشمم گفتہ ای کاندر دل و جانت زنم آتش
زہے دولت، اگر خاشاکِ من آید بکارِ تو
اگر بشگافیم سینہ، من از جانت کنم یاری
وگر بیروں کنی چشم، منم از دیدۂ یارِ تو
عفاک اللہ ز چشمِ خسروؔ آں خونہا کہ افشاند
معاذ اللہ کہ گویم پیشِ چشمِ پُر خمارِ تو

کرے دل ہے مرا صد پارہ اے جاں خارِ خارِ تو
کہ دیوے خار ہے مجھ کو بجائے گل بہارِ تو
مرا ہوں مار کر در پر ترے سر تا نہ لے جاؤں
میں بعدِ مرگ دردِ سر لحد میں یادگارِ تو
سوا اُس کے دکھایا ہے جو جلوہ تُو نے ہر اک کو
مرا محروم ہے در پر ترے امیدوارِ تو
تُو کہتا ہے جلاؤں گا دل و جاں آگ سے تیرے
زہے دولت، مرا خاشاک آئے گر بکارِ تو
تُو سینہ چیر کر لے جائے دل، تو دل کرے یاری
نکالے چشم تُو میری اگر، ہو چشمِ یارِ تو
عفاک اللہ کہ کرتی خوں فشانی چشمِ خسروؔ ہے
معاذ اللہ کہ ہے یہ پیشِ چشمِ پُر خمارِ تو

۳۹۶

دلم آشفتہ شد جاناً بہ بالائے بلائے تو
بکن رحمے بہ جانِ من کہ گشتم مبتلائے تو

اگر رائے تو ایں باشد کہ من دائم جفا بینم
جفائے جملہ عالم را کشم جاناً برائے تو

میاں بکشائی ورنہ پیرہن صد چاک خواہم زد
کہ در دل بسکہ رہ دارم من از بندِ قبائے تو

رقیبت را نمی خواہم الٰہی نیست گردانش
کہ دائم میکند محروم ما را از لقائے تو

اگر تو ہر رقیبے را بجائے بندہ می داری
بحمد اللہ کہ خسرو را کسے نبوَد بجائے تو

پریشاں دل ہوا اے جاں، بہ بالائے بلائے تو
مہرباں مجھ پہ ہو للہ کہ ہوں میں مبتلائے تو

ہو منشا گر تری، جھیلوں جفا و جور میں دائم
تو دنیا کی جفائیں میں سہوں ساری برائے تو

قبائے تنگ کرتی ہے تری، جامہ دری میری
کہ دل کا خون کرتا ہے مرے، بندِ قبائے تو

خدا سمجھے رقیبوں سے ترے، اے جاں خدا سمجھے
مجھے محروم رکھتے ہیں وہ دائم از لقائے تو

سوا اُس کے، ہر اک کے واسطے ہے دل میں جا تیرے
ولے خسرو کے دل میں ہے نہیں کوئی بجائے تو

۳۹۷

بیچارہ دلم خوں شد در پیشِ خیالِ تو
تا چند ہنوز آخر دُوری ز وصالِ تو

عقلُ و دلُ و جاں از تن، بُرد ایں ہمہ عقل از من
من ماندہ ام و چشمے حیرانِ جمالِ تو

زینگونہ کہ من دیدم شکلِ تو و حالِ خود
دشوار برم جاں را از دستِ خیالِ تو

اے لشکرِ مشتاقاں در پیشِ رکابِ تو
اے گردنِ سر بازاں در پیشِ دوالِ تو

یا رب کہ چہ ظلم است آں، یا رب کہ چہ داغ است ایں
بر جانِ مسلماناں از ہندوئے خالِ تو

صد قصہ فزوں دارم از دردِ دلِ خسروؔ
لیکن بہ زباں نارم از بیمِ ملالِ تو

خوں ہے دلِ بیچارہ در پیشِ خیالِ تو
کرتی ہے جگر زخمی دُوریِ وصالِ تو

لے جائے ہے یکدم یہ کیسے دل و عقل و دیں
ہے چشم مری اے جاں، حیرانِ جمالِ تو

میں دیکھ کے کہتا ہوں شکلِ تو و حالِ خود
مشکل ہے بچا رہنا از دستِ خیالِ تو

اے لشکرِ مشتاقاں در پیشِ رکابِ تو
اے گردنِ سر بازاں در پیشِ دوالِ تو

ہے ظلم ہوا کتنا، ہے داغ ملا کیسا
بر جانِ مسلماناں از ہندوئے خالِ تو

گرچہ دلِ خسروؔ کی پُر درد حکایت ہے
آتی نہ زباں پر ہے از خوفِ ملالِ تو

۳۹۸

اے جانِ من آویزاں از بندِ قبائے تو
بیچارہ دلم خوں شد در عہدِ وفائے تو

افتادہ نخواہم بود الّا بہ درت زیں پس
گر خاک شوم بارے زیرِ کفِ پائے تو

گفتی کہ بدیں زاری از بہرِ کہ می میری
واللہ کہ برائے تو، باللہ کہ برائے تو

یارب نفسے باشد کز عشق اماں یابم
وآسودہ بخسپم شب، ایمن ز بلائے تو

جاں تیغِ ترا دادم از شرمِ رخت مُردم
زیرا بہ ازیں باید تعظیمِ جفائے تو

ہر چند کہ شد خسرو سلطانِ سخن گویاں
از بہرِ یکے بوسہ ہم ہست گدائے تو

ہے جاں مری آویزاں از بندِ قبائے تو
خوں ہے دلِ بیچارہ در عہدِ وفائے تو

آرام مری جاں کو آ جائے ترے در پر
گر خاک میں بن جاؤں زیرِ کفِ پائے تو

تُو دیکھ کے پوچھے ہے کس کے لئے روتا ہوں
واللہ کہ برائے تو، باللہ کہ برائے تو

مل جائے اماں مجھ کو گر سوزِ محبت سے
سوتا میں رہوں شب بھر، ایمن ز بلائے تو

مقتل میں ترے جا کر جاں تیغ پہ دیتا ہوں
کرتا ہوں میں کس طرح تعظیمِ جفائے تو

سلطانِ سخن گویاں گرچہ ہے بنا خسرو
بوسے کے لئے اک ہے لیکن وہ گدائے تو

۳۹۹

خلقے ہمہ در شہر و مرا جا بہ دگر سو
ہر کس بہ رہے و من تنہا بہ دگر سو

جائے دگراں شہر مری جا بہ دگر سو
ہر کس بہ رہِ عقل ہیں تنہا بہ دگر سو

بینم چو بہ راہش بدوم پاش بگیرم
دستم بہ دگر سو رود و پا بہ دگر سو

جب پاؤں پکڑنے کے لئے تیرا گیا میں
تھا دست دگر سو مرا اور پا بہ دگر سو

وہ ایں چہ زماں بود کہ کردیم وداعش
کو رفت بہ سوئے دگر و ما بہ دگر سو

کیسا ہے یہ ہنگامِ وداع ایک تماشا
محبوب بہ سوئے دگر و ما بہ دگر سو

او رفت و من از بیخودیِ خویش ندیدم
کو باز سوئے خانہ شد یا بہ دگر سو

بے ہوش ہوں ایسا کہ پتا مجھ کو نہیں ہے
جاتا سوئے خانہ ہے تو اب یا بہ دگر سو

در عشق عفا اللہ طلبم وصلِ تو زشت است
معشوق دگر سو و تمنا بہ دگر سو

دیوانگی کیسی طلبِ وصل ہے یاروں
معشوق دگر سو و تمنا بہ دگر سو

آیا بود آں روز کہ باہم بنشینیم
آشوب دگر سو شدہ غوغا بہ دگر سو

تھا وقت کہ ہو کر جو بہم بیٹھتے ہم تھے
سوئے دگر آشوب تھا غوغا بہ دگر سو

گر کام رسد ور نرسد دوست بس است
خسرو نرسد از رخِ زیبا بہ دگر سو

ہر سو گیا آوارگیِ عشق میں خسرو
لیکن نہ گیا از رخِ زیبا بہ دگر سو

۴۰۰

زینساں کہ ناوک میزند چشمِ شکار اندازِ او
بسیار مردِ شیر دل کآید شکارِ نازِ او

جائے کہ باہر تارِ مو شد بستہ صد گردن کشش
باما چہ عیاری کند زلفِ کمند اندازِ او

گفتی کہ مرغِ جانت را بندِ قفس بسیار شد
ایں ہم نماند اے جاں بسے نزدیک شد پروازِ او

شوقے کہ ہست از شمعِ خود آلودۂ آتش مرا
گر مطرب آرد در نوا ترسم بسوزد سازِ او

خسرو منالد پیش کس زیرا کہ گرید خلق خوں
بس کز جراحتہائے دل خوں می چکد ز آوازِ او

ناوک زنی کرتی ہے جب چشمِ شکار اندازِ او
ہوتے ہیں مردِ شیر دل سارے شکارِ نازِ او

پیچوں میں دل عشاق کے سب قید کرنے کے لئے
کرتی ہے عیاری بہت زلفِ کمند اندازِ او

بندِ قفس میں مرغِ جاں رکھ تو دیا عاشق کا تھا
اُس کو پتا لیکن نہ تھا نزدیک تھی پروازِ او

مطرب نے جب پیدا کیا پردے میں سوزِ دلِ مرا
شعلہ بنی ایسی نوا اُس نے جلایا سازِ او

آنسو بہاتے خوں کے ہیں سن کے بیاں خسرو کا سب
دردِ محبت سے بھری ہے اس قدر آوازِ او

۴۰۱

گرچہ کہ ہست خونِ دل، بادۂ خوشگوارِ تو
سرخوش و شیرگیر شد نرگسِ پُر خمارِ تو

سروِ بلند و نخلِ تر گہے آورم بہ بر
وہ کہ بدیں کجا رود آرزوئے کنارِ تو

تیر بہ آہواں زنی، غمزہ بہ ما ازاں سبب
رشکِ شکارِ تو زمن، رشکِ من از شکارِ تو

چشمِ من است و خاکِ رہ رُفتہ بتا بیا ببیں
دیدہ کہ خاک میخورد در رہِ انتظارِ تو

از پئے تو ز خونِ دل شربتِ مہر ساختم
نیز نہ کرد رحمتے چشمِ حرام خوارِ تو

بے تو کہ زندہ ماندہ ام سیر نمای گو بہ من
تا بہ رہد ز ننگِ جاں خسروِ بیقرارِ تو

جب سے بنا ہے خونِ دل، بادۂ خوشگوارِ تو
سرخوش و شیرگیر ہے نرگسِ پُر خمارِ تو

سروِ بلند و نخلِ تر گہے آئے ہیں بہ بر
جائے نہیں ہے دل سے پر آرزوئے کنارِ تو

غمزہ زنی ہے مجھ پہ گر، تیر زنی غزال پر
رشکِ شکارِ تو زمن، رشکِ من از شکارِ تو

آ کے کبھی تو اے صنم، دیکھ کہ میرا کس طرح
دیدہ ہے خاک سے بھرا در رہِ انتظارِ تو

گرچہ بنایا خونِ دل میں نے ہے شربتِ مہر
پھر بھی کرے نہ رحم ہے چشمِ حرام خوارِ تو

جان ہے لب پہ اُس کی، آ پوچھنے حالِ زارِ دل
تا ہو رہا ز ننگِ جاں خسروِ بیقرارِ تو

۴۰۲

باز بہ خونِ خلق شد چشمِ جفانمائے تو
عمر اگر وفا کند، جانِ من و جفائے تو

نیست امید کز توام یک گلِ بخت بشگفد
عمر بباد می دہم بیہدہ در ہوائے تو

من کہ ز دولتِ غمت خونِ دو دیدہ می خورم
ہست حرام خوارگی گر نکنم دعائے تو

باد برآستانِ تو خاک شدہ وجودِ من
تا بہ طفیلِ آستاں بوکہ رسم بہ پائے تو

گوش بہ خسروؔ آر شب تاکہ نہ بینی از کجا
نغمۂ شوق میزند بلبلِ خوشنوائے تو

تشنۂ خون جب سے ہے چشمِ جفانمائے تو
ہوویں الگ نہیں کبھی جانِ من و جفائے تو

دل میں امید تھی ولے بخت نہ یار بن سکا
ساری تباہ زندگی ہو گئی در ہوائے تو

کھانے کو غم دیا مجھے، پینے کو خون بھی دیا
ہو گی حرام خوارگی گر نہ کروں دعائے تو

خاک کیا وجودِ خود کو ترے آستان پر
تا بہ طفیلِ آستاں، آوں بہ زیرِ پائے تو

دیکھ تو آکے جانِ من، یاد میں تیری کس طرح
ہوتے ہے شب میں نغمہ زن خسروؔ خوشنوائے تو

۴۰۳

مست میگردی ز خانہ بیش نافرماں مشو
چشمِ بد نیکو نباشد جا بجا مہماں مشو

غمزہ می آری و می گوئی مَرو از خود عجب
تیغ می رانی و می گوئی مرا قرباں مشو

دل ز من بستانی و گوئی نمیدانم کہ بُرد
ایں چنیں یکبارگی ہم جانِ من ناداں مشو

دل کہ ویرانی ست اندر طالعش از نیکواں
گفتِ مردم کے شود گر گویدش ویراں مشو

خسروؔ دیدی کہ حیراں ماندہ ای در کارِ خویش
من ترا صد رہ نگفتم کایں چنیں حیراں مشو

مست ہو کر جا نہ باہر شوخ نافرماں نہ ہو
چشمِ بد نیکو نہیں ہے ہر جگہ مہماں نہ ہو

کر کے تُو غمزہ زنی پوچھے ہے کیوں ہے بے خودی
تیغ زن ہوتا ہے اور کہتا ہے تُو قرباں نہ ہو

لے کے جائے دل ہے اور پوچھے ہے دل کا کیا ہوا
کر نہ تُو اتنا تجاہل اس قدر ناداں نہ ہو

لغما و غارت گری کرتا ہے اور کہتا ہے پھر
دیکھ کر ویران دل میرا کہ تُو ویراں نہ ہو

مہر کرتے بے مہر خوباں بھی ہیں خسروؔ کبھی
دیکھ کر ان کو مہرباں اس قدر حیراں نہ ہو

۴۰۴

ہر شب منم افتادہ بہ گردِ سرائے تو
تا روز آہ و نالہ کنم از برائے تو

روزے کہ ذرہ ذرہ شود استخوانِ من
باشد ہنوز در دلِ تنگم ہوائے تو

ہرگز شبِ وصالِ تو روزے نشد مرا
اے وائے بر کسے کہ بود مبتلائے تو

جاں را رواں برائے تو خواہم نثار کرد
دستم نمی دہد کہ نہم سر بہ پائے تو

بر حالِ زارِ من نظرے کن ز روئے لطف
تو پادشاہِ حسنی و خسرو گدائے تو

کرتا طواف شب میں ہوں گردِ سرائے تو
ہوتا ہے دن تو کرتا فغاں ہوں برائے تو

گرچہ ہے ذرہ ذرہ مرا استخواں ہوا
دل میں ہے اب تلک مرے لیکن ہوائے تو

ہوتی شبِ وصال میسر نہیں اگر
ہائے وہ ایک شخص جو ہے مبتلائے تو

اے کاش جاں نثار کروں آستاں پر
رکھ کر میں سر کو ایک دن اپنے بہ پائے تو

نظرِ کرم خدا کے لئے حالِ زار پر
تو بادشاہِ حسن ہے خسرو گدائے تو

۴۰۵

تا شدم چشم آشنا با روئے تو
چشم ہا از من رواں شد سوئے تو

جب سے ہے چشم آشنائے روئے تو
سیلِ اشک اس سے رواں ہے سوئے تو

عاشقِ روئے تو ام کز بس صفا
رُوی تواں دیدن اندر روئے تو

آئینہ ہے صاف ایسا رخ ترا
دیکھتا ہوں عکسِ خود در رُوئے تو

من کجا خسپم کہ از فریادِ من
شب نمی خسپد کسے در کوئے تو

سوؤں میں کیسے فغاں سے جب مری
سو نہیں سکتا کوئی در کوئے تو

گفتیم بے رُوئے من در گل مبیں
چوں کنم می آیدم زد بوئے تو

مجھ سے کہتا ہے نہ ہرگز دیکھ گل
کیا کروں آتی ہے اس سے بوئے تو

نگفنی در گردنم دستے کہ نیست
ایں کماں را طاقتِ بازوئے تو

جب تو کھینچے ہے کماں جاتا ہوں مر
دیکھ کر میں طاقتِ بازوئے تو

بندہ خسرو از سرِ جاں خواستت
تا نشیند ساعتے پہلوئے تو

اب یہی اک آرزو دل میں ہے بس
کاش خسرو بھی ہو در پہلوئے تو

۴۰۶

دلے دارم چو دامانِ گل از غم چاک گردیده
سرے بر آستانِ او ز محنت خاک گردیده

ز بس کز غمزۂ او تیغِ بیداد آمده بر من
سراسر سینہ ام چو دامنِ او چاک گردیده

بر آں شکل و شمایل باوجودِ حسنِ خورشیدی
ندیده چو توئے ہرچند در افلاک گردیده

عجب گر شادماں گردد دُرونہا بعد ازیں ہرگز
دلِ خلقے چنیں کز دردِ من غمناک گردیده

بہ زہرِ ہجر خسرو جاں نخواہی داد دُور از وے
ازاں رُوئے کز آئینِ وفا تریاک گردیده

مرا دل صورتِ دامانِ غنچہ چاک ہووے ہے
مرا سر شوق میں سجدے کے در کی خاک ہووے ہے

کبھی ہوتا اگر شمشیر زن ہے غمزۂ جاناں
گریباں کی طرح سینہ بھی میرا چاک ہووے ہے

کبھی دیکھے اگر شکل و شمائل یار کے ہے وہ
تو شرمندہ مہِ کامل بھی در افلاک ہووے ہے

کبھی دل خلق کا پھر شادماں ہوتا نہیں ہرگز
وہ ایسا ذکرِ غم سن کر مرا غمناک ہووے ہے

مرے ہے ہجر میں خسرو دکھا جلوہ کبھی آ کر
کہ رخ کی اک جھلک اس کے لئے تریاک ہووے ہے

۴۰۷

دلے دارم ز ہجراں پارہ پارہ
جگر ہم گشتہ پنہاں پارہ پارہ

بیا کت بنم و ہمچو سپندے
بہ آتش افگنم جاں پارہ پارہ

چہ خوش حالے کہ گردم گردِ کویت
دلے پُر خوں، گریباں پارہ پارہ

بہ کویت کردہ ام شب گریۂ خوں
جگر اینک بہ داماں پارہ پارہ

بہ صد خونابہ ایماں در دل آویخت
مکن اے نا مسلماں پارہ پارہ

لبت گر خورد خونم گر دہد دست
کند خسرو بہ دنداں پارہ پارہ

ہوا دل ہے زہجراں پارہ پارہ
جگر بھی ہے زپیکاں پارہ پارہ

دکھا جلوہ کہ تا حرمل کی طرح
ہو آتش پر مری جاں پارہ پارہ

طوافِ کوچۂ جاناں میں میرا
ہے دل پُر خوں، گریباں پارہ پارہ

جنونِ عشق سے جامہ ہوا ہے
گریباں تا بہ داماں پارہ پارہ

ادا و ناز سے ایمان میرا
نہ کر اے نا مسلماں پارہ پارہ

خدا چاہے تو اس خونخوار لب کو
کرے خسرو بہ دنداں پارہ پارہ

۴۰۸

دلم در عشق جاناں گشتہ پارہ
دل است آں شوخ را یا سنگِ خارہ
کنارِ خود نمی بینم ز گریہ
کہ نتواں دید دریا را کنارہ

دو بوسم داد دوش و تا بہ امروز
خرابم زاں شرابِ مستکارہ
بہ عشقم چارہ فرمایند یاراں
ولے با یارِ بے فرماں چہ چارہ
نگارا بگسلاں سر رشتۂ خود
کہ نتواں دوخت ایں دلہائے پارہ
اگر خوں خورد خواہی شیوہ بگذاز
کہ خسرو نیست طفلِ شیر خوارہ

ہوا دل عشق میں میرا ہے پارہ
دل اس کا ہے مگر اک سنگِ خارہ
کنارِ خود ہے غرقِ سیلِ گریہ
نہیں اس بحر کا کوئی کنارہ

خراب اک بوسۂ لب نے کیا ہے
کہ اس میں ہے شرابِ مستکارہ
ہیں میرے دوست گرچہ چارہ فرما
ولے با یارِ بے فرماں چہ چارہ
نہ دل کو توڑ کر بخیہ گری کر
تو سی سکتا نہیں دل ہائے پارہ
بتا مت کھیل اس کی عاشقی کو
کہ خسرو ہے نہ طفلِ شیر خوارہ

۴۰۹

نسیم زلف بر دستِ صبا دہ
مرا خوں، غیر را مشکِ ختا دہ

نسیمِ زلف در دستِ صبا دے
مجھے خوں، غیر کو مشکِ ختا دے

بسے کس چشم میدارند لطفت
مرا خاک و کساں را توتیا دہ

امیدِ لطف ہے غیروں کو تجھ سے
مجھے دے خاک، ان کو توتیا دے

دلیری می کند در دیدنت خلق
بدستِ غمزہ شمشیرِ بلا دہ

دلیری خلق کی ہے جلوہ گہ میں
بدستِ غمزہ شمشیرِ بلا دے

مرا صد پارہ کن بر چشمِ بیمار
غلیواژان و زاغاں را صلا دہ

مجھے صد پارہ کر با چشمِ بیمار
غلیواڑوں کو، زاغوں کو صلا دے

چوں خاکستر شوم از سوزِ عشقت
بہ دستِ خویش بر بادِ صبا دہ

جلا کر خاک کر اور خاک میری
بہ دستِ خویش بر بادِ صبا دے

بہ صد تعویذِ جاں دردم نہ شد بہ
بہ یک دشنام خسرو را دوا دہ

بہ صد تعویذِ جاں جاتا نہیں غم
بہ یک دشنام خسرو کو دوا دے

۴۱۰

اے آرزوئے ہزار سینہ
وندر دلِ تو ہزار کینہ

ہر قطرۂ خوں ز چشمِ من ہست
بر خاتمِ عاشقی نگینہ

اے عقل کہ پند نامہ خوانی
در آبِ رواں کن ایں سفینہ

مجنونِ خراب سینہ داند
اندوہِ منِ خراب سینہ

ننگِ ہمہ عاشقانست خسرو
مپسند سفال در خزینہ

اے آرزوئے ہزار سینہ
اندر دلِ تو ہزار کینہ

ہر قطرۂ خونِ چشمِ عاشق
بر خاتمِ عاشقی نگینہ

اے عقل پند نامۂ خویش
کر غرقۂ بحر یہ سفینہ

مجنونِ خراب سینہ جانے
اندوہِ منِ خراب سینہ

ننگِ ہمہ عاشقاں ہے خسرو
مانندِ سفالے در خزینہ

۴۱۱

گر کنی گشتِ چمن با شوخ و با شنگے دو سہ
باغ صد رنگ آورد از بوی و از رنگے دو سہ

ہر مژہ از نرگست گویا زبانے شد کہ ہست
بہرِ دل بُردن درو افسون و نیرنگے دو سہ

عاشقانت را چوں نباید خواب، غم گویند باز
بر درت افتادہ ہر شب خستہ دل تنگے دو سہ

خشم ہا گیری کہ نبوَد آشتی، ور با شدت
با شدت اندر میانِ آشتی جنگے دو سہ

چوں بہ بازی سنگ بر عاشق زدن کارِ بتانست
اے بتِ آخر بر منِ بے سنگ ہم سنگے دو سہ

وہ کہ خسرو چوں زید گر ہمچو تو باشد بہ شہر
شوخ چشم و خیرہ و بازندہ و شنگے دو سہ

گر کریں گشتِ چمن با شوخ و با شنگِ دو سہ
باغ ہو رنگیں از خوشبو و از رنگِ دو سہ

ہر مژہ آنکھوں کی مانندِ زباں ایسی کہ ہے
اس میں بہرِ دلبری افسون و نیرنگِ دو سہ

عاشقِ بے خواب کرتے ہیں بیانِ دردِ دل
در پہ تیرے جا کے ہر شب خستہ دل تنگِ دو سہ

رکھنا معشوقوں سے ہے بے سود امیدِ صلح
ہیں انہیں اندر میانِ آشتی جنگِ دو سہ

سنگ باری عاشقوں پر جبکہ ہے کارِ بُتاں
اے بتِ سنگیں دل مجھ پر بھی کچھ سنگِ دو سہ

کس طرح کوئی جئے خسرو ہوں اُس جیسے اگر
شوخ چشم و خیرہ و بازندہ و شنگِ دو سہ

۴۱۲

سرِ من خراب گشتم ز رخت بیک نظارہ
نظرے ز تو عفا اللہ چہ مے است مستکارہ

بہ چسانت سیر بینم کہ ہم از نخست دیدن
شوم از خود و نیارم کہ ببینمت دوبارہ

ہوسم بود کہ دیدہ ز ہمہ ستانم و پس
بہ ہزار دیدہ شب ہا بہ رخت کنم نظارہ

تو بہ رہ روان و خلقے بہ ہلاک ماندہ ہر سو
چہ غم آبِ تند رو را ز خرابیِ کنارہ

چو ز دست رفت خسرو رگِ جاں مکش ز دستش
کہ بہ رشتہ دوخت نتواں جگرے کہ گشت پارہ

میں ہوا خرابِ مستی، سرِ من بہ یک نظارہ
تری چشم میں کچھ ایسی ہے شرابِ مستکارہ

کوئی دیکھتا نہیں ہے تجھے سیر ہو کے اے جاں
کہ تجھے نہ دیکھ سکتی کوئی آنکھ ہے دوبارہ

ہے مجھے ہوس کہ لے کر کبھی دیدہ ہائے خلقت
بہ ہزار دیدہ رخ کا میں ترے کروں نظارہ

کیے سب ہلاک عاشق تری تیزیِ روش نے
کہ نہ موجِ تند رَو کو ہے کوئی غمِ کنارہ

نہیں سی سکے ہے کوئی رگِ جاں سے بھی خسرو
وہ جگر کیا جو غم نے ہے ترا ہزار پارہ

۴۱۳

اے ترا جور و جفا آئیں ہمہ
خشم و نازت بر منِ مسکیں ہمہ

با رقیبانِ تو اے جاں چوں کنم
ظالم اند و بیکس و بے دیں ہمہ

عالمے را بار رُخت عیش است و من
تلخ کامم زاں لبِ شیریں ہمہ

اے ترا بندہ شدہ شاہانِ ہند
وے غلامت دلبرانِ چیں ہمہ

پیشِ رُویت در چمن گشتند آب
از خجالت لالہ و نسریں ہمہ

ہر چہ می خواہی بکن چوں مر ترا
میرود بر خسروِ مسکیں ہمہ

خشم و نازش بر دلِ مسکین سب
واسطے تیرے ہیں یہ آئین سب

کیا کریں ہم ان رقیبوں کا جو ہیں
بے رحم، بے داد گر، بے دین سب

عیش سب کو اور دیتے ہیں ہمیں
تلخیاں جامِ لبِ شیرین سب

خسروانِ ہند ہیں نوکر ترے
تیرے بندے دلبرانِ چین سب

پانی پانی ہو رہے ہیں شرم سے
تیرے آگے لالہ و نسرین سب

جس قدر بھی کلفتیں دیتا ہے تُو
جھیلتا ہے خسروِ مسکین سب

۴۱۴

شمعِ فلک برآید با آتشیں زبانہ
ساقیِ نا مسلماں در دہ مئے مغانہ
چوں توبہ ام شکستی گر نیست وجہِ بادہ
بفروش خانۂ من با آں شراب خانہ
نے نے کہ از رخِ خود بے ہوش کن یکبارے
یکدم خلاص یابم از محنتِ زمانہ
رو تا رویم بیروں دستم بہ گردنِ تو
تو بے خودِ صبوحی من بے ہشِ زمانہ

مطرب بہ رودِ خود زن دستے بہ ابرِ باراں
ویں زہدِ خشکِ ما را تر کن بہ یک ترانہ
خسرو خرابِ مطرب، تو مستِ ناز و سرخوش
ہاں در چنیں نشاطے یک رقصِ عاشقانہ

شمعِ فلک فروزاں با آتشیں زبانہ
ساقیِ نا مسلماں کچھ تو مئے مغانہ
توبہ تو میں نے توڑی لا کچھ کہیں سے بادہ
کر صومعہ مقفل، کھول اک شراب خانہ
بے ہوش کر کسی دن جلوہ دکھا کے اے جاں
تا ہو نجات مجھ کو از کلفتِ زمانہ
جائیں برونِ خانہ، گردن میں ہاتھ ڈالے
تُو بے خودِ صبوحی، میں بے ہُشِ زمانہ

برسات کا ہے موسم ایسے میں نغمہ زن ہو
تا زہدِ خشک ہو تر میرا بہ یک ترانہ
خسرو خرابِ مطرب، تُو مستِ ناز و سرخوش
موقع ہے آج کر لیں یک رقصِ عاشقانہ

۴۱۵

بیا شبے برِ من سرخوش از شراب شدہ
کہ بہرِ نقلِ تو دارم دلے کباب شدہ

شب است و زلفِ تو یکسو شدہ ز رخ، مے نوش
کنوں کہ ابر کشادہ ست و ماہتاب شدہ

وفا مکن کہ بوَد عیب خوبرویاں را
کہ جانِ دوست گذارند تا خراب شدہ

در آب کردہ ز سوزِ آفتاب خود را غرق
رُخت چوں غرقِ خوے از تفِ آفتاب شدہ

مگو کہ گریۂ خوں نیستش ز دُوری من
چنیں کہ از غمِ تو خونِ خسرو آب شدہ

مرے کنار میں آ کہ سرخوش از شراب ہوا
کہ بہرِ نقلِ تو اے جان، دل کباب ہوا

ہٹا جو رخ سے ہے گیسو ترا تو لگتا ہے
گیا ہے ابر، درخشاں ہے ماہتاب ہوا

وفا نہ کر کہ ہے یہ عیب خوبروؤں کو
نہ کر تو فکر کہ عاشق ترا خراب ہوا

خود آفتاب ہوا غرقِ آب دیکھ کے رخ
جو غرقِ عرق تو از تابِ آفتاب ہوا

نہیں ہے اشک میں گر خون تو عجیب نہیں
کہ دردِ ہجر سے خسرو کا خون آب ہوا

اے فراقِ تو یارِ دیرینہ
غمِ تو غمگسارِ دیرینہ

تیری فرقت ہے یارِ دیرینہ
غم ہے اک غمگسارِ دیرینہ

دردِ تو میہمانِ ہر روزہ
داغِ تو یادگارِ دیرینہ

دردِ تو میہمانِ ہر روزہ
داغِ تو یادگارِ دیرینہ

ہر کسے را مے و یارے ست و من
بے خبر از خمارِ دیرینہ

مست و سرخوش ہیں لوگ اور میں ہوں
بے خبر از خمارِ دیرینہ

اے دریغا کہ خاک خواہم شد
با دلِ پُر غبارِ دیرینہ

ہائے میں خاک ہو گیا کیسا
با دلِ پُر غبارِ دیرینہ

اے صبا زینہار یاد دہش
گہ گہ از دوستدارِ دیرینہ

یاد اس کو دلا صبا جا کر
گہ گہ از دوستدارِ دیرینہ

چند گاہے خلاص یافتہ بود
جانم از کاروبارِ دیرینہ

اب تو کہتا ہوں بھاڑ میں جائے
عشق کا کاروبارِ دیرینہ

وہ کہ باز آمدی و خسرو را
بردی از دل قرارِ دیرینہ

آ کے اک تُرکِ قلبِ خسرو میں
لے گیا سب قرارِ دیرینہ

۲۱۷

در اوصافِ خود عقل را رہ مدہ
بہشتِ بریں را بہ ابلہ مدہ
جہاں مست و دیوانہ کردی بہ زلف
نسیمے بہ بادِ سحرگہ مدہ
غمِ عاشقاں بشنو، اما بہ ناز
جوابِ سخن گہ دہ و گہ مدہ
گر انصاف جوید دلِ ظالمم
مدہ ہیچ انصاف، واللہ مدہ
رقیب ار کُشد خسروِ خستہ را
زباں را در آں رخصتِ "نہ" مدہ

در اوصافِ خود عقل کو رہ نہ دے
بہشتِ بریں یہ بہ ابلہ نہ دے
ہے دیوانۂ زلف سارا جہاں
شمیم اور بہ بادِ سحرگہ نہ دے
غمِ عاشقاں سن، ولے ناز سے
جوابِ سخن گاہ دے، گہ نہ دے
اگر چاہے انصاف مظلوم دل
نہ دے داد اس کو تو، واللہ نہ دے
جفا جھیل جتنی ملے خسروا
زباں کو کبھی رخصتِ "نہ" نہ دے

۴۱۸

بہ گردت بادِ سر دے ہر دم از عشاقِ دیوانہ
پریشانیِ زلفت را فراہم کے کند شانہ

بلائے جاں شدی و من ہم اول روز دانستم
کہ روزے بہرِ ما فتنہ شود آں شکلِ ترکانہ

بہ بدنامی و رسوائی اسیراں را مزن طعنہ
تو اے زاہد ندیدہ ستی بلائے چشمِ مستانہ

ہمہ یاراں بہ گشتِ باغ و میلِ من بہ کنجِ غم
یکے زنداں نماید بوستاں بر مرغِ ویرانہ

اثر در جانست مستی را اگر در آب و گِل بودے
سبو را مست و غلطاں دیدمے در صحنِ میخانہ

گرم خوں ریزد آں سلطاں فدائے بندگانِ او
کہ عاشق کز بلا ترسد نباشد مردِ مردانہ

گہِ کشتن بود در پیشِ خوباں رونقِ عاشق
بہ گاہِ جاں فروشی گرمیِ بازارِ پروانہ
شبِ خسرو ہمہ در قصۂ خوباں بہ روز آمد
سگاں را در نفیر و پاسباناں را در افسانہ

جب آہِ سرد ہے ہر سمت از عشاقِ دیوانہ
پریشاں زلف کو تیری سنوارے کس طرح شانہ

بلائے جاں ہے چہرہ اور تھا معلوم یہ مجھ کو
کرے گی فتنہ خیزی ایک دن یہ شکلِ ترکانہ

اسیروں کو نہ رسوائی و بدنامی کا دے طعنہ
نہ دیکھی تو نے ہے زاہد بلائے چشمِ مستانہ

ہیں ہنگامِ بہاراں میں بھی رہتا کنجِ غم میں ہم
قفس اک بن گیا ہے بوستاں بر مرغِ ویرانہ

اثر جو جاں میں ہے مستی کا وہ ہوتا اگر گِل میں
تو ہوتا مست و غلطاں بھی سبو در صحنِ میخانہ

کرے جو قتل ہے سلطاں فدا ہوں اس کے بندوں پر
کہ ڈرتا جو بلا سے ہے نہیں وہ مردِ مردانہ

بنی ہے رونقِ مقتل بہ پیشِ یار عاشق کی
بہ وقتِ جاں فروشی گرمیِ بازارِ پروانہ
شبِ خسرو بھی گزری قصۂ خوباں میں یوں ساری
سگاں تھے در نفیر و پاسباناں تھے در افسانہ

۴۱۹

اے دردِ بیدردِ دلم تاراجِ پنہاں کردہ ای
با جاں بہم بیروں روی کارام در جاں کردہ ای
در حیرتم تا ہر شبے چوں خواب می آید ترا
زینساں کہ در ہر گوشۂ صد دل پریشاں کردہ ای

دی چشم را فرمودہ ای گہ گہ نظر در کشتگاں
گر در پذیرد ایں قدر گبرے مسلماں کردہ ای

تو مست و دلہا بر درت گشتہ رواں از ہر طرف
در چار بازارِ بلا نرخِ دل ارزاں کردہ ای

دل در گلے بندم و لے گل نیست چو تو چوں کنم
آخر تو ہم وقتے گذر سوئے گلستاں کردہ ای

در پیشِ زلف و خالِ تو خونِ جگر می ریختم
دل گفت کایں ہم خسروا شبہائے ہجراں کردہ ای

تُو نے بہ دردِ بیکراں تاراجِ پنہاں کر دیا
جاں لے کے گو بیروں گیا آرام در جاں کر دیا
سوتا ہے تُو آرام سے ہر رات کیسے تُو نے جب
ہر گوشۂ آفاق میں ہر دل پریشاں کر دیا

مقتول پر اپنے کرو نظرِ کرم بھی گہ گہے
کہہ کر یہ تُو نے چشم سے کافر مسلماں کر دیا

جب مست تجھ کو دیکھ کر آئے بہ ہر سو ہم تو بس
در چارِ بازارِ بلا نرخِ دل ارزاں کر دیا

جتنا گلوں کو ناز تھا اتنے ہی وہ نادم ہوئے
جب وقتِ گل تُو نے گزر سوئے گلستاں کر دیا

جب یادِ زلف و خال میں خونِ جگر اپنا کیا
کیا دیکھ خسرو تُو نے در شبہائے ہجراں کر دیا

۴۲۰

سینہ ام را از غمِ عالم تو بے غم کردہ ای
از غمِ خود تا مرا رسوائے عالم کردہ ای

وہ کہ خلقے زآہِ دُود انگیزِ من بگریست خوں
اے عفاک اللہ تو بارے دیدہ رانم کردہ ای

زیں پریشانی نسزت گردمِ خلاصم کن دمے
اے کہ کارِ من چو زلفِ خویش درہم کردہ ای

ریش کردی سینہ ام از ناوکِ ہجران و باز
خندہ کردی بر دلم جور و جفا کم کردہ ای

خسروا دیوانگی بگذار و لعلش را مخواہ
کایں سلیمانست کز وے قصدِ خاتم کردہ ای

تُو نے دل میرا غمِ عالم سے بے غم کر دیا
اپنے غم سے پھر مجھے رسوائے عالم کر دیا

آہِ دُود انگیز نے گرچہ رُلایا خلق کو
ہے عجب اس نے وے دیدہ ترانم کر دیا

کس طرح فرصت پریشانی سے ہو مجھ کو کہ جب
زلفِ صورت کام میرا تُو نے درہم کر دیا

ریش کر سینہ مرا کچھ ناوکِ مژگاں سے پھر
جور کرنا تُو نے کیوں اے جانِ من کم کر دیا

یادِ لعلِ لب میں خسرو تُو نے خونِ اشک کو
اُس سلیمانِ زماں کا لعلِ خاتم کر دیا

۴۲۱

اے کہ در ہیچ غمے بادلِ من یار نہ ای
سوئے من بیں اگر اندر سرِ آزار نہ ای

از تو ہر روز گرفتارِ بلائے گردم
تو چہ دانی کہ در ایں روز گرفتار نہ ای

ہر شب از نالۂ من خواب نیاید کس را
خفتہ ای تو کہ دریں واقعہ بیدار نہ ای

نار دانے ز دو لب بر منِ بیمار فرست
شکرِ آں را کہ چو من در ہم و بیمار نہ ای

یار بنشست مرا در دل و من دانم و او
خسروا خیز کہ تو محرمِ اسرار نہ ای

وہ دل آزار کسی کا بھی ہوا یار نہیں
اور کہتا ہے کہ میں درپئے آزار نہیں

مبتلا عشق میں مدت سے ہوں تیرے اے جاں
کچھ ہوا آج ہی تیرا میں گرفتار نہیں

سو سکے ہے نہ کوئی سن کے مری آہ و فغاں
نالہ کرتا مرا لیکن تجھے بیدار نہیں

نار دانے لبِ لعلیں کے بیمار کو دے
کر ادا شکر کہ تو درہم و بیمار نہیں

رازِ دل کیسے بتاؤں میں کسی کو خسرو
جب کوئی یار مرا محرمِ اسرار نہیں

۴۲۲

دیدی کہ حقِ خدمتِ بسیار ندیدی
ببریدی و رنجِ منِ غمخوار ندیدی

آماجِ خدنگِ ستم ساختی آخر
جز من دگرے لائقِ ایں کار ندیدی

بارے تو بزی شاد کہ داری دلِ خرم
چونکہ نشدی عاشق و آزار ندیدی

بیداریِ شبہام چہ دیدی تو کہ ہرگز
درخواب گہے دیدۂ بیدار ندیدی

خسرو تو بسے غصہ کشیدی زِ چناں شوخ
باز از دلِ گمراہ تو انکار ندیدی

اس یار نے رنجِ دلِ غمخوار نہ دیکھا
افسوس ہے حقِ خدمتِ بسیار نہ دیکھا

جب تیرِ ستم اس نے چلائے تو کہیں پر
میرا سا کوئی لائقِ پیکار نہ دیکھا

وہ شاد ہے آباد ہے خرم ہے دل اس کا
اس نے ہے کبھی عشق کا آزار نہ دیکھا

بیداریِ عشاق کی کیوں فکر ہو اس کو
اس نے جو کبھی دیدۂ بیدار نہ دیکھا

خسرو وہ کرے کیوں نہ جفا بیش ہے جب اس نے
کرتا ہوا تجھ کو کبھی انکار نہ دیکھا

۴۲۳

چنیں کاں خندۂ شیریں تو کردی
ہلاکِ عاشقاں آئیں تو کردی
نکردی رد سوالِ بوسہ ہرگز
گدائی بر دلم شیریں تو کردی
ترا من دل سپردم لیک جایش
در آں گیسوئے چیں بر چیں تو کردی
مبادا نامِ غم ہرگز بر آں دل
مرا گرچہ چنیں غمگیں تو کردی

مرا ایں ماجرائے دیدہ باتست
چنینم بے دل و بے دیں تو کردی
نگفتم بد ترا اے عشق ہرگز
کہ قصدِ خسروِ مسکیں تو کردی

وہ ظالم خندۂ شیریں کرے ہے
ہلاکِ عاشقاں آئیں کرے ہے
سوالِ بوسہ رد کرتا نہیں جو
گدائی وہ بہت شیریں کرے ہے
میں دل دیتا ہوں جب لے کر وہ اس کو
اسیرِ زلفِ چیں در چیں کرے ہے
نہیں ہے نام غم کا اس کے دل میں
جو مجھ کو اس قدر غمگیں کرے ہے

ہو چلا ہے صوفی و مفتی و مرشد
وہ سب کو بے دل و بے دیں کرے ہے
نہیں ہے عشق سے مجھ کو شکایت
کہ قصدِ خسروِ مسکیں کرے ہے

۴۲۴

نے کارِ کسے ست عشقبازی	کر وہ نہ سکے ہے عشق بازی
کو دل نہ نہد بہ جاں گدازی	جانے جو نہیں ہے جاں گدازی
عشقے کہ نہ جاں دہند در وے	جس عشق میں بچی رہے جاں
بازی باشد نہ عشقبازی	بازی ہے اک نہ عشق بازی
تن غرقۂ خون ست سجدہ بپذیر	تن غرقۂ خون کر کے اپنا
کایں جامہ نمی شود نمازی	کرتا ہے وضو ترا نمازی
محمود و شان عشق را کُشت	بندے بنے ہیں شاہ و سلطاں
حسنت بہ کرشمۂ ایازی	ایسا ہے کرشمۂ ایازی
از غمزہ تو کجا رہد دل	غمزے سے بچ سکا نہیں دل
ایں کافر و آں کُشندہ غازی	کافر ہے یہ وہ نہیں ہے غازی
خسرو چوں نہاد سر بہ تسلیم	بندہ جو ترا ہے خسرو اس کی
بارے بکُش ار نمی نوازی	للہ کر تو دل نوازی

۴۲۵

نیست دلے کہ ہر دمش آفتِ دیں نمیشوی
مہرِ فزوں نمی شود تا تو بہ کیں نمیشوی

صد ستم و جفائے تو یاد نمی کنم بہ دل
ہیچ فرامشم بہ دل اے بتِ چیں نمیشوی

از تو چنیں کہ می رسد نور بہ ماہِ آسماں
در عجبم کہ تو چرا ماہِ زمیں نمیشوی

چوں دلِ خسرو از غمت گوشہ نشینِ غم شدہ
وہ کہ تو ہیچ گہ براو گوشہ نشیں نمیشوی

دل نہیں کوئی جس کا تو آفتِ دیں نہیں ہوا
مہرِ فزوں نہیں ہوئی تا تو بہ کیں نہیں ہوا

صد ستم و جفا ترے یاد نہیں رہے ولے
دل سے فرامش اب تلک تو بتِ چیں نہیں ہوا

جس کے فروغِ حسن سے رخشاں ہو ماہِ آسماں
ایسا کوئی ترے سوا ماہِ زمیں نہیں ہوا

گوشہ نشینِ غم ہوا عشق میں خسرو ہے تو کیوں
کلبۂ غم میں اس کے تو گوشہ نشیں نہیں ہوا

۴۲۶

باز بہرِ جانِ ما را ناز در سر میکنی
دیدۂ بنیندہ را ہر دم بہ خوں تر میکنی

گرچہ مویم می کنی، بہرِ عدم ہم دولت است
زانکہ رہ دُورست و بارِ من سبک تر میکنی

گفتی از دل دُور کن جاں، او ہم با من بساز
شرم بادت خویش را، با جاں برابر میکنی

اے بتِ بدکیش چشمِ نا مسلماں را بپوش
در مسلمانی چرا تاراجِ کافر میکنی

ہر زماں گوئی کہ حالِ خویش پیشِ من بگوی
آرے آرے گفتِ خسرو نیک باور میکنی

نازنیں کا ہم نے کیوں پُر ناز سے سر کر دیا
دیدہ اپنا اور کیوں خوناب سے تر کر دیا

رہ پہ جانے کے لئے ملکِ عدم کی، یار نے
لاغری غم سے ہمیں دے کر، سبک تر کر دیا

بیوفائی یاد آئی جب تو بولا تُو نے کیوں
جانِ من کہہ کر، ہمیں جاں کے برابر کر دیا

غارت و تاراج کتنا، اک نگاہِ ناز سے
ہم مسلمانوں پہ تُو نے چشمِ کافر کر دیا

خوش بیانی سے سنا کر قصۂ دل یار کو
ایک افسوں رات کو خسرو نے اسیر کر دیا

۴۲۷

ز نظر اگرچہ دُوری شب و روز در حضوری
ز وصال شربتم دہ کہ بسوختم ز دُوری

منم و شبے و گشتے بہ خرابہ ہائے ہجراں
کہ عظیم دُور ماندم ز ولایتِ صبوری

من اگر ہلاک گردم تو چہ التفات داری
کہ ز غفلتِ جوانی بہ کرشمۂ غروری

چمن ایں چنیں نخندد، تو مگر بہشت و باغی
بشر ایں چنیں نباشد، تو مگر پری و حوری

گذرے اگر توانی بہ بہارِ عاشقاں کن
کہ ز اشکِ من بہ صحرا ہمہ لالہ است و سوری

بہ شبِ فراقِ خسرو چوں چراغ سوخت آخر
شبش ارچہ تیرہ تر شد، بہ چراغ از تو نوری

ہے نظر سے دُور گرچہ، شب و روز در حضوری
مجھے وصل کا دے شربت کہ جلا ہوں میں بہ دُوری

میں ہوں گشت کرتا شب بھر بہ خرابہ ہائے ہجراں
کہ عظیم دُور ہوں میں ز ولایتِ صبوری

تجھے بے نیاز رکھتی غم و درد عشق سے ہے
تری غفلتِ جوانی، تری نازشِ غروری

نہ فزوں ہے خرمی میں کوئی تجھ سے بابِ جنت
ہے جمیل تیری جیسی نہ پری کوئی نہ حوری

کبھی آ کے دیکھ کیسے ہیں سرشک نے نکالے
یہ بہارِ عاشقاں میں گُلِ یاسمین و سوری

ہوئی ہجر میں ہے کیسی شبِ خسرو آج تیرہ
جو نہیں اسے میسر ہے ترا چراغِ نوری

۴۲۸

اے بے غم از دلِ من بسیار شد جدائی
شادی بہ رُویت ارچہ بر غم کناں نیائی

داند چگونہ باشد شبہائے دردمنداں
آنکس کہ خفتہ یک رو زبر بسترِ جدائی

شبہائے عاشقاں را شمعِ مراد نبوَد
رسوائے شہر و کُو را چہ جائے پارسائی

خورشیدِ آسماں را چوں کم تواں رسیدن
بر جائے رقص می کن اے ذرۂ ہوائی

آں من نیَم کہ باشم در مُلکِ وصل خسرو
بگذار تا بہ کُویت خوش می کنم گدائی

اے بے غم از دلِ من بسیار ہے جدائی
اے بے رحم نہ ایسی کر مجھ سے بیوفائی

وہ جانتا نہیں ہے شبہائے دردمنداں
سویا نہ جو کبھی ہو بر بسترِ جدائی

شبہائے عاشقاں میں شمعِ مراد کیسی
دیوے ہے کون رسوا کو جائے پارسائی

خورشیدِ آسماں تک گر ہے نہیں رسائی
روزن میں رقص کر تو اے ذرۂ ہوائی

مُلکِ وصال کا تو خسرو نہیں ہے خسرو
تیرے لئے ہیں خوشتر رسوائی و گدائی

۴۲۹

آنکہ جاں گویند خلقے، آں توئی
وانکہ شیریں تر بود از جاں، توئی

جانِ عالم کی ہے تُو، جاناں ہے تُو
جان سے شیریں تر اے جاں، ہے تُو

شہرِ دل ویراں شد از بیدادِ تو
ور چہ ویراں تر شود، سلطاں توئی

شہرِ دل ویراں ہے تیرے ظلم سے
کر اسے ویران تر، سلطاں ہے تُو

تا کیم سوزی کہ دل بر جای دار
چوں بریں دل صاحبِ فرماں توئی

جتنا چاہے دل ترا اس کو جلا
مُلکِ دل کا صاحبِ فرماں ہے تُو

از گراں جانیِ من، جانا مرنج
چوں درونِ جانِ من پنہاں توئی

کیوں گراں جانی کا غم ہے، جانِ من
جب درونِ جانِ من پنہاں ہے تُو

دردِ خسرو ہر زماں افزوں ترا ست
از کہ گیرم عیب، چوں درماں توئی

دردِ خسرو کو دیا ہے تُو نے سب
وہ کرے کیسے گلہ، درماں ہے تُو

۴۳۰

سلام و خدمتِ ما، اے صبا بہ یار بگوی
فغان و زاریِ بلبل بہ نوبہار بگوی

برفت طاقتِ صبر و نماند قوتِ عقل
بگوی حالِ من او را و زینہار بگوی

ہزار جور کشیدم ز غم کہ نتواں گفت
یکے اگر بتوانی از آں ہزار بگوی

اگر ز بندہ فراموش کرد، یادش دہ
و زیں سخن دو سہ بر وجہِ یادگار بگوی

حدیثِ چشمِ چو دریا بگو و زیں مگذر
چوں زیں گذشت، حدیثِ لب و کنار بگوی

اگرچہ او نشود زآنِ خویش خسرو را
تو زآنِ خود بکن و بہرِ کردگار بگوی

سلام جا کے مرا اے صبا بہ یار کہو
فغان و زاریِ بلبل بہ نوبہار کہو

رہی نہ طاقتِ صبر اور نہ قوتِ دانش
کہو یہ حال مرا اس سے زینہار کہو

ہزار غم جو دئے دل کو ہیں مرے اس نے
کہو تم اس سے خدارا، ہزار بار کہو

اگر وہ بھول گیا ہو، دلا کے یاد اسے
سخن کچھ ایک دو بر وجہِ یادگار کہو

حدیثِ دیدۂ خونبار سن سکے نہ اگر
تو اس سے جا کے حدیثِ لب و کنار کہو

غلام جو ترے بازار میں ہے اک خسرو
خرید لے تو اسے بہرِ کردگار کہو

۴۳۱

ہیچ شکر چو آں دہاں دیدی
ہیچ تنگِ شکر چو آں دیدی

پُر شکر جب بھی اک دہاں دیکھا
آبِ حیواں وہاں رواں دیکھا

در چمن ہمچو شمعِ مجلسِ ما
طوطیِ آتشیں زباں دیدی

صورتِ شمع، باغ میں گریاں
بلبلِ آتشیں زباں دیکھا

راستی را شمایلِ قدِ او
ہیچ در سروِ بوستاں دیدی

سروِ بالا بلند اس جیسا
نہ کوئی سروِ بوستاں دیکھا

پرتوِ روئے او بگو روشن
ہیچ در ماہِ آسماں دیدی

مہ رخ و مہ جبین بھی اس سا
نہ کوئی ماہِ آسماں دیکھا

ہمچو غرقابِ عشقِ او خسرو
ہیچ دریائے بیکراں دیدی

مثلِ خسرو نہ غرقِ عشق کوئی
ہم نے در بحرِ بیکراں دیکھا

۴۳۲

مرا دوش گوئی بہ خواب آمدی
بہ کف کردہ جامِ شراب آمدی

کنوں ہست جاں کندنم زاں خمار
کہ در خواب مست و خراب آمدی

بہ دل بُردنم آمدی عیب نیست
تو مستی بہ بوئے کباب آمدی

شبے داشتم تیرہ از روزِ بد
شبم خوش کہ چو ماہتاب آمدی

دلِ خسرو از تو نشد ہیچ دُور
بہ رہ گرچہ بس ماہتاب آمدی

وہ کل رات ناگہ بہ خواب آ گیا
صراحی میں لے کر شراب آ گیا

کیا مست و مخمور بے مے مجھے
کچھ ایسا وہ مست و خراب آ گیا

طلب جب اسے سوختہ دل ہوا
وہ دلبر بہ بوئے کباب آ گیا

ہوئی کم نہ فرقت کی تیرہ شبی
نہ جب تک مرا ماہتاب آ گیا

ہوس دل میں خسرو کے افزوں ہوئی
نظر جب کوئی ماہتاب آ گیا

۴۳۳

تا داشت بہ جاں طاقت، بودم بہ شکیبائی
چوں کار بہ جاں آمد، زیں پس من و رسوائی

سر پنجۂ صبرم را پیچیدہ بروں شد دل
اے صبر، ہمیں بودت بازوئے توانائی

در زاویۂ محنت دُور از تو چو مہجوراں
تنہا منم و آہے، آہ از غمِ تنہائی

گفتی کہ شکیبا شو تا نوبتِ وصل آید
تو پیشِ نظر، وانگہ امکانِ شکیبائی

گر راز بروں دادم دانی کہ ز بے خویشی
دیوانہ بوَد عاشق خاصہ منِ سودائی

بس دُر کہ ہمی ریزد از چشمِ ترِ خسروؔ
کز دست بروں رفتش سر رشتۂ دانائی

جب قلب میں طاقت تھی اس میں تھی شکیبائی
کمزور اب ایسا ہے کرتا ہے یہ رسوائی

اے صبر چھُٹا دل جو پنجے سے ترے، بتلا
ہے اب وہ کہاں تیرا بازوئے توانائی

مہجوری و دُوری میں، در زاویۂ کلفت
ہے آہ مری، میں ہوں، اور ہے غمِ تنہائی

کہتا ہے شکیبا کر، تا نوبتِ وصل آئے
گر قرب نہ ہو تیرا، کیسے ہو شکیبائی

گر فاش کیا اِس نے ہے رازِ محبت کو
بے خود ہے یہ دیوانہ، یہ عاشقِ سودائی

کرتا ہے دُر افشانی آنکھوں سے اگر خسروؔ
ہاتھوں سے چھُٹا اس کے کیا رشتۂ دانائی

۴۳۴

دلا آں تُرک را دیدی کنوں ساماں کجا بینی
نمی گفتم در و منگر کہ خود را مبتلا بینی

بہ خیلِ آں سوارے لشکرِ دلہائے مشتاقاں
فروزاں ہمچو آتش ہائے لشکر جا بہ جا بینی

شدا ز دردِ جدائی جانِ من صد پارہ بنگر تا
بہ ہر یک پارۂ جانِ من دردے جدا بینی

یکے باز آ و در دیوار ہائے خانۂ خود بیں
کہ در ہر یک بہ خونِ من نوشتہ ماجرا بینی

فدائے پات صد جاں چوں خرامی و کُشی صدرا
وگر جویند خوں از شرم سوئے پشتِ پا بینی

مرا گفتی کہ خسرو حالِ خود بنمای گہ گاھے
معاذ اللہ کہ تو ایں دردہائے بے دوا بینی

کوئی گر جلوہ گاہِ شاہدِ بے اعتنا دیکھے
ہر اک کو بے نوا دیکھے ہر اک کو مبتلا دیکھے

بہ خیلِ شہ سوارے لشکرِ دلہائے مشتاقاں
فروزاں مثلِ آتش ہائے لشکر جا بہ جا دیکھے

ہے یوں صد پارہ جاں دردِ جدائی سے کہ گر دیکھے
بہ ہر یک پارۂ جاں جا بہ جا دردِ جدا دیکھے

وہ گر دیوار ہائے خانۂ خود پر نظر ڈالے
لکھا خونِ جگر سے ہر جگہ اک ماجرا دیکھے

کرے ہو کر خراماں ہے وہ خونِ عاشقاں ایسا
کہ گر پوچھے کوئی خوں، شرم سے وہ پشتِ پا دیکھے

وہ کہتا ہے کہ خسرو حالِ دل گہ گہ سنا اپنا
معاذ اللہ وہ گریہ دردہائے بے دوا دیکھے

۴۳۵

گہے بنما و گہ پوشیدہ دار آں روئے گلناری
چہ غم دارد ترا، بگذار تا میرم بدیں خواری

خرابم ہم بہ یک دیدن، منِ دیوانہ در رویت
کسے را بردہ ایں مے کو کند دعوئِ ہشیاری

لبت در خواب می بوسیدم امشب، بوالعجب کارے
کہ مے در خواب خوردم، ایں زماں مستم بہ بیداری

زجورت ذوق میگیرم کہ کارے ناید از خوباں
بجز شوخی و بدخوئی و تندی و جفا کاری

تو زہدِ خود کن اے زاہد، مرا بگذار با شاہد
بہ رسوائی و قلاشی و جرعہ خواری و خواری

اگر چش غمزۂ خونخوار صد خوں میکند ہر دم
مبارک باد بر سلطانِ من رسمِ ستمگاری

بہ صد سختی بخواہد گشتنم غم بعد ازیں، زیرا
نماند آں دل کہ خسرو را بہ غم می کرد غمخواری

چھپاتا ہے دکھا کر تو مجھے گر روئے گلناری
تجھے کیا غم، کرے خونِ جگر میری اگر خواری

مئے دیدار میں ایسی ہے تیری تندی و تیزی
کہ کر سکتا نہیں پی کر کوئی دعوئِ ہشیاری

لیا تھا خواب میں بوسہ لبوں کا، ہے عجب لیکن
کہ بادہ خواب کا دیتا ہے سرمستی بہ بیداری

ہوا ذوقِ جفا، جبکہ نہیں ہے کام خوباں کا
بجز شوخی و بدخوئی و تندی و جفا کاری

تو کر پرہیز اے زاہد، مجھے رہنے دے با شاہد
بہ رسوائی و قلاشی و جرعہ خواری و خواری

اگرچہ غمزۂ خونخوار کرتا خون ہے ہر دم
مبارک ہو مرے سلطان کو رسمِ ستمگاری

مجھے لگتا ہے، خوں میرا کرے گا غم بصد سختی
کہ ہے کوئی نہیں، جو اب کرے خسرو کی غم خواری

۴۳۶

دلم کہ لاف زدے از کمالِ دانائی
نگر کہ چوں شد از اندیشۂ تو سودائی

دمے اگرچہ کہ جانِ من از تو تنہا نیست
بہ جانِ تو کہ بہ جاں آمدم ز تنہائی

در انتظارِ نسیمے ز تو بہ راہِ صبا
گذشت عمرِ گرامی بہ بادپیمائی

دلم کہ رفت نیاورد یاد ہیچ چیزے
از آں مسافرِ آوارہ گردِ ہر جائی

درید جامۂ عمر و نماند آں مقدار
کہ زیرِ پا بکشم دامنِ شکیبائی

بہ بند باز نیامد چوں خسرو از خوباں
رہاش کن کہ بمیرد کنوں بہ رسوائی

وجہِ غرور تھا جس کو کمالِ دانائی
وہ قلب بیش ہوا عشق میں ہے سودائی

قریبِ جان کے رہتا ہے گرچہ وہ ہر دم
ولے ہلاک ہوئی جان ہے بہ تنہائی

گزر گئی ہے امیدِ نسیمِ جاناں میں
تمام عمرِ گرامی بہ بادپیمائی

کرے نہ یاد ذرا بھی وطن ہے قلب کہ یہ
ہے اک مسافرِ آوارہ گردِ ہر جائی

نہیں ہے چاک گریباں ہی عشق میں یاروں
ہوا ہے در بھی مرا دامنِ شکیبائی

رکھ اس کو باندھ کے زنجیرِ زلف میں ورنہ
کرے گا خسرو رسوا تری بھی رسوائی

۴۳۷

تو اے پسر کہ ازیں سو سوار می گذری
مرا کُش ار ز برائے شکار می گذری

اگر ادھر سے کبھی وہ سوار گزرے ہے
ہزار قلب کو کر کے شکار گزرے ہے

جراحتے بجز ایں نیست آشنایاں را
کہ آشنائی و بیگانہ وار می گذری

کرے جگر ہے بہت خون آشناؤں کا
اک آشنا کہ جو بیگانہ وار گزرے ہے

تو مستِ خواب چہ دانی کہ تا چہ می گذرد
دراں دلے کہ بہ شبہائے تار می گذری

وہ مستِ خواب ہے ہووے پتا اسے کیسے
جو عاشقوں پہ بہ شبہائے تار گزرے ہے

تو در درونِ دلِ تنگِ من خلی ہمہ شب
گُلی ولے بہ دلم ہمچو خار می گذری

کبھی کنار میں آتا بھی ہے اگر میرے
اگرچہ گل ہے چُبھا کر وہ خار گزرے ہے

بلاست نالۂ خسرو بروں میازیں بلش
کہ مست می رسی و در خمار می گذی

نہ عذر کر تو کُفایت کا اور خسرو کو
پلا شراب کہ حد سے خمار گزرے ہے

۴۳۸

بدیں صفت کہ بہ بستی کمر بہ خونخواری درست شد کہ نداری سرِ وفاداری	روا ہے تجھ کو مری جاں رواج خونخوالی درست ہے، جو نہ کرتا ہے تو وفاداری
بہ ہر جفا کہ تواں کرد کارِ من کردی خدای تو بہ دہادت ازیں جفا کاری	جفا کا ذوق ہے ایسا ہمیں کہ کہتے ہیں خدا کرے تری افزوں کچھ اور جفا کاری
حدیث بشنو، از آزارِ مردماں برخیز کہ ہیچ چیز نخیزد ز مردم آزاری	پسند ہے دلِ عشاق کو دل آزاری عزیز خلق کو ہے تیری مردم آزاری
ز زندہ داریِ شبہائے من ترا چہ خبر شبے بہ خواب ندیدی چوں روئے بیداری	جو زندہ داریِ شبہائے عاشقاں میں ہے خدا نہ دے تجھے ایسی بلائے بیداری
مریز خونِ دو چشمِ عزیز خسروؔ ازانکہ نریخت خونِ عزیزاں کسے بدیں خواری	بہا نہ خون دو چشمِ عزیز سے خسروؔ نہ کر تو اپنے عزیزوں کی اس طرح خواری

۴۳۹

بہ خوبی ہمچو مہ تابندہ باشی
بہ مُلکِ دلبری پایندہ باشی

کبھی مانندِ مہ تابندہ ہو تُو
بہ مُلکِ دلبری پائندہ ہو تُو

منِ درویش را کُشتی بہ غمزہ
کرم کردی الٰہی زندہ باشی

نکالی جاں ترے غمزے نے میری
خدا رکھے تجھے فرخندہ ہو تُو

جفا کم کن کہ فردا روزِ محشر
ز رُوئے عاشقاں شرمندہ باشی

جفا کم کر کہ فردا روزِ محشر
نہ پیشِ عاشقاں شرمندہ ہو تُو

ز غمہائے جہاں آزاد باشم
اگر تو ہمنشینِ بندہ باشی

ہوں میں آزاد غمہائے جہاں سے
کبھی گر ہمنشینِ بندہ ہو تُو

جہاں سوزی اگر در غمزہ آئی
شکر ریزی اگر در خندہ باشی

جلاتا ہے دلِ عشاق غمزہ
نہ اے جاں اس قدر سوزندہ ہو تُو

۴۴۰

اے کاش مرا با تو سروکار نہ بودے
تا دیدہ و دل ہر دو گرفتار نہ بودے

شرمندہ نہ بودے اگر از ریختنِ خوں
آں زلفِ نگونِ تو نگونسار نہ بودے

بودے سرِ آتش کہ بدیدے بہ سوئے من
گر نرگسِ مخمورِ تو بیمار نہ بودے

بر دل شمتے ایں دلِ در گوشہ فتادہ
گر از غم و اندیشہ گرانبار نہ بودے

خسروؔ اگرت دیدہ بہ خوباں نہ فتادے
از غمزۂ خوباں دلت افگار نہ بودے

اے کاش مجھے تجھ سے سروکار نہ ہوتا
دل تیری محبت میں گرفتار نہ ہوتا

شرمندہ نہ ہوتا تُو اگر خون بہا کر
گیسوئے نگوں تیرا نگونسار نہ ہوتا

ہوتا نہیں نرگس کو حسد باغ میں اتنا
مخمور جو دیدہ ترا بیمار نہ ہوتا

یوں لاغر و کمزور نہ ہوتا دلِ عاشق
غم تیرا اگر اتنا گرانبار نہ ہوتا

خسروؔ نہ اگر ہوتا نظر باز تو اس کا
دل غمزۂ خوباں سے یوں افگار نہ ہوتا

۴۴۱

صبا زلفِ ترا گر دم ندادے
گرہ بر کارِ من محکم ندادے
ور از دردِ دل ما بودے آگاہ
مشاطہ گیسوت را خم ندادے
حکیم ار عشق دانستے خرد را
نشاں سوئے بنی آدم ندادے
وگر عاشق بہ دستِ خویش بودے
عنانِ دل بہ دستِ غم ندادے
خلاصی دیدے از خسروؔ ز زلفش
گرہ ہا را ز گریہ نم ندادے

صبا گر زلف کو یوں دم نہ دیتی
گرہ دل کو مرے محکم نہ دیتی
اگر ہوتی مرے غم سے وہ آگہ
مشاطہ زلف کو یوں خم نہ دیتی
جو فطرت جانتی الفت، خرد کو
نشاں سوئے بنی آدم نہ دیتی
ذرا بھی عقل گر الفت کو آتی
عناں اپنی بہ دستِ غم نہ دیتی
نہ ہوتا قید تُو، تو زلف اتنا
ستم خسروؔ نہ کرتی، غم نہ دیتی

۴۴۲

پیش ازیں من با جواناں آشنائی کردمے
کاشکے زیشاں ہم از اول جدائی کردمے

زیں دلِ دوزخ اگر افروختے شمعِ مراد
وقتے آخر شامِ غم را روشنائی کردمے

یک سخن شیریں ندارم یاد ازاں روئے کہ آں
بر جراحتہائے جانی مومیائی کردمے

توبہ داد ایں چشمِ شاہد باز ویں شاہد مرا
زانچہ من وقتے حدیثِ پارسائی کردمے

از پئے تو دوست میدارم غمت ورنہ من
با چناں بیگانۂ کے آشنائی کردمے

زاغِ نالاں ست خسرو بے رُخت زخارِ ہجر
گر گلے بودے زتو بلبل نوائی کردمے

خوش تھے ہم اک ماہرو سے آشنائی ہو گئی
ہائے لیکن اس سے ملتے ہی جدائی ہو گئی

دوزخِ دل سے شمعِ خواہش کو جب روشن کیا
شامِ ہجراں میں ہماری روشنائی ہو گئی

اک سخن شیریں اگر نکلا دہانِ یار سے
بر جراحتہائے جانی مومیائی ہو گئی

کی نظر بازی سے جب توبہ تو سب کہنے لگے
رند کو اک وقتِ پیری پارسائی ہو گئی

دوست جب ہم نے بنایا دردِ ہجرِ یار کو
ایک بیگانے سے اپنی آشنائی ہو گئی

خار خار خارِ ہجراں کی خلش سے وقتِ گل
زاغِ خسرو کو بھی کچھ بلبل نوائی ہو گئی

دوش میگفت پیرِ ترسائے
یاد دارم ز مردِ دانائے

رات کہتا تھا پیرِ ترسائے
یاد رکھ پندِ مردِ دانائے

ق

کاندریں دورِ مے پرستاں را
نیست خوشتر ز میکدہ جائے

ساغرِ مے رہے جو گردش میں
ہے نہ خوشتر ز میکدہ جائے

دُرد نوشان و کُنجِ دیرِ مغاں
خلقِ عالم بہ ہر تماشائے

دُرد نوشان و کُنجِ دیرِ مغاں
خلقِ عالم بہ ہر تماشائے

بر سرِ چار سوئے خطۂ عشق
نیست خالی سرے ز سودائے

بر سرِ چار سوئے خطۂ عشق
ہے نہ خالی سرے ز سودائے

زاہد و باغِ خلد و ما و حبیب
ہر کسے را بود تمنائے

زاہد و باغِ خلد و شاہد و ما
دل میں ہر اک کے جدا تمنائے

خوش بود جام بادہ نوشیدن
خاصہ از دستِ مجلس آرائے

خوبصورت ہے کس قدر یارو
جام در دستِ مجلس آرائے

شد ز مہرِ تو ذرہ ساں خسروؔ
ہرزہ گردے و بادپیمائے

عشقِ خوباں میں بن گیا خسروؔ
ہرزہ گردے و بادپیمائے

۴۴۴

نبود یارِ من آں را کہ یار داشتمے
گہے بہ دیدہ و گہ در کنار داشتمے

نہ تجھ سا کوئی ملا جس کو یار میں رکھتا
گہے بہ دیدہ و گہ در کنار میں رکھتا

زمن برید و غمم یادگار داد کہ کاش
دو سہ دگر ہم ازیں یادگار داشتمے

دیا جو غم مجھے اک یادگار، کاش کہ وہ
کچھ اور دیتا جسے یادگار میں رکھتا

خراب کردۂ خوبانست خانُ و مانِ دلم
وگرنہ بہتر ازیں روزگار داشتمے

کیا خراب ہے خوباں نے خانماں دل کا
نہ ورنہ ایسا برا روزگار میں رکھتا

بہ باغ کاش بہم بودمے کہ تا بہ پیشش
ز خونِ دیدہ زمیں لالہ زار داشتمے

چمن میں رہتے بہم ہم اگر کبھی تو نہیں
بہ خونِ دیدہ زمیں لالہ زار میں رکھتا

خراشہا کہ دریں سینہ بود از کفِ پاش
بریں جراحتِ جانِ فگار داشتمے

تُو چومنے مجھے دیتا قدم اگر تو اسے
بنا کے دولتِ جانِ فگار میں رکھتا

دریغ یک سرِ خسرو ہزار بایستے
کہ تیغِ او را مشغولِ کار داشتمے

ہزار سر اگر ہوتے بجائے یک خسرو
تو تیغِ یار کو مشغولِ کار میں رکھتا

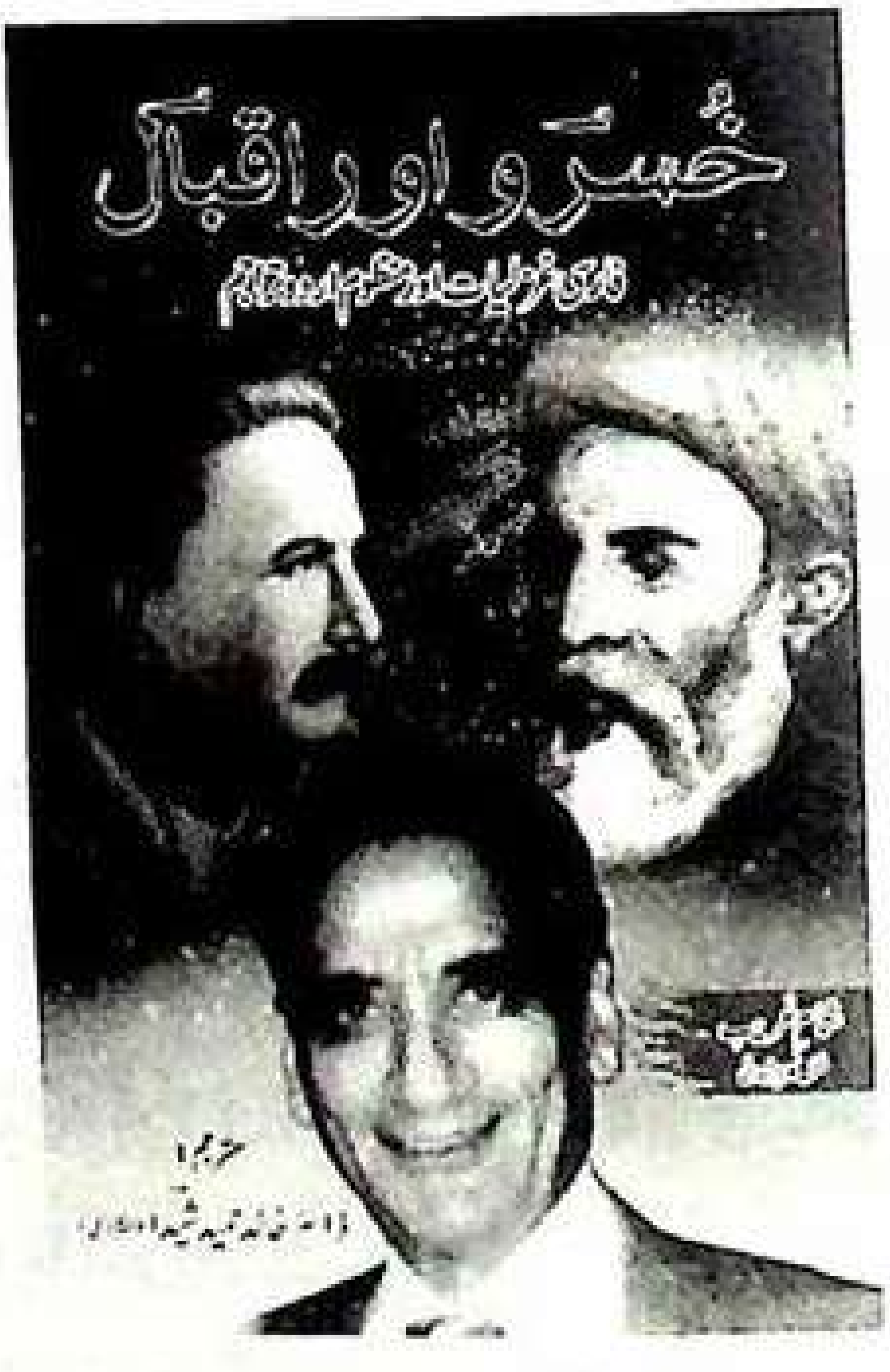
خسرو اور اقبال
مترجم

کلامِ خسرو (فارسی)

منظوم انگریزی ترجمہ

۱

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
چوں کنم دل بہ چنیں روز ز دلدار جدا

ابر و باراں میں جو مجھ سے ہے مرا یار جدا
کیسے موسم میں ہوا دل سے ہے دلدار جدا

ابر و باران و من و یار ستادہ بہ وداع
من جدا گریہ کناں، ابر جدا، یار جدا!

قابلِ دید ہے برسات میں ہنگامِ وداع
میں کروں گریہ جدا، ابر جدا، یار جدا

سبزہ نوخیز و ہوا خرم و بُستان سرسبز
بلبلِ روی سیہ ماندہ ز گلزار جدا

سبزہ نوخیز و ہوا خرم و سرسبز چمن
بلبلِ زار سے کس وقت ہے گلزار جدا

دیدہ از بہرِ تو خونبار شد، اے مردمِ چشم
مردمی کن، مشو از دیدۂ خونبار جدا

دیدہ خونبار ہے تیرے لئے اے نورِ نظر
کر رحم، خود سے نہ کر دیدۂ خونبار جدا

نعمتِ دیدہ نخواہم کہ بماند پس ازیں
ماندہ چو دیدہ ازاں نعمتِ دیدار جدا

نعمتِ چشم ہے بیکار خدایا جلدی
چشم سے میری ہو گر نعمتِ دیدار جدا

دیدہ صد رخنہ شد از بہرِ تو، خاکے ز رہت
زود برگیر و بکن رخنۂ دیوار جدا

دیدہ ہو جائے گا صد رخنہ مرا زنداں میں
ہوگا دیوار سے گر رخنۂ دیوار جدا

حسنِ تو دیر نپاید بچوں ز خسروؔ رفتی
گل بسے دیر نماند چوں شد از خار جدا

قرب سے اتنا بھی محروم نہ رکھ خسروؔ کو
گل نہیں رہوے ہے گل، ہووے اگر خار جدا

KHUSRO

1

No leave me not, my sweetie pie, enjoy this rainy day
And tear you not my love from my loving heart away

Oh how can I this rainy night without my darling sleep
When everyone is weeping here, weep I and clouds weep

With air so fresh, and clear, and the garden lush and green
Why nightingale is quiet so; and not is on the scene

For you, my one and only one, I shed the tears of blood
So don't be out of my sight, for it'll become a flood

O light of my eyes tell what is the gift of sight?
When you're out of my sight, it all becomes the blight

I love to peek, and ogle you from every chink and crack
My eyes will surely crack up dear if they not keep the track

Away not go from your KHUSRO lest you begin to whittle
Like flower you will wither when cut you're from the thistle

۲

صد ہزاراں آفریں، جاں آفرینِ پاک را
کافرید از آب و گل سروے چو تو چالاک را

تلخ می گوئی و من می بینمت از دور و بس
زہر کے آید فرو، گر ننگرم تریاک را

غنچۂ دل تہ بہ تہ بے گل رُخاں خون ست، زانک
بوستاں زنداں نماید، مردمِ غمناک را

چوں ترا بینم، ہم از چشمِ خودم در رشک ازانک
کرد تردامن رُخت ایں چشم ہائے پاک را

شہ سوارا عیبِ فتراک است صیدے چوں منے
گاہِ بستن عذر خواہی کن زِ من فتراک را

پہ چوں دلم زد چاک شد اے پند گو راضی نیم
از رگِ جانِ خود ار دوزی ہمیں دل چاک را

نالۂ جاں سوزِ خسرو کو بہ دلہا شعلہ زد
رحمتے ناموخت آں سنگیں دلِ ناباک را

صد ہزاراں آفریں، جاں آفرینِ پاک کو
خاک سے جس نے بنایا اس بُتِ چالاک کو

گالیاں دیتی ہے جب مَیں دیکھتا ہوں اُسکے لب
زہر پی سکتا نہیں، دیکھے بِنا تریاک کو

غنچۂ دل تہ بہ تہ بے گل رُخاں ہوتا ہے خوں
بوستاں زنداں لگے ہے مردمِ غمناک کو

رشک آتا ہے مجھے آنکھوں پہ اپنی، دیکھ کر
کیا ملی تردامنی ہے چشم ہائے پاک کو

عذر خواہی کر تو اے صیاد جانب سے مری
باندھنے سے صید مجھ سا، عار ہے فتراک کو

چاکِ دل پر ناز ہے، راضی نہیں اے پند گو
تو رگِ جاں سے بھی اپنی گر سیئے اس چاک کو

نالۂ جاں سوزِ خسرو گرچہ پگھلاتا ہے دل
نرم کر سکتا نہیں اس سنگ دل بے باک کو

KHUSRO
2

Oh praise the Lord, the holy, and pure, the maker of us all
For made He you from dust and clay a crafty lovely doll

So sweet and bitter, so tart and luscious you can be all in one
Dispense you can a poison such, the cure of which is none

The soul you are of blossom and you make the garden bloom
And when you go, you leave it in, a deadly, deadly gloom

When out of sight, you are my love my tears block my light
And wetter become my eyes yet; they whet my appetite

With magic in those eyes of yours when make me you a prey
No leave me not, O hunter, pray do not you go away

Comfort me not, O doctor, please sew not my wounded heart
For me to vent my longings all you let it fall apart

Cry not, KHUSRO, all the time your bitterness down you tone
For soften a heart a bit you can't when made it is of pure stone

۳

گر از مے تلخ می کن آں دو لعلِ شکرافشاں را
کہ تا ہر کس بہ گستاخی نبیند آں گلستاں را

کنم دعویٔ عشقِ یار و آنگہ زو وفا جویم
زہے عشق از بہ رشوت دوست خواہم داشتن آں را

بزن تا زود تر زاں شعلہ خاکستر شود جانم
نفس بکشایم و دم میدہم سوزاکِ پنہاں را

از او یارب نبری و مرا سوزی بجائے او
چوں بیری نیست از آزارِ خلق آں ناپشیماں را

بیار آں نامۂ مجنوں کہ گیرد سبقِ رسوائی
بہ خونِ دل چوں خسرو شست لوحِ صبر و ساماں را

کرے گر تلخ مے سے تو دو لعلِ شکر افشاں کو
نہ دیکھیں لوگ شوخی سے رُخِ رشکِ گلستاں کو

کیا ہے عشق کا دعویٰ ملے تا کہ وفاداری
میں کیسے دے کے رشوت مانگتا ہوں لطفِ جاناں کو

بغیرِ شعلۂ رخسار ہو گی جاں نہ خاکستر
نفس سے یوں تو میں بھڑکا رہا ہوں نارِ پنہاں کو

جلا اس کی جگہ دوزخ میں مجھ کو اے خدا، اگرچہ
پسند ہے مردمِ آزادی بہت اس ناپشیماں کو

دے اس کو نامۂ مجنوں کہ لیوے درسِ رسوائی
کہ خسرو خون سے دھوئے ہے لوحِ صبر و ساماں کو

KHUSRO
3

Well, if she makes her sweet lips tart with the wine just a trace
Keep that should all the oglers off staring at her face

Oft I reveal my love for her, and hope that she will imbibe
Knowing well she loves me not, and takes she not a bribe

To soothe my lust I ask her oft for a kiss of flaming cheek
The breath I use inflames my love; I get not what I seek

O burn me God instead of her in the fire of flaming hell
For knows she not the pain she gives; she really cannot tell

Tell KHUSRO tale of Majno's love, and how endured he pain
For he was in love and knew he not impatience how to rein

۴

بیم است کہ سودایت دیوانہ کند مارا
در شہر بہ بدنامی افسانہ کند مارا

بہرِ تو ز عقل و دیں بیگانہ شدہ آرے
ترسم کہ غمت از جاں بیگانہ کند مارا

زاں سلسلۂ گیسو منشورِ نجاتم دہ
زاں پیش کہ زنجیرت دیوانہ کند مارا

من مے زدۂ دوشم شاید کہ خیالِ تو
امروز بیک ساغر مستانہ کند مارا

چوں شمعِ بتاں گشتی پیش آئی کہ تا خسرو
بر آتشِ روئے تو پروانہ کند مارا

ڈر ہے نہ کہیں اُلفت دیوانہ کرے ہم کو
بدنامی سے شہروں میں افسانہ کرے ہم کو

بیگانۂ عقل و دیں ہم ہو گئے، پر ڈر ہے
غم تیرا نہ اب جاں سے بیگانہ کرے ہم کو

اے سلسلۂ گیسو منشورِ رہائی دے
قبل اس کے اسیری اور دیوانہ کرے ہم کو

ہیں مے زدۂ دلشب، اِک تیرا تصوّر ہی
امروز بیک ساغر مستانہ کرے ہم کو

ہے شمعِ بتاں تیرا معشوق جو، اے خسرو
صرف اس کا تصوّر ہی پروانہ کرے ہم کو

KHUSRO
4

I fear my love for you, my love, will make me totally mad
And infamous, that I will be, will make us all so sad

The passion I have will make me lose my reason and my creed
With pangs and pain reject I will my life and soul indeed

You got me bound body and soul with chains of braided hair
Now only you can make me free, and get me off the snare

When sleep I can't I drink and drink to drown my pain and sorrow
And drunk I get thinking of you when sober I'm next morrow

Like moon eclipsing a million stars you eclipse the beauties all
And KHUSRO like the moth cannot resist your candle's call

۵

صبا نو کرد باغ و بوستاں را	صبا تازہ رکھے ہے بوستاں کو
پیالہ داد نرگس ارغواں را	پیالہ دیوے نرگس ارغواں کو
سحر گاہاں چکد از قطرۂ ابر	گلو تر کر دیا، بادل نے قطرہ
گلو تر گشت مرغِ صبح خواں را	دیا جب ایک مرغِ صبح خواں کو
مگر بوسے نمی خواہد ز سوسن	نہیں ہے خواہشِ بوسہ اسے کیا
کہ غنچہ تنگ میگیرد دہاں را	کہ غنچہ تنگ رکھتا ہے دہاں کو
نگارا بلبل اینک میکند بانگ	سُنی تُو نے نہیں کیا بانگِ بُلبل
رواں کن در چمن سروِ رواں را	رواں کر باغ میں سروِ رواں کو
مرا گفتی مبیں در من، بہ گل بیں	نہ دے رُخسار کو تشبیہ گل سے
بہ گل نسبت مکن روئے چناں را	گلوں سے کیا ہے نسبت گل رُخاں کو
جوانی می رود از دست بر باد	جوانی ہے مری برباد ساقی
برو لنگر بنہ رطلِ گراں را	کہیں سے لے کے آ رطلِ گراں کو
گل اندک عمر و چنداں باد در سر	گلِ کم سِن کی مغروری جو دیکھے
چگونہ خندہ ناید گلستاں را	ہنسی کیونکر نہ آئے گلستاں کو
بباغِ مجلسِ خود ہمچو بُلبل	ہے بے رونق یہ تیرا باغِ مجلس
نگہ کن خُسروِ شیریں زباں را	بُلا پھر خسروِ شیریں زباں کو

KHUSRO

5

In garden renewed by springtime breeze, its winter garment shed
The budding flowers like goblets wait for the vintages wine red

With gathering clouds in the heaven above letting water slowly drip
And sing the birds their melody sweet like wine as rain they sip

The budding flowers, all ready to bloom, with the handsome faces flush
With eager lips when kissed by birds they blush and blush and blush

The oaks and pines all full and green with the advent of spring
The songs of love by the loving birds make lovely cypress swing

And when you arrive on such a scene with a smiling rosy face
I dare not say a rose you are for you it will disgrace

So come, my love, and fill the cup with a lot of rosy wine
For time flies and the eternal life is neither yours nor mine

Be not so proud and learn you please whatever you have to savor
And don't you think the beauty you have will last somehow for ever

When KHUSRO comes to your salon him you attempt to reach
For find you will not anyone with such a sweet speech

٦

چوں بکشائی لبِ شکر شکن را
لبالب در شکر گیری سخن را

لبت گوید دلیری کن بہ بوسے
مرا زہرہ نباشد صد چومن را

بہ دل آتش زدی ومیدہی دم
بخواہی سوخت جانِ ممتحن را

شدی در بوستاں روزے بہ گلگشت
نمودی روی خوبانِ چمن را

خدا رکھے لبِ شکر شکن کو
بھرے شکر سے ہے جوہر سخن کو

دلیری مانگتی ہے۔ بوسہ بازی
میں لاغر کس طرح چوموں دہن کو

لگا کے آگ بھڑکانا دما دم
کرے اور سوختہ جاں ممتحن کو

خراماں آ کے تو نے بوستاں میں
دکھایا رخ۔ جو خوبانِ چمن کو

ق

دو دیدہ نیست نرگس را کہ بیند
از آنکہ باز روئے یاسمن را

دلے از سنگ نبود چو دلِ تو
بتِ سنگینِ یغما و ختن را

دلِ خسرو شکستی آہ گر من
کنم آگاہ شاہِ بت شکن را

ہوئی کچھ ایسی خیرہ چشمِ نرگس
کہ دیکھا پھر نہ اس نے یاسمن کو

نہ سنگیں دل ملا ہے تیرا۔ جیسا
بتِ سنگینِ یغما و ختن کو

شکستہ دل سے اپنے کیسے خسرو
کرے آگاہ شاہِ بت شکن کو

KHUSRO
6

Open you when your sugary lips
Your word from them does sugar grips

Your open mouth dares one to kiss
Which a stricken lover is prone to miss

Struck in my heart you have a fire
Of love, which me consumes entire

And when in garden you take a walk
Your beauty becomes its only talk

Excited the birds run all amok
With envy the flowers go all in shock

But none of this affects your pride
Nor the stony heart that is inside

For the pain of KHUSRO there is no cure
The pangs of love even kings endure

۷

در آمد در دل آں سلطانِ دل ہا
دلِ من زندہ شد زآں جانِ دل ہا

ہمی کارد بکویش تخمِ جان خلق
کہ می بارد ازاں بارانِ دل ہا

زبس دلہا کہ در کوئے تو افتاد
شدہ زاغ و زغن مہمانِ دل ہا

بگویم دردِ خود کس را کہ نشناخت
طبیبِ کالبد درمانِ دل ہا

تو مے خور گرچہ مشتاقاں کباب اند
بہ روئے آتشِ سوزانِ دل ہا

دلِ خسرو شد از تو بُت پرستے
تو تا بردی ہمہ ایمانِ دل ہا

تو آئے دل میں گر سلطانِ دل ہا
ہو زندہ پھر سے یہ اے جانِ دل ہا

ترے کوچہ میں بو کر تخمِ جاں کو
کرے ہے خلق کیا بارانِ دل ہا

گلی میں تیری بکھرے دیکھ کر دل
ہوئے زاغ و زغن مہمانِ دل ہا

کہوں کیا حالِ دل ملتا نہیں جب
طبیبِ جسم سے درمانِ دل ہا

ہوئے جل کے کباب عشاق تیرے
ہے کیسی آتشِ سوزانِ دل ہا

دلِ خسرو میں آئی بُت پرستی
تو لے کر جب گیا ایمانِ دل ہا

KHUSRO
7

O queen of hearts, abide in my heart
Make it your home; from it not part

The seeds of love in it you sow
Then watch my yearning and longing grow

Take care of it; don't it you throw
Make not it a prey of vulture and crow

Parting from you I can't endure
My sorrow and pain no one can cure

Your love has set, my heart on fire
Consuming it is my being entire

Your love from all does take a toll
Lo, KHUSRO too has lost his soul

۸

زہے وصفِ لبت ذکرِ زباں ہا
دہانت در سخن اکسیرِ جاں ہا

بنا ہے وصفِ لب ذکرِ زباں ہا
دہاں میں ہر سخن اکسیرِ جاں ہا

چوں می خندد لبِ شکر فشانت
زحیرت باز می ماند دہاں ہا

لبِ شکر فشاں پر دیکھ خندہ
کھلے حیرت سے کتنے ہیں دہاں ہا

فلک را آہِ مظلومے چو من سوخت
چرا آتش نبارد زآسماں ہا

جلائیں جب انہیں آہیں ہماری
نہ کیوں برسائیں آتش آسماں ہا

شبے کردم بہ بستاں نالۂ درد
رہا کردند مرغاں آشیاں ہا

مری فریاد سن کر گلستاں میں
رہے مرغاں نہ اندر آشیاں ہا

ازیں رہ رفت خسرو، خلق گویند
چوں بینند جا بہ جا از خوں نشاں ہا

کہا، گزرا یہاں سے پھر ہے خسرو
جو دیکھے راہ میں خوں کے نشاں ہا

KHUSRO
8

Oh, how your lips are loved by all
And mouth that bears the pearls that fall

Your smile that makes you look like a flower
We love so much, and greatly admire

When heaven sees my flaming desire
Instead of a shower it rains the fire

And when in garden I cry with pain
The birds and the bees go all insane

With a bleeding heart, when I walk around
There are pools of blood all over the ground

۹

بشگفت گلہا در چمن، اے گلستانِ من بیا
سروِ ایستادہ منتظر، سروِ روانِ من بیا

از گریۂ من ہر طرف، پُر لالہ و گل شد زمیں
وقتے بہ گلگشت اے صنم، در گلستانِ من بیا

حیف است دیدن بے رُخت، در بوستاں آخر گہے
اے گل، نہاں از باغباں، در بوستانِ من بیا

ہر طرۂ تو آفتے، ہر نرگسِ تو فتنۂ
گرچہ بلائے عالمی، از بہرِ جانِ من بیا

تلخے کہ گوئی نیست آں از تلخیٔ ہجرت فزوں
با ایں ہمہ تلخیٔ خود، شکر فشانِ من بیا

دانی کہ ہستم در جہاں، من خسروِ شیریں زباں
گر نائی از بہرِ دلم، بہرِ زبانِ من بیا

گل ہیں کھلے اندر چمن، اے گلفشاں آجا ذرا
ہیں سرو تیرے منتظر، سروِ رواں آجا ذرا

اشکوں سے میرے ہر طرف تازہ و تر لالہ و گل
گلگشت کرنے اے صنم، در گلستاں آجا ذرا

تیرے بنا اے گلفشاں، ویراں ہے سارا گلستاں.
اے گل، نہاں از باغباں، در بوستاں آجا ذرا

زلفوں میں ہے زحمت تری، آنکھوں میں ہے آفت تری
ہے پُر بلا اُلفت تری، لینے کو جاں آجا ذرا

ہے تلخ تو اُس سے مگر ہے تلخیٔ فرقت فزوں
سب لے کے اپنی تلخیاں، شکر فشاں آجا ذرا

عنقا سخن، نادر بیاں، ہیں خسروِ شیریں زباں
گر بہرِ دل آئے نہ یاں، بہرِ زباں آجا ذرا

KHUSRO
9

Flowers are blooming everywhere, O flower of mine come to me
Conifers await you night and day, my graceful pine come to me

Thanks to my overflowing tears tulips and roses are fresh and young
Strolling along the garden walk, my lily divine come to me

Without you darling the gardens are in grip of doom and gloom
So shining brightly in the dark, my sweet sunshine come to me

Your braids are trying to chain me dear; your eyes are out to charm
So if you want to captivate, my valentine come to me

You may be tart and pungent but your absence is much worse
So bearing all your pungency, my vintage wine come to me

Without you I your KHUSRO am tongue tied and confused
To give me wit and fluency, O soul of mine come to me

۱۰

گنجِ عشقِ تو نہاں شد در دلِ ویرانِ ما
می زند زاں شعلہ دائم آتشے در جانِ ما

اے طبیب از ما گذر، درمانِ ہجر با مجوی
تا کند جانانِ ما، از لطفِ خود درمانِ ما

یوسفِ عہدِ خودی تو، اے صنم با ایں جمال
می رسد شاہی ترا بر دلبراں سلطانِ ما

دی خراماں در چمن، ناگہ گذشتی لالہ گفت
نیست مثلِ آں صنوبر در ہمہ بُستانِ ما

از تب و تابِ غمِ ہجراں چوں مارا دل بسوخت
خود نگفتی، ایں گذر چوں ست در ہجرانِ ما

چشمِ ما می گرید از سوزِ غمت شب تا بروز
ہیچ رحمے نایدت بر دیدۂ گریانِ ما

میکنم شادی کہ گفتا غمزہ ات از ناز دوش
خسروا نزدیکِ آں شو، تا شوی قربانِ ما

شعلۂ الفت نہاں اندر دلِ ویرانِ ما
کیسے چپکے سے لگاتا آگ ہے در جانِ ما

اے معالج چھوڑ دے ہم کو ہمارے حال پر
تا کریں جانانِ ما از لطفِ خود درمانِ ما

یوسفِ ثانی جو ہے تو، حُسن کی دولت سے کر
بادشاہی بر دیارِ دلبراں سلطانِ ما

تُو جو آیا کل خراماں، لالہ و گل نے کہا
ہے نہ اس سا سرو کوئی در ہمہ بُستانِ ما

از تب و تابِ غمِ ہجراں جلے، ہم تو کہا
حشر ہوتا ہے یہی سب کا درونِ ہجرانِ ما

روز و شب کرتے ہیں گریہ غم میں تیرے اور تجھے
رحم کچھ آتا نہیں بر دیدۂ گریانِ ما

دید کے قابل تھا میرا حال جب اس نے کہا
آ ذرا نزدیک خسرو اور ہو قربانِ ما

KHUSRO
10

Smoldering is the fire of love in the wasteland of my heart
Consume it will my body all; my soul will fall apart

Leave me alone, O doctor, please I feel completely sure
That she who gave the pain to me does also have the cure

Among the beauties of the world you stand above and all alone
So be a queen and rule them all, and let them moan and groan

Come when you walking in the park they gossip and they talk
In charm and grace, you are alone; no one can walk the way you walk

With you not there your lovers are in agony and in pain
For deep in love these lovers are, do not them you disdain

They sigh they gasp, they weep, they cry, they moan all night and groan
And even in a crowd my dear, they are so lonely, so alone

But lucky was KHUSRO when with a wink she said that "I will be
His real love, his only love and he will have to die for me"

۱۱

در خمِ گیسوئے کافر کیش داری تارہا
بہرِ گمرہ کردنِ پاکانست ایں زنارہا

پردہ بردار از رُخے کاں مایۂ دیوانگی ست
کز دماغِ عاقلاں بیروں برد پندارہا

فتنہ و جور است و آفت کارزارِ حسنِ تو
حسن را آرے بود اینگونہ دست افزارہا

آشتی دہ بالبم لب را کہ آزارم بہ کام
کز پسِ آں آشتی خوش باشد ایں آزارہا

خار خارے در دل است و غنچہ ہائے خوں بر آں
چوں کنم چوں خود جز ایں گل نشکند زیں خارہا

ہست در کوئے تو بستاں ہائے غم تا بنگری
سبزہ ہا کز گریہ رُستہ از تہِ دیوارہا
گفتمش جاں می کنم خوں می خورم بہرِ تو گفت
خسروا مشتاق را جز ایں نباشد کارہا

در خمِ گیسوئے کافر کیش تیرے تارہا
بہرِ گمراہیِ پاکاں ہیں یہ سب، زنارہا

پردہ چہرے سے اُٹھا، تا مایۂ دیوانگی
یہ نکالے مغزِ ہشیاراں سے کچھ پندارہا

فتنہ و آشوب و آفت کارزارِ حسن میں
حسن کے ہیں پاس کیسے دیکھیے اوزارہا

لعلِ لب سے دے مری تشنہ لبی کو آشتی
تا کہ ہوں اس آشتی سے کم مرے آزارہا

دل مرا ہے خار خار اور خونِ غازہ خار کا
آ سکے اے گل کر تو کم کچھ میرا دردِ خارہا

میرے اشکوں نے بنایا بوستاں کوچہ ترا
اُگ رہا ہے کیسا سبزہ از تہِ دیوارہا

خون پیتا اور مرتا دیکھ کر اس نے کہا
ہیں نہ خسرو عاشقوں کو ان سوا کچھ کارہا

KHUSRO

11

Lo, tangled are the pious ones in the curly brown hair
And caught is all their piety in its wavy twisted snare

And dazzled so the learned are by the beauty of her face
That gone are all their tact and wit, and lost they have their grace

The clamors and the tumults are, of every shade and grade
The powers of the beauty and also its tools of trade

Yet kissing her lovely ruby lips is a pleasure and a thrill
A cure for every malady, and a curb for every ill

The path of love and passion is a thorny one indeed
But follow will I the rose of mine if she will take the lead

And I'll reach there even when it takes me years and years
If short of water the garden is I'll supply it with my tears

So KHUSRO it is the long and short of the story of my love
And love is what it takes to keep the stars and moon in place above

۱۲

خبرت ہست کہ از خویش خبر نیست مرا
گذرے کن کہ ز غم راہگذر نیست مرا

گر سرم در سرِ سودات رَوَد نیست عجب
سرِ سودائے تو دارم غمِ سر نیست مرا

ز آبِ دیدہ، کہ بصد خونِ دلش پروردم
ہیچ حاصل بجز از خونِ جگر نیست مرا

محنت زلفِ تو تا یافت ظفر بر دلِ من
بر مرادِ دلِ خود ہیچ ظفر نیست مرا

بر سرِ زلفِ تو زانرُوی ظفر ممکن نیست
کہ توانائیے چوں بادِ سحر نیست مرا

دلِ پروانہ صفت گرچہ پرُو بال بسوخت
ہمچناں ز آتشِ عشقِ تو اثر نیست مرا

تا کہ آمد رخِ زیبات بہ چشمِ خسرو
بر گل و لالہ کنوں میلِ نظر نیست مرا

ہے خبر تجھ کو کہ کچھ اپنی خبر ہے نہ مجھے
رہِ خلاصی کی کوئی آئے نظر ہے نہ مجھے

ہے عجب کیا سرِ سودا میں کٹا سر میرا
سرِ سودا ہے ترا تو غمِ سر ہے نہ مجھے

آبِ دیدہ نے کہ رنگین کیا خوں سے جسے
کچھ بھی مقصود سوا خونِ جگر ہے نہ مجھے

کلفتِ زلف نے پائی ہے ظفر جب دل پر
بر مرادِ دلِ خود ہیچ ظفر ہے نہ مجھے

میں سرِ گیسوئے سرکش کو کروں کیسے سر
کہ توانائیٔ تری بادِ سحر ہے نہ مجھے

دلِ پروانہ صفت کے ہیں جلے پر گرچہ
آتشِ عشق پہ کچھ زورِ اثر ہے نہ مجھے

جب سے آیا ہے نظر وہ رخِ گلگوں خسرو
گل و لالہ سے رہا میلِ نظر ہے نہ مجھے

KHUSRO
12

How numb am I you know not dear
No hope have I, no worry, no fear

Headlong in love I have lost my head
Headless am I, neither live nor dead

Crying and weeping, having caused a flood
My eyes are dry, no tears, no blood

With bonds so strong no one can tear
Bound am I by her braided hair

Unable to win her stubborn streak
Surrendered have I to her strange mystique

Like a climber in quest of a peak
I am a moth, and a star I seek

Judging from, KHUSRO, her beautiful face
You have lost it; you have no case

۱۴۳

هر کہ زیرِ پیرہن بیند مرا
مردۂ اندر کفن بیند مرا

خویش را من خود کسے دانم ولے
یار اگر از چشمِ من بیند مرا

نازنینا، زیں ہوس مُردم کہ خلق
با تو روزے در سخن بیند مرا

گر بیاید باز مرغِ نامہ بر
طعمۂ زاغ و زغن بیند مرا

جوئے خوں راند بجائے جوئے شیر
خسروم، گر کوہکن بیند مرا

جو بھی زیرِ پیرہن دیکھے مجھے
مردہ وہ اندر کفن دیکھے مجھے

خوب ہے تُو، دیکھ کر مجھ کو کہے
یار گر از چشمِ من دیکھے مجھے

نازنیں، ارماں ہے یہ دل میں مرے
خلق تجھ سے ہم سخن دیکھے مجھے

آئے گر واپس پرندِ نامہ بر
طعمۂ زاغ و زغن دیکھے مجھے

جُو میں خوں لائے بجائے شِیر کے
خسروا گر کوہکن دیکھے مجھے

KHUSRO
13

Under the shirt you have to look to find the real me
And when you will, instead of me, a carcass you'll see

Even though half dead am I, that bad it cannot be
You might see the life in me using my eyes when you see

Would it not be wonderful if everyone could see
Me doing tete a tete with you over a cup of tea

So please, my love, be nice to me; you do not want to see
The crows and vultures eating me and people saying gee

A lover great you may not be but wonder oft we do
If Romeo had to do KHUSRO, what you've done, would he?

۱۴

اے بہ بدی کردہ باز چشمِ بد آموز را
بیں بہ کمیں گاہِ چرخ، ناوکِ دلدوز را

ہر چہ رسد سر بنہ زانکہ میسر نشد
نیکوئی آموختن ایں چرخِ بد آموز را

چوں تو شدی از میاں، از تو بروزِ دگر
جملہ فرامش کنند یاد کن آں روز را

خود چوں بدیدی کہ رفت عمر بسانِ پریر
از پئے فردا مدار حاصلِ امروز را

نقدِ تو امشب خوش است زانکہ چو فردا بروز
قدر نباشد بروز شمعِ شب افروز را

تو جو کھولے ہے بدی سے چشمِ بد آموز کو
دیکھ ترکش میں فلک کے ناوکِ دلدوز کو

لے خوشی سے جو بھی ملتا ہے کہ آتی ہے نہیں
سیکھنی نیکی ذرا بھی چرخِ بد آموز کو

تو گیا جب، سب بھلا دیں گے تجھے روزِ دگر
یاد رکھے گا نہ کوئی صحبتِ دیروز کو

عمر پہ کرنا بھروسہ عاقلی کوئی نہیں
چھوڑ فردا پر نہ ہرگز حاصلِ امروز کو

نقدِ شب جو بھی ملے لے کہ دن نکلے ہے جب
پوچھتا کوئی نہیں ہے شمعِ شب افروز کو

KHUSRO
14

Ruination wrought by magic eyes
The fate can’t do if it really tries

Happy are lovers with what they get
Submit they do, and never regret

Be not so proud of beauty, my pet
What does not last people forget

Life is short, and the time flies
Only death is sure and rest are lies

So spend it all, and leave no sum
Because tomorrow may not come

۱۵

نوشیں لبے کہ لعلش نو کرد جامِ جم را
ہست از پئش خرابی درویش و محتشم را

گفتی کہ از ہمی خور، من خود خورم و لیکن
اے گنجِ شادمانی اندازہ ایست غم را

صوفی کہ لقمہ جوید، مشنو حدیثِ عشقش
کز دل نصیب نبود درماندۂ شکم را

از حاجیِ بیاباں پرسید ذوقِ زمزم
چہ آگہی ز کعبہ پرندۂ حرم را

ہست آرزوئے جاناں کز خلق رُو تابم
من اختیار کردم خلوت گہِ عدم را

چوں گشتنی است بارے ور ہست بیش و کم
تسلیم کرد خسرو، بگذار بیش و کم را

شیریں لب جو کرتا تازہ ہے جامِ جم کو
برباد وہ کرے ہے درویش و محتشم کو

ہم ہاتھوں ہاتھ لیویں دیوے تو تُو جو بھی، لیکن
اے گنجِ شادمانی اتنا بھی غم نہ ہم کو

صوفی جو لقمہ جو ہے، بے بہرہ عشق سے ہے
ملتا نہ دردِ دل ہے درماندۂ شکم کو

صرف حاجیِ بیاباں رکھتا ہے ذوقِ زمزم
کعبہ سے آگہی کیا پرندۂ حرم کو

ہے آرزوئے جاناں ایسی کہ ڈھونڈتا ہوں
ہنگامۂ جہاں میں خلوت گہِ عدم کو

سرمایہ دل کا سارا جب دیدیا ہے اس کو
اب چھوڑ دے تو خسرو اس فکرِ بیش و کم کو

KHUSRO
15

Those juicy lips with the ruby wine
Of which the kings for a sip do pine

Someone so nice and causing pain
Sounds unreal and so insane

Hungry they are but God they seek
Mystics are prey to her misty mystique

A losing lover knows what love is
Knows not the winner for she is his

To no one, we lovers, can find to turn
We love; we hope; we wish; we yearn

And so is KHUSRO, the poor the meek
Look, how love made him frail and weak

۱۶

گفتی ز دل بروں کن غم ہائے بیکراں را
تو پیشِ چشم وانگہ جائے گلہ زباں را

تا دل ز من ببردی از نالہ شب نخفتم
اے دُزد بشنو آخر فریادِ پاسباں را

بگذشت از نہایت بیخوابیٔ من آرے
دشوار صبح باشد شبہائے بیکراں را

اندیشۂ جہانے بر جانِ من نہادی
وانگہ بلاغ گوئیٔ اندیشہ نیست جاں را

رسوائے شہر گشتم از بسکہ دیدۂ من
دمدم ہمی تراود خونابۂ نہاں را

از آہِ سوزناکم دُود از جہاں برآمد
بے تو جہاں چہ باشد آتش زنم جہاں را

آں روئے نازنیں را یکدم بسوئے من کن
تا بیشتر نہ بینم نسرین و ارغواں را

شاید اگر بخندد بر روزگارِ خسرو
آنکس کہ دیدہ باشد رخسارۂ چناں را

کر دل سے دُور میرے غم ہائے بیکراں کو
آجا ہے نہ تا کہ جائے گلہ زباں کو

جھپکی نہ آنکھ جب سے تُو لے گیا مرا دل
سن راہزن کبھی تو فریادِ پاسباں کو

بے خواب ہوں بہت میں آتا ہو صبح ورنہ
کیا کام ہے سحر سے شب ہائے بیکراں کو

تُو جاں کو میری دے کر اندیشۂ زمانہ
پوچھے ہے فکر مندی کیوں اسقدر ہے جاں کو

رسوائے شہر ہوں میں کیسے رکھوں چھپا کر
پردے میں آنکھ کے اِک خونابۂ نہاں کو

ہر سو دھواں ہے دُنیا میں آہ سے کہ میں نے
تیرے بغیر ڈالا ہے بھاڑ میں جہاں کو

گر روئے نازنیں تُو اپنا مجھے دکھا دے
دیکھوں نہ پھر کبھی میں نسرین و ارغواں کو

کیونکر ہنسی نہ آئے لوگوں کو تجھ پہ خسرو
دیکھیں جو تیرے جیسے قربان بے زباں کو

KHUSRO
16

Come, O my love, and ease the pain
Promise I do I'll never complain

Since you, O robber, took my heart
Sleep I cannot; my life is tart

Without you nights are dark and long
So come; my love, to where you belong

With tossing and turning all night in bed
It is a wonder that I am not dead

My bleeding heart turns everything red
And blood is what my eyes shed

With sigh and gasp, when I respire
I breath not smoke but also fire

And when in garden I see a rose
How I miss you God only knows

Without you, darling, as KHUSRO knows
Night and day my sorrow grows

۱۷

شفاعت آدم اے دوست دیدۂ خود را
کزو مپوشش گلِ نو دمیدۂ خود را

رسید خیلِ غمت ورنہ الستد جانم
کجا برم بدنِ غم رسیدۂ خود را

بگوش رہ نبری نالۂ مرا چہ کنم
چوں ناشنیدہ کند کس شنیدۂ خود را

گسست رشتۂ صبرم چگونہ بردوزم
شگافِ دامنِ دہ جا دریدۂ خود را

بہ چاہِ شوق فرو ماندہ ام خداوندا
فرو گذاشت مکن آفریدۂ خود را

درآئی باز بہ تن ، اے دلِ پُر آتش من
بسوز ایں تنِ محنت کشیدۂ خود را

زبادِ زلفِ تو شوریدہ بود ازاں خسرو
بہ باد داد دلِ آرمیدۂ خود را

رکھا ہے چشم برہ میں نے دیدۂ خود کو
چھپا نہ اس سے گلِ نو دمیدۂ خود کو

کیا ہے قتل ترے خیلِ غم نے لیکن یہ
بتاؤں کیسے تنِ غم رسیدۂ خود کو

اثر فغاں میں ہو کس طرح میری جب اے جاں
تو ناشنیدہ رکھے ہے شنیدۂ خود کو

جو رشتہ صبر کا ٹوٹا مرا سیوں کیسے
شگافِ دامنِ دہ جا دریدۂ خود کو

ہوں چاہِ شوق میں آویختہ خداوندا
نہ چھوڑ قید میں اس آفریدۂ خود کو

پھر آ کے اپنے وطن میں دلِ پُر آتش کچھ
جلا تو اور تنِ کلفت کشیدۂ خود کو

بہ بادِ زلف ہوا یوں خراب خسرو نے
دیا بہ باد دلِ آرمیدۂ خود کو

KHUSRO

17

Keep him not waiting, my love, anymore
Aching his soul is; his heart very sore

Half dead already and almost insane
Dying he is of sorrow and pain

With agony and pain he is crying, my dear
Be kind to him, and give him your ear

With sorrow and pain going on and on
Worn out he is and his patience gone

His longing and yearning has set him on fire
And captive he is of his burning desire

Burning he is, and his condition is dire
Consumed has passion his being entire

So it's the story of KHUSRO"S desire
What'll happen to him do not inquire

۱۸

شناخت آنکہ غم و محنتِ جدائی را
بمیرد و نبرد سلکِ آشنائی را

بہ اختیار نگردد کس از عزیزاں دُور
وَلے چہ چارہ کنم فرقتِ قضائی را

مکن بہ شمعِ مہ و مہر نسبتِ رخِ دوست
کہ فرق ہاست بسے نورِ آشنائی را

اگر مشاہدۂ نقد نیست، نقد ایں است
خزینۂ شمر اے دوست بینوائی را

مخر بہ نیم جو آں صحبتے کہ با غرض است
کہ راحتے نبود صحبتِ ریائی را

وفائے یارِ موافق مگیر سہل کہ آں
مفرحے ست عجب بہرِ جانفزائی را

چو عاشقے بہ خرابات مست رو اے دل
بہ اہلِ زہد بماں توبۂ ریائی را

چوں خسرو از فراق است ہر زماں دردے
ہوس نبرد خردمند دیرپائی را

جو جانتا ہے غم و کلفتِ جدائی کو
رکھے ہے دل سے پرے اپنے آشنائی کو

بہ زور و زر جسے حاصل ہو وصلِ جانانہ
وہ دُور کیسے رکھے فرقتِ قضائی کو

بہ شمعِ ماہ نہ کر نسبتِ رخِ جاناں
کہ ربط مہ سے نہیں نورِ آشنائی کو

جو پاس تیرے نہیں نقد و زر تو کیا غم ہے
خزینہ ایک سمجھ اپنی بے نوائی کو

نہ غرض صحبتِ باغرض سے رکھ، اے ہمدم
خرید جو سے نہ اک صحبتِ ریائی کو

وفائے یارِ موافق نہیں ملی تو کیا
جفا بھی کم نہیں کچھ تیری جانفزائی کو

تُو جا بسوئے خرابات مست و خوش اے دل
نہ تجھ سے کام ہے کچھ توبۂ ریائی کو

ہیں درد و کرب جو فرقت میں ہر زماں خسرو
ہوس میں مانگ نہ عاقل تو دیرپائی کو

KHUSRO
18

He who knows separation and pain
Should he not from love refrain

No one wants his girl to leave
But what if fate wants her to cleave

Her face reflected in the beauty of moon
Shines it does like sun in June

If she is yours because you're greedy
Better it is to be lonely and needy

And if she is yours because of money
She is no honey, and it's not funny

And if she shows no mercy or pity
Delay you not, and leave the city

Go to the bar, and thank you God
Better be bad than be a fraud

So love, O KHUSRO, if love you must
And bite the dust but don't ever lust

۱۹

گذشت عمر و ہنوز از تقلب و سودا
نشستہ ام مترصد میانِ خوف و رجا

چو خاک بر سرِ راہِ امید منتظرم
کزاں دیار رساند صبا نسیمِ وفا

برائے کس چوں نگردد فلک پئے تقدیر
عنانِ خویش گذارم بہ اقتضائے قضا

کسے کہ بر درِ میخانہ تکیہ گاہے یافت
چہ التفات نماید بہ مسندِ دارا

خوش آں کسے کہ دریں دور میدہد دستش
حریفِ جنس و مئے صاف و گوشۂ تنہا

زبسکہ قصۂ دردم رود بہ ہر طرفے
چو من ضعیف شد از بارِ غم، نسیمِ صبا

درونِ پردۂ زنداں مخالفے چوں نیست
بیار ساقیِ عشاق، ساغرِ صہبا

غریقِ بحرِ محبت اگر شوی خسرو
دُرِ یقیں بکف آور ز قعرِ ایں دریا

ضعیف و پیر ہوں، دل میں ہے پر وہی سودا
ہے انتظار ترا اب تلک بہ خوف و رجا

مثالِ گرد سرِ راہ انتظار میں ہوں
کہ لائے باد کبھی ساتھ کچھ نسیمِ وفا

نہیں ہے گردشِ گردوں میں کوئی دخل مجھے
قضا و قدر ہے سب، مجھ کو اختیار ہے کیا

بنایا جس نے درِ میکدہ ہو تکیہ گہ
نہیں ہے اس کے لئے کچھ بھی مسندِ دارا

ہے خوش نصیب زمانے میں وہ ملے جس کو
حریفِ جنس و مئے صاف و گوشۂ تنہا

ہوا جہاں میں کچھ ایسا ہے درد کا چرچا
کہ بارِ غم سے ہے مجھ سی ضعیف بادِ صبا

چھپا کے رند نہ پیتے ہیں آجکل ساقی
تجھے خبر نہیں کیا، لے کے آ خُمِ صُہبا

غریقِ بحرِ محبت ہوا ہے گر خسرو
دُر و گُہر اسے دے گا ہزار یہ دریا

KHUSRO
19

Though weak and old I love you still
And wait and wait though hope is nil

I wait and watch, and watch and wait
And tell myself it's never too late

Loving with all my heart, O mate
I cannot help for it's my fate

Feeling sorry to the pub I go
There in a cup I drown my woe

And there I find my peace and ease
My pain and woe at the bar all cease

But in the morn when sober again
Return my sorrow grief and pain

Then evening comes and I adjourn
To the bar again and take my turn

But great it is in love to fall
O KHUSRO, because it conquers all

۳۰

اے باد برقع برفگن آں روئے آتشناک را
وے دیدہ گر صفرا کنم آبے بزن ایں خاک را

اے دیدہ کز تیغِ ستم ریزی ہمی خوں دمبدم
یا جانِ من بستاں ز غم یا جاں دہ ایں غمناک را

ریزی تو خوں بر آستاں شویم من از اشکِ رواں
کآلودہ دیدہ چوں تواں آں آستانِ پاک را

زاں غمزہ عزمِ کیں مکن تاراجِ عقل و دیں مکن
تاراجِ دیں تلقیں مکن آں ہندوئے بیباک را

آں دم کہ می پوشی قبا مخرام از بہرِ خدا
پوشیدہ دار از چشمِ ما آں قامتِ چالاک را

خسرو گدا ایں خس بود گر سوزِ عشق از بس بود
یک ذرہ آتش بس بود صد خرمنِ خاشاک را

برقع کے اندر مت چھپا اس روئے آتشناک کو
غمزہ دکھا عشوہ سکھا اک دیدۂ بیباک کو

آنکھوں سے خوں تیغِ ستم تو نے بہایا دمبدم
یا جان لے از فرطِ غم یا جاں دے اک غمناک کو

آلودہ خوں سے آستاں ہے کچھ یہاں اور کچھ وہاں
کر صاف اے اشکِ رواں اس آستانِ پاک کو

اے غمزہ عزمِ کیں نہ کر تاراجِ عقل و دیں نہ کر
غم دے کے اور غمگیں نہ کر اک عاشقِ غمناک کو

تنگ اک پہن کر تو قبا ایسے نہ چل بہرِ خدا
یوں مت دکھا اے دلربا اپنے قدِ چالاک کو

خسرو تو ہے مانندِ خس اور سوزِ الفت بیش و بیس
اک شعلہ ہی کافی ہے بس صد خرمنِ خاشاک کو

KHUSRO
20

Conceal you not that lovely face, O love, behind the veil
And let their eyes feast a little, for lovers are weak and frail

Shedding they are the tears of blood for you, O cruel one
Better to die than have some hope when there is really -none

Covered they are with blood, my dear, they have no hopes, no fears
To wash the blood from everywhere it takes a flood of tears

You tell those lovely eyes of yours, they not bind the spell
No noose you need for the hapless ones, your curly hair you tell

And walk you not in tight skirt showing all those lovely curves
It does not serve the lovers well, and it's not good for nerves

And handle KHUSRO with utmost care, for his condition is dire
A spark is all it takes, my dear, to set his heart on fire

۲۱

اے شہسوار نرم ترک راں سمند را
بیں زیرِ پای دیدۂ ایں مستمند را

سروِ بلند را نرسد دست بر سرت
ایں دست کے رسد بہ تو سروِ بلند را

پائے گریزم از شکنِ گیسوئے تو نیست
می کش چناں کہ خواہی اسیرِ کمند را

پندِ کسم بہ دل ننشیند کہ دل ز شوق
پُر شد چناں کہ جائے نماندست پند را

در عاشقی ملامتِ خسرو بود چناک
بر ریشِ تازہ داغ نہی دردمند را

اے شہسوار کھینچ عنانِ سمند کو
یوں کر نہ پائمال دلِ مستمند کو

کوتہ دیا تھا ہاتھ مجھے اسقدر کہ میں
چھو بھی سکا نہیں ترے سروِ بلند کو

خوش جب ہے قیدِ زلفِ پریشاں میں دل مرا
کَس کر نہ باندھ اتنا اسیرِ کمند کو

واعظ بھرا ہے شوق سے دل اسقدر مرا
ملتی ذرا بھی اس میں جگہ ہے نہ پند کو

کرتے ہیں یوں ملامتِ خسرو کہ دمبدم
دیتے ہیں زخم تازہ دلِ دردمند کو

KHUSRO
21

Your ladyship, ride not so rough in the infantry of lovers
For they have come to worship you; they want from you no favors

You are like the cypress tree so tall, so slim, so trim
So when they try to look at you do not you be so grim

Your eyes are full of mystical flair; your curly hair a snare
But if they want to sit and stare don't tell them - don't you dare

And do not try advising them, and tell them to go away
For they're in love, and counsel such will have on them no sway

And KHUSRO is like the rest of them so much in love with you
So hurt him not you anymore whenever he comes to woo

۲۲

آوردہ ام شفیعِ دلِ زارِ خویش را
پندے بدہ دو نرگسِ خونخوارِ خویش را

مُردم کہ نازکی و گرانبار می شوی
جانم کہ بر تو می فگند بارِ خویش را

از رشکِ چشمِ خویش نہ بینم رخِ تو من
تو ہم مبیں در آئنہ رخسارِ خویش را

آزاد بندۂ کہ بہ پایت فتاد و مُرد
و آزاد کرد جانِ گرفتارِ خویش را

بنمای قدِ خویش کہ از بہرِ دیدنت
سر بر کنیم بختِ نگونسارِ خویش را

دشنامے از زبانِ توام میکند ہوس
تعظیم کن بر ایں قدرے یارِ خویش را

چوں خسرو از دو دیدہ خورد خونِ سزا اگر
سازد نمک دو چشمِ جگر خوارِ خویش را

لایا بہ شوق ہوں میں دلِ زارِ خویش کو
سکھلا رحم تو دیدۂ خونخوارِ خویش کو

مرتا ہوں دیکھ کر ترے نازک مزاج کو
ڈالے نہ تجھ پہ غم مرا تا بارِ خویش کو

دیکھوں نہ رشکِ چشم سے اپنے میں رخ ترا
تو بھی نہ دیکھ پرتوئے رخسارِ خویش کو

آزاد مرد ہے وہی آزاد جو کرے
قدموں پہ دے کے جان گرفتارِ خویش کو

آ تا کروں میں جلوۂ قامت کے واسطے
پھر سرفراز بختِ نگونسارِ خویش کو

دے کر تو گالیاں مجھے شیریں زبان سے
اعزاز بخش دے کبھی اس یارِ خویش کو

آلودِ خوں ہے خسرو تو کر تو بھی جانِ من
خونخوار اور چشمِ جگر خوارِ خویش کو

KHUSRO
22

My wounded heart oh, how it cries
Teach some pity to your cruel eyes

Delicate you are, I would rather die
Than give my burden and make you cry

He makes me jealous who looks at you
I envy sometimes my own eyes too

Free is the man who without strife
Frees at your feet his captive life

Down I am but with all due grace
I'll hold up my head to see your face

If you can't be sweet be bitter and tart
But ignore you not my wounded heart

KHUSRO is dying but before he dies
You train on him your deadly eyes

۲۳

بشگافت غم ایں جانِ جگر خوارۂ مارا
یارب چہ وبال آمدہ سیارۂ مارا

رفتند رفیقاں، دلِ صد پارہ ببردند
کردند رہا دامنِ صد پارۂ مارا

گر ہمرہِ ایشاں روی اے باد دراں راہ
زنہار بجوئی دلِ آوارۂ مارا

شبہا بہ دل از سوزِ جگر میکشدم آہ
آہ از خبرستی بتِ عیارۂ مارا

روزے نکند یاد کہ شبہائے جدائی
چوں میگذرد عاشقِ بیچارۂ مارا

بوئے جگرِ سوختہ بگرفت ہمہ کوی
آتش بزن ایں کلبۂ خونخواۂ مارا

جز خستہ و افگار نخواہد دلِ خسروؔ
خوئے ست بدیں بختِ ستمگارۂ مارا

کیسی ہے بلا عشقِ جگر خوارہ ہمارا
کس برج میں یارب ہے یہ سیارہ ہمارا

کرنے کو دوائے دلِ صد پارہ، رفیقاں
کرتے ہیں رہا دامنِ صد پارہ ہمارا

اے باد چلے گر تو کبھی راہِ ہوس میں
مت چھیڑیو جا کر دلِ آوارہ ہمارا

بے تاب ہمیں دیکھ کے فرقت میں، وہ کیسا
کرتا ہے تغافل بتِ عیارہ ہمارا

پوچھے ہے ہمیں دیکھ کے ہجراں میں تڑپتا
مرتا نہیں کیوں عاشقِ بے چارہ ہمارا

بوئے جگرِ سوختہ نے کر دیا رسوا
اے برق جلا کلبۂ خونخوارہ ہمارا

خسروؔ ہمیں رکھتا ہے یہ مجروح دمادم
ظالم ہے بہت بختِ ستمگارہ ہمارا

KHUSRO
23

This all consuming, burning desire
Oh how it devours my being entire

There is no cure for a broken heart
Part by part it is falling apart

O morning breeze, when there you go
Do find my heart and say - hello

And if you see her give her a kiss
Tell her how badly her company I miss

And ask if she does why I'm not dead
Say life I cannot without her shed

Tell her without her my condition is dire
My burning desire has my heart on fire

And say to KHUSRO that love is tricky
And a lot more difficult if you're unlucky

۴۴

برو اے باد و پیش دیگراں دہ جلوہ بستاں را
مرا بگذار تا می بنگرم آں سروِ خراماں را

برایں مقدار ہم رنجے براں خاطر نمی خواہم
کہ از خونم پشیمانی بود آں ناپشیماں را

ورت بدنامی است از من، بیک غمزہ بکش زارم
چرا بر خویش مشکل می کنی ایں کارِ آساں را

مپرس اے دل کہ چوں می باشد آخر جانِ غمناکت
کہ من دیریست بجز یادش فراموش کردہ ام جاں را

ہنوز ایمان و دیں بسیار غارت کردنی دارد
مسلمانی میاموز آں دو چشمِ نامسلماں را

پریشانی کہ من دارم ز زلفت ہم مرا بادا
چگونہ گوید ایں خسرو کہ آں زلفِ پریشاں را

نہ چھیڑ اے باد مجھ کو تو سجا جا کر گلستاں کو
میں آیا دیکھنے ہوں یاں بس اک سروِ خراماں کو

رفو کرتا ہوں زخموں کو میں آنے کی خبر سن کر
کہ کرتا خوں پشیماں ہے مرا اُس ناپشیماں کو

ہے اک غمزہ ہی کافی قتل کرنے کے لئے مجھ کو
کرے مشکل ہے کیوں اتنا وہ ایسے کارِ آساں کو

نہ پوچھو دوستوں کچھ حال جانِ زارِ غمگیں کا
کہ اُس کی یاد میں رہتی خبر اپنی نہیں جاں کو

ہیں باقی اس کو کرنے اور بہت ایمان و دیں غارت
مسلمانی ابھی سکھلا نہ چشمِ نامسلماں کو

پریشاں زلف سے ہوتی ہے کم خسرو پریشانی
پریشاں اور کرے کہہ باد سے زلفِ پریشاں کو

KHUSRO
24

O breeze of spring, blow not so loud
Without my cypress don't be so proud

Hurry up, O doctor, my wounds you sew
For she will be sorry if she came to know

I am ready to die whenever she says
For all I need is her magical gaze

And ask not about my sorrowful soul
It is no use, and don't you console

Teach not her eyes any compassion
Let them practice naked aggression

Talk not of freedom, he does not care
KHUSRO is happy bound by her hair

۲۵

برقع برافگن اے پری حسنِ بلا انگیز را
تا کلک صورت بشکند ایں عقلِ رنگ آمیز را

شب خوش نخفتم ہیچگہ زاں دم کہ بہرِ خونِ من
شد آشنائی با صبا آں زلفِ عنبر بیز را

بگذشت کار از زیستن خیز اے طبیبِ خیرہ کش
بیمارِ مسکیں را بگو، تا بشکند پرہیز را

شد عشق جانم را بلائے غمزۂ چشمِ صنم
قصابِ ما نامہرباں چہ جرم تیغِ تیز را

بوکز زکوٰۃِ حسن خود بینی بہ خسرو یک نظر
اینک شفیع آوردہ ام ایں دیدۂ خونریز را

پھینک دے برقع، دکھا حسنِ بلا انگیز کو
تا کرے معذور یہ ادراکِ رنگ آمیز کو

مرغِ بے پر دل کا ہے برباد جب سے باد نے
آشنا اپنا بنایا زلفِ عنبر بیز کو

اے معالج جان سے جانے کو ہے بیمارِ دل
کر دوا دارو نہ اب کچھ چھوڑ دے پرہیز کو

نیم بسمل دل ہوا ہے غمزۂ چشمِ صنم
تیز اے قصاب کر کچھ اور تیغِ تیز کو

ہو زکوٰۃِ حسن میں خسرو پہ بھی نظرِ کرم
کر کے لایا ہے شفیع وہ دیدۂ خونریز کو

KHUSRO
25

Come lift the veil, O splendid one, and let them see your face
And dazzle them all with charm and wit, and show them all your grace

And let your golden locks and curls fly freely in the air
And fill the world with fragrance of your lovely curly hair

See, all the men then how they flock to catch a glimpse of you
And how they fall and die for you when trying their best to woo

And some of them who do not die are only half alive
And they're in such a poor shape, them doctors won't revive

Your KHUSRO is also miserable, shedding his blood in tears
He wants from you some sympathy; he need a lot of cheers

۲۶

بہرِ تو خلقے می کُشد آخر منِ بدنام را
بس می نیایم چوں کنم وہ ایں دلِ خودکام را

یک شب بہ بامے دیدمت آنگہ بہ یادِ پائے تو
رنگیں بساطے میکنم از خونِ دل آں بام را

خواہم کہ خونِ دل چو مے در گردنِ جامت کنم
دانی چہ دولت میدہی ہر ساعت از لب جام را

تا چند ہر دم از صبا در جنبش آید زلفِ تو
آخر دمے آرام دہ دلہائے بے آرام را

نگرفت در تو سوزِ من اکنوں کہ خواہم چارۂ
دوزخ مگر پختہ کند ایں شعلہ ہائے خام را

من عاشقم اے پند گو نبود گوارا نم کہ تو
از عافیت شربت دہی جانِ بلا آشام را

گر کشتہ شد خسرو ز غم تہمت چہ بر خوباں نہم
چوں چرخ خنجر می دہد در کشتنم بہرام را

اور یہ رسوا کرے ہے عاشقِ بدنام کو
کس طرح سمجھاؤں اپنے میں دلِ خودکام کو

جب سے دیکھا ہے نکلتا چاند تیرا بام سے
خون سے کرتا ہوں رنگا رنگ میں ہر بام کو

ہووے ثابت گردنِ ساغر پہ ہے خوں قلب کا
ہاتھ میں لے کے تو دیوے جب کے بوسہ جام کو

کر پریشاں زلف کو اتنا نہ اے دستِ صبا
لینے کچھ آرام دے دلہائے بے آرام کو

اور دے سوزِ دروں اے شمعِ دل افروز کچھ
تا کرے پختہ یہ دوزخ شعلہ ہائے خام کو

کر نہیں سکتی مداوا چارہ گر شیریں سخن
چاہیئے شربت نہیں جانِ بلا آشام کو

قتل کی تہمت مرے خسرو نہ خوباں پر لگا
دیوے خنجر چرخ ہے میرے لئے بہرام کو

KHUSRO
26

Oh, what do I do with my crazy heart
It is my trouble from the very start

When in the terrace she appears like moon
My heart goes wild, I begin to croon

And when she holds the cup to her lip
On my foolish heart I lose my grip

When her curly hair flies in the air
My heart despairs; it's beyond repair

And when she rouges her rosy cheek
Inflames she my heart, it begins to shriek

With all this my heart drives me to brink
I rush to the bar and have a drink

O KHUSRO, your troubles are no one's fault
It is your fate that no one can halt

۲۷

چوں در چمن رَوی از خندہ لب مبند آنجا
کہ تا دگر نکند غنچہ زہر خند آنجا

کساں بکوئے تو پندم دہند و در جائے
کہ دیدہ روئے تو بیند، چہ جائے پند آنجا

بہ خانۂ تو ، ہمہ روز بامداد بود
کہ آفتاب نیارد شدن بلند آنجا

بہ شانہ شستِ تو می بافت زلف چوں زنجیر
مگیر سخت کہ دیوانہ ایست چند آنجا

کجا رَوم کہ ز کوئے تو ہر کجا کہ رَوم
رسد ز جعدِ کمندت خمِ کمند آنجا

ز زلفش آمدی اے باد، حال دلہا چیست
چگونہ اند اسیرانِ مستمند آنجا

بر آستانِ تو ہر کس، بہ رحمتے مخصوص
مگر کہ خسروِ بیچارہ دردمند آنجا

ہنس آ کے باغ میں رکھ اپنے لب نہ بند وہاں
کرے نہ تا کہ کوئی غنچہ زہر خند وہاں

ہزار دیتے نصیحت ہیں واعظاں مجھ کو
جو دل میں تُو ہو تو کیسے ہو جائے پند وہاں

مدام بام پہ رہتی ہے بامداد ترے
کہ ہو سکے نہ سورج کبھی بلند وہاں

بنا کے زلف سے لے جا دراز زنجیریں
کہ مجھ سے اور ہیں دیوانہ ہائے چند وہاں

ہو قید سے کیسے کوئے بتاں میں آزادی
کہ پیچِ زلف کی ہے جا بجا کمند وہاں

تو آئی زلف سے ہو کر ہے اے صبا بتلا
کہ کس طرح ہیں اسیرانِ مستمند وہاں

کرم ہے تیرا فقیرانِ آستاں پہ، وہ لے
نہ کوئی صورتِ خسرو ہے دردمند وہاں

KHUSRO
27

When in the garden do smile, my dear
Don't give the flowers a chance to sneer

Many a preachers thinks love is a vice
I have no use for such an advice

To reach your balcony no one tries
It's so high there the sun can't rise

Braid your hair, and make a chain
Because your lovers are all insane

To catch your lovers you make the snare
Of your golden tresses and curly hair

And keep them all as captives there
Lest them it frees keep out the air

Be nice to KHUSRO, he is also not free
There is no one more miserable than he

۲۸

چوں خواہی بُرد روزے عاقبت ایں جانِ مفتوں را
گر از گاہے بہ من بنمای بارے صنعِ بیچوں را

نخواہم داد دربان ترا بہرِ دروں زحمت
پسند است آنکہ بوسم گہ گہے دیوارِ بیروں را

دلِ من نامۂ درد است و خونِ دیدہ عنوانش
بس از غمازیٔ عنواں بروں بر حالِ مضموں را

شب آمد روزِ عیشم را و من با سوختہ جانی
ہمی جویم چراغ افروختہ آں روزِ میموں را

نہ شبہائے منِ بدروز از انساں ست بے پایاں
ولے یارب مبادا روزِ نیک آں زلفِ شبگوں را

تو آں مرغے کہ آزادی و در دامے نیفتادی
سزد گر شکر گوئی روز و شب بختِ ہمایوں را

چوں لیلیٰ بیند آں مجنوں شراب از خونِ خود نوشد
بہ از سنگِ ستمگاراں نباشد نقلِ مجنوں را

ہمہ کس فتنہ شد بر گفتۂ خسروؔ مگر چشمت
اثر در جادواں ہرگز نباشد سحر و افسوں را

اگر محشر میں چاہے بخشنا جاں مجھ سے مفتوں کو
لحد پر آ مری اے کر تو اپنی صنعِ بےچوں کو

نہ دوں گا میں ترے دربان کو بہرِ دروں زحمت
مجھے کافی ہے بوسہ دینا اک دیوارِ بیروں کو

مرا دل نامۂ درد اور عنواں خون کے آنسو
مجھے غمازیٔ عنواں ہے بیروں حالِ مضموں کو

گیا اک روزِ عشرت شب ہوئی تو ڈھونڈتا ہوں میں
چراغِ سوختہ جاں لے کے اپنی روزِ میموں کو

شبِ فرقت میں دن آتا نہیں جبکہ نظر مجھ کو
دکھا مت دن نکلتا بھی تو یارب زلفِ شبگوں کو

بچایا دام سے ہے اور دی ہے تجھ کو آزادی
ہے کم جتنا بھی دے تو شکر میں بختِ ہمایوں کو

نہیں ہے خوب ہی پینے کی شرابِ خون اے لیلیٰ!
نہ کم ہے نقل سے سنگِ ستمگاراں بھی مجنوں کو

کرے جادو ہے سب پر گفتۂ خسروؔ مگر ہے کچھ
اثر چشمِ پُر افسوں پر نہ تیری اس کے افسوں کو

KHUSRO
28

On the Day of Judgment I'll not rise
Unless you came in an angel's guise

And I won't bother your palace guard
Kissing the gate will be my reward

But I can't help if my tears of blood
Reveal the secrets when causing a flood

At night when I think of my day with you
My flaming heart gives me the cue

In the dark of night when you aren't there
I can't help thinking of the black curly hair

And when I discover that I'm not free
I thank my stars; I know it's silly

I do not mind my bleeding heart
What's hard to take is my rival's dart

Your words, O KHUSRO, can bind a spell
But charming a charmer you can't do well

۲۹

دلم در عاشقی آوارہ شد، آوارہ تر بادا
تنم از بیدلی بیچارہ شد، بیچارہ تر بادا

بتاراجِ عزیزاں زلفِ تو عیاریے دارد
بہ خونریزِ غریباں چشمِ تو عیارہ تر بادا

رخت تازہ ست و بہرِ مردنِ خود تازہ تر خواہم
دلت خارہ ست و بہرِ کشتنِ من خارہ تر بادا

گر اے زاہد دعائے خیر می گوئی مرا ایں گو
کہ آں آوارۂ کوئے بتاں آوارہ تر بادا

ہمہ گویند کز خونخوارِیش خلقے بجاں آمد
من ایں گویم کہ بہرِ جانِ من خونخوارہ تر بادا

دلِ من پارہ گشت از غم نہ زاں گونہ کہ بہ گردد
و گر جاناں بدیں شاد است یارب پارہ تر بادا

چوں با تر دامنی خو کرد خسرو با دو چشمِ تر
بہ آبِ چشمِ پاکاں دامنش ہموارہ تر بادا

ہے دل درِ عاشقی آوارہ اور آوارہ ہو جائے
ہوا تن رنج سے بیچارہ اور بیچارہ ہو جائے

بتاراجِ عزیزاں زلف ہے عیار گر اس کی
بہ خونریزِ غریباں چشم بھی عیارہ ہو جائے

ہے رخ تازہ تو بہرِ مرگِ من ہو اور بھی تازہ
ہے دل خارہ تو بہرِ قتلِ من اور خارہ ہو جائے

دعا کرنا اگر کرنی دعائے خیر ہے زاہد
کہ اور آوارۂ کوئے بتاں آوارہ ہو جائے

ہے خونخواری سے اس کی خلق عاجز سب یہ کہتے ہیں
میں کہتا ہوں کہ یہ کچھ اور بھی خونخوارہ ہو جائے

ہوا دل پارہ پارہ میرا غم کی چوٹ کھا کھا کر
ہے خوش گر یار اس سے اور بھی یہ پارہ ہو جائے

ہوئی اشکوں سے گر تر دامنی کی خو ہے خسرو کو
تو دامن اس کا یارب! ور تر صد پارہ ہو جائے

KHUSRO
29

If vagrancy is loves reward, so be it
If sadness is also love's award, so be it

Her hair does plunder your peace of mind
If you against it cannot guard, so be it

Her lovely face is full of grace
If her heart is also stony hard, so be it

Says preacher madness, is part of love
If it cannot, you retard, so be it

Her eyes are cruel but full of charm
If trump they your every card, so be it

Her gaze can shatter a heart to pieces
If it hits you like a shard, so be it

Your love is, KHUSRO, full of tears
But if it's your only reward, so be it

۳۰

گرچہ بر بود عقل و دین مرا
بد مگوئید نازنینِ مرا
گوشش از بارِ دُر گراں گشتہ ست
نشنود نالۂ حزینِ مرا
آخر اے باغباں یکے بنمای
بر من آں سروِ راستینِ مرا
گرمے میکند رقیبِ خنک
کہ بسوزد دلِ غمینِ مرا
عشق در کارِ خوبرُویاں کن
زہد و تقویٰ و کفر و دینِ مرا
خسروا بگذر از سرم کز اشک
ہم غرق است ہمنشینِ مرا

ناز سے کیسے نازنیں میرا
جائے لے کر ہے قلب و دیں میرا
بار دُر گوش پر ہے، تو کیوں ہو
نہ گراں نالۂ حزیں میرا
کس روش پر ہے باغ میں، بتلا
باغباں! سروِ راستیں میرا
اور ہو وے خنک، رقیبِ خنک
گر جلائے دلِ غمیں میرا
سب ہے بیکار الفتِ بت میں
تقویٰ و زہد و کفر و دیں میرا
چشمِ باراں نے کر دیا خسرو
خوفِ غرقہ ہے ہمنشیں میرا

KHUSRO
30

Though she plundered my faith, my reason
It's just a game; it is no treason

Her ears are covered with precious stones
She cannot hear my moans and groans

Your park has cypress, and oak, and pine
But where O gardener, is my conifer divine

I don't mind if she breaks my heart
But take I cannot my rival's dart

For you, O preacher, it's a transgression
But deserves my idol my love and devotion

Cry not, KHUSRO, you might drown
In the flood of tears the entire town

۳۱

دیوانہ کرد زلفِ تو در یک نظر مرا
فریاد ازاں دو سلسلۂ مشکِ تر مرا

سنگیں دلِ تو سخت تر از سنگِ مرمر است
کوہِ غم است بر دل ازاں سنگ مرمرا

دی غمزۂ تو کرد اشارت بسوئے لب
تا بوسۂ دہد ز شکر خوب تر مرا

رُویت گل و لبت شکر و ایں عجب کہ نیست
جز دردِ سر بہ حاصل ازاں گل شکر مرا

چوں من ترا درونِ دلِ خویش داشتم
آخر چہ دشنہ داشتہ ای در جگر مرا

با خسروت شمارِ وصال است ہر شبے
یک شب ہم از طفیلِ خسرو شمر مرا

مجنون زلف نے کیا در یک نظر مجھے
باندھے وہ تا بسلسلۂ مشکِ تر مجھے

سنگین دل ترا جو ہے خارہ سے سخت تر
کرتا ہے کوہِ غم سے شکستہ کمر مجھے

غمزے سے کر لبوں کو اشارہ کبھی کہ دیں
بوسہ جو نوش سے بھی ہو نوشین تر مجھے

گل رخ ترا ہے اور شکر لب تو ہے عجب
دیوے سوا نہ درد ہے کچھ گل شکر مجھے

ہے دل نشین چین سے رہتا نہیں مگر
دیوے ہے دل میں بیٹھ کر زخمِ جگر مجھے

مانا کہ ہے وصال کا خسرو ہی مستحق
یاد ایک شب بخاطرِ خسرو ہی کر مجھے

KHUSRO
31

One look from you and I'm crazy about you
And your braided hair it has chained me too

Your stony heart is hard like rock
It breaks my heart like a fragile crock

I would love to kiss your juicy red lip
And drink its wine only sip by sip

Your lips are sugary, your face a flower
But together, my love, they can be sour

You are my soul, my heart, my life
But then you're also a dagger, a knife

So come to KHUSRO, though not a king
He writes verses and can also sing

۳۲

ساقیا! پیش آر جامِ باصفائے خویش را
روئے ما بین و بہ ما دہ رونمائے خویش را

کف چو گنبد ہا کند ہردم صلائے نوش گو
تا ز ہر گنبد صدا یابی صلائے خویش را

کبک رفتارا! یکے بخرام و پا بر لالہ سای
بے حنا کن لعلِ پائے لالہ سائے خویش را

دی شدی در باغ و گل از بہرِ گرد افشاندنت
کرد صد پرکالہ دامانِ قبائے خویش را

ہر طرف زِ بہرِ مبادکبادِ نوروزِ بہار
می فرستد گل بکف کردہ صبائے خویش را

یکدم امروز از چمن ما را بہ مجلس راہ دہ
تا ستانیم از تو جامِ باصفائے خویش را

لا کبھی ساقی تُو جامِ باصفائے خویش کو
عکسِ رخ سے پھر ہمیں دے رونمائے خویش کو

گنبدِ کف دے صلائے نوش ہے ہردم کر وہ
گردشِ آواز میں پائے صلائے خویش کو

آ خراماں اور کر کے لالہ سائی پاؤں سے
بے حنا کر لعلِ پائے لالہ سائے خویش کو

دیکھ کر تجھ کو چمن میں لالہ و نسرین نے
کر دیا پرکالہ دامانِ قبائے خویش کو

ہر چمن بہرِ مبارک بادِ نوروزِ بہار
بھیجتا ہے گل بکف کر کے صبائے خویش کو

لب پہ سب کے ہے گزارش یہ مکرر بزم میں
لا کبھی ساقی تُو جامِ باصفائے خویش کو

KHUSRO

32

O come my love, and fill the cup with the vintage ruby wine
In a way that I can see in it your reflection divine

When you hold the cup in your ivory hand it does reflect your face
And pull it does from everywhere the men of every race

Leisurely walking in the park when you step in a flower bed
The tulip and rose cling to your feet, and paint your toenails red

And when in the garden the roses there see you with rosy cheek
Afford they cannot to be so proud, and nightingales they seek

O morning breeze, to the park you go, and do some fragrance bring
The winter days are finally gone, so let's welcome the first of spring

So come my love, and fill the cup with the vintage ruby wine
In a way that I can see in it your reflection divine

۲۳

بسکه اندر دل فرو بُردم ہوائے نیش را شعله افزوں تر بر آمد سوزِ داغِ خویش را	دل میں رکھتا ہوں میں زندہ اک ہوائے نیش کو تا کروں ہر دم زیادہ سوزِ داغِ خویش کو
عشق گنجد در دلِ تنگ و نگنجد در جہاں ویں سخن در دل نگنجد عقلِ دُور اندیش را	عشق کی عالم میں گنجائش نہیں، گو دل میں ہے بات یہ بتلا نہ ہرگز عقلِ دُور اندیش کو
چاشنیٔ دردِ دل آنکس که نشناسد حقش بر دلِ مجروحِ خود مرہم شناسد نیش را	چاشنیٔ دردِ دل جسکو نہ دے لذت، وہ پھر کیوں دلِ مجروح پر مرہم بنائے نیش کو
گر بیک غمزه نمُردم من مکن خسته دلم ناوکے گر رفت کج، نتواں شکستن کیش را	ایک غمزے سے مرا گر میں نہ، دل خستہ نہ کر گر ہوا ناوک خطا اک، توڑ مت تو کیش کو
پند گو کاید بریں دل سوخته گوئی خس است کو به اصلاحِ چراغ آید بسوزد خویش را	شعلۂ الفت سے ناصح بیچ مرنے چھوت اسے جو کرے اصلاحِ شمع ہے، وہ جلائے خویش کو
خسروا دیده فرو بند و مبیں روئے رقیب زانکه مرہم خوش نباشد دیدہ ہائے ریش را	بند کرلے آنکھ خسروؔ، دیکھ مت روئے عدو کر نہ زخمی اور اپنے دیدہ ہائے ریش کو

KHUSRO
33

Like arrow your gaze when it hits my heart
The fire of love does it there start

The right home when God could not plan
For love He found the heart of man

Anyone who knows not the aching heart
He hasn't been hit by her eye's dart

No lance, no arrow, she needs to kill
She uses her eyes with great skill

O preacher, be wary, it'll burn you entire
By blaming my heart you're playing with fire

To look at your rival don't KHUSRO try
He is so ugly, it will hurt your eye

۴۴

بہار آمد و سبزہ نو شد بہ جو ہا
عروسانِ بُستان کشادند رُو ہا
گُلِ کوزہ بر شاخ می گوید اینک
کہ کوزہ زما و زمستان سبو ہا

نگوید ز آزادگی ہیچ سوسن
چو بلبل، زمستی کند گفت و گو ہا

ازیں پس پیالہ بکف خوبرویاں
خرامندہ بینی بہ لب ہائے جو ہا

بہ ہر شاخ غنچہ، دہن باز کردہ
ز خوباں فرو می خورد آرزو ہا

معطر ازاں می کند گل چمن را
کش از نظمِ خسرو ذخیرہ ست بو ہا

بہار آئی، ہے سبزہ تر بہ جو ہا
عروسانِ چمن کے دیکھ رو ہا
کہے یہ شاخ پر ہے کوزۂ گُل
کہ دے مستوں کو مے اندر سبو ہا

حیا سے ہے خموش آزاد سوسن
کرے مستی سے بلبل گفتگو ہا

لئے ساغر بکف ہیں خوبرویاں
خراماں ناز سے کیسے بہ جو ہا

کرے ہیں دیکھ کر اندازِ خوباں
چمن میں عندلیباں آرزو ہا

معطر ہے گل و لالہ سے گلشن
کہ ان میں نظمِ خسرو کی ہیں بو ہا

KHUSRO
34

The spring has come, and green are the dales
The garden's brides have dropped their veils

With goblets in hands the tulips do wait
To get their share from the wine pails

The flowers are blooming with buds in their wake
But poor little blue bird he only wails

Walking near water are beauties in gowns
On the arms of men dressed up in tails

The tulips and roses, impudent and saucy
Laughing at lovers the nightingales

And the flowers hearing the verses of KHUSRO
Spread their fragrance in meadows and vales

۴۵

باشد آں روزے کہ بینم غمگسارِ خویش را
شادماں یابم دلِ امیدوارِ خویش را

شد دو چشم ز انتظارش چار، در راہِ امید
چار جانب وقف کردم ہر چہارِ خویش را

شاید ار بر خاک خسپم ہمچو گل پُر خوں کنار
کز چناں سروے تہی کردم کنارِ خویش را

خاک می بیزم بہ داماں، چوں کنم گم کردہ ام
درمیانِ خاک دُرِ آبدارِ خویش را

مست گشتی چوں ترا پیمانہ پُر دادہ ست دوست
خیز و بستاں ساغر و بشکن خمارِ خویش را

دل کہ از جعدِ تو بد خو شد، نمی گیرد قرار
ساعتے بفرست جعدِ ہمچو مارِ خویش را

دیکھ پاؤں گر کسی دن غمگسارِ خویش کو
شادماں پاؤں دلِ امیدوارِ خویش کو

چار، دو آنکھیں مری ہیں جب رہِ امید میں
چار سُو میں وقف کر دوں اِن چہارِ خویش کو

بعدِ مدت ہاتھ آیا ہے کنارِ جُو پہ جب
سرو سے کیسے تہی کر دوں کنارِ خویش کو

چھانتا پھرتا ہوں خاکِ رہ کیا جب سے ہے گُم
درمیانِ خاک، دُرِ آبدارِ خویش کو

کر دیا ساقی نے ہے پُر تیرا پیمانہ اگر
مست ہو اور دُور کر مے سے خمارِ خویش کو

کر لیا ہے گنجِ دل میرا حفاظت کے لئے
دے اسے زلفِ سیاہ شکلِ مارِ خویش کو

KHUSRO
35

If I could only share my pain
With someone friendly, and humane

If only had I not to wait
And wait, and wait, and be irate

If only I had some access
To my lovely cypress and caress

If I could find my lovely girl
Better than any gem or pearl

I won't have to drown my sorrow
In a cup of wine every morrow

So bring the serpents of her curls
To guard my heart with gems and pearls

٣٦

اے بے تو گلہائے چمن شستہ بخوں رخسار ہا
خار است بے رخسارِ تو در دیدۂ گلزار ہا

شد پوستم بر استخواں چوں چنگ خشک و از فغاں
رگہا نگر اینک بر آں، افتادہ، ہمچو تار ہا

ہر گہ کہ چوگاں باز داو، بازم براہش سر چو گو
آرے، مرا در عشقِ او باشد ازیں سر کار ہا

تا چند چشم پُر ز نم، در عشق خوں بادم ز غم
آرے کہ از غم شستہ ام من دست ازیں خوں بار ہا

پیکاں کہ بودے در دروں، با تیرِ خود کردی بروں
خورسندئے دارم کنوں، دل را بداں زنگار ہا

از دیدہ اشکِ من رواں آں سرو در لبجوئے کساں
خسرو چو بلبل در فغاں، او ہمنشیں با خار ہا

بن تیرے ہے گلہائے چمن دھوئیں بخوں رخسار ہا
بے رخ ترے ہیں خار ہا، در دیدۂ گلزار ہا

غم سے ہوا ہوں ناتواں، نکلی ہیں میری ہڈیاں
درد و الم سے سب یہاں۔ بنتی رگیں ہیں تار ہا

کھیلے ہے چوگاں وہ جہاں، ہے گیند میرا سر وہاں
دیکھو ہوئے کیا کیا یہاں ہیں سر سے مجھ کو کار ہا

رکھتے ہیں میری آنکھ نم الفت کے تیری رنج و غم
رنگیں کروں ہیں دمبدم رخسار خوں سے بار ہا

پیکان نے ظالم ترے، آئینۂ دل کو مرے
جتنے دیئے میرے لئے محبوب ہیں زنگار ہا

ڈھونڈے سے اندر گلستاں، پایا نہیں سروِ رواں
خسرو گلوں کے درمیاں، ہے ہمنشینِ خار ہا

KHUSRO
36

Without you blood in tears they shed
And make the flowers their beds all red

And I have also become very frail
I've lost my color; my cheeks are pale

Without you, darling, I would rather be dead
In the game of love I've staked my head

I cry and cry so much with pain
No blood in me will soon remain

And also using your eye's dart
You have wounded my woeful heart

A total loser was KHUSRO born
He wants a rose and gets a thorn

۴۷

شبے دیدم چو مہ بر بام او را
صراحی پیش و بر کف جام او را

دعا می کردم و می نامدش یاد
زمستی بہرِ من دشنام او را

نخواہد دل بخود دشنام ازاں لب
زلعلِ او ہمیں بس کام او را

بہ دل او را کہ عشقش خانہ سازد
کجا ماند دگر آرام او را

کسے کز عارض و زلفِ تو گوید
ہمیں بس وردِ صبح و شام او را

دلم دارد ہوائے پای بوست
ببیں در سر خیالِ خام او را

چوں برگشتی زخسرو کرد پامال
جفائے گردشِ ایام او را

بہ شب دیکھا جوں مہ بر بام اس کو
سبو بر دوش، بر کف جام اس کو

دعا کی میں نے، مستی میں خدایا
دلا دے یاد کچھ دشنام اس کو

نہ دینے کے سوا دشنام مجھ کو
لبِ لعلیں سے ہو کچھ کام اس کو

وہ دل، جو عشق نے مسکن بنایا
نہیں ملتا ذرا آرام اس کو

سنے۔ جو قصۂ گیسو و عارض
رہے یہ وردِ صبح و شام اس کو

قدم بوسی تری دل چاہتا ہے
ہے یہ کیسا خیالِ خام اس کو

ملے خسرو کو تو، تو روندتی ہے
جفائے گردشِ ایام اس کو

KHUSRO
37

Her in her terrace I saw last night
Sitting and drinking in the moonlight

Hoping and praying that when she'll see
She'll say something nice to me

And even if something she said very bad
Just getting attention I'll be glad

A person who falls in love with her
He shouldn't mind from her a slur

And anyone who falls for her curly hair
Mind he shouldn't being caught in a snare

And a man who wants to kiss her feet
He finds that it is quite a treat

Whenever to KHUSRO she likes to be nice
The fate extracts from him the price

۳۸

روزِ عید است بہ من دہ مئے نابے چو گلاب
کہ ازاں جام شود تازہ ام ایں جانِ خراب

جانِ من از ہوسِ آں بہ لب آمد اکنوں
بہ لب آرم قدح و جاں نہم اندر شکراب

روزہ دارے کہ کشادے زلبش نکہتِ مشک
ایں زماں در دہنش نیست مگر بوئے شراب

آنکہ خیزان و فتاں بود بہ مسجد زیں پیش
ہست در میکدہ خیزان و فتاں مست و خراب

دف کہ او گرد نمی گشت بہ دَورِ مجلس
میرود دور کناں جانبِ مجلس بشتاب

مے حلال است کنوں خاصہ کہ از دستِ حریف
در قدح می چکد آبِ نمک آلودِ کباب

ہر کرا بوئے گل و مے بہ دماغ است، او را
آں دماغیست کہ دیگر نکند بوئے گلاب

عید کا دن ہے مجھے دے وہ مئے رنگِ گلاب
جس کے پینے سے ہو پھر تازہ و تر جانِ خراب

تلخیٔ ہجر و غمِ عشق سے جاں ہے لب پر
لے کے ساغر دے مری جان کو ساقی، شکراب

روزہ داروں کے دہن میں نکہتِ مشک ہے جو
دی ہے شاید انہیں کچھ ساقیٔ کوثر نے شراب

جاتے مسجد میں جو تھے پہلے یہ گرتے پڑتے
آئے گر پڑ کے ہیں در میکدہ اب مست و خراب

بزمِ رنداں میں جسے عار تھی آنے میں بہت
جائے رقصاں ہے وہ مطرب سوئے مجلس بہ شتاب

بادہ جائز ہے اگر ٹپکے مئے ساغر میں
دستِ معشوق سے آبِ نمک آلودِ کباب

مغز میں جس کے ہو خوشبوئے کباب و صہبا
ہے گلستاں میں دھرا کچھ اس کے لئے بوئے گلاب

KHUSRO
38

Finished is fasting, pour me the wine
Infuse some life in the carcass of mine

Let not the life from my body flee
This pain of parting is killing me

See now the people who used to fast
Without the wine they cannot last

And those to the mosque who used to go
Now in the bar they nightly show

And those who wouldn't sing and dance
Now they would never miss a chance

And the barmaid too does a nice job
With the wine she now serves kabob

In short it's time to eat and drink
And about the rest let's not think

۳۹

زاد چوں از صبح روشن آفتاب
ساقیٔ خورشید رُو درده شراب

بامِ گردوں سے ہے نکلا آفتاب
ساقیٔ خورشید رُو کچھ دے شراب

خرم آں کو غرقِ مے باشد مدام
چو خیالِ دوست درمے ہائے ناب

غرقِ مے ہو جو، ہے خرم وہ مدام
جوں خیالِ دوست درمے ہائے ناب

عاشقی با پارسائی، ہم خوش است
ہمچناں کافتد میانِ بادہ آب

عاشقی با پارسائی ٹھیک ہے
جیسے موزوں ہے میانِ بادہ آب

ہست مارا نازنینے مے پرست
کو ہم بریاں کند گاھے کباب

شاہدِ مے نوش ہوا ایسا کہ جو
گہ ہمیں بریاں کرے، گاھے کباب

نیم شب کامد، مرا بیدار کرد
من ہماں دولت ہمیں دیدم بخواب

شب کرے بیدار آ کر خواب میں
کاش وہ آئے کبھی ایسے بخواب

زلف بر کف شب ہمی پنداشتم
کز بُنا گوشش بر آمد آفتاب

زلف کانوں سے ہٹی تو آ گیا
کان کی لَو سے نکل کر آفتاب

خاست از خواب و شرابم داد و گفت
نوش کن بر بادشاہِ کامیاب

رات بھر ساقی نے دی مے اور کہا
نوش کر بر بادشاہِ کامیاب

KHUSRO
39

Look, my love, at the glorious dawn
And give me wine before it is gone

Blessed is he who is always drunk
And has his woes in the wine sunk

Piety and love you should try to mix
Like water and liquor when a drink you fix

I know a beauty who likes to boast
Of a beau to fry, and a lover to roast

I wish one night she in my dream
Will kiss my mouth before I scream

Oh, how her ear when her tresses shroud
Looks like the sun behind a cloud

The barmaid was nice on the first of spring
All night we drank, and toasted the king

۴۰

زہے نمود ازاں زلف و عارض و رخِ خوب
یکے سواد و دوم نقطہ و سیم مکتوب

سواد و نقطہ و مکتوبِ اوست بر دلِ من
یکے بلا و دوم فتنہ و سیم آشوب

بلا و فتنہ و آشوبِ او بود مارا
یکے مراد و دوم مونس و سیم مطلوب

مراد و مونس و مطلوب ہر سہ از من شد
یکے جدا و دوم غالب و سیم مغلوب

جدا و غالب و مغلوب ہر سہ باز آید
یکے غلام و دوم دولت و سیم مرکوب

غلام و دولت و مرکوب با سہ چیز خوش است
یکے حضور و دوم شادی و سیم مجبوب

حضور و شادی و مجبوب من بود خسرو
یکے شراب و دوم ساقی و سیم مجبوب

ہے آشکار یہ گیسو و عارض و رخِ خوب
یکے سواد و دوم نقطہ و سیم مکتوب

سواد و نقطہ و مکتوب دل پہ ہیں میرے
یکے بلا و دوم فتنہ و سیم آشوب

بلا و فتنہ و آشوبِ یار ہیں مجھ کو
یکے مراد و دوم مونس و سیم مطلوب

مراد و مونس و مطلوب ہو گئے ہیں اب
یکے جدا و دوم غالب و سیم مغلوب

جدا و غالب و مغلوب بن گئے ہیں سب
یکے غلام و دوم دولت و سیم مرکوب

غلام و دولت و مرکوب خوب چیزیں ہیں
یکے حضور و دوم شادی و سیم مجبوب

حضور و شادی و مجبوب مجھ کو ہیں خسرو
یکے شراب و دوم ساقی و سیم مجبوب

KHUSRO
40

Her locks, and cheeks, and lovely face
Are snakes, and roses and charming grace

They all so heavily weigh on heart
Being hard, and painful, and very tart

Despite it all we need not fear
They're also friendly, tender, and dear

But by their nature they're mighty rude
And strong, and pushy, and very crude

And they can be also good in stealth
By bringing pleasure, health, and wealth

Beyond it all that's mentioned above
They're the objects of passion and love

It's all true, KHUSRO, but let's not think
And go to the bar, and have a drink

(۴۱)

اگر بہ گوشہ نشیناں نماید آں رخِ خوب
بہ غمزہ دل بُرباید ز سالکِ مجذوب

بلائے مردمِ اہلِ نظر بوَد چشمت
بناز اگر بدر آئیؑ ز مکتبؑ اے مجوب

فراقِ روئے چو تو یوسفے کے داند
کہ روشنش شود آبِ دو دیدۂ یعقوب

چوں نامۂ تو کشایم، شود پُرنم چشم
بہ پیچ رو نتوانم کہ خوانم آں مکتوب

مرنج اگر نبود در خورت کبابِ دلم
تو میہمانِ عزیزی و ہست ایں مرغوب

کشند برائے تو خسرو جفائے مدعیاں
کہ بہرِ دوست ز کرماں جفا کشد ایوب

دکھائے گوشہ نشینوں کو اپنا گر رخِ خوب
تو دیکھ کر ہوں وہ مجذوب اور بھی مجذوب

بلائے مردمِ اہلِ نظر ہے چشم اگر
خرامِ ناز بھی تیرا ہے فتنہ، اے مجوب

ہیں جانتے وہی دردِ فراقِ یوسف کو
جو دیکھتے ہیں کبھی جا کے دیدۂ یعقوب

ہوئی ہے دیکھ کے خط آنکھ اس قدر پُرنم
کہ پڑھ نہ سکتا کسی طور ہوں ترا مکتوب

کبابِ دل نہ ہو دلپذیر تو کیا ہے
خورش نہ ہووے بے مہماں کو ہر اک مرغوب

نہیں عجیب کہ جھیلے ہے ہر جفا خسرو
کہ جھیلتا ہے جفا بہرِ دوست ہر ایوب

KHUSRO
41

If to the mystics she shows her face
She makes them lose the divine grace

A lot of trouble are her lovely eyes
All sorts of charms they can devise

And when she leaves we feel the pain
Which can drive us all insane

When she's away she'll write a note
To make us feel even more remote

And she can set our hearts on fire
And burn our bodies and souls entire

But KHUSRO, for you it's beyond control
She rules your heart and owns your soul

۴۲

امشب شبِ من نور ز مہتابِ دگر داشت
وز گریۂ شادی جگرم آبِ دگر داشت

ہنگامِ سحر خلق بمحراب و دلِ من
زابروئے بتے روئے بہ محرابِ دگر داشت

قرباں شوم و چوں نشوم، وائے کہ آں چشم
بر جانِ من از ہر مژہ قصابِ دگر داشت

گشتم بہ نظر مست و نخفتم تہِ پایش
جاں از سکراتِ اجلم خوابِ دگر داشت

زد صد گرۂ سخت بہ دل بستگیٔ من
زلفش کہ بہ ہر مو شکن و تابِ دگر داشت

نے داشت خبر از خود و نے از مے و مجلس
خسرو کو خرابی ز مئے نابِ دگر داشت

پُرنور کرے شب مری مہتابِ دگر ہے
ہے گریۂ شادی، یہ رکھے آبِ دگر ہے

ہے خلق بہ محراب، پر ابرو کی بنا کر
یہ دل مرا سجدے میں بہ محرابِ دگر ہے

قربان تری چشم پہ ہوں کیوں نہ کہ جب یہ
ہر ایک مژہ میں رکھے قصابِ دگر ہے

خوابیدہ نظر سے تری، بے خواب یہ دیدہ
ہنگامِ نزع منتظرِ خوابِ دگر ہے

باندھے ہے بصد گرہ دلِ زار وہ گیسو
ہر وقت جسے فکرِ خم و تابِ دگر ہے

اپنی خبر اس کو ہے نہ مجلس کی، نہ مے کی
خسرو کو ملی آج مئے نابِ دگر ہے

KHUSRO
42

Tonight I see a different moon
The singers have also a new tune

People are going to the mosque to pray
But my idol I'll never betray

With gaze a dagger and lash a knife
For her charming eyes I'll give my life

Her sleepy eyes do keep me awake
The spell they cast I cannot break

By a million knots I'm bound to her curls
And she keeps adding more knots and swirls

Of life in KHUSRO there is no sign
Since he has been drinking this new wine

۴۳

تقدیر کہ یک چند مرا از تو جدا داشت
از جاں گلہ دارم کہ مرا زندہ چرا داشت

اندوہِ جدائی ز کسے پرس کہ یک چند
دورِ فلک از صحبتِ یارانش جدا داشت

داغے دگر ایں ست کہ از گریہ نشستم
آں داغ کہ دامانت ز خونِ دلِ ما داشت

صوفی کہ خرامیدنِ تو دید بہ صد صدق
بدرید مصلا و کلہ در تہِ پا داشت

خسرو بوفائے تو دہد جاں کہ در آفاق
گویند ہمہ کاں سگِ دیوانہ وفا داشت

رکھتی ہے مجھے تقدیر اگر تجھ سے جدا ہے
ہے جاں سے گلہ کیوں مجھے یوں زندہ رکھا ہے

جانے ہے وہی رنجشِ اندوہِ جدائی
گردوں جسے یاروں سے رکھے اپنے جدا ہے

آہ داغ میں دھوؤں یہ ترا اشک سے اپنے
جو دل کے مرے خون نے دامن کو دیا ہے

دیکھے جو خراماں تجھے آتا ہوا صوفی
رکھے وہ مصلا و کلہ در تہِ پا ہے

خسرو جو کرے جان فدا لوگ ہیں کہتے
دیوانہ یہ سرگشتۂ دستورِ وفا ہے

KHUSRO
43

Though fate has kept me away from you
I blame my life for not saying adieu

The pain of parting they only know
Who've seen their loves forever go

I'm not sorry for losing my life
I wish my blood hadn't soiled your knife

When a mystic sees you strolling in park
His quest for God goes off the mark

His life gave KHUSRO for you because
More loyal to you than your dog he was

۴۴

افسوس ازیں عمر کہ بربادِ ہوا رفت
کانے بہ جہاں نے بہ مرادِ دلِ ما رفت

خورشیدِ من از اوجِ جوانی چوں برآمد
بس ذرۂ سرگشتہ کہ بربادِ ہوا رفت

گفتم ز درِ خویش مراں گفت کہ بگذر
زیں کوچہ کہ داند کہ چو تو چند گدا رفت

آں صبر کہ می گفتم من کوہِ گراں سنگ
بادے بوزید از تو ندانم کہ کجا رفت

رنجہ نشوم گر بہ جفا سر بُرِیَم زانک
بسیار چنیں ہا بہ سرِ اہلِ وفا رفت

ما را چہ حدِ صبر بہ ہجرِ تو چو خسرو
آمد بہ درت باز بہ سر آنکہ بہ پا رفت

افسوس ہوئی زندگی بربادِ ہوا ہے
مقصد کوئی دل کا مرے پورا نہ ہُوا ہے

خورشید ترا اوجِ جوانی پہ ہے ایسا
ہر ذرہ درخشاں مری دنیا کا ہوا ہے

کہتا ہے ہٹا کر درِ دولت سے مجھے وہ
بہتر مرے کوچے میں ہر اک تجھ سے گدا ہے

وہ صبر جو تھا کوہ سے بھی مجھ پہ گراں تر
اُڑ کر وہ ہوا میں تری اس دل سے گیا ہے

کاٹا ہے اگر سر مرا تُو نے تو نہ کر غم
کام اس کا ہے کٹنا یہ سرِ اہلِ وفا ہے

صبر آزما خسرو کے لئے ہجر ہے گرچہ
دامانِ شکیبا نہ کبھی اس سے چھٹا ہے

KHUSRO
44

Oh how this love has ruined my life
It's all sorrow, pain, and strife

You're at the height, of youth and beauty
We do your bidding as a matter of duty

From the world of woes it's a retreat
Don't drive me out of your street

Oh, the patience it's a burden great
To be relieved I cannot wait

Losing my life I do not dread
In the game of love I've staked my head

With poise, O KHUSRO, you must proceed
Patience is what in love you need

۴۵

دلے کش صبر نبوَد آنِ من نیست
کسے کو دل دہد جانانِ من نیست

کبابم ساخت ایں خونابہ زانست
گنہ بر دیدۂ گریانِ من نیست

ہمہ مضمونِ من شہرے فرو خواند
کہ مُہرِ صبر در فرمانِ من نیست

تو می سوز، اے دل، و مگری تو، اے چشم
کہ شعلہ درخورِ طوفانِ من نیست

نصیحت از خرد جستم، خرد گفت
کہ بر دیوانگاں فرمانِ من نیست

چوں تیرم زد کشید آلودۂ خوں
بہ خندہ گفت کایں پیکانِ من نیست

بسوزد خسروا دنہا چہ نیکوست
کہ گوشِ خلق بر افغانِ من نیست

صبوری عشق میں آساں نہیں ہے
کہ بخشش شیوۂ جاناں نہیں ہے

کبابِ دل سے ہے خوناب سب یہ
گناہِ دیدۂ گریاں نہیں ہے

پڑھے مضمون سارا شہر میرا
کہ مُہرِ صبر بر عنواں نہیں ہے

جل اے دل، پر نہ رو اے چشم ہرگز
کہ شعلہ درخورِ طوفاں نہیں ہے

جو مانگی پند، بولی عقل میرا
چلے شیدا پہ کچھ فرماں نہیں ہے

جو دیکھا تیرِ خونیں ہنس کے بولا
قسم ہے یہ مرا پیکاں نہیں ہے

کرے کیوں بے فغاں اتنی تو خسرو
کہ گوشِ خلق بر افغاں نہیں ہے

KHUSRO
45

The patience, my love, is not for me
To part with you I can't agree

The heart that you have set on fire
A flood of tears it does require

My tale of love you might recall
Has no patience in it at all

O tearful eyes, don't you cry
Putting out fire don't even try

From wisdom when I asked advice
Said it - for madness it won't suffice

I showed her when my bleeding heart
She smiled and said, it's not my dart

It's no use KHUSRO, do not cry
No one cares if you live or die

٤٦

زمن نازک میانے دُور ماندہ ست دلے رفتہ ست و جانے دُور ماندہ ست	مرا نازک میاں ہے دُور کافی وہ طاقت بخشِ جاں ہے دُور کافی
بگوئید از زبانِ من کہ آنجا دلے از بے زبانے دُور ماندہ ست	جو ہے دل میں مرے کیسے بتاؤں کہ اس دل سے زباں ہے دُور کافی
پُر از خون ست جوئے دیدۂ من کہ از سروِ روانے دُور ماندہ ست	رواں ہے خون جوئے چشم میں اور مرا سروِ رواں ہے دُور کافی
ہلاکِ جانِ من آں پیر داند کہ روزے از جوانے دُور ماندہ ست	وہی جانے مرا غم پیر جس سے رہا یارِ جواں ہے دُور کافی
خراشیدہ بود آوازِ مرغے کہ او از گلستانے دُور ماندہ ست	ہوئی غمگین ہے گلبانگِ بلبل کہ اس سے گلستاں ہے دُور کافی
غم و دردِ غریبی از کسے پرس کہ او از خان و مانے دُور ماندہ ست	غم و دردِ غریبی پوچھ مجھ سے کہ میرا خانماں ہے دُور کافی
شبے یادش دہی از خسرو اے باد کزیں در پاسبانے دُور ماندہ ست	صبائے کر تو جا پیغامِ خسرو کہ در سے پاسباں ہے دُور کافی

KHUSRO
46

My love has left and gone away
And life is much in disarray

My heart is heavy; my life bleak
I'm so week I can hardly speak

My cries of pain Oh, no one hears
I weep and shed my blood in tears

My pain and sorrow he only knows
Who has been in love and seen its woes

And I am like a nightingale
Without the rose who can only wail

From place to place I rove and roam
Like a stranger who has lost his home

O breeze, you go to her and tell
Without her KHUSRO'S life is hell

۴۷

دلِ مسکینِ من در بند ماندہ ست
اسیرِ یارِ شکر خند ماندہ ست

نماند اندر دلِ من درد را جا
مدہ پندم، نہ جائے پند ماندہ ست

نصیحت گوئے من! لختے دعا گو
کہ یک بیچارۂ در بند ماندہ ست

بہ جاں پیوند کردم عاشقی را
کنوں جاں رفت و آں پیوند ماندہ ست

بُتا! از در مراں بیچارۂ را
کہ در کوئے تو حاجت مند ماندہ ست

بہ مے سوگند خوردم، جرعۂ بخش
کہ مارا در گلو سوگند ماندہ ست

زغم گفتی کہ خسرو زندہ چوں ماند
دروغے گفتہ و خرسند ماندہ ست

دلِ مسکیں مرا در بند ہے اب
اسیرِ یارِ شکر خند ہے اب

ہے دل پُر درد اتنا اس میں ناصح
رہی بالکل نہ جائے پند ہے اب

نصیحت گو، خدارا کچھ دعا کر
کہ دل بیچارہ اندر بند ہے اب

تھی جاں پیوندِ الفت سے، گئی جاں
رہا باقی فقط پیوند ہے اب

عنایت کم نہ کر، کر بخشش بلکہ
ہوا دل اور حاجت مند ہے اب

قسم دے اور نہ کھانے کو، پلا مے
کہ اٹکے حلق میں سوگند ہے اب

دے غم خسرو کو جتنا دے سکے تو
کہ رہتا غم میں وہ خرسند ہے اب

KHUSRO
47

My poor little heart it's her slave
For a lovely smile it does so crave

With so much pain it's short of space
For counsel my heart doesn't have a place

But please, O preacher, for me do pray
For she is the eagle and I'm the prey

With love to her I was firmly bound
Only bond remains when she isn't around

From the world of woe it's my retreat
So drive me not out of her street

For the love of God give me some wine
To quench, my love, this thirst of mine

And hurt his feelings again, and again
For KHUSRO'S happy with sorrow and pain

۴۸

نگارا، چو تو زیبا کس ندیدہ ست
چناں روئے، نگارا کس ندیدہ ست

بیا امروز تا سیرت ببینم
مگو فردا کہ فردا کس ندیدہ ست

تماشا می کنم در باغِ رُویت
وزیں خوشتر تماشا کس ندیدہ ست

ز آبِ دیدہ پیدا گشت رازم
بدیں ساں آبِ صحرا کس ندیدہ ست

مرا گوئی کہ دل برجائے خود دار
دلِ عشاق برجا کس ندیدہ ست

ز خسرو دل کہ دُزدیدی، بدہ باز
مگو دیدہ ست کس یا کس ندیدہ ست

حسیں تجھ سا، دل آرا ہے نہ کوئی
ہمیں تجھ سے پیارا ہے نہ کوئی

کرا دیدار اپنا آج اے جاں
کہ فردا پر بھروسا ہے نہ کوئی

تماشا باغِ رخ کا دیکھتے ہیں
کہ بہتر اور تماشا ہے نہ کوئی

کھُلا ہے رازِ الفت چشمِ تر سے
قصور اس میں ہمارا ہے نہ کوئی

بجا کہتا ہے تُو، رکھنا مگر اک
تمنا دل میں بے جا ہے نہ کوئی

وہ لیتا دل ہے یوں چپکے سے خسرو
اُسے دیکھے چراتا ہے نہ کوئی

KHUSRO
48

No one is more beautiful than you
Your charm and grace have very few

O come and dazzle us all today
Until tomorrow please not delay

So come and show us your lovely face
Your charming bloom, your glorious grace

My tears betrayed my love for you
Their sudden surge I couldn't subdue

O tell me not to restrain my zeal
You should know me and how I feel

But if you do not like his role
Give KHUSRO back the heart you stole

۴۹

مرا وقتے دلے آزاد بودہ ست
درونم بے غم و جاں شاد بودہ ست

چہ خوش بودہ ست عقلِ مصلحت جوی
کہ چندے زیں بلا آزاد بودہ ست

نگارا! ہیچ گاہے یاد داری
کزیں بے چارگانت یاد بودہ ست

شب آمد، باد بُرد از جائے خویشم
کہ بوئے زلفِ تو با باد بودہ ست

بہ فریادت بخواندم دی و مُردم
کہ جانم ہمرۂ فریاد بودہ ست

جفاکش خسروا! گر دوست بیوست
نصیبِ عاشقاں بیداد بودہ ست

جو بندِ عشق سے آزاد ہووے
ہو دل بے زخم اور جاں شاد ہووے

طفیلِ یُمنِ عقلِ مصلحت جو
بلائے غم سے دل آزاد ہووے

کرے کچھ چارۂ بے چارگاں تُو
تجھے اپنا ستم گر یاد ہووے

نہ ہو برباد جانِ جاں نثاراں
نہ بوئے زلف گر باباد ہووے

نکلنی جان ہو آساں تن سے
اگر جاں ہمرۂ فریاد ہووے

نہ کر شکوہ جفاؤں کا کہ خسرو
نصیبِ عاشقاں بیداد ہووے

KHUSRO
49

There was a time my heart was free
And it was full of mirth and glee

There was a time my heart was wise
My wit and reason were all with me

O please my love, don't be so cruel
And hear your lover's earnest plea

If scent of your hair were not in the air
I wouldn't have lost my sanity

And if my life were in my sighs
It would've been easy for it to flee

Fret not, KHUSRO, about your fate
You'll feel better just look at me

۵۰

صبا گردے ازاں زلفِ دوتا خاست
بہ ہر سو بوئے از مشکِ ختا خاست

پریشاں جب سے وہ زلفِ دوتا ہے
صبا میں خوشبوئے مشکِ ختا ہے

گریباں می درم ہر صبح چو گل
ہمہ رسوائیِ من از صبا خاست

گریباں چاک کر کے صورتِ گل
کرے رسوا مجھے بادِ صبا ہے

نظر ہا از زکوٰۃِ حسن میداد
بہ ہم افتاد کز ہر سو گدا خاست

زکوٰۃِ حسن میں نظرِ کرم دے
ترے کوچے میں ہر جا اک گدا ہے

متاعِ عقل و جان و دل ہمہ سوخت
من ایں آتش ندانم کز کجا خاست

متاعِ عقل و جان و دل گئی جل
لگی یہ آگ کیسی، اے خدا ہے

تو تارِ زلف بستی بند در بند
ز ہر بندے مرا دردِ جدا خاست

کرے تو بند اندر بند گیسو
مجھے ہر بند سے دردِ جدا ہے

کنوں ما و لبِ لعل و خطِ سبز
کہ تقویٰ را رقم از کارِ ما خاست

لبِ لعل و سیاہ گیسو و گل رخ
بہ ہر سو خطر میں تقویٰ مرا ہے

تماشا را بیا زیں سوے بارے
کنوں کز گریۂ خسرو گیا خاست

ہے گر کرنا تماشا، دیکھ آ کر
جو اپنا حال خسرو نے کیا ہے

KHUSRO
50

When your curly locks fly in the air
The scent of your hair goes everywhere

The flowers in bloom start to blush
And the lovers also feel the flush

To your lovers do please be kind
Being in love they're in a bind

The fire of love they cannot control
And it's consuming their heart and soul

Being trapped and caught in a deadly snare
They are the captives of your curly hair

And seeing its beauty, and charm, and grace
Dazzled they are by your lovely face

And if you are fond of seeing the shows
See KHUSRO with his troubles and woes

۵۱

من و شب زندگانیِ من این ست
دل و غم شادمانیِ من این ست

میں اور شب، زندگانی ہے یہ میری
دل اور غم، شادمانی ہے یہ میری

ہمہ شب خونِ دل نوشم بیادش
شرابِ ارغوانیِ من این ست

شبِ فرقت میں خونِ دل پیوں میں
شرابِ ارغوانی ہے یہ میری

من و کنجِ غم و شبہائے تاریک
طرب جائے نہانیِ من این ست

دل و کنجِ غم و تاریکیِ شب
طرب جائے نہانی ہے یہ میری

ببندد چشمِ من بر من خیالش
کہ شب ہا یارِ جانیِ من این ست

شرابِ بے خودی دے اور ساقی
کہ شب میں یارِ جانی ہے یہ میری

ز عشقش گاہ میرم گہ زیم باز
طریقِ زندگانیِ من این ست

تری الفت میں ہوں مر مر کے جیتا
کہ طرزِ زندگانی ہے یہ میری

رہا کن تا بمیرم زیرِ پایت
کہ عمرِ جاودانیِ من این ست

ترے قدموں پہ دینا جان اے جاں
حیاتِ جاودانی ہے یہ میری

بس ست این قیمتِ خسروؔ کہ گوئی
غلامِ رایگانیِ من این ست

دکھایا اس نے خسروؔ کو یہ کہہ کر
متاعِ رایگانی ہے یہ میری

KHUSRO
51

Pain and sorrow, woe and strife
Day and night all my life

A tearful eye, a bleeding heart
Gave me she and did depart

The parting pain, and nights dark
On this life I now embark

Wait and hope, and hope and wait
It's my business; it's my fate

I die and live, and live and die
And in between I cry and cry

I'll lay my life at her feet
And then my job will be complete

But, KHUSRO, I will be her slave
Until I end up in my grave

۵۴

مرا در سر ہوائے نازنینے ست	میرے سر میں ہوائے نازنیں ہے
کزو تاراج شد ہر جا کہ دینے ست	بہت خطرے میں یاروں میرا دیں ہے
نخواہد رفت مہرش از دلِ من	محبت اس کی جائے گی نہ دل سے
اگرچہ با منش ہر لحظہ کینے ست	اگرچہ اس کو ہردم مجھ سے کیں ہے
پریشاں حالت است از یادِ زلفش	پریشاں یادِ کاکل سے ہے اب تک
بہ گیتی ہر کجا خلوت نشینے ست	ہوا اگرچہ یہ دل خلوت گزیں ہے
ہجومِ جانِ مشتاقاں برآں لب	ہجومِ عاشقاں شیریں لبوں پر
چو غوغائے مگس بر انگبینے ست	جوں غوغائے مگس بر انگبیں ہے
تنم چوں خاک شد، رنجہ مکن پای	نہ رکھے پا ہے میری خاک پر کیوں
ترا ہم زیرِ پا آخر زمینے ست	ترے بھی زیرِ پا آخر زمیں ہے
بہارِ من توئی، زانم چہ سود است	نہ ہو تُو گر بہاراں میں تو اے جاں
کہ در عالم گلے یا یاسمینے ست	ہے گل غمگیں، فسردہ یاسمیں ہے
دل از پیشت سلامت چوں تواں برد	بچاؤں چشم سے کیسے میں دل کو
کہ در ہر گوشۂ چشمت کمینے ست	کہ ہر گوشہ میں وہ اندر کمیں ہے
مجو آخر تو ہشیاری ز خسرو	امیدِ ہوش خسرو سے نہ رکھو
کہ عشق و عقل را دیرینہ کینے ست	کہ عشق و عقل میں دیرینہ کیں ہے

KHUSRO
52

I am in love with a beautiful lass
Who took my wit and faith alas

She will be never out of my heart
Though she is breaking it part by part

Everyone loves her curly hair
Be it a pauper, or a billionaire

Like bee he wants her juicy lip
From which the syrup and honey drip

I wish one day she'll step on my grave
And a print of her foot on it engrave

From it will grow the flowers in spring
And no one will have to bring anything

And one day from it will narcissus arise
To remind me of her enchanting eyes

So ever since Cupid has KHUSRO hit
He has lost his reason, faith, and wit

۵۳

نگارا روزِ عیش و شادمانی ست
ہوائے سبزہ و صوت و اغانی ست

ہے ساقی آج عیش و شادمانی
شراب و نغمہ و حسن و جوانی

مرا بے تو چہ جائے زندگانی ست
کہ دل بے عشق و جاں بے شادمانی ست

ہے بِن تیرے یہ کیسی زندگانی
کہ دل بے عشق و جاں بے شادمانی

ز بدخوئی جگر خوں کرد چشمت
مگر بدخوئیش از ناتوانی ست

رکھے مجھ کو ہے ہر دم زار و خستہ
تری بدخوئی ہے میری ناتوانی

چرا دل بُرد و منکر گشت زلفت
کہ بر ہر موئے او از خوں نشانی ست

مُکرتی دل ہے لے کر زلف تیری
ہے خوں ہر بال پر گرچہ نشانی

مزن مژگانِ زہر آلودہ بر من
عنایت کن کہ وقتِ مہربانی ست

نہ کر مژگاں سے زہر آلود یہ دل
رحم کر، ہے یہ وقتِ مہربانی

ہمہ کس ہمنشینِ تست جز من
کہ مرگم ہمنشینِ زندگانی ست

عدو کا ہمنشیں تُو اور میری
قضا ہے ہمنشینِ زندگانی

فغانِ من بگوشِ خویش بشنو
کہ بزمت را نوائے خسروانی ست

فغاں خسرو کی سن محفل میں اپنی
کہ ہے یہ اک نوائے خسروانی

KHUSRO
53

My love, it's time to drink and eat
And sing, and dance, and feast, and treat

Except you darling, I have no one
My life is dull, no joy, no fun

Nothing in the world can hypnotize
Like your charming, dreamy eyes

Your every curl is like a bait
To trap and snare and captivate

My love, your lashes are like darts
They hit, they jab, they wound the hearts

But you're a friend of all but me
And I've no friend but agony

Be nice to KHUSRO for he is sweet
And listening to him is a real treat

۵۴

نگویم در تو عیبے، اے پسر ہست
ولیکن بے وفائی ایں قدر ہست

ہے تجھ میں عیب اک، کوئی اگر ہے
کرے تُو بے وفائی سر بسر ہے

نہ در ہجرِ تو ام خواب و قرار است
نہ در عشقِ تو ام از خود خبر ہست

نہ خواب و امن فرقت میں، نہ مجھ کو
رہی الفت میں کچھ اپنی خبر ہے

ازاں ناوک کہ از چشمِ تو بر من
ہنوزم زخمِ پیکاں در جگر ہست

چلایا تیر جو تھا تُو نے، اس کا
ابھی تک زخمِ پیکاں در جگر ہے

دمے غائب نہ ای از پیشِ چشمم
اگر دُوری، خیالت در نظر ہست

نہ رہتا دُور ہے تُو دُور رہ کر
خیال اک تیرا ہر دم در نظر ہے

سبک باشد سرِ خالی ز سودا
من و سودائے جاناں تا کہ سر ہست

کبھی خالی نہیں رہتا ہے آ جاں
رکھے سودا مرا سر، سر بسر ہے

نہ پندارم کہ در گلزارِ فردوس
ز رخسارت گلے پاکیزہ تر ہست

نہیں باغِ ارم میں بھی کوئی گل
ترے رخسار سے پاکیزہ تر ہے

تمنائے دلم کردی و دادم
بفرما گر تمنائے دگر ہست

دیا دل توڑ گرچہ، رکھ نہ دل میں
اگر کوئی تمنائے دگر ہے

شبِ ہجراں دراز است ارچہ خسرو
مشو غمگیں کہ امیدِ سحر ہست

شبِ ہجراں ہے لمبی گرچہ خسرو
نہ ہو غمگیں کہ امیدِ سحر ہے

KHUSRO
54

My darling, almost you're perfect
Fidelity but I cannot expect

When you're gone I cannot sleep
In your absence I weep, and weep

Since I've been hit by your eye's dart
I've been nursing a wounded heart

Though I miss you and cry, and cry
Your image never leaves my eye

When not in love I had no woe
But now to love my life I owe

Your rosy cheek is one of a kind
Something in Heaven you cannot find

My heart you wanted I gave it to you
I'll do whatever you want me to do

Though, KHUSRO, dark is the parting night
At the end of the tunnel there's some light

۵۵

جفا کز وے بریں جانِ زبوں رفت نگویم گرچہ از گفتن فزوں رفت	وہ لیوے ظلم سے جانِ زبوں ہے کہوں کم کر تو اور کرتا فزوں ہے
ہم اول روز کامد پیشِ چشم ز راہِ دیدہ در جانم دروں رفت	وہ آیا سامنے اور ایک پل میں گیا آنکھوں کی رہ سے اندروں ہے
نہ من مردہ نہ زندہ زانکہ ہر بار کہ او آمد بہ دل جانم دروں رفت	نہ میں زندہ نہ مردہ عشق میں ہوں کرے وہ دل میں آ کے جاں بروں ہے
دلم می گفت از و شب سرگذشتے ہمہ شب تا بروز از دیدہ خوں رفت	سنائی شب میں جب اپنی حکایت بہا آنکھوں سے شب تا روز خوں ہے
ہمیں دانم خبر گاہِ سحر گاہ ز بیہوشی نمی دانم کہ چوں رفت	خبر آئے بھی بدحالی کی جب ہے نہ بے ہوشی میں میں جانوں کہ کیوں ہے
نشد از جادوئے ہم زانِ خسرو ہمہ عمرے بہ تعویذ و فسوں رفت	مقابل چشمِ پُر جادو کے خسرو نہیں کچھ تیرا تعویذ و فسوں ہے

KHUSRO
55

Her cruel eyes will take my life
To shed my blood she needs no knife

I saw her once and through my eyes
She went to the heart and got her prize

And as she came, my life fled
In love I'm neither alive nor dead

Telling my tale of love I dread
For blood in tears do people shed

The picture of pain so well I paint
Before I finish they begin to faint

His tale but KHUSRO to her can't tell
Charming a charmer he can't do well

۵۶

بیا اے دیدۂ شہرے بہ سویت	جہاں میں چشمِ خلقت تیری سو ہے
جہانے گم شدہ در جستجویت	رکھے تو سب کو اندر جستجو ہے
بلا و فتنہ کار افزائے چشمت	بلا و فتنہ کار افزائے دیدہ
جفا و کینہ دست افزارِ خویت	جفا و کینہ دست اوزارِ خو ہے
کہ باشد آئینہ آہ و ہزار آہ	بھرے آہیں ہزاروں آئینہ بھی
کہ در آغوش گیرد نقشِ رویت	وہ جب آغوش میں لے نقشِ رُو ہے
کنم از آبِ دیدہ لب نمازی	میں آ کر چومتا ہوں پائے ہر سگ
چوں پائے ہر سگے بوسم بہ کویت	بھرا اگرچہ سگوں سے تیرا کُو ہے
بدہ دل گر توانی بیدلے را	کبھی کر آرزوِ عاشق کی پوری
کہ خواہد داد جاں در آرزویت	کہ دیتا جاں وہ اندر آرزو ہے
چو زنبورِ سیہ گردِ سرِ گل	مگس جیسے ہو گل پر تیرا عاشق
بگردم بر سرت بیخود ز بویت	کرے صد طوفِ زلفِ مشک بو ہے
ز حیرت باز خسرو ماندہ بے ہوش	ہوا حیرت سے پھر بے ہوش خسرو
خموشی بودے اندر گفت و گویت	خموشی ایک اندر گفتگو ہے

KHUSRO
56

Looking for you from place to place
Everyone wants to see your face

Your eyes cause a lot of woe
They wound and kill wherever they go

And even a mirror in which they look
They fill with terror its every nook

For a kiss my plea when you dismiss
The paw of your dog I can only kiss

Someday, my love, do grant my plea
Don't always tell me - I'm so silly

Much like a bee around a rose
I would love to be around you close

Though KHUSRO rehearses around the clock
When he sees you he cannot talk

۵۷

عشقِ تو بلائے جاں بسند ست	عشق گرچہ بلائے جاں ہے بہت
یک خندہ ازاں دہاں بسند ست	جاں فزا پر وہ دلستاں ہے بہت
یک گردشِ چشمِ تو بہ مستی	نازشِ چشمِ مست سے تیری
فتنہ بہ ہمہ جہاں بسند ست	شور و آشوب در جہاں ہے بہت
بے ہودہ بہ صید می زنی تیر	عاشقوں کو، بنا چلائے تیر
آں چاشنیِ کماں بسند ست	صید کرتی تری کماں ہے بہت
تیغ از پئے کُشتنم چہ حاجت	جان لینے کے واسطے میری
یک ناز بکن ہماں بسند ست	ناز ہی ایک، میری جاں، ہے بہت
گر من دلِ گم شدہ نیابم	ڈھونڈتا جب ہوں گمشدہ دل کو
بر ہیچو توئے گماں بسند ست	تجھ پہ ہوتا ہے مجھے گماں ہے بہت
اے چرخ بلا چہ می فرستی	بھیج اے چرخ اور بلا نہ کوئی
ما را غمِ آں جہاں بسند ست	دل کو میرے غمِ جہاں ہے بہت
اندر تبِ غم طپید خسرو	ناتواں کر نہ غم سے خسرو کو
آں نرگسِ ناتواں بسند ست	وہ تو پہلے ہی ناتواں ہے بہت

KHUSRO
57

Though this love is killing me
Her smiling face is a source of glee

With those lovely enchanting eyes
Everyone she can hypnotize

The deadly bow of her lovely brow
Escape a prey it doesn't allow

For her the weapons are of no use
With a wink a prey she can seduce

For my crazy heart whenever I look
I know she has it in her deadly hook

O fate of mine, do let me go
I do not need another woe

Someone other than KHUSRO seek
His love has made him so very weak

۵۸

مے نوش کہ دَورِ شادمانی ست	دَورِ ساغر میں شادمانی ہے
خوش باش کہ روزِ کامرانی ست	ہر شب و روز کامرانی ہے
سر بر مکش از شراب کایام	سرکشی کر نہ ساقی و مے سے
از تیغِ اجل بہ سرفشانی ست	قصدِ ایام سرفشانی ہے
مغرور مشو بہ بانگِ نائے	ہو نہ آسودہ بانگِ نے میں تری
کآوازِ درائے کاروانی ست	نغمۂ زنگِ کاروانی ہے
ہر دم کہ بہ خوشدلی برآید	ساقی و شاہد و مے و نغمہ
سرمایۂ حاصلِ جوانی ست	مایۂ حاصلِ جوانی ہے
ساقی دلِ مردہ زندہ گرداں	قلبِ مردہ میں ڈال جاں، ساقی
زاں مے کہ چو آبِ زندگانی ست	مے تری آبِ زندگانی ہے
بے خوابی و عاشقی ست کارم	کارِ عاشق ہے عشق و بے خوابی
سگ بہرِ وفا و پاسبانی ست	کارِ سگ اُنس و پاسبانی ہے
خسرو بگزاف چند لافی	شیخیاں مارتا ہے مثلِ دہل
بانگِ دہل از تہی میانی ست	اصلِ خسرو تہی میانی ہے

KHUSRO
58

The times are good so let's all drink
From having fun we shouldn't shrink

Let's all in wine put our trust
For in the end we'll all be dust

Listen to the bell and do not fuss
For one day it will toll for us

And let's enjoy our girls and wine
Let's go out and drink and dine

Half dead we are and half alive
Let's with wine our hearts revive

Being in love we cannot sleep
We're like dogs and watch we keep

In boasting, KHUSRO, we know you wallow
But the drum you beat is also hollow

۵۹

باز جانا آتشِ شوقِ تو در جاں جا گرفت
خانۂ صبر از غمت سر تا بسر سودا گرفت

سروِ نازم رقص رقصاں دی درآمد در سماع
حلقہ حلقہ عاشقاں را جان و دل یغما گرفت

آتشِ سینہ اگرچہ ملتے می سوختہ ست
عاقبت شعلہ زد و از راہِ دل بالا گرفت

من بہ نقدِ امروز با وصلِ بتانم در بہشت
زاہدِ بےچارہ در دل وعدۂ فردا گرفت

ہر محبے کو قدم در راہِ عشق از صدق زد
پیشِ محبوب او بہ آخر پایۂ اعلا گرفت

دولتِ خسروؔ ہمیں باشد کہ او در کوئے دوست
با سگانش ہمنشیں شد منصبِ والا گرفت

آتشِ شوق و ہوس جب جاں کے اندر جا کرے
صبر کو یکدم جلا دے سر کو پُر سودا کرے

ہو کے رقصاں آئے گر اندرِ سماع، سروِ رواں
حلقہ حلقہ عاشقوں کے جان و دل یغما کرے

آتشِ سینہ رہے جلتی جو غم سے ایک دن
مشتعل ہو اور شعلہ دل سے اک بالا کرے

ہم کو حاصل آج وصلِ حور و جامِ مے مگر
زاہدِ بےچارہ فکرِ وعدۂ فردا کرے

صدق سے الفت کی رہ میں جو قدم رکھے بڑھے وہ
یار کے قدموں پہ حاصل پایۂ اعلا کرے

دولتِ خسروؔ یہی ہے، وہ سگوں میں بیٹھ کر
کوچۂ جاناں میں اپنا مرتبہ والا کرے

KHUSRO
59

When love in us ignites the fire
We lose our heads, and gain desire

And when in trance she begins to dance
Our hearts and minds don't have a chance

And soon a spark within the breast
Engulfs the heart and all the rest

And we ignoring the preacher's advice
With our idols are in paradise

Anyone who loves with heart and soul
In Heaven and Earth attains his goal

For KHUSRO there's no greater treat
Than being with dogs in her street

۶۰

چوں بہ گیتی ہر چہ می آید رواں خواہد گذشت
خرم آنکس کو نکو نام از جہاں خواہد گذشت

ناوکِ گردوں کہ آید از ہمہ نظارہ کن
کز کیاں بگذشت تا نیز از کیاں خواہد گذشت

آں کہ می گوید کہ خواہم دید پایانِ جہاں
بسکہ بر بالائے ما پیر و جواں خواہد گذشت

ہر کہ ہست آخر نہ در زیرِ زمینش رفتن است
خود گرفتم در بلندی ز آسماں خواہد گذشت

مہرجانے و بہارے کایدت خوش باش ازانک
چند چند از تو بہار و مہرجاں خواہد گذشت

خسروا بستاں متاعے در دکانِ روزگار
کایں بہارِ عمر ناگہ رایگاں خواہد گذشت

چار دن رہ کر یہاں ہر اک رواں ہو جائے ہے
نیک ہے، وہ نیک جس سے کچھ جہاں ہو جائے ہے

دیکھ کیسے گردشِ گردونِ گرداں سے گنواں
شوکتِ شاہان و شانِ خسرواں ہو جائے ہے

جاں کر اچھی طرح ناپائیداریِ جہاں
مبتلا خواہش میں ہر پیر و جواں ہو جائے ہے

جائے بالاخر ہے وہ بھی ایک دن زیرِ زمیں
سرفرازی میں جو رشکِ آسماں ہو جائے ہے

رکھ نہ امیدِ بہاراں کر نہ کچھ خوفِ خزاں
ختم اک دن سب بہاران و خزاں ہو جائے ہے

ہے دکانِ روزگاراں میں نہ خسرو کچھ رکھا
چاہیے جتنا ہو متاع، سب رایگاں ہو جائے ہے

KHUSRO
60

The life is short, don't you know?
So do some good before you go

See, how the pomp of a mighty king
Goes unto dust with everything

Knowing how fickle is the world of ours
We are so lured by its ugly powers

But even those so mighty and august
Lie in the dust as all things must

And be it winter or be it spring
It too will pass like anything

Beware! O KHUSRO of the worldly things
They come attached with terrible strings

٦١

با غمش خو کردم امشب، گرچہ در زاری گذشت یاد می کردم ازاں شبہا کہ در یاری گذشت	آج شب کچھ اور زیادہ نالہ وزاری رہی رات بھر دل کو ستاتی یادِ دلداری رہی
خواب ہم ناید ہمے، تا دیدمے وقتے، مگر زاں شبِ فرخ کہ با یارم بہ بیداری گذشت	یاد ہے بے خواب رکھتی ہے وہ آنکھیں رات بھر اک شبِ فرخ کہ جب با یار بیداری رہی
بر درش سودم ہمہ شب دیدہ و چشمِ مرا عزتے بود، ارچہ بر خاکِ درش خواری گذشت	آستاں پر اس نے اپنے جب تلک رہنے دیا خاکِ در پر باعثِ عزت ہمیں، خواری رہی
مردماں گویند چونی در خیالِ زلفِ او چوں بود مرغے کہ عمرش در گرفتاری گذشت	پوچھتے رُوداد ہو کیا اس کی تم اے دوستو عمر بھر جس دل کو گیسو کی گرفتاری رہی
ناخوش آں وقتے کہ بر زندہ دلاں بے عشق رفت ضائع آں روزے کہ بر مستاں بہ ہشیاری گذشت	ایک ہم ہیں، باوجودِ ہوش جو بے خود رہے ایک وہ ہیں، جن کو مستی میں بھی ہشیاری رہی
ماجرائے دوش می پرسی کہ چوں بگذشت حال اے سرت گردم چہ می پرسی، بہ دشواری گذشت	دیکھنا، با غیر تجھ کو بزم میں آساں نہیں تیرے قرباں، پوچھ مت، ہم کو جو دشواری رہی
گرچہ در ہجرِ توام جز خوردنِ غم کار نیست ہم فسوسِ من ز عمرے کاں بہ بیکاری گذشت	تیری فرقت نے کیا ہم کو نکما اس قدر غم اٹھانے کے سوا، بالکل ہی بیکاری رہی
دل گراں شد ارچہ از بارِ غمت خسرو ازانک شخصِ چو مویش ز عالم با سبکساری گذشت	باربردارِ غم ہیں جاں تری خسرو گئی ہیں وہ خرم، جن کو دنیا میں سبکساری رہی

KHUSRO
61

Last night I cried, and cried, and cried
I missed her so much I almost died

The memory kept me awake all night
Of nights with her in the full moonlight

I also remembered the beautiful treat
When I could sleep in her busy street

And then I thought of her lovely snare
When caught I was in her curly hair

There was a time when I was cool
I was a fool but a wise fool

Now with rival when she spends the night
I cannot sleep I'm so uptight

Without her now though I am willing
I feel so weak I can't do a thing

My life, KHUSRO, is full of sorrow
At night I feel there is no morrow

٦٢

چوں گذر بر خاک داری بر سر ایں باد چیست
چوں ز گل بنیاد داری دل بریں بنیاد چیست

کار چوں تقدیر دارد، زاختراں رنجش چراست
چوں کند سلطاں سیاست، نالہ از جلاد چیست

یاسمیں ہا چوں ہمہ رخسار و زلف نیکواں ست
نام ایں نسریں چرا شد نام آں شمشاد چیست

دولت و محنت چوں ہر دو یکے تا بندہ نیست
زیں دلت غمگیں چرا شد، زاں دروں تن شاد چیست

آفتِ مردم طمع شد از خود و مردم مرنج
مرغ را دانہ بلا شد، طعنہ بر صیاد چیست

چند تن پروردن، اے از عالمِ دل بے خبر
چوں دلت ویرانہ است، ایں آبِ گل آباد چیست

یار کے داند کہ خسرو می خورد غم چوں شکر
بر دلِ شیریں چہ روشن کاندۂ فرہاد چیست

ہو جو آبادِ ہوا اس کو کہیں آباد کیوں
جو رکھی دلدل پہ ہو اس کو کہیں بنیاد کیوں

جو ملے تقدیر سے، تقصیرِ اختر اس میں کیا
جب کرے سلطاں سیاست، شکوۂ جلاد کیوں

دل بنا باغ و بہاراں ہو رخ و گیسوے جب
کیوں کہیں نسریں اسے، اس کو کہیں شمشاد کیوں

دولت و کلفت ہیں الفت میں بہم جب دمبدم
کیوں ہو دل غمگیں اس سے، اور اس سے شاد کیوں

آفتِ مردم زیادہ سب سے ہے حرص و ہوس
جب ہے دانہ خود بلا، طعنہ ہو بر صیاد کیوں

بے خبر تو عالمِ دل سے کرے تن پروری
دل ہے گر ویراں ترا، ہو گل تری آباد کیوں

کر بیانِ کلفتِ الفت نہ خسرو یار سے
ہو دلِ شیریں پہ روشن اندۂ فرہاد کیوں

KHUSRO
62

The life is fickle, don't be so proud
If proud you must be don't be so loud

If fate is bad blame not the star
Accuse the driver and not the car

Of telling truth don't be afraid
If it's a spade call it a spade

Love has both joy and pain
You neither rave nor complain

Nothing is worse than greed and lust
Yourself you blame, and blame you must

With a captive soul you can't be free
With pain in heart you can't have glee

KHUSRO, your sorrow do not disclose
Burden her not with all your woes

۶۳

یار اگر برگشت، در تیمار بودن ہم خوش است
ور شکیبائی بود، بے یار بودن ہم خوش است

عزتے گر نیست ما را نزدِ خوباں عیب نیست
عاشقاں را پیشِ خوباں خوار بودن ہم خوش است

جنگہائے او خوش است، ار آشتی را جا بود
وز عتاب و خشم در آزار بودن ہم خوش است

گرچہ خفتن خوش بود با یار در شبہائے وصل
لیک در شبہائے غم بیدار بودن ہم خوش است

چوں مسلماں بود نمی توانم از دستِ بتاں
پیشِ بت بربستۂ زنار بودن ہم خوش است

با خبر بودن خوش است اندر مقامِ زاہداں
بے خبر در خانۂ خمار بودن ہم خوش است

خسروا، گر در نمی گنجی بہ خلوت گاہِ دوست
ہمنشیں با عاشقانِ زار بودن ہم خوش است

گر نہ آئے یار تو بے یار رہنا ٹھیک ہے
ہو نہ چارہ گر تو بے تیمار رہنا ٹھیک ہے

گر کرے عزت نہ کوئی عیب اس میں کچھ نہیں
عاشقوں کو پیشِ خوباں خوار رہنا ٹھیک ہے

خوب ہو گر ہو نہ جنگ و کینہ و خشم و ستم
عشق میں لیکن لگا آزار رہنا ٹھیک ہے

یار کے آغوش میں سونے سے بہتر ہے نہ کچھ
ہو جو فرقت رات بھر بیدار رہنا ٹھیک ہے

پیشِ مرشد چاہیے پرہیزِ زنار و بتاں
پیشِ بت بربستۂ زنار رہنا ٹھیک ہے

با خبر رہنا ہے بہتر در مقامِ زاہداں
بے خبر در خانۂ خمار رہنا ٹھیک ہے

گر میسر ہے نہ خسرو تجھ کو خلوت گاہِ دوست
ہمنشیں با عاشقانِ زار رہنا ٹھیک ہے

KHUSRO
63

If she comes not do not pout
Don't have a doctor, do without

If your love respects you not
On you her lover it's no blot

And if she always fights with you
For a lover it is nothing new

And if you cannot sleep with her
To her wishes you should defer

Love your idols but do not tell
For the sheik will call you an infidel

Among the preachers be like a monk
And when in the bar be always drunk

With her, O KHUSRO, if you cannot be
Don't lose your head and sanity

۶۴

یار دل برداشت و ز رنجِ دلِ ما غم نداشت
زہرہ ام گرد آب و تیمارِ منِ درہم نداشت

گریہ ہا کردم کہ خوں شد سنگِ خارا را جگر
سنگدل یارم کہ چشمش قطرۂ زاں نم نداشت

دی بروں رفتم، فغانہا کردم و بگریستم
بود او در خوابِ مستی و غمِ عالم نداشت

صبر خود یکبارگی زانگونہ از ما بر گذشت
ہیچگہ گوئی کہ با ما آشنائی ہم نداشت

دیر زی اے عشق کز اقبالِ تو پایندہ بود
ایں متاعِ اندہ و غم، ہیچ چیزے کم نداشت

ایں دلِ خسرو کہ از عشقِ جواناں پختہ شد
ہمچناں خوں ماند کز شیریں لبے مرہم نداشت

یار دے کر غم مجھے، کرتا ذرا بھی غم نہیں
کر کے درہم سب جہاں ہوتا ذرا برہم نہیں

سنگِ خارا کا جگر کرتا ہے خوں گریہ مرا
چشم اس سنگین دل کی کچھ بھی ہووے نم نہیں

کوئے جاناں میں فغاں کی ہے نہ کوئی فائدہ
ہے وہ خوابِ مست میں، اس کو غمِ عالم نہیں

ایک دن دیکھا مجھے کچھ اس نے ایسے، صبرِ دل
یوں گیا جیسے تھے اس سے آشنا تک ہم نہیں

عشق زندہ تو رہے، تیرا متاعِ رنج و غم
ہے کسی بھی چیز سے قیمت میں ہرگز کم نہیں

گو ہوا عشقِ جواناں سے ہے پختہ دل مرا
ہووے جب زخمی یہ خسرو، کچھ کرے مرہم نہیں

KHUSRO
64

You took my heart, and gave me pain
My love is driving me insane

Affected you aren't by my moan and groan
Though melt they can even a stone

My cry of pain is heard everywhere
But you ignore it, and do not care

In your absence, I cry, and cry
We are strangers my patience and I

My love, I love my sorrow and pain
I promise that I will never complain

My ailment, KHUSRO, is beyond cure
What I cannot cure I must endure

٦٥

رفت یار و آرزوئے او ز جانِ من نرفت
نقشِ او از پیشِ چشمِ خونفشانِ من نرفت

کس بہ ہجرانش چو جانِ مستمندِ من نسوخت
کس بہ دنبالش بجز اشکِ روانِ من نرفت

اندراں ساعت کہ از پیشِ منِ شوریدہ بخت
رفت آں بدخو چرا آں لحظہ جانِ من نرفت

دل ز من دزدید و سرتا پائے او جستم نبود
زیرِ زلفش بود و در آنجا گمانِ من نرفت

آں زماں کاں قامتِ چو تیر بر من میگذشت
وہ چرا پیکانے اندر استخوانِ من نرفت

بسکہ مرغِ نامہ بر از آہِ خسرو پر بسوخت
نامۂ دردم بداں نامہربانِ من نرفت

جب ہے جاتا چھوڑ کر دل دلستاں جاتا نہیں
نقش اس کا چھوڑ چشمِ خوں فشاں جاتا نہیں

لے کے جائے دشت میں جب گھر سے ہے فرقت تری
ساتھ میرے کچھ سوا اشکِ رواں جاتا نہیں

جان بدبختوں کی لے جاتی ہے بدخوئی تری
اپنی بدخوئی سے پر تو بدگماں جاتا نہیں

دیکھ میری سادگی جب ڈھونڈتا دل کو ہوں میں
پیچ و بندِ زلف میں میرا گماں جاتا نہیں

اے کماں ابرو مری نکلی ہیں جبکہ ہڈیاں
کیوں ترا پیکاں یہ اندر استخواں جاتا نہیں

آہِ خسرو سے جلے ہیں مرغِ نامہ بر کے پر
خط مرا لے اب وہاں اے نامہرباں جاتا نہیں

KHUSRO
65

She went but didn't leave my heart
Her image didn't from my eye depart

When I to the wild go in despair
My tears with me go everywhere

She kills, and kills with her cruel eyes
But she would never apologize

Having lost my heart I look everywhere
But where it is I can't go there

So weak and frail, my love, I've grown
I feel your love in every bone

My fire, O KHUSRO, has burnt his wing
The bird her message cannot bring

۶۶

آں سوارِ کج کلہ کز ناز سلطانِ من است
بس خرابی ہا کز و در جانِ ویرانِ من است

وہ سوارِ کج کلہ، وہ شاہِ خوباں ہے مرا
دل جو رنجش سے کرے برباد و ویراں ہے مرا

ہر کہ درجا حُور دارد خانہ پندارد بہشت
من کز و دُورم ضرورت خانہ زندانِ من است

وصل اس کا ہو تو گھر میرے لیے جنت ہے یہ
ہو اگر وہ دُور گھر بن جائے زنداں ہے مرا

تا جدا ماندم ز تُو جز غم ندارم مونسے
یارِ شبہائے فراقت چشمِ گریانِ من است

ہے جدائی میں کوئی جز غم نہیں مونس مرا
یارِ ہجراں ہے بس اک دیدۂ جو گریاں ہے مرا

بسکہ صحرا گیرم از غم تا درون خالی کنم
ہر گیاہے مونسِ غمہائے پنہانِ من است

میں گیا صحرا میں ہوں تا غم سے دل خالی کروں
خار ہر واں، مونسِ غمہائے پنہاں ہے مرا

خونِ من بر گردنم کامروز دیدم رفتنے او
چنگِ من فردائے محشر ہم بدامانِ من است

خون ہے میری ہی گردن پر فرا اور حشر میں
ہاتھ میرا کس طرح پکڑے یہ، داماں ہے مرا

شاہِ عشقم۔ خاک گوید مسندِ جمشیدیم
دولت و اقبالِ من حالِ پریشانِ من است

بادشاہِ عشق ہوں، ہے تختِ جم مسند مری
دولتِ الفت مری حالِ پریشاں ہے مرا

خسروِ نظمم، وے از سر نوشتِ آسماں
نامۂ دردم کہ نامِ دوست عنوانِ من است

نظم کا خسرو ہوں میں، ہر اک غزل میں ہے مری
ایک مضموں جس میں نامِ یار عنواں ہے مرا

KHUSRO
66

The stylish lady is my queen
Her love has made me weak and lean

With her my home is paradise
Her parting but is the devil's device

In her absence I cry, and cry
I moan and groan, and gasp, and sigh

To the wild I go in great despair
To me what happens I do not care

The rot I'm in I cannot halt
If I'm wretched it's my fault

And yet in spite of everything
Because I love I'm a king

And, KHUSRO, for better or for worse
I do converse and write verse

٦٧

سروِ بستانِ ملاحت قامتِ رعنائے تست
نورِ چشمِ عاشقانِ خستہ خاکِ پائے تست
من نہ تنہا گشتہ ام شیدائے درد جانِ من
ہر کرا جان و دل و دینے بود شیدائے تست
نیرِ اعظم کہ لاف از قربِ عیسیٰ می زند
ذرۂ از پرتوِ رخسارِ مہ سیمائے تست

در درونِ مسجد و دیر و خرابات و کنشت
ہر کجا رفتم ہمہ شورِ تو و غوغائے تست
جانم از غیرت ز دستِ جاہلاں سوزید از آنک
سرو را گویند مانندِ قدِ رعنائے تست
تا بہ مُلکِ دلبری سلطاں شدی اے شاہِ حسن
ہر کجا سلطانی و شاہی بود لالائے تست
وعدۂ دیدارِ خود کردی بہ فردا زاں سبب
جانِ خسرو منتظر بر وعدۂ فردائے تست

سروِ بستانِ ملاحت ہے قدِ رعنا ترا
نورِ چشمِ عاشقاں ہے کحلِ خاکِ پا ترا
میں ہی تنہا ہوں نہ سودائی ترا اے جانِ من
جو رکھے جان و دل و دیں ہے وہ ہے شیدا ترا
نیرِ اعظم کو نازِ قربِ عیسیٰ ہے ولے
نور اُس کا پرتوِ رخسارِ مہ سیما ترا

در درونِ مسجد و دیر و خرابات و کنشت
جا بجا ہے شہرہ و شور و غل و غوغا ترا
جاں جلاتی جاہلوں کی بات ہے میری وہ جب
سرو کو کہتے ہیں مانندِ قدِ رعنا ترا
تیری سلطانی ملکِ حسن و ناز و دلبری
شاہ و سلطاں کو کرے ہے والہ و شیدا ترا
مانگتا جو بھی ہے خسرو ٹالتا کل پر ہے تو
بن گیا آزارِ جاں ہے وعدۂ فردا ترا

KHUSRO

67

Like cypress she is slim and trim
Without her light my vision is dim

Wherever she goes she makes a stir
Everyone is madly in love with her

The stars and moon she makes them bright
She is the source of all their light

Whether in temple, mosque, or church
I see wherever my love I search

And though as cypress she's tall and slim
If I call her that she looks very grim

To everyone joy and glee she brings
Her slaves she makes even the kings

To her when KHUSRO tells his sorrow
She always says - tell me tomorrow

٦٨

خرم آں چشمے کہ ہر روزش نظر بر روئے تست
شادیِ آں دل کہ ہر دم در دماغش بوئے تست

من ز تنہائی بہ خوں غرق و تو پہلوئے کساں
خونِ من در گردنِ آنکس کہ در پہلوئے تست

بر رُخت دنبالۂ زلفِ تو پایانِ شب است
و آفتابِ صبحدم اندر سفیدی روئے تست

بر شکر خوانند افسوں بہرِ دلجوئی و لیک
شکرے کو خود فسوں خواند لبِ دلجوئے تست

موئے ابرو را گرہ نتواں زدن لیکن ز کبر
صد گرہ پیش است بر ہر مو کہ در ابروئے تست

ہندواں را زندہ سوزند ایں چنیں مردہ مسوز
بندہ خسرو را کہ ترک است آخر ہندوئے تست

چشم وہ خرم جو دیکھے روز و شب رُو آپ کا
شاد وہ دل قید رکھے جس کو گیسو آپ کا

غرقِ خوں ہوں آپ کی فرقت میں اور خون ہے مرا
اس کی گردن پر ملا جس کو ہے پہلو آپ کا

زلفِ شب رنگ آپ کی رشکِ شبِ تاریک ہے
ماند مہ کرتا ہے رخشانی سے مہ رُو آپ کا

ہیں فسوں پڑھتے شکر پر بہرِ دلجوئی تو وہ
مانگتی ہے خود لبِ شیریں دلجُو آپ کا

موئے ابرو میں گرہ لگتی نہیں پر کبر سے
ہے گرہ اندر گرہ ہر موئے ابرو آپ کا

تُرک ہے خسرو جلانا لاش کو جائز نہیں
گو یہ ہے اک بندۂ ناچیز ہندو آپ کا

KHUSRO
68

Blessed is he who lives with her, and sees her everyday
And smells her lovely locks and curls, and with them does he play

Without her I'm so miserable, and she has all the fun
She wines and dines with one and all, and dances with everyone

Black her locks and tresses are; her curls are dark as night
Her lips are like the ruby wine; like moon her face is bright

With sugary lips and rosy cheeks and black enchanting eyes
Directly she can cast a spell, and easily hypnotize

Her brow is like a deadly bow; her gaze is like a dart
So she can gash the strongest chest, and easily wound a heart

Being fried or roasted or burnt alive KHUSRO does not dread
But since he is a Muslim Turk pray do not burn him dead

٦٩

تا خیالِ نقطۂ خالت سوادِ چشمِ ماست
خاکِ پایت مردمِ چشمِ مرا چو توتیاست

حاجتِ کحل الجواہر نیست آنکس را کہ نیست
سرمہ از گردِ رہِ توسن کہ نورِ چشمِ ماست

تا گلِ رخسارِ تو بشگفت در باغِ وجود
عشقبازاں را چو بلبل کار با برگ و نواست

تا بہ طاقِ ابرویت آوردہ ام روئے نیاز
می نہ پندارم نمازم اندریں قبلہ رواست

جعدِ مرغولت کہ در ہر بندِ او صد حلقہ است
دامِ دلہائے اسیرانِ گرفتارِ بلاست

جامِ مے از دستِ ہشیارانِ مجلس تیرہ گشت
مفردے از خود گذشتہ دُردی آشامے کجاست

بے رخ و زلفِ سیاہش از ہواداریِ خویش
خسروِ دلخستہ را ہمدم بروز و شب صباست

خالِ مشکینِ رخِ جاناں سوادِ چشمِ ما
خاکِ پائے نازنیں در دیدۂ ما توتیا

حاجتِ کحل الجواہر دوسروں کو ہو تو ہو
سرمۂ گردِ رہِ توسن ہے نورِ چشمِ ما

باغِ ہستی میں کھلا جب سے گلِ رخ ہے ترا
عشق بازوں کو ہوا ہے کار با برگ و نوا

سر بہ سجدہ جب ہوئے ہیں طاقِ ابرو دیکھ کر
قبلہ رُو سجدے میں ہونا اب نہیں ہم کو روا!

گیسوئے مرغولِ پیچا پیچِ صد حلقہ ہوا
دامِ دلہائے اسیرانِ گرفتارِ بلا

ساقیا، محفل میں ہے میکش ہر اک ہشیار اب
بے خود و بے ہوش دُرد آشام تیرا کیا ہوا

زلفِ مشکیں نے کیا ایسا ہے بربادِ ہوا
خسروِ خستہ کی اب ہمدم ہے بس بادِ صبا

KHUSRO
69

Her mole is the apple of my eager eye
On the dirt of her feet my face rub I

The dust I take and put in my eye
From the road on which she rides by

The flowers in the park the lovers don't seek
Since they've seen her rosy cheek

To the mosque they do not go to pray
The arch of her brow now worship they

Having seen the twists and turns of her hair
They've now been trapped in its lovely snare

What kind of drinks, O barman, you make?
Everyone in the pub is wide awake

And without the barmaid's lovely face
KHUSRO in the bar feels out of place

۷۰

ساقیا! مے دہ کہ امروزم سرِ دیوانگی ست
جام پُر گرداں کہ مرگم در تہی پیمانگی ست

من برغبت جاں دہم تا رحمت آری بر تنم
ایں عنایت درمیانِ دوستاں بیگانگی ست

شمع شیرینی چشیدہ ست ار بسوزد باک نیست
لذت از آتش گرفتن مذہبِ پروانگی ست

زاہدا! تعویذِ خود ضائع مکن بر من ازانک
عشقِ من ضائع نخواہد شد کہ دیوِ خانگی ست

قصہ ہائے درد خوانم ہر شبے با بختِ خویش
ویں ہمہ بیداریِ من زیں درازافسانگی ست

بسکہ در زنجیرِ خوبانم مسلسل شد سخن
ہر غزل از دفترِ من مایۂ دیوانگی ست

طعنہ ہائے دشمناں مشتاق را تاجِ سر است
نامِ رسوائی بہ کوئے عاشقاں فرزانگی ست

خسروا! سلطانِ عشق ار می کشد یاری مخواہ
زانکہ معزول است عقل و صبر بے پروانگی ست

ساقیا! دے مے کہ کم ہو غلبۂ دیوانگی
موت سے کچھ کم نہیں میری تہی پیمانگی

جان دیتا ہوں میں رغبت میں، نہ کر مجھ پر رحم
ہے عنایت درمیانِ دوستاں، بیگانگی

عشرتِ شمع ہے جلانا، ہنس کے پروانوں کے پَر
لذتِ پَر سوختن ہے مذہبِ پروانگی

باندھ مت تعویذ زاہد! مجھ پہ یہ ضائع نہ کر
عشق جائے گا نہ دل سے، ہے یہ دیوِ خانگی

قصہ ہائے عشق کہتا ہوں میں اپنے بخت سے
تا اسے سونے نہ دے میری درازافسانگی

چاہتی زنجیرِ گیسو ہے مسلسل ہر غزل
ہے مرا دیوان سارا مایۂ دیوانگی

طعنۂ دشمن ہے شیدا کے لئے تاجِ سری
نامِ سودا ہے بہ کوئے عاشقاں فرزانگی

وہ جلاتا ہے اگر خسرو تجھے، شکوہ نہ کر
سب کرے معزول عقل و صبر ہے، پروانگی

KHUSRO
70

Come, fill the cup; I need some glee
This empty cup is killing me

Though I'm dying pity me not
The pity in love is not so hot

Burning the moth makes a candle bright
Being burnt alive is the moth's delight

An amulet, preacher, I do not need
My monstrous love it'll only feed

My tale of love to my luck I tell
In the hope she wouldn't say farewell

My odes have all a crazy flair
I need the chain of her braided hair

A brazen lover does love the pain
You can't go crazy without a brain

So if she burns you don't complain
And ask her KHUSRO to do it again

۷۱

خانہ ام ویراں شد از سودائے خوباں عاقبت
گشت دل مدہوش و دل شیدائے خوباں عاقبت

ہست سر بر دوشِ من بار وبائے می کشم
تا نگر اندازمش در پائے خوباں عاقبت

رائے آں دارم کہ خونم را بریزند اہلِ حسن
شد موافق رائے من با رائے خوباں عاقبت

گرچہ بے مہرند مہرویاں بہ عشاق از رقیب
جانِ عاشق می شود ماوائے خوباں عاقبت

صبر و ہوشم از سوادِ زلفِ جاناں گشت گم
شد ہمیں سودِ من از سودائے خوباں عاقبت

بارہا گفتم کہ ندہم دل بہ خوباں لیک دل
گشت از جاں بندہ و مولائے خوباں عاقبت

بر دلِ مجروحِ خسرو دلبراں را نیست رحم
جاں بہ زاری داد از سودائے خوباں عاقبت

گھر کرے برباد ہے سودائے خوباں دوستوں
ہے مرا مدہوش دل شیدائے خوباں دوستوں

سر کبھی بر دوش ہے یہ اور کبھی بر آسماں
ہے مقام اس کا مگر در پائے خوباں دوستوں

رائے ہے میری کہ اہلِ حسن خونریزی کریں
متفق ہے رائے سے اِس رائے خوباں، دوستوں

گرچہ ہیں عشاق پر بے مہر، مہرویاں بہت
جانِ عاشق ہو بنے ماوائے خوباں دوستوں

ہے اگرچہ زلفِ جاناں صبر کی دشمن تو ہو
سود ہے میرے لئے سودائے خوباں دوستوں

چاہتا میں تھا نہ کرنا چاہ خوباں سے ولے
دل بنا ہے بندۂ شیدائے خوباں دوستوں

دل کیا مجروح خسرو کا کچھ ایسا عشق نے
جان اس کی لے گیا سودائے خوباں دوستوں

KHUSRO
71

The love of beauties is killing me
My heart's in constant agony

My head that I used to hold so high
On their beautiful feet it does now lie

If a beauty wants to take my life
I'll gladly provide her with a knife

And though these women aren't very kind
In my heart a home they'll always find

They put me often in a terrible bind
But I love them, and I do not mind

My love for them I cannot resist
No matter what it'll always persist

Though the beauties, KHUSRO, don't care a bit
Your love is deadly; you'll die of it

۷۲

در شبِ ہجر کہ از روزِ قیامت بتر است
مردمِ دیدۂ من غرقہ بہ خونِ جگر است

ساکن از آب شود آتش و یا از دیدہ
غرقِ آبیم و ہنوز آتشِ ما تیز تر است

بہ طراوت رخِ تو رشکِ گلِ سیراب است
بہ تبسم دہنت غیرتِ تنگِ شکر است

اے صبا گر گذری بر سرِ آں کو برساں
خبرِ ما برِ آنکس کہ ز ما بے خبر است

قاصدِ کعبہ ز مقصود ندارد خبرے
گرچہ در بادیہ بیچارہ بہ جاں در خطر است

مردماں منکرِ عشق اند منم کشتۂ او
شیوۂ ما دگر و شیوۂ مردم دگر است

گر بنوشد قدحے خسروِ مسکیں گہ گاہ
عیبِ او پوش کہ ایں شیوۂ اہلِ نظر است

یہ شبِ ہجراں کہ ہے روزِ قیامت سے بتر
مردمِ دیدہ کرے ہے غرقۂ خونِ جگر

آب و آتش کو ملاتی آنکھ ہے کیسے مری
غرق پانی میں ہے پر آتش ہے اس کی تیز تر

خرمی سے رخ ترا رشکِ گلِ تازہ و تر
لب ترے اندر تبسم غیرتِ شہد و شکر

اے صبا جائے اگر تو کوئے جاناں میں کبھی
دے خبر میری اسے جو ہے نہایت بے خبر

قاصدِ کعبہ نہیں مقصد سے اپنے باخبر
جان اس کی ہے اگرچہ دشت میں اندر خطر

منکرِ الفت ہیں مردم، عشق کا مقتول ہیں
طور میرا ہے دگر، ہے شیوۂ مردم دگر

گاہے گاہے میکشی کرتا ہے گر خسرو ترا
عیب پوشی کر کہ ہے یہ شیوۂ اہلِ نظر

KHUSRO
72

Without her the night is full of gloom
And the day is worse than the Day of Doom

The fire of love, without a doubt
With all your tears you can't put out

Her rosy cheek the flowers envy
Her smile is sweet as sweet can be

O breeze, when you go to her street
Tell her I love her but do be discreet

The lover though he doesn't know
His journey of love is full of woe

Though the preacher doesn't like it a bit
I love her too much; I'll never quit

He does not also like the wine
But KHUSRO thinks it is benign

۷۳

فتنۂ اہلِ نظر چوں بہ جہاں طلعتِ اوست
نظرِ عاشقِ شیدا ہمہ بر صورتِ اوست

عشقِ آں روی بلائے و منش می طلبم
ہر کرا معرفتے ہست بلا نعمتِ اوست

باغباں سروِ سہی را مکن از باغ رواں
کایں نظر ہائے خلائق ہمہ بر قامتِ اوست

ہوسِ زاہدِ بیچارہ بہشت است و نعیم
طلبِ عاشقِ شیدا ہمگی رحمتِ اوست

بر درِ پیرِ مغاں رفتم و جستم نظرے
ایں ہمہ بخشش ازاں یک نظرِ ہمتِ اوست

خسروا رخاکِ کفِ پائے بتاں گشت چہ باک
ہر کہ در کوئے بتاں خاک شود ہمتِ اوست

فتنۂ اہلِ نظر ہے بہ جہاں طلعتِ او
نظرِ عاشقِ شیدا بھی ہے بر صورتِ او

ہے طلب ایک بلا اور طلبگار ہوں میں
معرفت یار سے جس کو، ہے بلا نعمتِ او

باغباں، کر نہ رواں سروِ سہی گلشن سے
ہیں نظر ہائے خلائق ہمہ بر قامتِ او

ہوسِ زاہدِ بیچارہ بہشت و نعمت
طلبِ عاشقِ شیدا کرم و رحمتِ او

بر درِ پیرِ مغاں لطف و مہربانی سے
بخشش عام ہے کرتی نظرِ ہمتِ او

کیا ہوا خاک ہے گر پائے بتاں کی خسرو
خاک شیدا کو کرے عشق میں ہے ہمتِ او

KHUSRO
73

Though it is charming and full of grace
The source of trouble is also her face

Although she drives me up the tree
A blessing she also happens to be

Poised and elegant also is she
She's tall and slim as a cypress tree

A lover wants to please the Lord
But the preacher needs to get his reward

When I'm confused to the bar I go
To consult the barman, a real pro

When KHUSRO wants to feel upbeat
He goes and kisses the barmaid's feet

۷۴

بندِ جانم زخمِ سلسلۂ موئے کسے ست
زخمِ جانم زکمانخانۂ ابروئے کسے ست

شب ز غم چوں گذرانم من تنہا ماندہ
اے خوش آنکس کہ شبش تکیہ بہ پہلوئے کسے ست

از کجا آمدی، اے باد کہ دیوانہ شدم
بوئے گل نیست کہ می آید ایں بوئے کسے ست

پندِ خود بیہدہ ضائع مکن، اے صاحبِ پند
کز توام نیست خبر زانکہ دلم سوئے کسے ست

بو کہ از گم شدۂ خویش نشانے یابم
روز و شب گشتیم ہر جا کہ سر کوئے کسے ست

گر تو منکر شوی، اے شوخ بداند ہمہ کس
کایں بلائے دلم از نرگس جادوئے کسے ست

ہمہ بہر دگران ست زکوٰۃ حسنت
آخر ایں خسروِ بے چارہ دعا گوئے کسے ست

بندِ جاں، کارِ خمِ سلسلۂ موئے فلاں
زخمِ دل فیضِ کمانخانۂ ابروئے فلاں

ایک میں ہوں کہ مرا کلبۂ غم بے تکیہ
ایک وہ ہے جو کرے تکیہ بہ پہلوئے فلاں

چل کے آئی تو کہاں سے ہے کہ اے بادِ صبا
تیری نکہت میں بہت آج ہے کچھ بوئے فلاں

مجھ پہ ضائع نہ کر، اے ناصح نصیحت اپنی
میں ہوں مغلوبِ ہوسِ دل، ہے مرا سوئے فلاں

گم شدہ ہوں میں کچھ ایسا کہ جہاں جاتا ہوں
کوچہ ہر اک، مجھے لگتا ہے کہ ہے کوئے فلاں

وہ نہیں مانتا گو جانتے ہیں لوگ کہ ہے
صد بلا دل کے لئے دیدۂ جادوئے فلاں

کہو وے خسرو سے ہے جب حسن کی دولت ہے زکوٰۃ
ہے تو مسکین مگر تو ہے دعا گوئے فلاں

KHUSRO
74

My soul is the captive of her curly hair
My heart is caught in its deadly snare

She gives me nothing but sorrow and pain
But favors my rival again and again

You must have gone to her house, O air
I smell her scent in you everywhere

O preacher, do not waste your advice
To have her I will pay any price

Such a hold she has on me, I swear
Wherever I go, I see her there

Her spell on me I cannot disguise
I'm a slave of her enchanting eyes

Affection for KHUSRO she never displays
Although for her he always prays

۷۵

کشتۂ تیغِ جفایت دلِ درویشِ من است
خستۂ تیرِ بلایت جگرِ ریشِ من است

نیک خواہے کہ کند منع زِ عشقِ تو مرا
منکر آں داں بہ حقیقت کہ بداندیشِ من است

ہر گروہے بگزیدند بہ عالم دینے
عاشقی دینِ من و بیخبری کیشِ من است

صبر دارم کم و شوقِ رخِ او از حد بیش
غیر ازیں نیست دگر، ہر چہ کم و بیشِ من است

گفتم از نوشِ لبت کام کہ یابد، گفتا
آنکہ مجروحِ تر از غمزۂ چو نیشِ من است

گر دل از من ببرید و بتو پیوست چہ باک
آشنا با تو و بیگانہ ز من، خویشِ من است

جاں ازیں بادیہ خسرو نتواں برد بہ جہد
آہ ازیں وادیِ خونخوار کہ در پیشِ من است

کشتۂ تیغِ جفا ہے دلِ درویش مرا
خستۂ تیرِ بلا بھی ہے جگر ریش مرا

جو ترس کھا کے منع عشق سے کرتا ہے مجھے
در حقیقت ہے وہ غمخوار، بد اندیش مرا

ہوں برا تو مگر اے شیخ میں بے دین نہیں
عاشقی دیں ہے مرا بے خبری کیش مرا

کم ہے گر صبر تو ہے بیش تمنا دل میں
ہے کم و بیش یہی ایک کم و بیش مرا

مانگے نوش تو کہتا ہے کہ دیتا ہوں اُسے
نوش سے بیش ہے نوشیں جسے نیش مرا

آشنا تیرا بنا قلب ہے میرا جب سے
مجھ سے بیگانہ ہوا بیش ہے یہ خویش مرا

خسرو اس وادیِ خونخوارِ محبت سے بچا
ریش ہو جائے گا یاں اور دلِ ریش مرا

KHUSRO
75

My heart is a victim of her cruel eyes
They jab with darts, and terrorize

Anyone who tells me to love her not
For him I do not care a lot

A belief I have, O preacher, indeed
My faith is love, and passion creed

For love and passion I have a knack
It's the patience that I sadly lack

Her sugary lips I love to kiss
A chance if I get I rarely miss

Whenever she wants to get my heart
Gladly from me it does depart

But KHUSRO beware of her cruel eyes
Enchant they do, and hypnotize

۷۶

عشق باجاں بہم از سینہ بروں خواہد رفت
تا ندانی کہ بہ تعویذ و فسوں خواہد رفت

دل گرفتار و جگر خستہ و تن زار ہنوز
تا چہا بر سرِ مسکینِ زبوں خواہد رفت

کافرے بر سرم افتاد و دلم خود شدہ بود
نیم جانے کہ بجا بود کنوں خواہد رفت

تا توام دیدہ برافگند چوں تو برگشتی
تا میانِ من و او بازچہ خوں خواہد رفت

چند خونابہ خورم ہیچ گہے از دلِ من
یارب ایں سلسلۂ غالیہ گوں خواہد رفت

چند گوئی کہ فراموش کن او را خسرو
آخر ایں روئے نکو از دلِ چوں خواہد رفت

لے کے جاں عشق جو سینے سے بروں ہووے ہے
کارگر کچھ نہیں تعویذ و فسوں ہووے ہے

دل گرفتار و جگر خستہ و تن بے چارہ
کیا نہ کچھ بر سرِ مسکینِ زبوں ہووے ہے

ایک غمزے سے ہی اس دشمنِ جاں کے، میری
نیم جاں تن میں جو تھی، آج بروں ہووے ہے

خون گوں رخ ترا آلودۂ خوں پہ چشم مری
درمیاں میرے ترے خون ہی خوں ہووے ہے

خون کرتا ہے عدو دل کا مرے جب اس کے
ہاتھ میں سلسلۂ غالیہ گوں ہووے ہے

کیوں سمجھتا نہیں واعظ تو غمِ خسرو کو
دل رکھے تو ہے اگر، درد نہ کیوں ہووے ہے

KHUSRO
76

When love decides your life to take
No charm or magic will give you a break

It needs no bribe, no lure, no bait
Your heart and soul to captivate

It can also with a wink revive
Whether you're dead or half alive

From eyes and heart when it makes you bleed
Wherever you look there is blood indeed

And when your rival you see succeed
It makes not eyes but your soul bleed

So love from your heart you cannot erase
Especially, KHUSRO, when you see her face

۷۷

تا ندانی زدلم یار بروں خواہد رفت
گرچہ بر من ستم از شرح فزوں خواہد رفت

تُرکِ من تاختن آورد بریں جانِ خراب
جاں کہ زیں پیش نرفتہ ست کنوں خواہد رفت

مست و دیوانہ وش از خانہ بروں می آئی
باز تا بر سرِ بازار چہ خوں خواہد رفت

مردمی کرد کہ می خواست بپرسم نامش
زانکہ می دانم و در دیدہ دروں خواہد رفت

می کنم شکرِ غمت کو ست مرا ہمرہ بس
جاں در آں روز کہ از سینہ بروں خواہد رفت

خسروا چند غزل خوانی کہ تا غم برود
ایں نہ دیوے ست کہ از سحر و فسوں خواہد رفت

عشق دل سے نہ کسی طرح بروں ہووے ہے
گرچہ ہر دم ستمِ یار فزوں ہووے ہے

زخم دیتا ہے مرا تُرک اگرچہ کاری
جان تن سے نہ کسی طرح بروں ہووے ہے

مست و آشفتہ نکل آوے ہے گر وہ گھر سے
دل مرا بر سرِ بازار یہ خوں ہووے ہے

دیکھ آ کر کبھی اے جاں کہ مرے دل میں ترا
نقش کس طرح رہِ دیدۂ دروں ہووے ہے

دیکھ آ کر یہ تماشا کہ ترے غم کو لئے
جان کیسے مرے سینے سے بروں ہووے ہے

کچھ ذرا سا بھی نہ خسرو کی غزل خوانی کا
دیوِ غم پر اثرِ سحر و فسوں ہووے ہے

KHUSRO
77

My heart this love will never leave
Nothing will ever my agony relieve

My Turko girl, she wounds me so
And yet my life wouldn't leave me and go

Drunk when she goes out in the street
Seeing her walking is a real treat

From eyes her image does not part
And when it does, it goes to the heart

The pang of love that I've in my heart
Unto death it will never, never part

Of love no magic can dispel the pain
Your verses, O KHUSRO, you try in vain

۷۸

دوش لعلِ تو مرا تا بہ سحر مہماں داشت
مردۂ ہجر ز بوئے تو ہمہ شب جاں داشت

روئے تو دیدم و شد درد فراموش مرا
سینہ کز ناوکِ ہجرت بہ جگر پیکاں داشت

دلِ من گرچہ بہ بیداد شد از زلفِ تو تنگ
مُلکِ او شد کہ ز سلطانِ رُخت فرماں داشت

سوزشِ سینۂ من دید و کنارم نگرفت
کہ ہنوز ایں تنِ بد روز تبِ ہجراں داشت

اے کہ گوئی تو کہ در پیشِ صنم سجدہ چہ شد
ایں بداں گوی کہ آں دم خبر از ایماں داشت

نظرے کردم و دُزدیدہ مرا جاں بخشید
کز رقیبانِ خنک دزدیِ من پنہاں داشت

خسروؔ امشب شرفِ بندگیِ جاناں یافت
مگس امروز سرِ مائدۂ سلطاں داشت

تُو جو ہوتا مرے پہلو میں کبھی مہماں ہے
ڈالتی مردۂ ہجراں میں تری بُو جاں ہے

رخ ترا دیکھ کے ہووے ہے غمِ جاں رخصت
ناوکِ ہجر کا گو، دل میں رہے پیکاں ہے

سن کے سلطان بنے ہے دلِ مسکیں میرا
بھیجتا، اے شہِ خوباں، تو اگر فرماں ہے

سوزشِ سینہ فزوں اور کرے ہے فرقت
مضطرب کرتا تنِ زار تپِ ہجراں ہے

سجدہ کرتا ہوں اگر پیشِ صنم، اے زاہد
بے خودی دین مرا، عشق مرا ایماں ہے

ہے اگر خوفِ عدو دیکھ یہ دُزدیدہ نظر
دل ہے محرم یہ رکھے راز ترا پنہاں ہے

شرفِ بندگیِ یار ملا خسروؔ کو
مگس اک آج سرِ مائدۂ سلطاں ہے

KHUSRO
78

Whenever she comes and sits with me
She instantly cures my agony

Her happy face dispels my pain
Though wounds in my heart still remain

When a command from her does a courier bring
I feel as if I am a king

Whenever she goes I feel morose
But her longing stays, and never goes

An idol, O preacher, if I adore
She is my goddess, you shouldn't deplore

If me she coyly ever sees
She does it only my rival to tease

Her affection KHUSRO does not crave
He is happy only to be her slave

۷۹

تا زید بندۂ غمِ عشق بہ جاں خواہد داشت سر بہ خاکِ رہِ آں سروِ رواں خواہد داشت	عمر بھر بندۂ غمِ عشق بجاں رکھتا ہے سر بخاکِ روشِ سروِ رواں رکھتا ہے
اے پسر، عہدِ جوانی ست، زکوٰتے می دہ روزگارت نہ ہمہ عمر جواں خواہد داشت	صدقۂ حسن مجھے بخش جواں سالی میں عمر بھر وقت کسی کو نہ جواں رکھتا ہے
چشم و ابرو منما، زانکہ بلا خواہد خاست فتنہ گر دست بداں تیر و کماں خواہد داشت	چشم و ابرو میں بلا کی ہے بلا انگیزی فتنہ تیار ترے تیر و کماں رکھتا ہے
توبہ کردی زجفا، نیست مرا باور، زانک نازِ خوبی و جوانیت برآں خواہد داشت	ہے نہ باور مجھے، کی تُو نے جفا سے توبہ ناز پروردہ ہے تُو، حسنِ جواں رکھتا ہے
گفتی، ار من بروم، ہیچ مرا یاد کنی ایں حکایت بہ کسے گوی کہ جاں خواہد داشت	یاد کیونکر نہ کروں، بھول میں جاؤں کیسے عشق آباد، تری یاد سے جاں رکھتا ہے
عشق را گفتم دل راز نہاں می دارد گفت، من دانم و او چند نہاں خواہد داشت	راز داری کا کیا میں نے جو دعویٰ، بولا رازِ الفت کو بھلا کون نہاں رکھتا ہے
خسروا، از تو چرا صبر گریزانست چنیں چند ازیں واقعہ خود را بہ کراں خواہد داشت	صبر خسرو نہیں دل میں تو عجب ہے نہ کوئی ہو جسے عاشقی، وہ صبر کہاں رکھتا ہے

KHUSRO
79

The pang of love is a part of life
With sorrow and pain my life is rife

Be kind to me, and never say never
Your youth and beauty won't last forever

The bow and arrow of your brow and gaze
Make hearts of lovers their favorite preys

You have repented, or so they say
I wish I could believe, and say hurray

You, my love, I cannot forget
Having loved and lost, I don't regret

I know you wish that no one knew
Hide I cannot my love for you

It's something, KHUSRO, you cannot fix
Passion and patience don't ever mix

۸۰

ساقیا! بادہ دہ امروز کہ جاناں اینجاست
سرِ گلزار نداریم کہ بُستاں اینجاست

دگرم نقل و شرابے نبوَد گو کم باش
گریۂ تلخ و شکر خندۂ پنہاں اینجاست

نالہ چندیں مکن، اے فاختہ! کامشب در باغ
بانگلے ساز کہ آں سروِ خراماں اینجاست

یار در سینہ و من در سکراتِ اجلم
دست در سینۂ من سائی و بیں جاں اینجاست

خواہ اے جاں برَو و خواہ ہمی باش کہ من
مُردنی نیستم امروز کہ جاناں اینجاست

اے مگس چند بہ گردِ لبِ آں مست پری
گنج ہائے دہنش بیں شکرستاں اینجاست

سالہا آں دلِ گم گشتہ کہ جُستی خسرو
ہم ہمیں جاش طلب، زلفِ پریشاں اینجاست

ساقیا! جام دے امروز کہ جاناں ہے یہاں
جاؤں گلزار میں کیوں جب مرا بُستاں ہے یہاں

نقل و بادہ کی نہ حاجت رہی کچھ اب مجھ کو
گریۂ تلخ و شکر خندۂ پنہاں ہے یہاں

کر نہ اے فاختہ فریاد، ذرا دیکھ کہ وہ
آئے کس ناز سے اک سروِ خراماں ہے یہاں

یار سینے میں ہے گو وقتِ نزع ہے لیکن
جان نکلے گی نہیں اس سے کہ جاناں ہے یہاں

جان لینے کے لئے، اے ملک الموت نہ آ
مر نہیں سکتا ہوں میں آج کہ جاناں ہے یہاں

اے مگس کر نہ قناعت تو لبِ شیریں پر
یہ دہن دیکھ کہ کیسا شکرستاں ہے یہاں

ڈھونڈتا ہے دلِ گم گشتہ تو خسرو اور وہ
قیدِ آرام سے در زلفِ پریشاں ہے یہاں

KHUSRO
80

Oh, give me some wine that she is here
It's a wonderful atmosphere

With her sugary lips on which to feed
A wine sweet I do not need

And don't you cry, O nightingale
My rose is here without her veil

Don't let me die; do keep me alive
Now that she's here I'll revive

O angel of death, don't interfere
I cannot die; my life is here

Come see, O bee, her luscious lips
And how from them the honey drips

Looking for your heart? Look in her hair
KHUSRO, it's trapped it its deadly snare

۸۱

گر بگویم کہ درونِ دلِ من پنہاں چیست
خود بگوئی و بدانی کہ غمِ ہجراں چیست

کُشتنم خواہی، و انیک سر و انیک خنجر
می کُشی یا بزیم چند گہے فرماں چیست

دردِ تو آتش و آب از دل و چشم بکشاد
بہ جز از سوختن و غرقہ شدن درماں چیست

عشق داند کہ زمیں را ز چہ شوید اشکم
نوح داند کہ جہاں را سببِ طوفاں چیست

دارم امید کہ چوں بخت در آرم بہ برت
تا ز تو بختِ منِ بے سر و بے ساماں چیست

زلف را پرس اگرت نیست یقیں کز زلفت
حالِ خسرو بہ شبِ تیرۂ بے پایاں چیست

ہو خبر تجھ کو کہ ہے دل میں مرے پنہاں کیا
تجھ پہ روشن ہو کہ ہے یہ الم ہجراں کیا

سر مرا خم ہے ترے ہاتھ میں شمشیر بھی ہے
جان جائے کہ رہے اب ہے ترا فرماں کیا

آتش و آب بھرے غم نے دل و دیدہ میں
اب سوا سوزش و غرقہ ہے رہا درماں کیا

پوچھ مجنوں سے کہ ہے اشک کا سیلاب یہ کیا
نوح سے پوچھ کہ ہے دیدۂ طوفاں کیا

شوق بھی ہے مجھے، ہے خوف بھی، امید بھی ہے
دیکھ ہے بخت مرا بے سر و بے ساماں کیا

گر یقیں ہے نہ مرا پوچھ لے گیسو سے کہ ہے
حالِ خسرو بہ شبِ تیرۂ بے پایاں کیا

KHUSRO
81

In my heart please don't look
For there's sorrow in every nook

If you want to take my life
Here is my heart, and here is the knife

My eyes have tears and my heart desire
And I am between the flood and fire

The flood of Noah my tears excel
My fire's the envy of the fire of hell

Without her help I am stuck
I've been abandoned by my lady luck

If you don't believe me ask your hair
How KHUSRO is doing as a captive there?

۸۲

آنکہ بردہ ست دلم زلفِ پریشاں این ست
آنکہ کشتہ ست مرا نرگسِ فتاں این ست

آمد آں سروِ خراماں و بہ خاکم بنشست
وہ کہ باجاں رود ار سروِ خراماں این ست

زآشنائی خطرم باشد و می گفت حکیم
دانم آں زود کُش و دیر پشیماں این ست

گر غمے گیردت از کشتنِ من عیب مگیر
چہ کنم خاصیتِ خونِ مسلماں این ست

ہمہ شب جانِ من است و غمِ جاناں تا روز
عاقبت در سرِ ایشاں رود از جاں این ست

تیغِ عشق است محاباش نباشد خسرو
سرِ تسلیم فرو آر کہ فرماں این ست

لے گئی دل جو مرا زلفِ پریشاں ہے وہ
قتل کر جس نے دیا دیدۂ فتاں ہے وہ

بعد مرنے کے مری خاک پہ آ کر بیٹھا
بن گیا خاک نشیں سروِ خراماں ہے وہ

عشق جب مجھ کو ہوا اُس سے تو واعظ نے کہا
یاد رکھ زود کُش و دیر پشیماں ہے وہ

قتل کرنے پہ پشیمان کیا ہے جس نے
خاص اک خاصیتِ خونِ مسلماں ہے وہ

دشمنِ جان رہا ہے غمِ جاناں شب بھر
پر کرے صبح مری ہمدمِ جاں ہے وہ

سر جھکا سامنے قاتل کے تو خسرو اپنا
قتل کا حکم ہے جو عشق کا فرماں ہے وہ

KHUSRO
82

Caught in her curls is my poor heart
I've been wounded by her eye's dart

I hope she'll someday come to my grave
For even there for her I'll crave

When I fell in love the preacher said
"She's a predator; you'll soon be dead

You're a believer; she'll send you to hell
She is a remorseless infidel

Without her you will be in pain
And she'll leave you again and again

But you're in love; you've taken the bait
You must now KHUSRO resign to fate"

۸۳

یارب، اندر دلِ خاک آں گلِ خنداں چونست
ماہِ تابانِ من اندر شبِ ہجراں چونست

من چو یعقوب زگریہ شدہ ام دیدہ سفید
آخر آں یوسفِ گم گشتہ بہ زنداں چونست

من دریں خاک بہ زندانِ غم از دُوریِ او
او زمن دُور بہ صحرا و بیاباں چونست

گوہرے بود کزیں دیدہ بغلطید بہ خاک
دیدہ خود خاک شد آں گوہرِ غلطاں چونست

ہمہ جاں بود زبس لطف چوں جانِ بے تن
ایں زماں در تہِ گل با تنِ پنہاں چونست

سبزہ چو خضر ز پیراہنِ خاکش برخاست
در ہوائے عدم آں چشمۂ حیواں چونست

مردماں باز بپرسید ز خسروؔ کہ کنوں
در غمِ دوست ترا دیدۂ گریاں چونست

خاک میں، میرے خدا! وہ گلِ خنداں کیوں ہے
ماہِ تاباں مرا اندر شبِ ہجراں کیوں ہے

چشمِ یعقوب کی طرح جو سفید آنکھ ہوئی
پھر مرا یوسفِ گم گشتہ بہ زنداں کیوں ہے

خاک میں چھانتا پھرتا ہوں غمِ جاناں میں
دُور مجھ سے وہ بہ صحرا و بیاباں کیوں ہے

گرنا گر آنکھ سے تھا، بہنا مرے دامن پر
خاک میں گر کے ملا گوہرِ غلطاں کیوں ہے

تھا بہت زیبِ گلستاں جو گل اندام مرا
آج وہ در تہِ گِل ہو گیا پنہاں کیوں ہے

خاک سے نکلا خضر بن کے جو سبزہ اسکی
پھر عدم میں وہ مرا چشمۂ حیواں کیوں ہے

کیا کہوں پوچھتے جب لوگ ہیں خسروؔ مجھ سے
کیوں غمِ عشق تجھے، دیدۂ گریاں کیوں ہے

KHUSRO
83

Why is my flower in the dust so soon?
What happened, O God, to my shining moon?

I cry like Jacob day and night
Without my Joseph I've lost my sight

Having lost all hope, in total despair
Looking for her I go everywhere

Where did she go, my beautiful girl?
My shining gem, my precious pearl

My smiling flower, lovely and sound
Lies now deep under the ground

A fountain of youth, and a life spring
Look, how to death she does now cling

What do I tell the people who say?
Don't cry so much, O KHUSRO, pray

۸۴

در سرم تا ز سرِ زلفِ تو سودائے ہست
دلِ شیدائے مرا با تو تمنائے ہست

دل کہ از غمزہ ربودی بہ سرِ زلفِ سیاہ
گرچہ دُزدیست سیہ کار، دل آسائے ہست

باغباں تا گلِ صد برگِ رُخِ خوبِ تو دید
در چمن بیش نگوید گلِ رعنائے ہست

ہر شبے در غمِ ہجرت شبِ یلدائے مرا
کہ بہ سالے بہ جہاں یک شبِ یلدائے ہست

چوبِ خشک است بہ پیشِ قدِ تو ہر سروے
گرچہ او را بہ چمن قامت و بالائے ہست

مُردم از حسرتِ دیدار و نگفتی روزے
کہ مرا سوختۂ غم زدہ رسوائے ہست

دعویِٔ ہستی و ناموس مکن، خسرو، ہیچ
تا ترا میلِ نظر بر رخِ زیبائے ہست

سر مرا رکھتا سرِ زلف کا سودا ہے اک
قلبِ شیدا میں مرے تیری تمنا ہے اک

زلفِ مشکیں نے چرایا مرا دل چپکے سے
یہ مگر دزدِ سیہ کار دل آسا ہے اک

جب سے دیکھا گلِ صد برگِ رخِ روشن ہے
باغباں کچھ نہ ترا اب گلِ رعنا ہے اک

چاہے جتنی شبِ مہتاب ہو روشن، اے جاں
تیری فرقت میں مجھے وہ شبِ یلدا ہے اک

سامنے قد کے ترے کچھ نہیں اک سروِ سہی
چاہے جتنی وہ رکھے قامتِ بالا ہے اک

تیری حسرت میں مرا تُو نے کہا تک بھی نہیں
یہ مرا غم زدۂ سوختہ رسوا ہے اک

دعویِٔ ہستی و ناموس نہ کر اے خسرو
جب تلک میلِ نظر بر رخِ زیبا ہے اک

KHUSRO

84

I'm crazy about her curly hair
In beauty and charm it's beyond compare

Oh, how her locks my heart steal
And how very nice they make it feel

The flowers when they see her face
It makes them feel so commonplace

Without her nights are long and dark
Desolate and lonely, bleak and stark

She is so tall and slim, and trim
She makes the cypress look very grim

In her absence I feel so sad
But cares she not which makes me mad

Endure your pain, O KHUSRO, with grace
And look at her beautiful, radiant face

۸۵

ستمے از تو کشد مرد: ستم نتواں گفت
نامِ بیدادِ تو جز لطف و کرم نتواں گفت

آرزوئے تو ز روئے دگراں کم نشود
حاجتِ کعبہ بہ دیدارِ حرم نتواں گفت

حسنِ تو خانہ بر اندازِ مسلماناں ہست
نازہم یارب و زنہار کہ کم نتواں گفت

تا چہ سرہائے عزیزاں بہ درت خاک شدہ ست
وہ کہ آں خاکِ قدم خاکِ قدم نتواں گفت

چو منے باید تا باورش آید غمِ من
تو کہ دیوانہ و مستی بہ تو غم نتواں گفت

خسروا گر گذرت یاز مگو کایں ستم است
عدلِ خوباں را بہ بیہودہ ستم نتواں گفت

تونے جو کچھ بھی دیا اُس کو ستم کہہ نہ سکے
تیری بیداد کو جز لطف و کرم کہہ نہ سکے

آرزو تیری بہ وصلِ دگراں کم نہ ہوئی
جلوتِ دیر کو دیدارِ حرم کہہ نہ سکے

حسن کو خانہ بر انداز اگر کہتے ہیں
ناز کو فتنہ و آشوب سے کم کہہ نہ سکے

خاکِ در بن گئے گو مفتی و مرشد کے سر
خاک کو اُن کی مگر خاکِ قدم کہہ نہ سکے

مستِ دیوانگی، ہم مستِ تکبر تھا وہ
حال ایسا تھا کہ کچھ قصۂ غم کہہ نہ سکے

قتل ہوتا ہوا خسرو کو تو دیکھا لیکن
عدلِ خوباں تھا اُسے جور و ستم کہہ نہ سکے

KHUSRO
85

Cruel she is but don't call her that
Call her a lady though she's a brat

No one but her for me will do
Although she is a perfect shrew

Her beauty is a foe of creed and reason
Her pride is beyond any comparison

The kings and princes she treats like dirt
She knows your feelings how to hurt

With her so proud and rude, and vain
Trying to reason is totally insane

If me she someday would like to kill
I'll let her, KHUSRO, yes I will

۸۲

اثرے نماند باقی ز من اندر آرزویت
چہ کنم کہ سیر دیدن نتواں رخِ نکویت

ہمہ روز گردِ کویت، ہمہ شب بر آستانت
غرضے جز ایں ندارم کہ نظر کنم بہ رویت

بہ وفا کہ در پذیری کہ من از پئے وفایت
دلِ خوں گرفتہ کردم خورشِ سگانِ کویت

خرد و ضمیر و ہوشم، دل و دیدہ نیز ہم شد
بہ ہمہ خیال خالی بہ جز از خیالِ رویت

من اگر نمی توانم حقِ خدمتِ زیادت
کم ازیں کہ جانِ شیریں بدہم در آرزویت

ز نسیم جانفزایت، دلِ مردہ زندہ گردد
ز کدام باغی اے گل کہ چنیں خوش است بویت

بس ازیں کہ جائے آنت کہ زحالِ خود بگویم
کہ فسانہ گشت خسرو بہ جہاں ز جستجویت

نہ کرے اثر ذرا بھی مرے دل کی آرزو ہے
نہ مجھے دکھائے جلوہ ترا چہرۂ نکو ہے

ہمہ روز گردِ کوئے، ہمہ شب بر آستانے
طلب ایک دیکھنے کی ترا حسن خوبرو ہے

سگِ باوفا ہوں ایسا کہ بنا تری وفا میں
دلِ خوں گرفتہ میرا خورشِ سگانِ کو ہے

دل و دیدہ و ضمیر و خرد و شعور و دانش
نہ کوئی خیال ان میں بجز اک خیالِ رو ہے

نہیں گرچہ حقِ خدمت تو نثار تجھ پہ کر دوں
میں یہ اپنی جانِ شیریں یہی ایک آرزو ہے

دلِ مردہ ہووے زندہ تری بادِ جاں فزا سے
اے سمن کہاں سے لائی تو یہ ایک مشک بو ہے

ہے کچھ اس قدر پُر افسوں یہ ترا فسانہ خسرو
ترے یار کی یہ سن کر ہوئی سب کو جستجو ہے

KHUSRO
86

On her my yearnings have no effect
Kindness from her I cannot expect

Into her street I go every day
To see her beauty, if only I may

Me her guards all love to mistreat
Her dogs me even would like to eat

Only her my heart and soul pursue
Her image is always in my view

If feelings in her I cannot stir
I would like to give my life for her

Of life she is the fountainhead
She can heal the sick, and raise the dead

Given her, KHUSRO, you have renown
Now she has become the talk of the town

٨٧

عاشقاں را دردِ بے مرہم خوش است
بیدلاں را دیدۂ پُرنم خوش است

عاشقوں کو دردِ بے مرہم ہے خوش
بیدلوں کو دیدۂ پُرنم ہے خوش

گر سخن در گوشِ جاناں می رسد
گفت و گوئے ہر کہ در عالم خوش است

بات کوئی جب بھی جاناں کی کرے
گفتگوئے حسن دو عالم ہے خوش

گر بتاں از دردِ عشاق آگہند
ہر کجا دردے ست بے مرہم خوش است

ہو بتوں کو درد سے گر آگہی
درد جتنا بھی ہو بے مرہم ہے خوش

جانِ من آزارِ دل چندیں مجو
خود دریں ایام دلہا کم خوش است

جانِ من آزار اور اس کو نہ دے
آجکل یہ دل مرا کچھ کم ہے خوش

زلف را بہرِ خدا شانہ مزن
ہمچناں آشفتہ و درہم خوش است

زلف کو اپنی نہ کر آراستہ
یہ لگے آشفتہ و درہم ہے خوش

وصلِ تو خوش بود وقتے ویں زماں
ناخوشی ہائے فراقت ہم خوش است

وصل کی لذت سے بہتر کچھ نہیں
پر غمِ فرقت نہیں کچھ کم ہے خوش

خسروا با بیدلی خُو کن کہ دل
ہم دراں گیسوئے خم در خم خوش است

خسروا با بیدلی خو کر کہ دل
رہ کے در گیسوئے خم در خم ہے خوش

KHUSRO
87

The lovers seem to like the pain
They do not mind to cry in vain

They cannot talk about the girls
And tell you not about their curls

They also want their loves to know
Whatever hardships they undergo

They ask their darlings not to hurt
And not to treat them like dirt

And when they see their flying hair
They tell themselves – beware! Beware!!

Their beautiful faces they want to see
And if they cannot they let it be

And KHUSRO also does not care
If his heart is caught in her hair

۸۸

مفلسی از پادشائی خوشتر است
مفسدی از پارسائی خوشتر است

پادشاہی راست دردِ سر ولے
چوں نگہ کردم گدائی خوشتر است

پادشاہاں چوں بخود ننہند راہ
با فقیراں بے نوائی خوشتر است

آدمی چوں کبر در سر می کند
با سگِ کو آشنائی خوشتر است

دل کہ از سودائے خوباں بشکند
آں شکست از مومیائی خوشتر است

آشکارا عشق بازی با بتاں
از لبے زہدِ ریائی خوشتر است

عشقِ دوناں، خسروا! از سر بنہ
عشق با سرِ خدائی خوشتر است

مفلسی از پادشائی خوب تر
مفسدی از پارسائی خوب تر

بادشاہی میں بہت دردِ سری
از شہنشاہی گدائی خوب تر

بادشاہوں کو مبارک مال و زر
با فقیراں بے نوائی خوب تر

رہ نشیں بے نوا کے واسطے
با سگِ کو آشنائی خوب تر

عشق میں عشاق کو کھا کر شکست
زخمِ دل از مومیائی خوب تر

مے پرستوں، عشق بازوں کے لئے
عیب از زہدِ ریائی خوب تر

بارگاہوں سے بہت خسرو تجھے
عشق یا بارِ خدائی خوب تر

KHUSRO
88

I would rather be poor than be a king
And piety, O preacher, is not my thing

So many woes the kings have to bear
The poor have nothing, they don't care

What's the use of having the wealth?
If you do not have your health

I do not want the arrogance and pride
Let me be humble and be dignified

The pangs of love it's better to endure
Than go and beg someone for cure

I would rather be sinful, bad, and flawed
Than be a saint, and be a fraud

The kings, O KHUSRO, don't you applaud
Just have in your heart the love of God

٨٩

اے دہانت چشمۂ آبِ حیات
شمعِ رویت آفتابِ کائنات

ہے دہن اک چشمۂ آبِ حیات
رخ ترا ہے آفتابِ کائنات

تا دلم از شادیِ وصلت نماند
از کمندِ غم نمی یابم نجات

شادیِ وصلت اگر دل کو ملے
ہو کمندِ رنج سے اس کو نجات

گریہ را مپسند، ہر دم تا بہ کے
پیشِ چشم از گریہ جیحون و فرات

رات دن رونے سے تیرے ہجر میں
بھر گئے اشکوں سے جیحون و فرات

ہر کہ بے تو زندہ ماند، مردہ بہ
جز وصالت نیست مقصودِ حیات

موت جینے سے ہے بہتر بن ترے
وصل اک تیرا ہے مقصودِ حیات

بت پرستاں گر ز تو آگہ شوند
یاد نارند از بتانِ سومنات

تیری صورت دیکھ لیں گر بت پرست
پھر نہ پوجیں وہ بتانِ سومنات

ہمچو ذرہ در ہوائے مہرِ تو
نیست خسرو را دمے صبر و ثبات

مثلِ ذرہ پرتوئے خورشید میں
ہے نہ خسرو کو ترے صبر و ثبات

KHUSRO
89

Her mouth is the source of life spring
The dead to life her kiss can bring

Oh, how I wish she'll come to me
And make my pain and sorrow flee

And how in her absence I cry and cry
Without her surely I'm going to die

With pain and sorrow and deep distress
Without her my life is meaningless

Whoever sees her beautiful face
Falls in love with her charm and grace

Though peace and quiet does KHUSRO prefer
He couldn't help falling in love with her

۹۰

اے کہ روئے تو حیاتِ جانست
دیدہ جایت شدہ جائے آنست

روئے روشن ترا اے جان، حیاتِ جاں ہے
چشمِ جادو تری بے جائے وبے ایماں ہے

ماہ را از رخِ چو خورشیدت
در شبِ چار دہم نقصانست

آفتابِ رخِ تاباں سے ترے، ماہ کو بھی
خوفِ شرمندگی و وسوسۂ نقصاں ہے

سخن اندر لبِ تو دل ببرد
دل چہ باشد، سخن اندر جانست

سخنِ تلخ جو نوشیں ہے دہن میں تیرے
لب پہ آئے تو بنے اور بھی نوشِ جاں ہے

بے لبت ہر لبِ لعلے کہ گزم
سنگ ریزہ بہ تہِ دندانست

کاٹتا ہوں کوئی لب گر میں سوا لب کے ترے
سنگ ریزہ وہ بنے ایک تہِ دنداں ہے

بہ گرِ گریہ سوادِ چشمم
تیرہ، گوئی کہ شبِ بارانست

زار و گریہ سے شب و روز سوادِ دیدہ
ہو گیا تار بہت شکلِ شبِ باراں ہے

گفتیم غم مخور و آساں گیر
ایں بہ گفتن صنما آسانست

تُو جو کہتا ہے کروں عشق کو آساں دل پر
یہ نہ کہنے سے کسی کے بھی ہوا آساں ہے

دُور از شعلۂ آہِ خسرو
کہ دلش سوختۂ ہجرانست

شعلۂ آہ سے خسرو کے ہے بچنا بہتر
دل ہوا اس کا بہت سوختۂ ہجراں ہے

KHUSRO
90

Your charming eye is the source of life
Though every lash is like a knife

Your face does shine like the sun at noon
And gives the glow to the radiant moon

Your words, my dear, on your sugary lip
Like the drops of honey they collect and drip

Every lip but yours that I happen to kiss
I find in it there is something amiss

Without you crying I've lost my sight
My day is dark like the darkest night

And then you tell me – don't feel blue
It's easy to say but hard to do

Beware of KHUSRO! He is breathing fire
Don't you come close; let him expire

۹۱

اے دل غمیں مباش کہ جاناں رسیدنی ست
در کامِ تشنہ چشمۂ حیواں رسیدنی ست

اے دردمندِ ہجر، مینداز دل ز درد
کانیک طبیب آمدہ، درماں رسیدنی ست

اے گلستانِ عمر، ز سر برگ تازہ کن
کاں مرغِ آشیاں بہ گلستاں رسیدنی ست

پروانہ وار پیش روم بہرِ سوختن
کاں شمعِ دیدہ در شبِ ہجراں رسیدنی ست

در رہ بساطِ لعل ز خونِ جگر کشم
کاں نازنیں چو سروِ خراماں رسیدنی ست

آورد بخت مژدہ کہ خسرو تو غم مخور
تیرِ بلا بہ سینہ فراواں رسیدنی ست

اے دل، نہ ہو ملول کہ جاناں پہنچ گیا
تشنہ دہن میں چشمۂ حیواں پہنچ گیا

گر دردِ ہجر نے کیا بدحال، غم نہ کر
لے کر طبیب درد کا درماں پہنچ گیا

اے باغِ عمر، اور ہو آراستہ کہ اب
یہ مرغِ آشیاں بہ گلستاں پہنچ گیا

اے شمعِ چشم، گریہ کناں دیکھ کر تجھے
پروانہ ایک در شبِ ہجراں پہنچ گیا

خوں کا بساطِ لعل بچھا ہر روش پہ ہے
کیا باغ میں وہ سروِ خراماں پہنچ گیا

لایا نوید بخت ہے خسرو تو غم نہ کر
تیرِ بلا بہ سینہ فراواں پہنچ گیا

KHUSRO
91

Cheer up, O heart, she is going to bring
With her, when she comes, the life spring

The pain of parting you won't have to endure
For the ailment of yours she has the cure

Prepare your garden to revel and regale
For soon will be coming the nightingale

Your love, O moth, you must proclaim
By burning yourself in her divine flame

With blood from heart her path you mark
When comes she strolling into the park

And when she comes you thank your star
You don't know, KHUSRO, how lucky you are

۹۲

اے آرزوئے دیدہ، دلم در ہوائے تست
جانم اسیرِ سلسلۂ مشک سائے تست

گہ خشم و گہ کرشمہ و گہ عشوہ، گاہ ناز
مسکیں کسے کہ شیفتہ و مبتلائے تست

تا چند تیغ برکشی و سر طلب کنی
اینک سرے کہ می طلبی، زیرِ پائے تست

ما جاں فدائے خنجرِ تسلیم کردہ ایم
خواہی بہ بخش و خواہ بکش رائے رائے تست

دل رفت و نیز سینہ تہی شد ز آبِ چشم
اے صبر باز گرد کہ آں جائے جائے تست

اے قرصِ آفتاب کہ دوری ز دستِ ما
آخر لبے بہ بخش کہ خسرو گدائے تست

اے آرزوئے چشم کہ دل در ہوائے تو
جاں تنگ اسیرِ سلسلۂ مشک سائے تو

گہ خشم و گہ کرشمہ و گہ ناز و گہ ادا
کرتے ہیں دل کو شیفتہ و مبتلائے تو

کھینچے ہے تیغ اور طلب تو کرے ہے سر
جاناں، طلب جو سر ہے وہ ہے زیرِ پائے تو

ہم جاں فدائے خنجرِ تسلیم کر چکے
جو چاہے کر کہ رائے ہماری ہے، رائے تو

خوناب لے کے چشم نے سینہ تہی کیا
اے صبر اب یہاں پہ ہر اک جا ہے، جائے تو

اے قرصِ آفتاب وہ لائق نہیں، و لے
لب اس کو بخش دے کہ ہے خسرو گدائے تو

KHUSRO
92

Oh, how I love you, the apple of my eye
My soul is your captive; you cannot deny

Whatever you say and whatever you do
It always increases my love for you

Treat it the way you want to treat
As always my head is at your feet

To you I have given my soul, my life
Kill me if you like; here is the knife

My tearful eyes with blood I've fed
So don't be afraid; there's nothing to shed

For your juicy lips does KHUSRO crave
So give him a kiss; he is your slave

۹۳

اے باد، ازاں بہار خبر دہ کہ تا کجاست
دُزدیدہ زاں نگار خبر دہ کہ تا کجاست

گر ہیچ در پے گذر آتش رسیدہ ای
یکرہ ازاں سوار خبر دہ کہ تا کجاست

من ہمچو گل بسوختم از آفتابِ غم
آں سروِ سایہ دار خبر دہ کہ تا کجاست

من ز آبِ دیدہ شربتِ غم نوش می کنم
آں لعلِ خوشگوار، خبر دہ کہ تا کجاست

جانم چو سرمہ سودہ شد از سنگِ آرزو
آں چشمِ پُر خمار، خبر دہ کہ تا کجاست

خسرو کہ ایں حدیث ز یارے شنیدہ ای
بر پرؔ و زاں دیار خبر دہ کہ تا کجاست

اے بادِ نو بہار، خبر دے کہ ہے کہاں
وہ گلبدن نگار، خبر دے کہ ہے کہاں

آئی جو رہگزر سے ہے تو چل کے اے صبا
میرا وہ شہسوار، خبر دے کہ ہے کہاں

میں غم کے آفتاب کی تابش سے جل گیا
وہ سروِ سایہ دار، خبر دے کہ ہے کہاں

کرتا ہوں نوش شربتِ غم آنسوؤں کا میں
نوشِ لبِ نگار، خبر دے کہ ہے کہاں

گِھسنے سے سنگِ آز پہ سرمہ بنی ہے جاں
وہ چشمِ پُر خمار، خبر دے کہ ہے کہاں

خسرو جہاں سے آئی خبر یار کی مرے
وہ شہر، وہ دیار، خبر دے کہ ہے کہاں

KHUSRO
93

Where is my girl, O breeze of spring?
From her a message did you bring?

Oh, was she going with another guy
Or was she alone when riding by?

My pain and sorrow are killing me
Did she ever ask you – how is he?

Without her poison I sit and sip
Oh, how I miss her sugary lip

I wish someday with her sleepy eyes
She'll come to me to hypnotize

To KHUSRO a message you did bring
But where is she, O breeze of spring?

٩٤

آں تُرکِ نازنیں کہ جہانے شکارِ اوست
دلہا اسیرِ سلسلۂ مشکبارِ اوست

اندیشہ نیست گر طلبِ جاں کند زمن
اندیشۂ من از دلِ نا استوارِ اوست

بادا بقائے زلف و رخ و قامت و لبش
یک جانِ من کہ سوختۂ ہر چہارِ اوست

آں ناخدای ترس ہمہ روز مستِ ناز
دیوانۂ چو من ہمہ شب در خمارِ اوست

دل شد ز دست و سوزِ دلم ماند ہم خوشم
کاں داغ در درونۂ من یادگارِ اوست

خسرو گرت خیالِ پرستش اماں دہد
زنہارش استوار نداری کہ یارِ اوست

وہ تُرکِ نازنیں کہ جہاں اک شکارِ او
دل ہا اسیرِ سلسلۂ مشکبارِ او

خدشہ نہیں ہے جان کے جانے کا کچھ مجھے
پر خوفناک ہے دلِ نا استوارِ او

رکھے خدا وہ زلف و رخ و قامت و دہن
ہے جان میری سوختۂ ہر چہارِ او

وہ ایک نازنیں کہ رہے مستِ ناز ہے
دیوانہ ایک میں کہ ہوں مستِ خمارِ او

دل لے گیا مگر وہ گیا چھوڑ سوزِ دل
تا داغ در درون رہے یادگارِ او

دیتا ہے گر خیالِ پرستش اماں تجھے
خسرو بن اک غلام نہ گر تو ہے یارِ او

KHUSRO
94

That Turko girl, she rules us all
We're the captives of that lovely doll

For her I'll give my life, my soul
On my heart and mind she has control

I love her mouth, her cheeks, her eyes
And her I adore and idolize

She is so splendid, so high, so proud
To touch her even I'm not allowed

She took my heart and gave me pain
But I'm so happy, I can't complain

Since, KHUSRO, for her you so much crave
If you can't be a friend, be her slave

۹۵

لعلِ لبت بہ چاشنی از انگبیں بہ است
رشکِ رُخت بہ نازکی از یاسمیں بہ است

دہ فرق درمیانِ تو و آفتاب چیست
دید آسماں بہ سوئے تو و گفت ایں بہ است

در باغ سروِ راست بسے دیدہ ام ولے
چیزے کہ سروِ راست ہمیں راستیں بہ است

از آبِ تیغ شُستہ شود ہر گنہ کہ ہست
بر جرمِ عشق غمزۂ آں نازنیں بہ است

اے شوخ تا تو در دلِ من جائے کردہ ای
ایں است دوزخے کہ ز خلدِ بریں بہ است

گفتی تنت نگون و دلت خونست خسروا
مارا ہمیں نگینہ بر انگشتریں بہ است

شکر دہن، بہ چاشنی از انگبین بہ
گلفام رُخ بہ نازکی از یاسمین بہ

پوچھا حسین تر ہے ترا چاند یا مرا
بولا فلک، ترا ہے یہ ماہِ زمین بہ

ہیں سروِ راستین وسہی باغ میں بہت
مجھ کو مگر ہے سرو مرا راستین بہ

دُھلتے ہیں آبِ تیغ سے گرچہ گناہ سب
بر جرمِ عشق نازشِ یک نازنین بہ

جب سے لگائی آگ ہے سینے میں تُونے اک
دوزخ مرے لئے ہے ز خلدِ بریں بہ

خسرو جو تن ترا ہے نگوں اور خون دل
با یک نگینِ خون ہے انگشترین بہ

KHUSRO
95

Your lips are sweeter than the sweetest honey
There is no bunny like you, my bunny

When saw the sky your glow and shine
It said – this moon is better than mine

The park has cypress and conifer, and pine
But nothing like you, my cypress divine

You need no dagger, no sword, no knife
A dart from your eye can take my life

The fire of love is very, very nice
This hell is better than the paradise

Kiss KHUSRO's eyes, you silly girl
His every tear is like a pearl

٩٦

ز آنگہے کہ دلِ من بسوئے یارِ من است
زہے دراز کہ شبہائے انتظارِ من است

ز من نماند نشان و دلم بہ زلفِ تو ماند
بگوش دار اے جاناں کہ یادگارِ من است

مرا بہ مستیٔ معذور دار اے ہشیار
کہ ایں زمام نہ در دستِ اختیارِ من است

چو لالہ غرق بہ خونم چو گل گریباں چاک
زہے شگفتہ کہ امسال تو بہارِ من است

ہزار بار ہمی گفتم، اے دلِ بدخوی
کہ عشقبازی با نیکواں نہ کارِ من است

نشانِ خاکِ ستم کُشتہ ایست دردِ عشق
ہر آں غبار کہ بر دامنِ نگارِ من است

بہ تیغ در حقِ خسرو حقِ جفا بگذار
خدای خیر دہادش کہ حق گذارِ من است

وہ دن کہ جب سے مرا دل بسوئے یار ہے اک
بہت دراز شبِ تارِ انتظار ہے اک

اسیرِ زلفِ معنبر ہے جب سے دل میرا
ترے لئے یہ بنا میری یادگار ہے اک

معاف رکھ مجھے واعظ کہ رندِ مست ہوں میں
مری زمام نہ در دستِ اختیار ہے اک

ہوں غرقِ خون و گریبان چاک صورتِ گل
زہے شگفتہ کہ امسال تو بہار ہے اک

ہزار بار کہا تجھ سے اے دلِ ناداں
کہ عشق کھیل نہیں، غم کا کاروبار ہے اک

نشانِ خاکِ ستم کُشتۂ محبت ہے
غبارِ گرد کہ بر دامنِ نگار ہے اک

بہ تیغ، در حقِ خسرو حقِ جفا ہو ادا
دلیر کر اسے یارب، وہ حق گزار ہے اک

KHUSRO
96

Now that she has stolen my heart
Her love from me will never depart

Being a captive of her curly hair
My helpless heart, it hasn't a prayer

Me, O preacher, please don't hate
If I'm a toper it's my fate

For when I drink I'm like a king
Among the birds and flowers of spring

Time and again I tell my heart
That love is pungent, bitter, and tart

Though lovers are not in a very good shape
The girls have annoyance, they cannot escape

By now has KHUSRO had his fill
Him she should come and promptly kill

۹۷

زبس کہ گوشِ جہانے پُر از فغانِ من است
بہ شہر بر سرِ ہر کوی داستانِ من است

زبیدلی اگرم جاں رَوَد، عجب نبود
چوں دل نمی دہدم آنکہ دلستانِ من است

دعائے عمر کنندم، ولے قبول مباد
مرا چوں زندہ نمی خواہد آنکہ جانِ من است

ززخمِ چابکِ ہجراں، دمے رسم بہ عدم
اگر نہ پنجۂ امید در عنانِ من است

چو شمع سوختم، از نام گفتنش ہمہ شب
مرا زبانۂ آتش، ہمیں زبانِ من است

تو زانِ من نشوی گرچہ بخت آنم نیست
ہمیں بس است کہ گوئی کہ خسرو آنِ من است

رسا بگوشِ خلائق ہوئی فغاں ہے مری
مقالِ کوچہ و بازار داستاں ہے مری

جو بیدلی میں مری جاں گئی، عجیب نہیں
کہ دل کو لے کے، وہ جاں لیوے، دلستاں ہے مری

دعائے زندگی کیسے قبول ہو مری
کہ چاہتی ہے مجھے زندہ نہ رکھنا، جاں ہے مری

یہ زخمِ چابکِ ہجراں ہے، لیوے جان کہ اب
رہی نہ پنجۂ امید میں عناں ہے مری

مثالِ شمع جلی نام تیرا لے لے کر
کہ اک زبانۂ آتش بنی زباں ہے مری

ہوا ہے غیر کا خسرو اگر مرا جاناں
وہ میری جان ہے، اس پر نثار جاں ہے مری

KHUSRO
97

Everyone knows my sorrow and pain
My tale is heard in every domain

First she wounds it with her dart
Then she comes and bags my heart

Oh please, for my life do not pray
For she, my soul, doesn't want to stay

And for my ailment there is no cure
The pain of parting I cannot endure

By love, like a moth, I'm badly stung
Like a burning candle I've a fiery tongue

For her though, KHUSRO, I yearn and pine
I am also sure, she'll never be mine

۹۸

زخونِ دل کہ بہ رخسار ماجرائے من است
بخواں بہ لطف کہ دیباچۂ وفائے من است

تمام رُخ پہ کہے خوں، ماجرا ہے مرا
اگرچہ ایک یہ دیباچۂ وفا ہے مرا

نفس رسیدہ بہ آخر ہوس نماند جز ایں
کہ بشنوم ز تو کایں مُردن از برائے من است

ہے لب پہ جاں، مگر ایک ہے ابھی خواہش
مرے لئے، وہ کہے یار اک مَرا ہے مرا

بہ جاں دعائے غمت میکنم کہ دیر زیاد
کزو فزائشِ ایں دردِ بے دوائے من است

عجب ہے دردِ ہوس دل میں اور بڑھتی ہے
کرے فزوں وہ جب دردِ بے دوا ہے مرا

چہ حدِ دعویٔ نیلوفر آنکہ لافِ غرور
زند کہ چشمۂ خورشید آشنائے من است

جو دیکھتا اُسے کہتا کبھی نہ نیلوفر
کہ دیکھ، چشمۂ خورشید آشنا ہے مرا

بسوختم ز دل و ہم بہ پیشِ دل گفتم
کہ روزتر ایں دلِ بد روزِ من بلائے من است

کہوں میں دیکھ کے دل اپنا مبتلائے بلا
کہ کچھ نہ تو بھی تو کم فتنۂ بلا ہے مرا

بنال پیشِ درش، خسروا کہ آں سلطاں
شناختہ است کہ ایں نالۂ گدائے من است

کرے فغاں ہے درِ شاہ پر اگر خسرو
وہ جانتا ہے، یہ اک نالۂ گدا ہے مرا

KHUSRO
98

My tears of blood do tell my tale
My crying for her I cannot curtail

Though feelings in her I cannot stir
I hope she knows, I'm dying for her

From loving her I cannot abstain
She gives me though a lot of pain

O gardener, I know, you'll concur
Nothing in the garden is like her

I know, my heart, you suffer with pain
But you're also a pain; you drive me insane

O KHUSRO, go and cry in her street
May be with you she'll come and meet

۹۹

رُخت ولایتِ چشمِ پُر آب را بگرفت
غمت درونۂ جانِ خراب را بگرفت

چگونہ خواب بَرد دیدہ را زہجرانش
چنیں کہ خونِ جگر، جائے آب را بگرفت

گرفت خطِ لبِ چو آبِ زندگانیِ او
بسانِ سبزہ کہ لب ہائے آب را بگرفت

سوال کردم بوسے ازاں لبِ چو شکر
سخن درآمد و راہِ جواب را بگرفت

زغیرتِ رخِ او آفتاب خواست ز چرخ
فرو شدن، کہ ذنب آفتاب را بگرفت

رواست گر بزند خیمہ بر فلک خسرو
کہ آں کمندِ چو مشکیں طناب را بگرفت

وہ رُخ ولایتِ چشمِ پُر آب لیوے ہے
الم درونۂ جانِ خراب لیوے ہے

شبِ فراق میں خوابیدہ چشم ہو کیسے
جب اس میں خونِ جگر جائے آب لیوے ہے

اُگا رُواں بہ لبِ آبِ زندگانی ہے
مثالِ سبزہ وہ لب ہائے آب لیوے ہے

اگر ہو بوسہ طلب، انحراف کرنے میں
ذرا بھی دیر نہ اُس کا جواب لیوے ہے

وہ دیکھتا ہے اگر ماہتابِ رخ اس کا
رہِ غروب، خجل آفتاب لیوے ہے

لگائے چرخ پہ خیمہ نہ ہاتھ میں خسرو
کبھی جو زلف کی مشکیں طناب لیوے ہے

KHUSRO

99

Her lovely face and my tearful eye
Her curly hair and my grieving sigh

I cannot sleep when she isn't there
The pain of parting I cannot bear

Her mouth's the source of life spring
The dead to life her kiss can bring

Her lips whenever I want to kiss
She looks at me and just says – hiss

When sees the moon her shine and grace
Behind the clouds it hides its face

When KHUSRO wants to play with her hair
She grins and says – don't you dare!

١٠٠

چہ داغہاست کہ بر سینۂ فگارم نیست
چہ دردہاست کہ بر جانِ بیقرارم نیست
دلم ز کوشش خوں گشت و کامِ دل نرسید
چہ سود دارد بخشش، چوں بخت یارم نیست
خوشم بدولتِ خواری و مُلکِ تنہائی
کہ التفات کسے را بہ روزگارم نیست

مرا مپرس کہ دردم نہاں نخواہد ماند
کہ اعتماد بریں چشمِ اشکبارم نیست
نفس بہ آخرم آمد از آں دہن سخنے
کہ بہرِ کوئے عدم ہیچ یادگارم نیست
زبسکہ در دلِ خسرو سوارش نہ نشست
کہ عمر یک نفسے بر پئے غبارم نیست

کوئی ہے داغ کہ بر سینۂ فگار نہیں
ہے درد کوئی کہ در جانِ بیقرار نہیں
جگر کا خون ہوا بخت آزمائی سے
ہو یار یار، کچھ ایسا میں بختیار نہیں
ملی ہے دولتِ خواری و دردِ تنہائی
کہ التفات کسی کو بہ روزگار نہیں

نہ کر بھروسہ کہ رہوے گا رازِ عشق نہاں
کہ معتبر یہ مری چشمِ اشکبار نہیں
دمِ نزع ہوا گر ہم سخن، فزوں اس سے
عدم میں ہو گی کوئی اور یادگار نہیں
شریکِ قافلۂ رنگ و بو ہوئے جاناں
کہ دوڑتا دلِ خسرو پئے غبار نہیں

KHUSRO
100

Is there a wish that's not in my heart?
And is there a pain that's not in her dart?

I tried and tried but didn't succeed
My pleas and prayers she'll never heed

In love I've nothing but pain and shame
And no one is there that I can blame

I tried to hide but it was a bust
My tearful eyes I cannot trust

I pray to God that when I die
She'll come to me and just say – hi

And when I'm dying she'll say – gee whiz
What a hapless lover my KHUSRO is

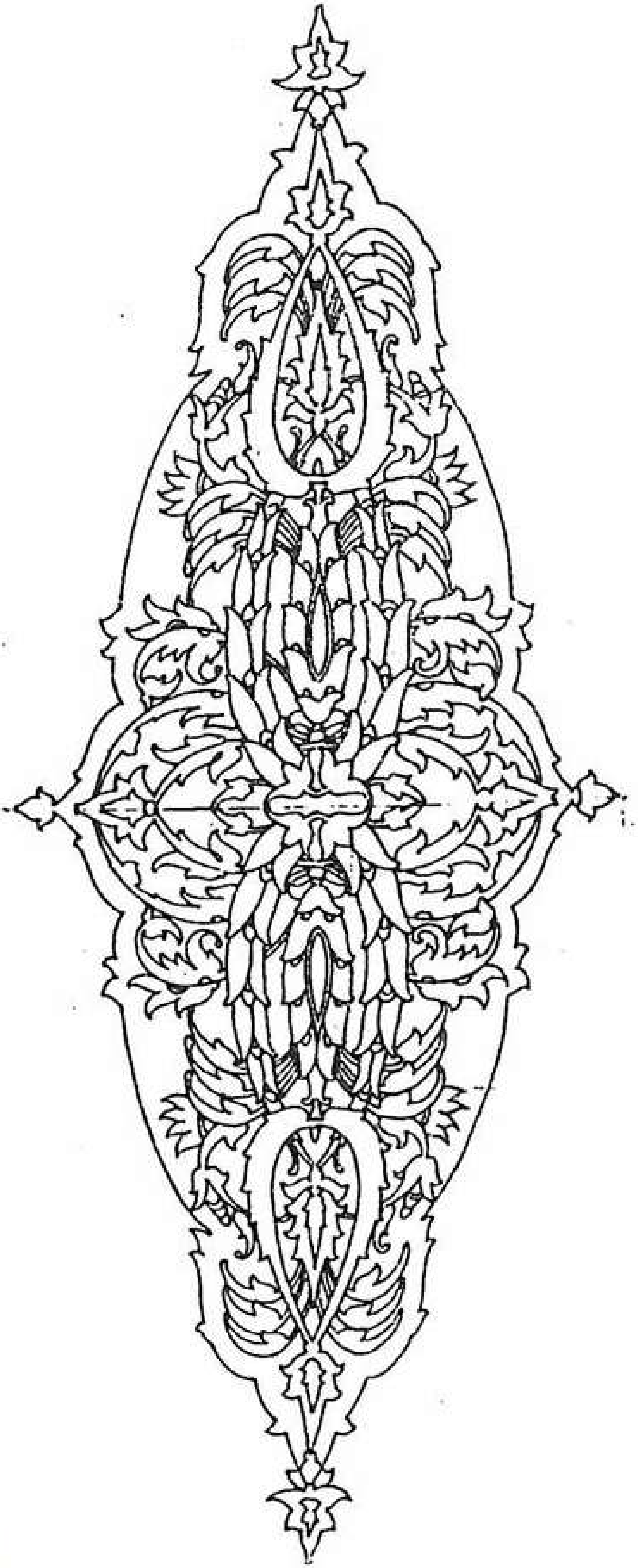

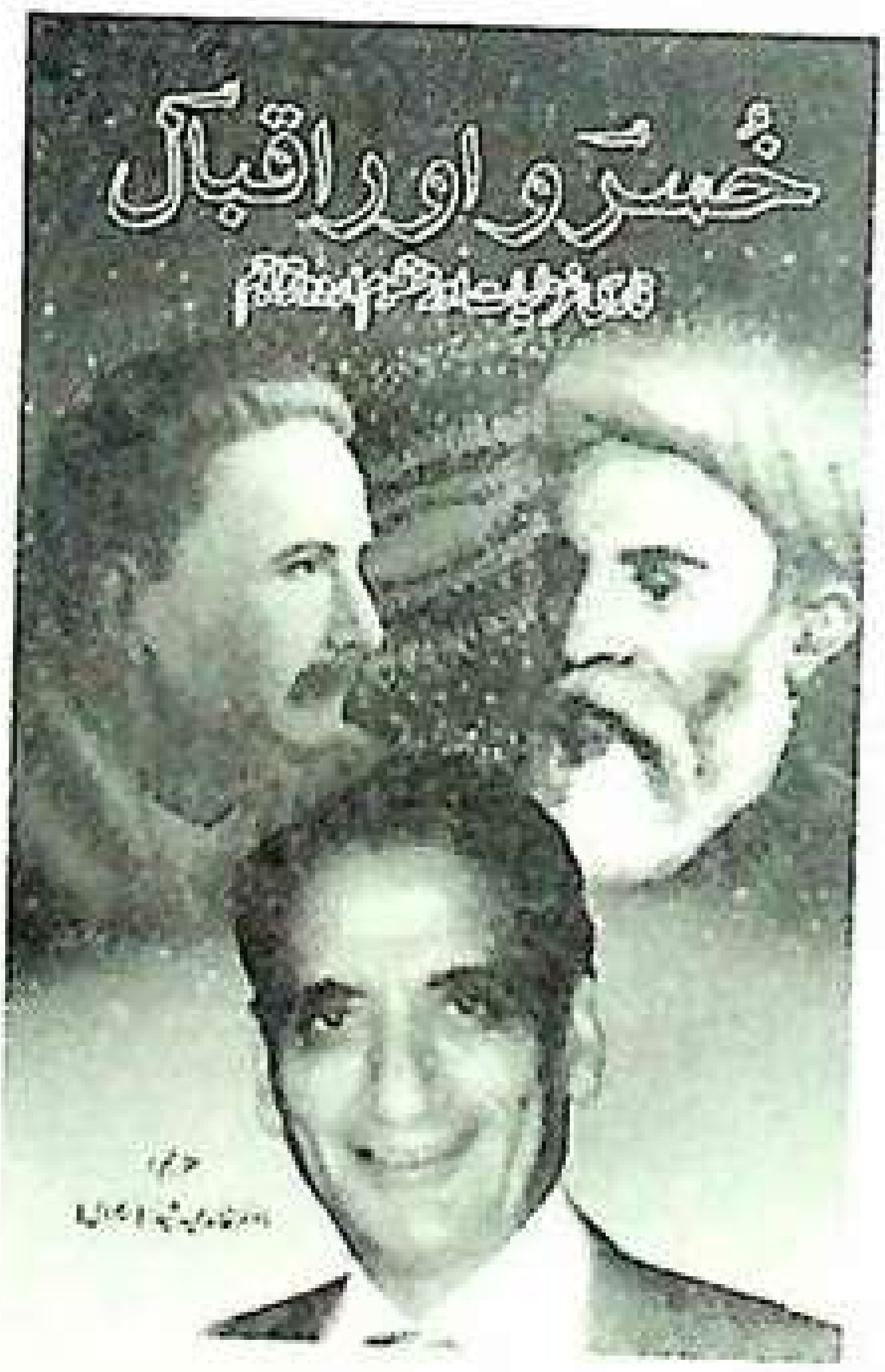

خسرو اور اقبال

کلامِ اقبال (فارسی)

منظوم اردو ترجمہ

مارجری کے نام

کرو نہ شکوۂ بد شکلیِ زماں شیدا
لب و رخ و ذقنِ یارِ مہ جبیں دیکھو

همه ناز است و شوخی و کرشمه، خسروا دلِ نه
که بهرِ کُشتنت با این همه اسباب می آید

زبورِ عجم

غزلیات

حصۂ اول

ز برونِ در گذشتم، ز درونِ خانہ گفتم
سخنے نگفتۂ را چہ قلندرانہ گفتم

دیئے کھول جا کے دَر ہیں جو درونِ خانہ میں نے
کئے فاش راز کیسے ہیں قلندرانہ میں نے

دعا

یارب درونِ سینہ دلِ باخبر بدہ
در بادہ نشّہ را نگرم، آں نظر بدہ

یارب درونِ سینہ دلِ باخبر ملے
دیکھے نشہ جو مے میں، مجھے وہ نظر ملے

ایں بندہ را کہ بانفسِ دیگراں نزیست
یک آہِ خانہ زاد مثالِ سحر بدہ

جیتا نہیں جو بانفسِ دیگراں، اُسے
یک آہِ خانہ زاد مثالِ سحر ملے

سیلم، مرا بجوئے تنک مایۂ مپیچ
جولاں گہے بوادی و کوہ و کمر بدہ

سیلاب ہوں، نہ جوئے تنک مایہ، تو نہ کیوں
جولان گہ بہ وادی و کوہ و کمر ملے

سازی اگر حریفِ یمِ بیکراں مرا
با اضطرابِ موج، سکونِ گہر بدہ

لازم ہے جب حریفِ یمِ بیکراں ہوں میں
با اضطرابِ موج، سکونِ گہر ملے

شاہینِ من بصیدِ پلنگاں گذاشتی
ہمت بلند و چنگل ازیں تیز تر بدہ

شاہین ہوں، نہ صیدِ پلنگاں، تو اے خدا
ہمت بلند، چُنگ بھی اک تیز تر ملے

رفتم کہ طائرانِ حرم را کنم شکار
تیرے کہ نافگندہ فتد کارگر بدہ

کرنا ہے طائرانِ حرم کا شکار گر
اک تیر، بے چلائے جو ہو کارگر، ملے

خاکم بہ نورِ نغمۂ داؤد بر فروز
ہر ذرۂ مرا پر و بالِ شرر بدہ

ہوں خاک، نورِ نغمۂ داؤد دے مجھے
ذرے کو تا مرے پر و بالِ شرر ملے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱

عشقِ شور انگیز را ہر جادہ در کوئے تو برد
بر تلاشِ خود چہ می نازد کہ رہ سوئے تو برد

عشقِ شور انگیز کی ہر رہ بسوئے یار ہے
ناز پر تجھ کو کہ ڈھونڈی رہ بکوئے یار ہے

۲

درونِ سینۂ ما سوزِ آرزو ز کجاست سبو ماست ولے بادہ در سبو کجاست	درونِ سینہ ہے یہ سوزِ آرزو کس کا سبو مرا، ہے ولے بادہ در سبو کس کا
گرفتم ایں کہ جہاں خاک و ما کفِ خاکیم بہ ذرہ ذرۂ ما دردِ جستجو ز کجاست	جہان خاک، کفِ خاک میں، بتا لیکن بہ ذرہ ذرہ ہے یہ دردِ جستجو کس کا
نگاہِ ما بگریبانِ کہکشاں افتد جنونِ ما ز کجا، شورِ ہائے و ہو ز کجاست	نگاہ ڈھونڈتی ہے جیبِ کہکشاں میں کسے جنوں کہاں کا، ہے یہ شورِ ہاو ہو کس کا

۳

غزل سرائے و نواہائے رفتہ باز آور بایں فسردہ دلاں حرفِ دل نواز آور	غزل سرا و نواہائے رفتہ باز لے آ فسردہ دل کے لئے حرفِ دلنواز لے آ
کُنشت و کعبہ و بتخانہ و کلیسا را ہزار فتنہ ازاں چشمِ نیم باز آور	کنشت و کعبہ و بتخانہ و کلیسا میں ہزار فتنہ ز چشمانِ نیم باز لے آ
ز بادۂ کہ بخاکِ من آتشے آمیخت پیالۂ بجوانانِ نو نیاز آور	لگائی خاک میں میری ہے آگ جس مے نے سبو میں وہ، بہ جوانانِ نو نیاز لے آ
نئے کہ دل ز نوایش بہ سینہ می رقصد مئے کہ شیشۂ جاں را دہد گداز آور	وہ لا کے نَے دے نوا سے ہو جس کی دل رقصاں وہ مے، کہ شیشۂ جاں جس سے ہو گداز، لے آ
بہ نیستانِ عجم بادِ صبحدم تیز است شرارۂ کہ فرو می چکد ز ساز آور	ہوائے تیز سے کہہ دے، بہ نیستانِ عجم شرار جس کے ہر اک سُر میں ہو، وہ ساز لے آ

۴

اے خدائے مہر و مہ خاکِ پریشانے نگر
ذرۂ در خود فرو پیچد بیابانے نگر

اے خدائے مہر و مہ خاکِ پریشاں دیکھئے
ذرہ کیوں بے تاب ہے اندر بیاباں دیکھئے

حسنِ بے پایاں درونِ سینۂ خلوت گرفت
آفتابِ خویش را زیرِ گریبانے نگر

حسنِ بے پایاں درونِ سینہ ہے خلوت گزیں
آفتابِ خویش کو زیرِ گریباں دیکھئے

بر دلِ آدم زدی عشقِ بلا انگیز را
آتشِ خود را بآغوشِ نیستانے نگر

قلبِ آدم کو دیا عشقِ بلا انگیز گر
آتشِ خود بھی بہ آغوشِ نیستاں دیکھئے

شوید از دامانِ ہستی داغہائے کہنہ را
سخت کوشی ہائے ایں آلودہ دامانے نگر

داغ ہائے کہنہ دھووے دامنِ ہستی سے یہ
سخت کوشی ہائے یک آلودہ داماں دیکھئے

خاکِ ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے
ذرۂ ناچیز و تعمیرِ بیابانے نگر

آسماں اک دوسرا بنتا ہے کیسے خاک سے
ذرۂ ناچیز و تعمیرِ بیاباں دیکھئے

۵

بصدائے دردمندے، بنوائے دلپذیرے
خمِ زندگی کشادم بجہانِ تشنہ میرے

تو بروئے بے نوائے درِ آں جہاں کشادی
کہ ہنوز آرزویش نہ دمیدہ در ضمیرے

زنگاہِ سرمہ سائے بدل و جگر رسیدی
چہ نگاہِ سرمہ سائے، دو نشانہ زد بہ تیرے

بہ نگاہِ نارسایم چہ بہارِ جلوہ دادی
کہ بہ باغ و راغ نالم چو تدروِ نو صفیرے

چہ عجب اگر دو سلطاں بہ ولایتے نہ گنجد
عجب ایں کہ می نگنجد بہ دو عالمے فقیرے

بصدائے دردمندے، بنوائے دلپذیرے
خمِ زندگی کھلا ہے بہ جہانِ تشنہ میرے

دئے کھول بے نوا پر درِ دو جہان، جس کے
نہیں آرزو ابھی تک ہے ذرا بھی در ضمیرے

زنگاہِ سرمہ سائے، لیا دل بھی اور جگر بھی
کرے دو نشانہ کیسا یہ نگہ تری بہ تیرے

ہے نگاہِ نارسا میں یہ بہارِ جلوہ کیسی
کہ میں باغ میں ہوں گریاں جوں تدروِ نو صفیرے

نہ سمائے ملک میں اک ہیں دو بادشاہ لیکن
ہے عجب، نہیں سمایا بہ دو عالمے فقیرے

۶

بر سرِ کفر و دیں فشاں رحمتِ عامِ خویش را	بر سرِ کفر و دیں چھڑک رحمتِ عامِ خویش کو
بندِ نقاب بر کشا ماہِ تمامِ خویش را	بندِ نقاب سے چھڑا ماہِ تمامِ خویش کو
زمزمۂ کہن سرائے، گردشِ بادہ تیز کن	زمزمۂ کہن سرا، گردشِ بادہ تیز کر
باز بہ بزمِ ما نگر، آتشِ جامِ خویش را	دیکھ پھر اپنی بزم میں آتشِ جامِ خویش کو
دام زگیسواں بدوش زحمتِ گلستاں بری	زلف کا دام دوش پر زحمتِ گلستاں بہت
صید چرا همی کنی طائرِ بامِ خویش را	صید کرے نہ تُو ہے کیوں طائرِ بامِ خویش کو
ریگِ عراق منتظر، کشتِ حجاز تشنہ کام	ریگِ عراق منتظر، کشتِ حجاز تشنہ لب
خونِ حُسینؑ باز دہ کوفہ و شامِ خویش را	خونِ حُسینؑ پھر سے دے کوفہ و شامِ خویش کو
دوش بہ راہبر زند راہ یگانہ طے کند	طے وہ کرے ہے پُر خطر راہ بغیرِ راہبر
می ندہد ز دستِ کس عشق زمامِ خویش را	دیوے نہیں بہ دستِ کس عشق زمامِ خویش کو
نالہ بہ آستانِ دیر بے خبرانہ می زدم	بے خبرانہ دیر میں میں نے فغاں ہے کی بہت
تا بہ حرم شناختم راہ و مقامِ خویش را	تاکہ حرم میں جان لوں راہ و مقامِ خویش کو
قافلۂ بہار را طائرِ پیش رس نگر	قافلۂ بہار کے آگے اُڑے پرندہ ہیں
آنکہ بخلوتِ قفس گفت پیامِ خویش را	تا وہ بخلوتِ قفس دیویں پیامِ خویش کو

ے

نوائے من ازاں پُر سوز و بیباک و غم انگیز است
بخاشاکم شرار افتاد و بادِ صبحدم تیز است

نوا میں ہے مری بیباکی و سوز و غم انگیزی
جلا خاشاک سب میرا، ہے کیسی باد میں تیزی

ندارد عشق سامانے و لیکن تیشۂ دارد
خراشد سینۂ کہسار و پاک از خونِ پرویز است

ہے گرچہ بے نوا رکھتا مگر ہے عشق اک تیشہ
جو کاٹے کوہ لیکن پاک ہے از خونِ پرویزی

مرا در دل خلید ایں نکتہ از مردِ ادا دانے
ز معشوقاں نگہ کاری تر از حرفِ دلاویز است

چُبھا اک اہلِ دل کا نکتہ دل میں، جب کہا اس نے
نگاہِ یار میں حرفوں سے بڑھ کر ہے دل آویزی

ببالینم بیا یکدم نشیں کز دردِ مہجوری
تہی پیمانۂ بزمم ترا پیمانہ لبریز است

خدارا بر سرِ بالین آ کر کچھ تسلی دے
کہ کرتا ساغرِ دل کی ہے دردِ ہجر لبریزی

بہ بستان جلوہ دادم آتشِ داغِ جدائی را
نسیمش تیز تر می سازد و شبنم غلط ریز است

چمن نے جب سے دیکھا میرا سوزِ داغِ فرقت، ہے
صبا میں ہے بہت تیزی، ہے شبنم میں غلط ریزی

اشارت ہائے پنہاں خانماں برہم زند لیکن
مرا آں غمزہ می باید کہ بیباک است و خونریز است

اشارت ہائے پنہاں میں نہیں کیا کم ہے بربادی
کہ مانگے قلب ہے غمزے میں بیباکی و خونریزی

نشیمن ہر دو را در آب و گل لیکن چہ راز است ایں
خرد را صحبتِ گِل خوشتر آید، دل کم آمیز است

ہے دونوں کا نشیمن آب و گِل، پر فرق ہے کتنا
خرد کو صحبتِ گُل چاہیے، دل کو کم آمیزی

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

بہت مشکل ہے ملنا میرا جیسا ہند میں کوئی
برہمن زادۂ رمز آشنائے شمسِ تبریزی

۸

دل و دیدۂ کہ دارم ہمہ لذتِ نظارہ
چہ گنہ اگر تراشم صنمے ز سنگِ خارہ

دیئے چشم و دل جو تُو نے ہمہ لذتِ نظارہ
ہوا کیا اگر بنایا صنم اک ز سنگِ خارہ

تو بجلوہ در نقابی کہ نگاہ بر نتابی
مہِ من! اگر ننالم تو بگو دگر چہ چارہ

ترا رخ درونِ پردہ، کرے عاشقاں فسردہ
مہِ من! اگر نہ روؤں تو ہو کس طرح گزارہ

چہ شود اگر خرامی بسرائے کاروانے
کہ متاعِ نا روانش دلکے است پارہ پارہ

ترا کیا ہو گر تُو آئے بہ سرائے کاروانے
کہ متاعِ نارواں ہے دلِ ریشِ پارہ پارہ

غزلے زدم کہ شاید بنوا قرار آید
تپِ شعلہ کم نگردد ز گسستنِ شرارہ

ہوں غزل سرا کہ شاید بہ نوا قرار آئے
تپِ شعلہ کم نہ کرتی ہے جدائیٔ شرارہ

دلِ زندۂ کہ دادی بہ حجاب در نہ سازد
نگہے بدہ کہ بیند شررے ز سنگِ خارہ

دلِ زندہ جو دیا ہے تو حجاب کیوں کیا ہے
دے نگہ کہ دیکھ پائے شررے ز سنگِ خارہ

ہمہ پارۂ دلم را ز سرورِ او نصیبے
غمِ خود چساں نہادی بہ دلِ ہزار پارہ

جو سُرور سے بھرا تھا مرے دل کا گوشہ گوشہ
غمِ خود دیا ہے پھر کیوں بہ دلِ ہزار پارہ

نکشد سفینۂ کس بہ یمے بلند موجے
خطرے کہ عشق بیند بہ سلامتِ کنارہ

نہیں سیلِ پُر غضب میں، نہ ہی موجِ مضطرب میں
وہ خطر جو عشق کو ہے بہ سلامتِ کنارہ

بشکوہِ بے نیازی ز خدا یگاں گذشتم
صفتِ مہِ تمامے کہ گذشت بر ستارہ

بہ شکوہِ بے نیازی، نہیں فکرِ بادشاہی
صفتِ مہِ تمامے جسے فوق بر ستارہ

۹

گرچہ شاہینِ خرد بر سرِ پروازے ہست
اندریں بادیہ پنہاں قدر اندازے ہست

گرچہ شاہینِ خرد بر سرِ پرواز ہے اک
اس بیاباں میں نہاں بھی قدر انداز ہے اک

آنچہ از کارِ فروبستہ گرہ بکشاید
ہست و در حوصلۂ زمزمہ پردازے ہست

رازِ سربستۂ پنہاں کی جو کھولے ہے گرہ
ہنرِ حوصلۂ زمزمہ پرداز ہے اک

تابِ گفتار اگر ہست، شناسائے نیست
وائے آں بندہ کہ در سینۂ او رازے ہست

تابِ گفتار ہے لیکن نہ شناسا کوئی
وائے وہ بندہ جو سینے میں رکھے راز ہے اک

گرچہ صد گونہ بصد سوز مرا سوختہ اند
اے خوشا لذتِ آں سوز کہ ہم سازے ہست

گرچہ صد گونہ بصد سوز جلایا مجھ کو
اے خوشا سوز کہ لذت سے بنا ساز ہے اک

مردہ خاکیم و سزاوارِ دلِ زندہ شدیم
ایں دلِ زندۂ ما، کارِ خدا سازے ہست

خاکِ مردہ کو ملا اک دلِ زندہ میری
معجزہ ایک ہے یہ، کارِ خدا ساز ہے اک

شعلۂ سینۂ من خانہ فروز است ولے
شعلۂ ہست کہ ہم خانہ بر اندازے ہست

شعلۂ سینہ کہ ہے خانہ فروزاں جس سے
یہ ہی بن جائے کبھی خانہ بر انداز ہے اک

تکیہ بر عقلِ جہاں بینِ فلاطوں نکنم
در کنارم دلکے شوخ و نظر بازے ہست

تکیہ بر عقلِ جہاں بینِ فلاطون نہیں
میرے سینے میں دلِ شوخ و نظر باز ہے اک

۱۰

این جہاں چیست، صنم خانۂ پندارِ من است جلوۂ او گروِ دیدۂ بیدارِ من است	یہ جہاں کیا ہے، صنم خانۂ پندار ہے سب جلوہ اسکا گردِ دیدۂ بیدار ہے سب
ہمہ آفاق کہ گیرم بنگاہے او را حلقۂ ہست کہ از گردشِ پرکارِ من است	سارا عالم، کہ جو ہے ایک نگہ میں میری ایک حلقہ ہے کہ در گردشِ پرکار ہے سب
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدنِ من چہ زمان و چہ مکاں، شوخیِ افکارِ من است	ہستی و نیستی از دیدن و نادیدنِ من یہ زماں اور یہ مکاں شوخیِ افکار ہے سب
از فسوں کاریِ دل، سیر و سکوں، غیب و حضور ایں کہ غماز و کشایندۂ اسرارِ من است	از فسوں کاریِ دل، سیر و سکوں، غیب و حضور غمزہ غماز و کشایندۂ اسرار ہے سب
آں جہانے کہ درو کاشتہ را می درَوند نور و نارش ہمہ از سبحہ و زنارِ من است	اس جہاں میں، کہ جو بوتے ہیں، وہی کاٹتے ہیں نور بھی نار بھی، از تسبیح و زنار ہے سب
سازِ تقدیرم و صد نغمۂ پنہاں دارم ہر کجا زخمۂ اندیشہ رسد تارِ من است	سازِ تقدیر ہوں، صد نغمۂ پنہاں مجھ میں زخمۂ فکر نکالے جو، دروں تار ہے سب

۱۱

فصلِ بہار ایں چنیں، بانگِ ہزار ایں چنیں
چہرہ کُشا، غزل سرا، بادہ بیار ایں چنیں

فصلِ بہار اسطرح، بانگِ ہزار اسطرح
چہرہ دکھا، غزل سرا، تا ہو قرار اسطرح

اشکِ چکیدہ ام ببیں، ہم بہ نگاہِ خود نگر
ریز بہ نیستانِ من برق و شرار ایں چنیں

بارشِ اشک کو مری، کہتے ہیں لوگ دیکھ کر
گرتے ہیں نیستان میں برق و شرار اسطرح

بادِ بہار را بگوئے پے بخیالِ من برد
وادی و دشت را دہد نقش و نگار ایں چنیں

باغِ خیال کو دکھا کر مرے، کہہ بہار سے
وادی و دشت میں بنا نقش و نگار اسطرح

زادۂ باغ و راغ را از نفسم طراوتے
در چمنِ تو زیستم با گل و خار ایں چنیں

رکھتا ہے باغ و راغ کو تازہ و تر مرا نفس
رہتا ہوں باغ میں ترے با گل و خار اسطرح

عالمِ آب و خاک را بر محکِ دلم بسائے
روشن و تارِ خویش را گیر عیار ایں چنیں

دل کی محک پہ گھس مری، عالمِ آب و خاک کو
تیرہ و نور کو ملے تا کہ عیار اسطرح

دل بہ کسے نباختہ، با دو جہاں نساختہ
من بہ حضورِ تو رسم، روزِ شمار ایں چنیں

دل بہ کسے نباختہ، با دو جہاں نساختہ
ہوں میں ترے حضور میں، روزِ شمار اسطرح

فاختۂ کہن صفیر نالۂ من شنید و گفت
کس نہ سرود در چمن نغمۂ پار ایں چنیں

سمجھے مجھے ہے نغمہ زن، فاختۂ کہن صفیر
باغ میں روتا دیکھ کر زار و قطار اسطرح

۱۲

خیز و بخاکِ تشنۂ، بادۂ زندگی فشاں
آتشِ خود بلند کن، آتشِ ما فرونشاں

ساقی بہ خاکِ تشنگاں بادۂ زندگی فشاں
آتشِ سینہ سوز کا بہرِ خدا مٹا نشاں

میکدۂ تہی سبو، حلقۂ خود فرامشاں
مدرسۂ بلند بانگ، بزمِ فسردہ آتشاں

میکدۂ تہی سبو، حلقۂ مستِ بیخوداں
مدرسۂ بلند بانگ، بزمِ فسردہ آتشاں

فکرِ گرہ کشا غلام، دیں بر وائے تمام
زانکہ درونِ سینہ ہا دل ہدفے ست بے نشاں

فکر گرہ کشا نہیں، دل میں یقیں ذرا نہیں
اندرِ سینہ بن گیا دل کا ہدف ہے بے نشاں

ہر دو بمنزلے رواں، ہر دو امیرِ کارواں
عقل بحیلہ می برد، عشق برد کشاں کشاں

ہر دو بمنزلے رواں، ہر دو امیرِ کارواں
عقل بہ حیلہ یک طرف، عشق بہ یک طرف کشاں

عشق ز پا در آورد خیمۂ شش جہات را
دست دراز می کند تا بہ طنابِ کہکشاں

دیوے اکھاڑ عشق ہے خیمۂ شش جہات کو
کھینچے ہے دستِ شوق سے جب وہ طنابِ کہکشاں

۱۳

ماکہ افتندہ تر از پرتوِ مہ آمدہ ایم
کس چہ داند کہ چساں ایں ہمہ رہ آمدہ ایم

با رقیباں سخن از دردِ دل ما گفتی
شرمسار از اثرِ نالہ و آہ آمدہ ایم

پردہ از چہرہ برافگن کہ چو خورشیدِ سحر
بہرِ دیدارِ تو لبریزِ نگہ آمدہ ایم

عزم مارا بہ یقیں پختہ ترک ساز کہ ما
اندریں معرکہ بے خیل و سپہ آمدہ ایم

تو ندانی کہ نگاہے سرِ راہے چہ کند
در حضورِ تو دعا گفتہ برہ آمدہ ایم

ہم کہ افتادہ تر از پرتوِ مہ آئے ہیں
کیا کہیں کس طرح طے کرکے یہ رہ آئے ہیں

راز بتلایا رقیبوں کو ہمارا تُو نے
شرمسار از اثرِ نالہ و آہ آئے ہیں

پردہ چہرے سے اٹھا صورتِ خورشیدِ سحر
ہم تجھے دیکھنے لبریزِ نگہ آئے ہیں

دے یقیں، عزم ہو تا پختہ ہمارا یا رب
کرنے ہم جنگ یہ، بے خیل و سپہ آئے ہیں

دیکھ تو ایک نگہ کیا سرِ رہ کرتی ہے
پاس ہم تیرے دعا گفتہ برہ آئے ہیں

۱۴

نظر بہ راہ نشیناں سوارہ می گذرد
مرا بگیر کہ کارم ز چارہ می گذرد

نظر بہ راہ نشیناں سوارہ گزرے ہے
ہو دستگیر، مرا دکھ ز چارہ گزرے ہے

بہ دیگراں چہ سخن گسترم ز جلوۂ دوست
بیک نگاہ مثالِ شرارہ می گذرد

کہوں میں کیسے کسی سے کہ کیا ہے جلوۂ دوست
بہ یک نگاہ مثالِ شرارہ گزرے ہے

رہے بمنزلِ آں ماہ سخت دشوار است
چناں کہ عشق بدوش ستارہ می گذرد

نہ طالبوں کو ملے اپنے ماہ کی منزل
اگر نہ عشق بدوشِ ستارہ گزرے ہے

ز پردہ بندئ گردوں چہ جائے نومیدی
کہ ناوکِ نظرِ ما زخارہ می گذرد

ہو پردہ بندیِ گردوں سے ناامیدی کیوں
کہ ناوکِ نظر اپنا زخارہ گزرے ہے

یمے ست شبنمِ ما، کہکشاں کنارۂ اوست
بیک شکستنِ موج از کنارہ می گذرد

ہمارا ژالہ ہے یم، کہکشاں کنارا ہے
ہے موج ایسی کہ از ہر کنارہ گزرے ہے

بخلوتش چو رسیدی نظر بہ او مکشا
کہ آں دمے ست کہ کار از نظارہ می گذرد

نہ آنکھ کھول، ملے گر تجھے حضور اس کا
کہ ایسے وقت میں کار از نظارہ گزرے ہے

من از فراق چہ نالم کہ از ہجومِ سرشک
ز راہِ دیدہ دلم پارہ پارہ می گذرد

ہجومِ اشک کچھ ایسا ہے اسکی فرقت میں
کہ راہِ چشم سے دل پارہ پارہ گزرے ہے

۱۵

برعقلِ فلک پیما تُرکانہ شبیخوں بہ
یک ذرۂ دردِ دل از علمِ فلاطوں بہ

دی مغ بچۂ بامن اسرارِ محبت گفت
اشکے کہ فرو خوردی از بادۂ گلگوں بہ

آں فقر کہ بے تیغے صد کشورِ دل گیرد
از شوکتِ دارا بہ، از فرِّ فریدوں بہ

در دیرِ مغاں آئی، مضمونِ بلند آور
در خانقۂ صوفی افسانہ و افسوں بہ

در جوئے روانِ ما، بے منتِ طوفانے
یک موج اگر خیزد آں موج ز جیحوں بہ

سیلے کہ تو آوردی در شہر نمی گنجد
ایں خانہ براندازے در خلوتِ ہاموں بہ

اقبالِ غزل خواں را کافر نتواں گفتن
سودا بدماغش زد، از مدرسہ بیروں بہ

برعقلِ فلک پیما تُرکانہ شبیخوں بہ
یک ذرۂ دردِ دل از علمِ فلاطوں بہ

اک مغ بچہ نے کھولا یوں رازِ محبت کو
پینا ہے سرشکِ خوں از بادۂ گلگوں بہ

بے تیغ جو سر کرتا ہے فقر، دیارِ دل
از شوکتِ دارا بہ، از فرِّ فریدوں بہ

در دیرِ مغاں کمتر ہیں اعلیٰ مضامین بھی
در خانقۂ صوفی افسانہ و افسوں بہ

در جوئے روانِ ما، بے منتِ طوفانے
اک موج جو خود اُٹھے، وہ موج ز جیحوں بہ

کرتا ہے بھرے شہروں کو سیل ترا غرقہ
یہ خانہ بر انداز اک، در خلوتِ ہاموں بہ

اقبالِ غزل خواں کو کافر نہ کہو لوگو
سودائی ہے اس جیسا از مدرسہ بیروں بہ

۱۶

سوز و گدازِ زندگی لذتِ جستجوئے تو
راہ چو مار می گزد گر نہ روم بسوئے تو

سینہ کشادہ جبرئیل از برِ عاشقاں گذشت
تا شررے باو فتد آتشِ آرزوئے تو

ہم بہ ہوائے جلوۂ پارہ کنم حجاب را
ہم بنگاہِ نارسا پردہ کشم بروئے تو

من بتلاشِ تو روم یا بتلاشِ خود روم
عقل و دل و نظر ہمہ گم شدگانِ کوئے تو

از چمنِ تو رستہ ام، قطرۂ شبنمے بہ بخش
خاطرِ غنچہ وا شود، کم نشود ز جوئے تو

سوز و گدازِ زندگی لذتِ جستجوئے تو
کاٹے ہے ناگ بن کے رہ جاؤں نہ گر بسوئے تو

سینہ کشادہ قدسیاں ہیں بشمارِ عاشقاں
دل میں لگی ہے ان کے یوں آتشِ آرزوئے تو

کرتی ہوائے دید ہے پارہ ترا حجاب اور
کرتی نگاہ شوق ہے پردہ کشی بروئے تو

تیری تلاش ہے مجھے یا میں تلاشِ خود میں ہوں
عقل و دل و نظر ہیں سب گم شدگانِ کوئے تو

غنچہ ترے چمن کا ہوں، دل دہی کر ذرا مری
دینے سے ڈالے ایک دو گھٹتی نہیں ہے جوئے تو

۱۷

دریں محفل کہ کارِ او گذشت از بادہ و ساقی
ندیمے گو کہ در جامش فرو ریزم مئے باقی

کسے کو زہرِ شیریں می خورد از جامِ زرینے
مئے تلخ از سفالِ من کجا گیرد بہ تریاقی

شرار از خاکِ من خیزد، کجا ریزم، کرا سوزم
غلط کردی کہ در جانم فگندی سوزِ مشتاقی

مکدر کرد مغرب چشمہ ہائے علم و عرفاں را
جہاں را تیرہ تر سازد چہ مشائی چہ اشراقی

چہ مُلائی، چہ درویشی، چہ سلطانی، چہ دربانی
فروغِ کار می جوید بسالوسی و زراقی

بہ بازارے کہ چشمِ صیرفی شور است و کم نور است
نگینم خوار تر گردد چو افزاید بہ براقی

یہ محفل، جب رہا اس میں نہ کارِ بادہ و ساقی
ہے کوئی رند جس کے جام میں ڈالوں مئے باقی

جو ہیں پینے کے شائق زہرِ شیریں جامِ زریں سے
پئیں کیوں وہ سفالی جام سے مے تلخ و تریاقی

سوا میرے کسی کو جب جلا سکتا نہیں ہے یہ
خدایا کیوں دیا ہے دل کو تُو نے سوزِ مشتاقی

مکدر کر دئے مغرب نے چشمہ ہائے عرفاں سب
کرے عالم ہے تیرہ تر یہ مشائی، یہ اشراقی

یہ مُلائی، یہ درویشی، یہ سلطانی، یہ دربانی
نشاطِ کار ہے سب کو بہ سالوسی، بہ زراقی

ہو جس بازار میں کم نور و بد بیں چشمِ صرافی
نگینہ خوار ہوتا ہے، ہو چاہے جتنی براقی

۱۸

ساقیا بر جگرم شعلۂ نمناک انداز
دگر آشوبِ قیامت بکفِ خاک انداز

ساقیا دل میں مرے شعلۂ نمناک بھی ہو
ایک آشوبِ قیامت بکفِ خاک بھی ہو

او بیک دانۂ گندم بزمینم انداخت
تو بیک جرعۂ آب آنسوئے افلاک انداز

گر ملی دانۂ گندم سے یہ دنیا مجھ کو
اک ملے جرعہ تو ورثہ مرا افلاک بھی ہو

عشق را بادۂ مرد افگن و پُر زور بدہ
لائے ایں بادہ بہ پیمانۂ ادراک انداز

عشق کو بادۂ مرد افگن و پُر زور ملے
جذبۂ دل سے بھرا ساغرِ ادراک بھی ہو

حکمت و فلسفہ کرد است گراں خیز مرا
خضرِ من، از سرم ایں بارِ گراں پاک انداز

حکمت و فلسفہ گر سر میں بھرے ہیں میرے
اے خضر، دل میں ذرا ہمتِ بے باک بھی ہو

خرد از گرمیِ صہبا بگدازے نرسید
چارۂ کار بہ آں غمزۂ چالاک انداز

گرمیِ صہبا سے ہووے نہ گداز عقل مری
ساقیا کچھ تو ذرا غمزۂ چالاک بھی ہو

بزم در کشمکشِ بیم و امید است ہنوز
ہمہ را بے خبر از گردشِ افلاک انداز

خوف و امید سے ہے بزم ہماری برہم
کرنا ہے خود ہے تو کچھ گردشِ افلاک بھی ہو

می تواں ریخت در آغوشِ خزاں لالہ و گل
خیز و بر شاخِ کہن خونِ رگِ تاک انداز

نہیں آغوشِ خزاں میں گل و لالہ کافی
شاخِ دیرینہ پہ کچھ خونِ رگِ تاک بھی ہو

۱۹

ازاں آبے کہ در من لالہ کارد ساتگینے دہ
کفِ خاکِ مرا ساقی بباد فرودینے دہ

زمینائے کہ خوردم در فرنگ اندیشہ تاریک است
سفر ورزیدۂ خود را نگاہِ راہ بینے دہ

چو خس از موجِ بر بادے کہ می آید زجا رفتم
دلِ من از گمانہا در خروش آمد یقینے دہ

بجانم آرزو ہا بود و نابودِ شرر دارد
شبم را کوکبے از آرزوئے دل نشینے دہ

بدستم خامۂ دادی کہ نقشِ خسروی بندد
رقم کش ایں چنینم کردۂ لوحِ جبینے دہ

اُگیں جس آب سے گل اس سے بھر کے ساتگیں دیدے
کفِ خاکِ من اے ساقی بہ بادِ فرودیں دیدے

فرنگی مے نے ساقی کر دیا اندیشہ تیرہ ہے
پلا وہ مے جو رہرو کو نگاہِ راہ بیں دیدے

ہر اک موجِ ہوا مانندِ خس مجھ کو اُڑاتی ہے
ہوں مارا میں گماں کا، مجھ کو تھوڑا سا یقیں دیدے

تمنا بود و نابودِ شرر میں مبتلا ہر دم
میری شب کو نجومِ آرزوئے دلنشیں دیدے

ہے نقشِ خسروی سے رابطہ کیا کلک کو میرے
رقم کش گر بنایا ہے مجھے لوحِ جبیں دیدے

۲۰

زہر نقشے کہ دل از دیدہ گیرد، پاک می آیم
گدائے معنیِ پاکم، تہی ادراک می آیم

جو نقش آئے تھے دل میں آنکھ سے، کر خاک آیا ہوں
گدائے معنوی ہوں میں، تہی ادراک آیا ہوں

گہے رسم و رہِ فرزانگی ذوقِ جنوں بخشد
من از درسِ خرد منداں گریباں چاک می آیم

دیا ذوقِ جنوں فرزانگی نے ہے مجھے ایسا
کہ از درسِ خرد منداں گریباں چاک آیا ہوں

گہے بیچد جہاں بر من، گہے من بر جہاں بیچم
بگرداں بادہ تا بیروں ازیں پیچاک می آیم

میں دنیا کو ہوں پیچیدہ، مجھے دنیا ہے پیچیدہ
دے بادہ ساقیا، میں چھوڑ یہ پیچاک آیا ہوں

نہ ایں جا چشمکِ ساقی، نہ آنجا حرفِ مشتاقی
ز بزمِ صوفی و ملا بسے غمناک می آیم

نہ یاں پر چشمکِ ساقی، نہ واں پر حرفِ مشتاقی
ز بزمِ صوفی و ملا بہت غمناک آیا ہوں

رسد وقتے کہ خاصانِ ترا با من فتد کارے
کہ من صحرائیم، پیشِ ملکِ بیباک می آیم

عجب ہے کام مجھ سے ہے امیروں کو، وزیروں کو
ہوں صحرائی میں گو، پیشِ ملکِ بیباک آیا ہوں

۲۱

دلِ بے قیدِ من با نور و ایماں کافری کردہ
حرم را سجدہ آوردہ، بتاں را چاکری کردہ

متاعِ طاعتِ خود را ترازوئے برافرازد
ببازارِ قیامت با خدا سوداگری کردہ

زمین و آسماں را بر مرادِ خویش می خواہد
غبارِ راہ و با تقدیرِ یزداں داوری کردہ

گہے با حق در آمیزد، گہے با حق در آویزد
زمانے حیدری کردہ، زمانے خیبری کردہ

بایں بے رنگیٔ جوہر از و نیرنگ می ریزد
کلیمے بیں کہ ہم پیغمبری، ہم ساحری کردہ

نگاہش عقلِ دُور اندیش را ذوقِ جنوں دادہ
ولیکن با جنونِ فتنہ سامان نشتری کردہ

بخود کے می رسد ایں راہ پیمائے تن آسانے
ہزاراں سال منزل در مقامِ آذری کردہ

دلِ آزاد میں ہے نورِ ایماں، کافری بھی ہے
حرم کی جبہ سائی بھی، بتوں کی چاکری بھی ہے

نہ دنیا ہی میں ہم بیچیں متاعِ طاعتِ خود کو
ببازارِ قیامت با خدا سوداگری بھی ہے

زمین و آسماں سارے ہمارے حسبِ خواہش ہیں
زہے قسمت کہ با تقدیرِ یزداں داوری بھی ہے

نصیری حق کے ہم ہیں اور حق ناصر ہمارا ہے
جوازِ حیدری بھی ہے جوازِ خیبری بھی ہے

ہے گر بے رنگیٔ جوہر تو ہے نیرنگ بھی قدرے
کلیم اللہ کو پیغمبری بھی، ساحری بھی ہے

نگہ، جو عقلِ دُور اندیش کو ذوقِ جنوں دیدے
جنونِ فتنہ ساماں بھی رکھے ہے، نشتری بھی ہے

رسائی سالکِ رہرو کو ہے مانا، مگر اسکی
ہزاروں سال منزل در مقامِ آذری بھی ہے

۲۲

ز شاعر نالۂ مستانہ در محشر چہ می خواہی
تُو خود ہنگامۂ ، ہنگامۂ دیگر چہ می خواہی
بہ بحرِ نغمہ کردی آشنا طبعِ روانم را
ز چاکِ سینہ ام دریا طلب، گوہر چہ می خواہی
نمازِ بے حضور از من نمی آید، نمی آید
ولے آوردہ ام دیگر ازیں کافر چہ می خواہی

ز شاعر نالۂ مستانہ در محشر طلب کیوں ہے
تو ہنگامہ ہے خود، ہنگامۂ دیگر طلب کیوں ہے
کیا ہے آشنا طبعِ رواں کو بحرِ نغمہ سے
ز چاک سینہ کر دریا طلب، گوہر طلب کیوں ہے
نمازِ بے حضور ہم کو نہیں آتی، نہیں آتی
ہے دل جب اتنا شیدائی، اے کافر طلب کیوں ہے

۲۳

نہ دز اندیشۂ من کارزارِ کفر و ایمانے
نہ در جانِ غم اندوزم ہوائے باغِ رضوانے
اگر کاوی درونم را خیالِ خویش را یابی
پریشاں جلوۂ چوں ماہتاب اندر بیابانے

نہ اندیشے میں میرے کارزارِ کفر و ایماں ہے
نہ جانِ غمزدہ میں کچھ ہوائے باغِ رضواں ہے
خیال اک تیرا دل میں ہے، لگے ہے دیکھ کر جسکو
پریشاں ایک جلوہ شکلِ مہ اندر بیاباں ہے

۲۴

مرغِ خوش لہجہ و شاہینِ شکاری از تست
زندگی را روشِ نور و ناری از تست

دلِ بیدار و کفِ خاک و تماشائے جہاں
سیرِ ایں ماہ بشب گونہ عماری از تست

ہمہ افکارِ من از تست چہ در دل چہ بلب
گہر از بحر برآری، نہ برآری از تست

من ہماں مشتِ غبارم کہ بجائے نرسد
لالہ از تست و نمِ ابرِ بہاری از تست

نقش پرداز توئی، ما قلمِ افشانیم
حاضر آرائی و آئندہ نگاری از تست

گلہ ہا داشتم، از دل بزبانم نرسید
مہر و بے مہری و عیاری دیاری از تست

مرغِ خوش لہجہ و شاہینِ شکاری تجھ سے
زندگی کو روشِ نوری و ناری تجھ سے

دلِ بیدار و کفِ خاک و تماشائے جہاں
سیرِ مہتاب بہ شب گونہ عماری تجھ سے

بحرِ افکار میں میرے ہیں گہر سب تیرے
فکر دل میں ہو کہ لب پر، ہے یہ ساری تجھ سے

میں ہی اک مشتِ غبارِ بے نشاں ہوں ورنہ
لالہ تجھ سے ہے، نمِ ابرِ بہاری تجھ سے

نقش پرداز ہے تُو، نقش بر انداز ہے تُو
حاضر آرائی و آئندہ نگاری تجھ سے

ہم گلہ کرتے ہیں گردوں کا، اگرچہ ہیں سب
مہر و بے مہری و عیاری دیاری تجھ سے

۲۵

مرا براہِ طلب بار در گل است ہنوز	طلب ثمر کی بہت مجھ کو از گل ابتک ہے
کہ دل بقافلہ و رخت و منزل است ہنوز	کہ دل بہ قافلہ و رخت و منزل ابتک ہے
کجاست برقِ نگاھے کہ خانماں سوزد	کہاں ہے برقِ نگہ خانماں جلائے جو
مرا معاملہ باکِشت و حاصل است ہنوز	مجھے معاملہ باکِشت و حاصل ابتک ہے
یکے سفینۂ ایں خام را بہ طوفاں دہ	سفینہ دل کا تلاطم میں ڈال کہ اس کی
ز ترسِ موج، نگاہم بساحل است ہنوز	نگہ میں، موج کی دہشت سے ساحل ابتک ہے
تپیدن و نرسیدن چہ عالمے دارد	تڑپنا اور نہ پہنچنا ہے دید کے قابل
خوشا کسے کہ بہ دنبالِ محمل است ہنوز	خوشا کسے کہ بہ دنبالِ محمل ابتک ہے
کسے کہ از دو جہاں خویش را بروں نشناخت	وہ ایک چھُٹ نہ سکا قیدِ دو جہاں سے جو
فریب خوردۂ ایں نقشِ باطل است ہنوز	فریب خوردۂ یک نقشِ باطل ابتک ہے
نگاہِ شوق تسلی بجلوۂ نشود	نگاہِ شوق کو تسکیں ہوئی نہ جلوے سے
کجا برم خلشے را کہ در دل است ہنوز	میں اس خلش کا کروں کیا جو در دل ابتک ہے
حضورِ یار حکایت دراز تر گردید	حضورِ یار ہوئی داستاں دراز ایسی
چنانکہ ایں ہمہ ناگفتہ در دل است ہنوز	کہ سارا قصۂ ناگفتہ در دل ابتک ہے

۲۶

زمستاں را سر آمد روزگاراں
نواہا زندہ شد در شاخساراں

گلاں را رنگ و نم بخشد ہواہا
کہ می آید ز طرفِ جوئباراں

چراغِ لالہ اندر دشت و صحرا
شود روشن تر از بادِ بہاراں

دلم افسردہ تر در صحبتِ گل
گریزد ایں غزال از مرغزاراں

دمے آسودہ با درد و غمِ خویش
دمے نالاں چوں جوئے کہساراں

زبیمِ ایں کہ ذوقش کم نگردد
نگویم حالِ دل با راز داراں

زمستاں چل بسا، آئی بہاراں
نوا زندہ ہوئی در شاخساراں

گلوں کو رنگ و بو بخشے ہوا نے
کہ آتی ہے ز طرفِ کوہساراں

چراغِ لالہ اندر دشت و صحرا
کرے روشن بہت بادِ بہاراں

ہے یوں افسردہ دل در صحبتِ گل
کرے رم یہ غزال از مرغزاراں

کبھی آسودہ با درد و غمِ خود
کبھی نالاں بہ شکلِ جوئباراں

میں اس ڈر سے کہ ذوقِ دل نہ کم ہو
نہ حال اپنا کہوں با راز داراں

۲۷

شبِ من سحر نمودی کہ بہ طلعت آفتابی
تو بہ طلعت آفتابی، سزد ایں کہ بے حجابی

تو بدردِ من رسیدی، بضمیرم آرمیدی
زنگاہِ من رمیدی بچنیں گراں رکابی

تو عیارِ کم عیاراں، تو قرارِ بے قراراں
تو دوائے دل فگاراں مگر ایں کہ دیریابی

غمِ عشق ولذتِ او اثرِ دو گونہ دارد
گہے سوز و دردمندی، گہے مستی وخرابی

زحکایتِ دلِ من تو بگو کہ خوب دانی
دلِ من کجا کہ او را بکنارِ من نیابی

بجلالِ تو کہ در دل دگر آرزو ندارم
بجز ایں دعا کہ بخشی بہ کبوتراں عقابی

مری رات کی سحر ہے ترا روئے آفتابی
ہے جو اتنا آفتابی تو نہ کیوں ہے بے حجابی

مرا غم تُو جانتا ہے، مرا دل تُو مانگتا ہے
تو یہ رم ہے اسقدر کیوں، ہے یہ کیوں گراں رکابی

تُو عیارِ کم عیاراں، تُو قرارِ بے قراراں
تُو دوائے دل فگاراں، تجھے کیوں ہے دیریابی

غمِ عشق ولذتِ غم اثرِ دو گونہ رکھیں
گہے سوز و دردمندی، گہے مستی وخرابی

تُو ہی اس کا آشنا ہے، تُو بتا اگر پتا ہے
جو کنار میں نہیں دل، ہے کہاں یہ ناصوابی

نہ کچھ اور مدعا ہے، اگر ہے تو اک دعا ہے
کہ تُو بخش دے کبوتر کو بھی اک دلِ عقابی

۲۸

دریں میخانہ اے ساقی ندارم محرمے دیگر
کہ من شاید نخستیں آدمم از عالمے دیگر

دمے ایں پیکرِ فرسودہ را سازی کفِ خاکے
فشانی آب و از خاک آتش انگیزی دمے دیگر

بیار آں دولتِ بیدار و آں جامِ جہاں بیں را
عجم را دادہ ہنگامۂ بزمِ جمے دیگر

سوا ساقی نہ میخانے میں کوئی محرم دیگر
لگے ہے، میں ہوں شاید آدمی از عالمِ دیگر

دمے، پیکر بناتا ہے کفِ خاک اور کرتا ہے
چھڑک کر آب گِل پر، آتش انگیزی، دمِ دیگر

خدایا دولتِ بیدار اور جامِ جہاں بیں دے
عجم کو، تا ملے ہنگامۂ بزمِ جمِ دیگر

۲۹

بجہانِ دردمنداں تو بگو چہ کار داری
تب و تابِ ماشناسی، دلِ بے قرار داری

چہ خبر تراز اشکے کہ فرو چکد ز چشمے
تو بہ برگِ گل ز شبنم دُرِ شاہوار داری

چہ بگویمت ز جانے کہ نفس نفس شمارد
دمِ مستعار داری، غمِ روزگار داری

بجہانِ دردمنداں نہیں کوئی کار تجھ کو
کہ ملا نہ تپ شناسا دلِ بے قرار تجھ کو

تجھے کیوں ہو قدرِ گوہر جو ہیں گرتے چشم تر سے
کہ بہ برگِ گل بہ شبنم دُرِ شاہوار تجھ کو

نہیں علمِ جاں کنی کچھ کہ ملا نہیں ذرا بھی
دمِ مستعار تجھ کو، غمِ روزگار تجھ کو

۳۰

اگر نظارہ از خود رفتگی آرد حجاب اولیٰ
نگیرد با من ایں سودا، بہا از بس گراں خواہی

نظارہ بے خودی کا ایک بحرِ بیکراں چاہے
کہاں سے لے کے آئیں گر بہا اتنا گراں چاہے

سخن بے پردہ گو با ما، شد آں روزِ کم آمیزی
کہ می گفتند تو ما را چنیں خواہی چناں خواہی

بتا تُو ہی کہاں جائیں ترے عشاق جب ہرگز
نہ تُو ان کو یہاں چاہے، نہ تُو ان کو وہاں چاہے

نگاہِ بے ادب زد رخنہ ہا در چرخِ مینائی
دگر عالم بنا کُن گر حجابے درمیاں خواہی

نگاہِ بے ادب جاتی پرے ہے چرخ سے میری
دگر عالم بنا تُو گر حجابے درمیاں چاہے

چناں خود را نگہداری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود، ز خونِ دوستاں خواہی

ہے ایسی خود نگہداری، ہے ایسی بے نیازی بھی
شہادت بر وجودِ خود، ز خونِ دوستاں چاہے

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ تُو چاہے، ز خاکی نذرِ جاں چاہے

مسِ خامے کہ دارم، از محبت کیمیا سازم
کہ فردا چوں رسم پیشِ تو از من ارمغاں خواہی

بنا تا دل کو اپنے کیمیا ہوں میں محبت سے
کہ شاید روزِ محشر مجھ سے تُو کچھ ارمغاں چاہے

۳۱

نورِ تو وا نمود سپید و سیاه را
دریا و کوه و دشت و در و مہر و ماه را

تیری ضیا دکھائے سفید و سیاہ کو
دریا و کوہ و دشت میں خورشید و ماہ کو

تو در ہوائے آں کہ نگہ آشنائے اوست
من در تلاشِ آں کہ نتابد نگاه را

تجھ کو تلاش ایک نگہ آشنا کی ہے
میں ڈھونڈتا ہوں وہ جو نہ پھیرے نگاہ کو

۳۲

بہ فغاں نہ لب کشودم کہ فغاں اثر ندارد
غمِ دل نگفتہ بہتر، ہمہ کس جگر ندارد

کروں کیوں فغاں، فغاں جب مری پُر اثر نہیں ہے
غمِ دل کی تاب لانے کیلئے جگر نہیں ہے

تو ز راہِ دیدۂ ما بضمیرِ ما گذشتی
مگر آنچناں گذشتی کہ نگہ خبر ندارد

تو گیا ہے دل میں میرے گو براہِ چشمِ روشن
گیا یوں مگر، نگہ کو بھی ہوئی خبر نہیں ہے

کس ازیں نگیں شناساں نگذشت بر نگینم
بتو می سپارم او را کہ جہاں نظر ندارد

میں نگیں کو اپنے لایا ہوں سپرد تیرے کرنے
کہ قدر شناس کوئی بھی یہاں نظر نہیں ہے

قدحِ خرد فروزے کہ فرنگ داد ما را
ہمہ آفتاب لیکن اثرِ سحر ندارد

یہ خردِ فروز ساغر جو فرنگ نے دیا ہے
ہے یہ مہر لیکن اس میں اثرِ سحر نہیں ہے

۴۳

رمزِ عشقِ تو بہ اربابِ ہوس نتواں گفت	رمزِ عشقِ تو بہ اربابِ ہوس کہہ نہ سکے
سخن از تاب وتبِ شعلہ بہ خس نتواں گفت	سخن از تاب وتبِ شعلہ بہ خس کہہ نہ سکے
تو مرا ذوقِ بیاں دادی و گفتی کہ بگوے	تھا بہت ذوقِ بیاں اور تھی گویائی بھی
ہست در سینۂ من آنچہ بکس نتواں گفت	بات کہنے کی بھی خواہش تھی مگر کہہ نہ سکے
از نہاں خانۂ دل خوش غزلے می خیزد	لب پہ آئی تھیں نہاں خانۂ دل سے غزلیں
سرِ شاخے ہمہ گویم، بہ قفس نتواں گفت	دیکھ کر ایک گلستاں میں قفس، کہہ نہ سکے
شوق اگر زندۂ جاوید نباشد، عجب است	دل دیا تھا تو بقا بھی ہمیں دیدی ہوتی
کہ حدیثِ تو دریں یک دو نفس نتواں گفت	داستاں عشق کی در یک دو نفس کہہ نہ سکے

۳۴

یاد ایامے کہ خوردم بادہ ہا با چنگ و نے
جامِ مے در دستِ من، مینائے مے در دستِ وے

وہ بھی دن تھے میکشی کرتے تھے ہم با چنگ و نے
جامِ مے در دستِ من، مینائے مے در دستِ وے

در کنار آئی، خزانِ ما زند رنگِ بہار
ور نیائی، فرودیں افسردہ تر گردد ز دے

ہو جو پہلو میں تو ہو رنگِ بہار اندر خزاں
گر نہ آئے تُو تو بن جائے بہاراں ماہِ دے

بے تو جانِ من چو آں سازے کہ تارش درگست
در حضور از سینۂ من نغمہ خیزد پے بہ پے

تُو نہ ہو تو بیش خاموش و شکستہ سازِ دل
اور جب ہو تُو تو نکلے دل سے نغمہ پے بہ پے

آنچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام دانی کہ چیست.
یک چمن گل، یک نیستاں نالہ، یک خمخانہ مے

دیکھیے لے کے آیا ہوں میں بزمِ شوق میں
یک چمن گل، یک نیستاں نالہ، یک خُم خانہ مے

زندہ کن باز آں محبت را کہ از نیروے او
بوریائے رہ نشینے درفتد با تختِ کے

دل میں پیدا کر محبت وہ کہ جس کے فیض سے
بوریائے بے نوائے رہ نشیں ہو تختِ کے

دوستاں خرم کہ بر منزل رسید آوارۂ
من پریشاں جادہ ہائے علم و دانش کردہ طے

دوستاں خرم کہ آوارہ کو اک منزل ملی
میں پریشاں، راہِ علم و عقل کی میں نے ہے طے

۳۵

انجم بگریباں ریخت ایں دیدۂ تر مارا
بیروں ز سپہر انداخت ایں ذوقِ نظر مارا

ہر چند زمیں سائیم، برتر ز ثریا ئیم
دانی کہ نمی زیبد عمرے چو شرر مارا

شام و سحرِ عالم از گردشِ ما خیزد
دانی کہ نمی سازد ایں شام و سحر مارا

ایں شیشۂ گردوں را از بادہ تہی کردیم
کم کاسہ مشو ساقی، مینائے دگر مارا

شایانِ جنونِ ما پہنائے دو گیتی نیست
ایں راہگذر مارا، آں راہگذر مارا

دے نجم گریباں میں جیب دیدۂ تر ہم کو
لے جائے پرے گردوں سے ذوقِ نظر ہم کو

ہم رہ کے زمیں پر بھی برتر ہیں ثریا سے
جینا نہیں زیبا ہے مانندِ شرر ہم کو

شام و سحرِ عالم گردش سے ہماری ہیں
بھاتے نہیں لیکن ہیں یہ شام و سحر ہم کو

ہم شیشۂ گردوں کو کرتے ہیں تہی مے سے
کم کاسہ نہ ہو ساقی، مینائے دگر ہم کو

شایاں نہ جنوں کا ہے پہنائے دو عالم بھی
یہ راہگزر ہم کو، وہ راہگزر ہم کو

۳۶

خاور کہ آسماں بکمندِ خیالِ اوست
از خویشتن گسستہ و بے سوزِ آرزوست

در تیرہ خاکِ او تب و تابِ حیات نیست
جولانِ موج را نگراں از کنارِ جوست

بت خانہ و حرم ہمہ افسردہ آتشے
پیرِ مغاں شرابِ، ہوا خوردہ در سبوست

فکرِ فرنگ پیشِ مجاز آورد سجود
بینائے کور و مستِ تماشائے رنگ و بوست

گردندہ تر ز چرخ و ربایندہ تر ز مرگ
از دستِ او بدامنِ ما، چاکِ بے رفوست

خاکی نہاد و خوز سپہرِ کہن گرفت
عیار و بے مدار و کلاں کار و تو بتوست

مشرق خراب و مغرب ازاں بیشتر خراب
عالم تمام مردہ و بے ذوقِ جستجوست

ساقی بیار بادہ و بزمِ شبانہ ساز
مارا خرابِ یک نگہِ محرمانہ ساز

خاور کہ آسماں بہ کمندِ خیال اُو
بے فکر و لاابالی و بے سوزِ آرزُو

ہے تیرہ خاک اس کی تب و تاب سے تہی
محفوظ خوفِ موج سے وہ برکنارِ جُو

بت خانہ و حرم ہمہ افسردہ آتشے
پیرِ مغاں شرابِ ہَوا خوردہ در سبُو

فکرِ فرنگ پیشِ مجاز ایک مقتدی
با چشمِ کور محوِ تماشائے رنگ و بُو

گردندہ تر ز چرخ و ربایندہ تر ز مرگ
دامن ہمارا جس نے کیا چاکِ بے رفُو

خاکی نہاد و گردوں صفت دون و کینہ ور
عیار و بے مدار و زیاں کار و تند خُو

مشرق خراب اور ہے مغرب خراب تر
عالم تمام مردہ و بے ذوقِ جستجُو

ساقی بہ خَمر رونقِ بزمِ شبانہ کر
ہم کو خرابِ یک نگہِ محرمانہ کر

۳۷

فرصتِ کشمکش مدہ ایں دلِ بیقرار را یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را	فرصتِ کشمکش نہ دے اس دلِ بیقرار کو پُرخم و پیچ اور کر گیسوئے تابدار کو
از تو درونِ سینہ ام برقِ تجلئی کہ من با مہ و مہر دادہ ام تلخئ انتظار را	برقِ تجلی مل گئی دل کو تری تو کر دیا میں نے سپردِ مہر و مہ تلخئ انتظار کو
ذوقِ حضور در جہاں رسمِ صنم گری نہاد عشق فریب می دہد جانِ امیدوار را	رسمِ صنم گری ہے یاں ذوقِ حضور کے سبب دیوے فریب عشق ہے جانِ امیدوار کو
تا بفراغِ خاطرے نغمۂ تازہ می زنم باز بہ مرغزار دہ طائرِ مرغزار را	نغمۂ تازہ تا ملے کوہ و دمن میں ہر طرف پھر کوئی مرغزار دے طائرِ مرغزار کو
طبع بلند دادۂ، بند ز پائے من کشا تا بہ پلاس تو دہم خلعتِ شہریار را	فکر بلند ہو اگر، کیا ہے پلاس و بوریا دل سے نکال خواہشِ خلعتِ شہریار کو
تیشہ اگر بسنگ زد ایں چہ مقامِ گفتگوست عشق بدوش می کشد ایں ہمہ کوہسار را	عشقِ مجاز کے لئے سنگ بھی ہے گراں بہت الفتِ حق مگر کرے نرم ہے کوہسار کو

۳۸

جانم در آویخت با روزگاراں	جاں کو لگا روگ با روزگاراں
جوئے ست نالاں در کوہساراں	روتی ہیں نہریں در کوہساراں
پیدا ستیزد، پنہاں ستیزد	لڑتے ہیں کھل کر، لڑتے ہیں چھپ کر
ناپائدارے با پائداراں	ناپائداراں با پائداراں
ایں کوہ و صحرا، ایں دشت و دریا	یہ کوہ و صحرا، یہ دشت و دریا
نے رازداراں، نے غمگساراں	نے راز داراں، نے غمگساراں
بیگانۂ شوق، بیگانۂ شوق	بیگانۂ شوق، بیگانۂ شوق
ایں جوئباراں، ایں آبشاراں	یہ جوئباراں، یہ آبشاراں
فریادِ بے سوز، فریادِ بے سوز	فریادِ بے سوز، فریادِ بے سوز
بانگِ ہزاراں در شاخساراں	بانگِ ہزاراں در شاخساراں
داغے کہ سوزد در سینۂ من	جو داغ سینے کے اندر ہے میرے
آں داغ کم سوخت در لالہ زاراں	ایسا نہ کوئی در لالہ زاراں
محفل ندارد، ساقی ندارد	محفل کے بس کی نہ ساقی کے بس کی
تلخے کہ سازد با بیقراراں	جھیلیں جو تلخی ہیں یہ بیقراراں

۳۹

بہ تسلی کہ دادی نگذاشت کارِ خود را
بتو باز می سپارم دلِ بیقرارِ خود را

یہ تسلی تیری کیسی جو نہ جانے کارِ خود کو
کیا کیوں سپرد تیرے، دلِ بیقرارِ خود کو

چہ دلے کہ محنتِ او بہ نفس شمارئ او
کہ بدستِ خود ندارد رگِ روزگارِ خود را

کرے ہے نفس شماری دلِ ناتوان ہر دم
کہ یہ جانتا نہیں ہے رگِ روزگارِ خود کو

بضمیرت آرمیدم تو بجوشِ خود نمائی
بکنارہ برفگندی دُرِ آبدارِ خود را

میں ہوں در درون لیکن تو بجوشِ خود نمائی
رکھے برکنارہ سارے دُرِ آبدارِ خود کو

مہ و انجم از تو دارد گلہ ہا شنیدہ باشی
کہ بخاکِ تیرۂ ما زدۂ شرارِ خود را

مہ و آفتاب و انجم کو ہے تجھ سے یہ شکایت
کہ رکھا ہے خاکِ تیرہ میں مری شرارِ خود کو

خلشے بسینۂ ما ز خدنگِ او غنیمت
کہ اگر بپایش افتد بزد شکارِ خود را

تجھے تیر سے طلب بس دلِ صید کی خلش ہے
گرے پاؤں پر بھی، پکڑے ہے نہ تو شکارِ خود کو

۴۰

بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

ہوں کہہ سکتا بحرفِ یک، تمنائے جہاں کو بھی
کہ دیوے ہے حضوری طول، کوتہ داستاں کو بھی

ز مشتاقاں اگر تابِ سخن بردی، نمی دانی
محبت می کند گویا، نگاہِ بے زبانے را

اگر تابِ سخن لی تُو نے مشتاقوں سے تو کیا غم
کرے گویا محبت ہے نگاہِ بے زباں کو بھی

کجا نورے کہ غیر از قاصدی چیزے نمی داند
کجا خاکے کہ در آغوش دارد آسمانے را

ہے اک نوری، نہیں آتا جسے جز قاصدی کچھ بھی
ہے اک خاکی، سما پہلو میں لے جو آسماں کو بھی

اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیزِ وجودِ من
بایں قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانے را

ہو یک ذرہ اگر کم اس سے، انگیزِ وجودِ من
نہ لوں میں اتنی قیمت میں حیاتِ جاوداں کو بھی

من اے دریائے بے پایاں، بموجِ تو در افتادم
نہ گوہر آرزو دارم، نمی جویم کرانے را

ہوں گرچہ مبتلائے موج، اے دریائے بے پایاں
نہ چاہوں میں گہر کوئی، نہ ڈھونڈوں میں کراں کو بھی

ازاں معنی کہ چوں شبنم بجانے من فرو ریزی
جہانے تازہ پیدا کردہ ام عرضِ فغانے را

کیا گر غنچۂ دل شبنمِ معنی سے تر تُو نے
بنانے کو جہانِ نو، اثر دے کچھ فغاں کو بھی

۹۱

چند بروئے خود کَشی پردۂ صبح و شام را
چہرہ کشا، تمام کن جلوۂ ناتمام را
ڈال نہ رخ پہ، جانِ من پردۂ صبح و شام کو
چہرہ دکھا، تمام کر جلوۂ ناتمام کو

سوز و گداز حالتے ست، بادہ زمن طلب کنی
پیشِ تو گر بیاں کنم مستیِ ایں مقام را
سوز و گداز کو کوئی مستی میں اس مقام کی
دیکھے اگر طلب کرے بادۂ لعل فام کو

من بسرودِ زندگی آتشِ او فزودہ ام
تو نمِ شبنمے بدہ لالۂ تشنہ کام را
میں نے بڑھائی آگ ہے اسکی بسازِ زندگی
تو نمِ ژالہ بخش دے لالۂ تشنہ کام کو

عقل ورق ورق بگشت، عشق بہ نکتۂ رسید
طائرِ زیرکے برد دانۂ زیرِ دام را
عقل ورق ورق ہوئی، عشق نے نکتہ پا لیا
طائرِ دانا لے گیا دانۂ زیرِ دام کو

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کَشم ناقۂ بے زمام را
نغمہ کہاں ہے میں کہاں، سازِ سخن بہانہ اک
ہوں بہ قطار کھینچتا ناقۂ بے زمام کو

وقتِ برہنہ گفتن است، من بے کنایہ گفتہ ام
خود تو بگو کجا برم ہم نفسانِ خام را
سنتے نہیں، کنایتہً کرتا ہوں بات میں اگر
جاؤں کہاں میں لے کے ان ہم نفسانِ خام کو

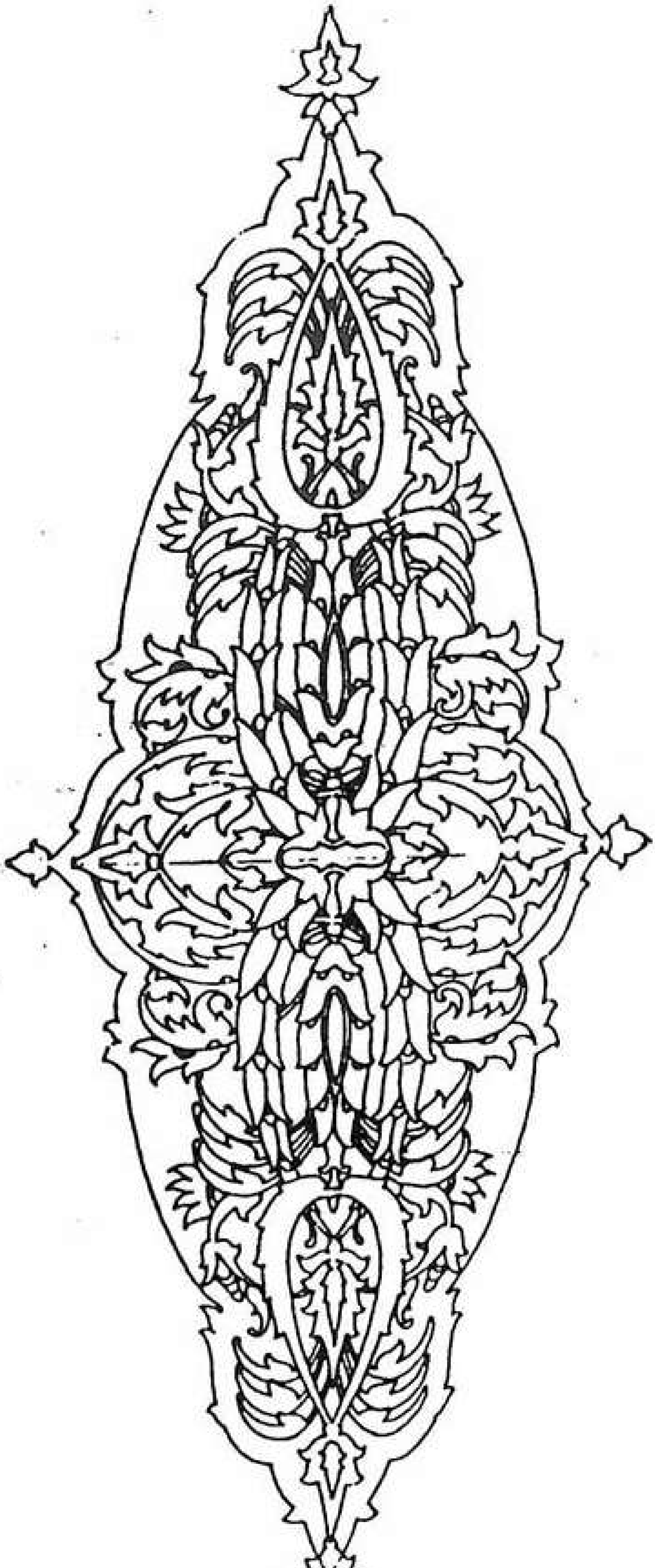

زبورِ عجم

غزلیات

حصہء دوم

شاخ و نہالِ سدرہ، خار و خسِ چمن مشو
منکرِ او اگر شدی، منکرِ خویشتن مشو

شاخ و نہالِ سدرہ تُو، خار و خسِ چمن نہ ہو
منکر اگر ہے اسکا ہو، منکرِ خویشتن نہ ہو

۱

دو عالم را تواں دیدن بمینائے کہ من دارم	رکھے عکسِ دو عالم جام مینا، وہ جو ہے میرا
کجا چشمے کہ بیند آں تماشائے کہ من دارم	کہاں ہے آنکھ جو دیکھے تماشا، وہ جو ہے میرا
دگر دیوانۂ آید کہ در شہر افگند ہُوئے	ہے اک دیوانہ اور شہروں میں ہاؤ ہو ہزاروں ہیں
دو صد ہنگامہ برخیزد ز سودائے کہ من دارم	بپا کرتا ہے کیا ہنگامہ سودا، وہ جو ہے میرا
مخور ناداں غم از تاریکیٔ شبہا کہ می آید	نہ کر تیرہ شبی کا غم تو اے دل، دیکھ تو کیسے
کہ چوں انجم درخشد داغِ سیمائے کہ من دارم	ہے انجم سا درخشاں داغِ سیما، وہ جو ہے میرا
ندیمِ خویش می سازی مرا لیکن ازاں ترسم	تُو یاری کر تو لے مجھ سے مگر لگتا مجھے ڈر ہے
نداری تابِ آں آشوب و غوغائے کہ من دارم	نہ بس کا ہے ترے آشوب و غوغا، وہ جو ہے میرا

۲

برخیز کہ آدم را ہنگامِ نمود آمد	کیسا گِلِ آدم کا ہنگامِ نمود آیا
ایں مشتِ غبارے را انجم بسجود آمد	کس شوق و تمنا سے انجم بسجود آیا
آں راز کہ پوشیدہ در سینۂ ہستی بود	وہ راز جو پوشیدہ در سینۂ ہستی تھا
از شوخیٔ آب و گِل در گفت و شنید آمد	از شوخیٔ آب و گِل در گفت و شنید آیا

۳

درونِ لالہ گذر چو صبا توانی کرد
بیک نفس گرہِ غنچہ وا توانی کرد

گزر گلوں میں مثالِ صبا کیا جائے
بیک نفس رخِ صد غنچہ وا کیا جائے

حیات چیست؟ جہاں را اسیرِ جاں کردن
تو خود اسیرِ جہانی، کجا توانی کرد

حیات کیا ہے، جہاں کو اسیرِ جاں کرنا
تُو خود اسیرِ جہاں، کیا ترا کیا جائے

مقدر است کہ مسجودِ مہر و مہ باشی
ولے ہنوز ندانی، چہا توانی کرد

تھا مرتبہ ترا مسجودِ مہر و مہ ہونا
تُو پوجے سنگ مگر، اس کا کیا کیا جائے

اگر ز میکدۂ من پیالۂ گیری
ز مشتِ خاک جہانے بپا توانی کرد

ملے پیالہ اگر میرے میکدے سے تجھے
ز مشتِ خاک جہاں اک بپا کیا جائے

چساں بسینہ چراغے فروختی اقبؔال
بخویش آنچہ توانی، بما توانی کرد

کر ایسی شعلہ نوائی تُو آ کے اقبؔال اک
کہ روشن اس سے دلوں کا دیا کیا جائے

۴

اگر بہ بحرِ محبت کرانہ می خواہی
ہزار شعلہ دہی یک زبانہ می خواہی

مراز لذتِ پرواز آشنا کردند
تو در فضائے چمن آشیانہ می خواہی

یکے بدامنِ مردانِ آشنا آویز
ز یار اگر نگۂ محرمانہ می خواہی

جنوں نداری و ہوئے فگندۂ در شہر
سبو شکستی و بزمِ شبانہ می خواہی

تو ہم بعشوہ گری کوش و دلبری آموز
اگر زما غزلِ عاشقانہ می خواہی

اگر بہ بحرِ محبت کرانہ چاہے تُو
نہ پھر کیوں شعلہ فشاں یک زبانہ چاہے تُو

ہوں میں کہ لذتِ پرواز دی گئی مجھ کو
ہے تُو کہ باغ میں اک آشیانہ چاہے تُو

نہ چھوڑ دامنِ مردانِ آشنا ہرگز
جو یار سے نگۂ محرمانہ چاہے تُو

نہ ہو سکے ہے یہاں ہاؤ ہُو بغیرِ جنوں
سبو نہ توڑ جو بزمِ شبانہ چاہے تُو

تُو سیکھ عشوہ گری، دلبری و دلداری
جو سننا اک غزلِ عاشقانہ چاہے تُو

۵

دگر ز سادہ دلیہائے یار نتواں گفت
نشستہ بر سرِ بالینِ من ز درماں گفت

کرے یہ سادہ دلی اُس کی مجھ کو حیراں ہے
کہ آیا بر سرِ بالین لے کے درماں ہے

زباں اگرچہ دلیر است و مدعا شیریں
سخن ز عشق چہ گویم جز آں کہ نتواں گفت

زباں دلیر ہے گرچہ، ہے مدعا شیریں
میں حالِ دل نہیں کہہ سکتا، ایسا حرماں ہے

خوشا کسے کہ فرو رفت در ضمیرِ وجود
سخن مثالِ گہر بر کشید و آساں گفت

خوشا وہ شخص، ضمیرِ وجود میں جو گیا
ہوئی اسے یہ سخن گہر باری آساں ہے

خرابِ لذتِ آنم کہ چوں شناخت مرا
عتابِ زیرِ لبی کرد و خانہ ویراں گفت

خرابِ لذتِ ویرانی دیکھ کر مجھ کو
بصد خرابی کیا میرا خانہ ویراں ہے

غمیں مشو کہ جہاں رازِ خود بروں ندہد
کہ آنچہ گُل نتوانست مرغِ نالاں گفت

بتائے رازِ گلستاں نہیں تو کیا غم ہے
کہے جو گُل نہیں، کہتا وہ مرغِ نالاں ہے

پیامِ شوق کہ من بے حجاب می گویم
بہ لالہ قطرۂ شبنم رسید و پنہاں گفت

بیانِ شوق کا کرتا ہوں بے حجاب جو میں
کہے وہ قطرۂ شبنم بہ لالہ پنہاں ہے

اگر سخن ہمہ شوریدہ گفتہ ام، چہ عجب
کہ ہر کہ گفت بہ گیسوئے او پریشاں گفت

عجب نہیں کہ میں کہتا سخن ہوں شوریدہ
کہ مجھ کو زلفِ پریشاں کرے پریشاں ہے

۶

لالۂ ایں چمن آلودۂ رنگ است ہنوز
سپر از دست مینداز کہ جنگ است ہنوز

فتنۂ را کہ دو صد فتنہ بآغوشش بود
دخترے ہست کہ در مہدِ فرنگ است ہنوز

اے کہ آسودہ نشینی لبِ ساحل، برخیز
کہ ترا کار بگرداب و نہنگ است ہنوز

از سرِ تیشہ گذشتن ز خردمندی نیست
اے بسا لعل کہ اندر دلِ سنگ است ہنوز

باش، تا پردہ کشایم ز مقامِ دگرے
چہ دہم شرحِ نواہا کہ بچنگ است ہنوز

نقش پردازِ جہاں چوں بجنونم نگریست
گفت ویرانہ بسودائے تو تنگ است ہنوز

لالہ اس باغ کا آلودۂ رنگ ہے اب بھی
گو خزاں گھات میں آمادۂ جنگ ہے اب بھی

ایک فتنہ جو رکھے ساتھ ہے فتنے لاکھوں
دختر اُسکی ہے کہ در مہدِ فرنگ ہے اب بھی

نہ ہو آسودہ نشیں برلبِ ساحل اتنا
تجھ کو کچھ کار بگرداب و نہنگ ہے اب بھی

پھوڑنا سر بسرِ تیشہ نہیں دانائی
کھود وہ لعل جو اندر دلِ سنگ ہے اب بھی

میں سناتا ہوں بسازِ دگر آہنگِ دگر
نغمہ یوں تو بہت اندر رگِ چنگ ہے اب بھی

نقش پردازِ جہاں، ایک بنا اور جہاں
اس جنوں کیلئے ویرانہ یہ تنگ ہے اب بھی

۷

تکیہ بر حجّت و اعجازِ بیاں نیز کنند
کارِ حق گاہ بشمشیر و سناں نیز کنند

تکیہ بر حجّت و اعجازِ بیاں کرتے ہیں
کارِ حق گاہ بشمشیر و سناں کرتے ہیں

گاہ باشد کہ تہِ خرقہ زرہ می پوشند
عاشقاں بندۂ حال اند و چناں نیز کنند

بندۂ حال بھی عشاق ہیں، دیوانے بھی
کچھ عیاں کرتے ہیں اور کچھ یہ نہاں کرتے ہیں

چوں جہاں کہنہ شود پاک بسوزند او را
وز ہماں آب و گِل ایجادِ جہاں نیز کنند

عالمِ کہنہ جلا دیتے ہیں اور پھر اس کے
آب و گِل سے نیا ایجاد جہاں کرتے ہیں

ہمہ سرمایۂ خود را بہ نگاہے بدہند
ایں چہ قومے ست کہ سودا بہ زیاں نیز کنند

اک نگہ پر یہ فدا کرتے متاع ہیں سارا
کیسے سودائی ہیں، سودا بہ زیاں کرتے ہیں

آنچہ از موجِ ہوا بابرِ کاہے کردند
عجبے نیست کہ با کوہِ گراں نیز کنند

خس و خاشاک سے جو موجِ ہوا کرتی ہے
جوش میں آ کے یہ با کوہِ گراں کرتے ہیں

عشق مانندِ متاعے ست، ببازارِ حیات
گاہ ارزاں بفروشند و گراں نیز کنند

ہے بہ بازارِ حیات عشق متاع تاجر کا
گاہ ارزاں اسے اور گاہ گراں کرتے ہیں

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم، ورنہ
عشق کارے ست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

نالہ کرتے ہیں کہ بیدار ہو تُو ورنہ ہم
عشق کا کام تو بے آہ و فغاں کرتے ہیں

۸

چوموج مستِ خودی باش وسربطوفاں کَش
تراکہ گفت کہ بنشین وپا بداماں کَش ؟

بقیدِ صیدِ پلنگ از چمن سرا برخیز
بکوہ رخت کشا خیمہ در بیاباں کَش

بہ مہر و ماہ کمندِ گلوفشار انداز
ستارہ راز فلک گیرو درگریباں کَش

گرفتم ایں کہ شرابِ خودی بسے تلخ است
بدردِ خویش نگر، زہرِ ما بدرماں کَش

ہومستِ خمرِ خودی، ایک موجِ طوفاں ہو
نہ کر کنارہ نشینی، نہ پا بداماں ہو

بقیدِ صیدِ پلنگ اس چمن سرا سے نکل
ہو رخت کوہ میں، اک خیمہ در بیاباں ہو

بہ مہر و ماہ کمندِ گلوفشار ہو اک
بہ کہکشاں تری زیبائشِ گریباں ہو

تو پی کے دیکھ شرابِ خودی، ہے تلخ یہ گو
کہ تیرے درد کا شاید یہ زہر درماں ہو

۹

خضرِ وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آید بروں کارواں زیں وادیٔ دُور و دراز آید بروں	خضرِ وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آیا بروں کارواں از وادیِ دُور و دراز آیا بروں
من بسیمائے غلاماں فرِ سلطاں دیدہ ام شعلۂ محمود از خاکِ ایاز آید بروں	شوکتِ شاہی ہے سیمائے غلاماں پر عیاں شعلۂ محمود از خاکِ ایاز آیا بروں
عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں	زندگی دیر و حرم میں روئی ساری عمر، تب ایک بزمِ عشق سے دانائے راز آیا بروں
طرحِ نو می افگند اندر ضمیرِ کائنات نالہ ہا کز سینۂ اہلِ نیاز آید بروں	طرحِ نو پیدا ہوئی جب در ضمیرِ کائنات ایک شور از سینۂ اہلِ نیاز آیا بروں
چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت نغمہ ام خوں گشت و از رگہائے ساز آید بروں	لی غمِ الفت نے جب مضراب اپنے ہاتھ میں نغمہ بن کر خون از رگہائے ساز آیا بروں

۱۰

ز سلطاں کنم آرزوئے نگاہے
مسلمانم از گِل نہ سازم الٰہے

رکھوں شہ سے کیوں آرزوئے نگاہے
ہوں مسلم، بناؤں نہ گِل سے الٰہے

دلِ بے نیازے کہ در سینہ دارم
گدارا دہد شیوۂ پادشاہے

دلِ بے نیاز ایک سینے میں ہے جو
فقیروں کو دے شیوۂ پادشاہے

ز گردوں فتد آنچہ بر لالۂ من
فرو ریزم او را بہ برگِ گیاہے

گرے میرے لالہ پہ گردوں سے ہے جو
اُسے میں گراؤں بہ برگِ گیاہے

چو پرویں فرو ناید اندیشۂ من
بدریوزۂ پرتوِ مہر و ماہے

جھکے فکرِ پرویں صفت ہے نہ میرا
بدریوزۂ پرتوِ مہر و ماہے

اگر آفتابے سوئے من خرامد
بشوخی بگردانم او را ز راہے

جو خاور سے خورشید آئے خراماں
سوئے غرب دکھلاؤں اُس کو میں راہے

بآں آب و تابے کہ فطرت بہ بخشد
درخشم چو برقے بہ ابرِ سیاہے

چمک سے جو فطرت نے بخشی ہے مجھ کو
بنوں برق اک میں بہ ابرِ سیاہے

رہ و رسمِ فرمارو ایاں شناسم
خراں بر سر بام و یوسف بہ چاہے

رہ و رسمِ فرمارو ایان دیکھو
خراں بر سرِ بام و یوسف بہ چاہے

١١

بانشّۂ درویشی درساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

با مستیِ درویشی تُو شربِ دما دم کر
ہو پختہ، شہنشاہی بر سلطنتِ جم کر

گفتند جہانِ ما آیا تبو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن

عالم یہ بنایا ہے تیرے ہی لئے سارا
ہم ساز نہیں ہووے گر، اُسکو تُو برہم کر

در میکدہ ہا دیدم شائستہ حریفے نیست
با رستمِ دستاں زن با مغ بچہ ہا کم زن

میخانے میں خواہش ہے گر دوستی کرنے کی
رستم سے زیادہ کر، مغ بچہ سے کچھ کم کر

اے لالۂ صحرائی تنہا نتوانی سوخت
ایں داغِ جگر تابے بر سینۂ آدم زن

اے لالۂ صحرائی جلتا ہے اکیلا کیوں
با داغِ جگر تابے دل سوزیِ آدم کر

تو سوزِ درونِ او، تو گرمیٔ خونِ او
باور نہ کنی؟ چاکے در پیکرِ عالم زن

تُو سوزِ دروں اسکا، تُو گرمیٔ خوں اس کا
ہے گر نہ یقیں اسکا، دَر پیکرِ عالم کر

عقل است چراغِ تو؟ در راہگذارے نہ
عشق است ایاغِ تو؟ با بندۂ محرم زن

ہے عقل شمعِ ہستی، رکھ راہگزر پر یہ
ہے عشق میں بدمستی، با بندۂ محرم کر

لختِ دلِ پُرخونے از دیدہ فرو ریزم
لعلے ز بدخشانم بردار و بخاتم زن

لختِ دلِ پُرخوں اک گرتا ہے جو آنکھوں سے
ہے لعلِ بدخشاں یہ، زیبندۂ خاتم کر

۱۲

ہوس ہنوز تماشاگرِ جہانداری ست
وگرچہ فتنہ پسِ پردہ ہائے زنگاری ست ؟

ہوس ابھی ہے تماشاگرِ جہانداری
ہے گرچہ فتنہ پسِ پردہ ہائے زنگاری

زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل
بیا کہ عشق مسلمان و عقل زنّاری ست

زماں زماں اُسے توڑا، بنایا عقل نے جو
کہ عشق اصلِ مسلمانی، عقل زناری

امیرِ قافلۂ سخت کوش و پیہم کوش
کہ در قبیلۂ ما حیدری ز کرّاری ست

امیرِ قافلہ تُو، سخت کوش و پیہم کوش
کہ در قبیلۂ ما حیدری ز کراری

تو چشم بستی و گفتی کہ ایں جہاں خواب است
کشائے چشم کہ ایں خواب خوابِ بیداری ست

ہو آنکھ بند تو لگتا ہے خواب یہ عالم
کھلے جو آنکھ، ہے یہ خواب خوابِ بیداری

بخلوت انجمنے آفریں کہ فطرتِ عشق
یکی شناس و تماشا پسندِ بسیاری ست

بخلوت ایک بنا انجمن کہ الفت ہے
یکی شناس و تماشا پسندِ بسیاری

تپید یکدم و کردند زیبِ فتراکش
خوشا نصیبِ غزالے کہ زخمِ او کاری ست

بنا تڑپ کے ہے یکدم یہ زیبِ فترا کی
خوشا نصیب کہ آہو کا زخم ہے کاری

بباغ و راغ گہرہائے نغمہ می پاشم
گراں متاع و چہ ارزاں زکند بازاری ست

بباغ و راغ گہرہائے نغمہ ہیں جو مرے
کرے بہت انہیں ارزاں ہے کند بازاری

۱۳

عرب کہ باز دہد محفلِ شبانہ کجاست
عجم کہ زندہ کند رودِ عاشقانہ کجاست

عرب کہ باز کرے محفلِ شبانہ، دکھا
عجم کہ زندہ کرے جذبِ عاشقانہ، دکھا

بزیرِ خرقۂ پیراں سبوچہ ہا خالی ست
فغاں کہ کس نشناسد مئے جوانہ کجاست

ہیں زیرِ خرقۂ پیراں سبوچے سب خالی
جوان، پاس ہو جس کے مئے جوانہ، دکھا

دریں چمن کدہ ہر کس نشیمنے سازد
کسے کہ سازد و واسوزد آشیانہ کجاست

بنائے سب نے نشیمن ہیں اس گلستاں میں
کوئی بنا کے جلائے جو آشیانہ، دکھا

ہزار قافلہ بیگانہ وار دید و گذشت
دلے کہ دید بہ اندازِ محرمانہ کجاست

ہزار دیکھ کے بیگانہ وار جاتے ہیں
وہ اک جو دیکھے بہ اندازِ محرمانہ، دکھا

چو موج خیز و بہ یم جاودانہ می آویز
کرانہ می طلبی، بے خبر کرانہ کجاست

تو ایک موجِ یمِ بے کراں ہے اے غافل
ہے کوئی، دیکھتا جو ہے یہاں کرانہ، دکھا

بیا کہ در رگِ تاکِ تو خونِ تازہ دوید
دگر مگوے کہ آں بادۂ مغانہ کجاست

جو خونِ تازہ رگِ تاک میں تری دوڑا
اگر ہے ایسا کوئی بادۂ مغانہ، دکھا

۱۴/۳

ناموسِ ازل را تو امینی، تو امینی	ناموسِ ازل کا تُو امینی، تُو امینی
دارائے جہاں را تو یساری، تو یمینی	دارائے جہاں کا تُو یساری، تُو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی، تو زمینی	اے بندۂ خاکی تُو زمانی، تُو زمینی
صہبائے یقیں درکش و از دیرِ گماں خیز	صہبائے یقیں پی کے تُو از دیرِ گماں اٹھ

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں اٹھ
از خوابِ گراں اٹھ

فریاد ز افرنگ و دلآویزیٔ افرنگ	فریاد ز افرنگ و دلآویزیٔ افرنگ
فریاد ز شیرینی و پرویزیٔ افرنگ	فریاد ز شیرینی و پرویزیٔ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ	عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ
معمارِ حرم! باز بہ تعمیرِ جہاں خیز	معمارِ حرم، کرنے کو تعمیرِ جہاں اٹھ

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں اٹھ
از خوابِ گراں اٹھ

۱۵

باز بر رفتہ و آئندہ نظر باید کرد
ہلہ برخیز! کہ اندیشہ دگر باید کرد

پھر سے بر رفتہ و آئندہ نظر کرتے ہیں
دُور اندیش ہیں اندیشہ دگر کرتے ہیں

عشق بر ناقۂ ایام کشد محملِ خویش
عاشقی ؟ راحلہ از شام و سحر باید کرد

عشق کی ناقۂ ایام پہ محمل ہو جب
عاشقاں راحلہ از شام و سحر کرتے ہیں

پیرِ ما گفت جہاں بر روشے محکم نیست
از خوش و ناخوشِ او قطع نظر باید کرد

اس قدر شیوۂ دنیا ہوا نا محکم ہے
شادی و رنج سے ہم قطع نظر کرتے ہیں

تو اگر ترکِ جہاں کردہ سرِ او داری
پس نخستیں ز سرِ خویش گذر باید کرد

چاہتے ترک جو کرنا ہیں سرِ دنیا کو
سب سے پہلے ز سرِ خویش گزر کرتے ہیں

گفتمش در دلِ من لات و منات است بسے
گفت ایں بتکدہ را زیر و زبر باید کرد

دل کہ رکھتا ہے بہت لات و منات اور ابھی
ایسے بتخانوں کو ہم زیر و زبر کرتے ہیں

۱۶

خیالِ من بہ تماشائے آسماں بوداست	خیالِ من بہ تماشائے آسماں ہے اک
بدوشِ ماہ و بآغوشِ کہکشاں بوداست	بدوشِ ماہ و بآغوشِ کہکشاں ہے اک
گماں مبر کہ ہمیں خاکداں نشیمنِ ماست	یہ خاکداں ہی نشیمن نہیں مرا کوئی
کہ ہر ستارہ جہان است یا جہاں بوداست	بنانا اور ستاروں میں بھی جہاں ہے اک
بچشمِ مورِ فرومایہ آشکار آید	ہے چشمِ مورِ فرومایہ پر ہویدا سب
ہزار نکتہ کہ از چشمِ ما نہاں بوداست	وہ نکتہ آنکھ سے مردم کی جو نہاں ہے اک
زمیں بہ پشتِ خود الوند و بے ستوں دارد	زمیں کی پشت پہ ہے کوہِ بے ستون ولے
غبارِ ماست کہ بر دوشِ او گراں بوداست	غبار دوش پہ میرا ہے، جو گراں ہے اک
ز داغِ لالۂ خونیں پیالہ می بینم	ہے داغِ لالۂ خونیں پیالہ سے ظاہر
کہ ایں گستہ نفس صاحبِ فغاں بوداست	کہ یہ شکستہ نفس صاحبِ فغاں ہے اک

۱۷

از نوا بر من قیامت رفت و کس آگاہ نیست
پیشِ محفل جز بم و زیر و مقام و راہ نیست

از نوا گزری قیامت، پر کوئی آگہ نہیں
پیشِ محفل جز بم و زیر و مقام و رہ نہیں

در نہادم عشق با فکرِ بلند آمیختند
ناتمامِ جاودانم، کارِ من چو ماہ نیست

میری طینت میں ملایا فکرِ عالی عشق سے
ناتمامِ جاوداں ہوں آدمی ہوں مہ نہیں

لب فرو بند از فغاں، در ساز با دردِ فراق
عشق تا آہے کَشد از جذبِ خویش آگاہ نیست

بند کر لب اور خوشی سے جھیل دردِ ہجر کو
عشق جو آہیں بھرے، از جذبِ خود آگہ نہیں

شعلۂ می باش و خاشاکے کہ پیش آید بسوز
خاکیاں را در حریمِ زندگانی راہ نیست

شعلہ بن جا اور جلا خاشاک و خس جتنے ملیں
خاکیوں کو در حریمِ زندگانی رہ نہیں

جرّہ شاہینی، بمرغانِ سرا صحبت مگیر
خیز و بال و پر کشا، پروازِ تو کوتاہ نیست

تُو ہے اک شاہیں، بمرغانِ چمن صحبت نہ کر
کھول بال و پر، تری پرواز کچھ کوتہ نہیں

کرمِ شب تاب است شاعر در شبستانِ وجود
در پر و بالش فروغے گاہ ہست و گاہ نیست

کرمِ شب تاب ایک شاعر خوابگاہِ زیست میں
بال و پر اُسکے درخشاں ہیں کبھی اور گہ نہیں

در غزل اقبالؔ احوالِ خودی را فاش کرد
زانکہ ایں نو کافر از آئینِ دَیر آگاہ نیست

در غزل اقبالؔ احوالِ خودی بتلا گیا
کیونکہ یہ نو کافر از آئینِ دَیر آگہ نہیں

۱۸

لالۂ صحرایم از طرفِ خیابانم برید
در ہوائے دشت و کہسار و بیابانم برید

رو بہی آموختم از خویش دُور افتادہ ام
چارہ پردازاں! بآغوشِ نیستانم برید

درمیانِ سینہ حرفے داشتم، گم کردہ ام
گرچہ پیرم پیشِ مُلائے دبستانم برید

سازِ خاموشم، نوائے دیگرے دارم ہنوز
آنکہ بازم پردہ گرداند، پئے آنم برید

در شبِ من آفتابِ آں کہن داغے بس است
ایں چراغِ زیرِ فانوس از شبستانم برید

من کہ رمزِ شہریاری با غلاماں گفتہ ام
بندۂ تقصیر وارم پیشِ سلطانم برید

لالۂ صحرا ہوں، از طرفِ خیاباں لے چلو
در ہوائے دشت و کہسار و بیاباں لے چلو

رو بہی سیکھی ہے اور خود سے ہوا ہوں دُور میں
دوستوں مجھ کو بہ آغوشِ نیستاں لے چلو

درمیانِ سینہ جو اک حرف تھا گم کر دیا
پیر ہوں گو، پیشِ مُلائے دبستاں لے چلو

گرچہ ہوں خاموش، تاروں میں ابھی تک ہے نوا
سازِ خستہ یہ بہ پیشِ نغمہ سازاں لے چلو

ہے جو خورشیدِ کہن داغ ایک سینے میں مرے
رکھتا روشن ہے مری شب، در شبستاں لے چلو

میں نے بتلائے غلاموں کو رموزِ سلطنت
بندۂ مجرم ہوں، مجھ کو پیشِ سلطاں لے چلو

۱۹

سخنِ تازہ زدم کس بہ سخن وا نرسید
جلوہ خوں گشت و نگاہے بہ تماشا نرسید

کوئی کہہ کے سخن اس دَیر میں مجھ سا نہ گیا
جلوہ خوں، ہوگیا کوئی بہ تماشا نہ گیا

سنگ می باش و دریں کارگہِ شیشہ گذر
وائے سنگے کہ صنم گشت و بہ مینا نرسید

سنگ بن اور تُو جا کارگہِ شیشہ میں
وائے وہ سنگ ‘بنا بت جو’ بہ مینا نہ گیا

کہنہ را در شکن و باز بہ تعمیر خرام
ہر کہ در ورطۂ ‘لا’ ماند بہ الّا نرسید

توڑ یہ دَیرِ کہن، کعبہ یہاں ایک بنا
کہ رہا ورطۂ لا میں جو بہ الا نہ گیا

اے خوش آں جوئے تنک مایہ کہ از ذوقِ خودی
در دلِ خاک فرو رفت و بدریا نرسید

اے خوشا رُودِ تنک مایہ کہ از ذوقِ خودی
مٹ گیا خاک میں لیکن وہ بدریا نہ گیا

از کلیمے سبق آموز کہ دانائے فرنگ
جگرِ بحر شگافید و بہ سینا نرسید

کیسا نادان ہے دانائے فرنگی جس نے
بحر کو چاک کیا، پر وہ بہ سینا نہ گیا

عشق اندازِ تپیدن ز دلِ ما آموخت
شررِ ماست کہ بر جست و بہ پروانہ رسید

جب بھی الفت نے مرے دل سے تڑپنا سیکھا
دیکھ کس طرح شرر اڑ کے بہ پروانہ گیا

۲۰

عاشق آں نیست کہ لب گرمِ فغانے دارد
عاشق آن است کہ برکف دو جہانے دارد

عاشق آن است کہ تعمیر کند عالمِ خویش
درنسازد بہ جہانے کہ کرانے دارد

دلِ بیدار ندادند بہ دانائے فرنگ
ایں قدرہست کہ چشمِ نگرانے دارد

ق عشق ناپید و خرد می گزدش صورتِ مار
گرچہ در کاسۂ زر لعلِ روانے دارد

دُردِ من گیر کہ در میکدہ ہا پیدا نیست
پیرمردے کہ مئے تند و جوانے دارد

کیسا عاشق ہے جو لب گرمِ فغاں رکھتا ہے
عشق اُسکو ہے جو برکف دو جہاں رکھتا ہے

وہ ہے عاشق کہ جو خود اپنی بنائے دنیا
وہ نہیں، چاہے جو قلزم کہ کراں رکھتا ہے

دلِ بیدار سے محروم ہے دانائے فرنگ
گرچہ اک تیز وہ چشمِ نگراں رکھتا ہے

بدگماں عشق سے، دانش سے ہوا مست ہے وہ
کاسۂ زر کو پُر از لعلِ رواں رکھتا ہے

دُردلے مجھ سے کہ ہے کوئی نہ میخانے میں
مرد ایسا جو مئے تند و جواں رکھتا ہے

در چمن دلِ مرغاں زماں زماں دگر است
بشاخِ گل دگر است و بآشیاں دگر است

چمن میں اس دلِ مرغاں زماں زماں ہے دگر
بشاخِ گل ہے دگر اور بآشیاں ہے دگر

بخود نگر! گلہ ہائے جہاں چہ می گوئی
اگر نگاہے تو دیگر شود جہاں دگر است

نہ کر شکایتِ دنیا، تو ڈال خود پہ نظر
کہ اک نگاہِ دگر سے بنے جہاں ہے دگر

بہ ہر زمانہ اگر چشمِ تو نکو نگرد
طریقِ میکدہ و شیوۂ مغاں دگر است

نیا یہ وقت ہے کیا، کیا نیا زمانہ ہے
جو طورِ میکدہ و شیوۂ مغاں ہے دگر

بہ میرِ قافلہ از من دعا رسان و بگوے
اگرچہ راہ ہمان است کارواں دگر است

امیرِ قافلہ سے کہہ، سلام دے کے مرا
ہے گرچہ راہ وہی تیرا کارواں ہے دگر

۲۲

ماز خدائے گم شدہ ایم، او بجستجو ست
چو ما نیاز مند و گرفتارِ آرزو ست

گاہے ببرگِ لالہ نویسد پیامِ خویش
گاہے درونِ سینۂ مرغاں بہ ہاؤ ہُو ست

در نرگس آرمید کہ بیند جمال ما
چنداں کرشمہ داں کہ نگاہش بہ گفتگو ست

آہے سحر گہے کہ زند در فراق ما
بیرون و اندروں، زبر و زیر و چار سو ست

ہنگامہ بست از پئے دیدارِ خاکئے
نظارہ را بہانہ، تماشائے رنگ و بو ست

پنہاں بہ ذرہ ذرہ و نا آشنا ہنوز
پیدا چو ماہتاب و بآغوشِ کاخ و کو ست

در خاکدانِ ما گہرِ زندگی گم است
ایں گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ اوست

گم گشتہ ہم خدا سے ہیں اور وہ بہ جستجو
ہم سا نیاز مند و گرفتارِ آرزو

گاہے بہ برگِ لالہ وہ لکھتا پیام ہے
گاہے زبانِ مرغ سے کرتا ہے ہاؤ ہُو

دیکھے ہمارا حسن ہے نرگس کی آنکھ سے
کرتا ہے اور وہ شوخ نگاہوں سے گفتگو

بھرتا ہمارے ہجر میں ہے آہِ صبح دم
بیرون و اندروں، زبر و زیر و چار سو

ہنگامے بیش جلوۂ خاکی کے واسطے
ہے دید کا بہانہ، تماشائے رنگ و بو

پنہاں بہ ذرہ ذرہ و نا آشنا ابھی
ظاہر بشکلِ ماہ و بہ آغوشِ کاخ و کُو

گم گوہرِ حیات ہے اس خاکدان میں
گوہر جو گم شدہ ہے وہ ہم ہیں کہ اَلہ ہُو

۲۳

۱

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

شیخِ شہر از رشتۂ تسبیح صد مومن بدام
کافرانِ سادہ دل را برہمن زنار تاب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

میر و سلطاں نرد باز و کعبتینِ شاں دغل
جانِ محکوماں ز تن بردند و محکوماں بخواب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

خونِ مزدوراں برائے خواجگاں لعلِ مذاب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

شیخِ شہر از رشتۂ تسبیح صد مومن بدام
کافرانِ سادہ دل کو برہمن زنار تاب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

میر و سلطاں شاطر و فرمانداراں پُر دغل
حاکمان و افسراں خونخوار و محکوماں بخواب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

۲۳/۲

واعظ اندر مسجد و فرزندِ او در مدرسہ
آں بہ پیری کودکے، ایں پیر در عہدِ شباب

انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

اے مسلماناں فغاں از فتنہ ہائے علم و فن
اہرمن اندر جہاں ارزان و یزداں دیریاب
انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

شوخیٔ باطل نگر! اندر کمینِ حق نشست
شپّر از کوری شبیخونے زند بر آفتاب

انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

در کلیسا ابنِ مریم را بدار آویختند
مصطفےٰ از کعبہ ہجرت کردہ با ام الکتاب

انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

واعظاں در مسجد و پسراں درونِ مدرسہ
آں بہ پیری بچگاں، ایں پیر در عہدِ شباب

انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

اے مسلماناں فغاں از فتنہ ہائے علم و فن
اہرمن اندر جہاں ارزان و یزداں دیریاب
انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

باطلِ شوخ و دلیر اندر کمینِ حق و دیں
شپّرِ نابینا آمادہ بجنگِ آفتاب

انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

در کلیسا ابنِ مریم حضرتِ عیسیٰ بدار
مصطفےٰ از کعبہ ہجرت کردہ با ام الکتاب

انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

۲۳/۳

من درونِ شیشہ ہائے عصرِ حاضر دیدہ ام
آنچناں زہرے کہ از وے مارہا در پیچ و تاب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

با ضعیفاں گاہ نیروئے پلنگاں می دہند
شعلۂ شاید بروں آید ز فانوسِ حباب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

در درونِ شیشہ ہائے عصرِ حاضر آشکار
زہرِ قتّال و ہلاہل، مارہا در پیچ و تاب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

دستِ کمزوراں مثالِ پنجۂ شیرِ ببر
شعلۂ آزاد بیروں قیدِ فانوسِ حباب

انقلاب !

انقلاب ! اے انقلاب !

۲۴

گرچہ می دانم کہ روزے بے نقاب آید بروں
تا نہ پنداری کہ جاں از پیچ و تاب آید بروں

تُو اگر اک روز ہو کر بے نقاب آئے بروں
کیا ضروری ہے کہ جاں از پیچ و تاب آئے بروں

ضربتے باید کہ جانِ خفتہ برخیزد ز خاک
نالہ کے بے زخمہ از تارِ رباب آید بروں

ضرب ایسی ہو کہ جانِ خفتہ اُٹھے خاک سے
نالہ کیوں بے زخمہ از تارِ رباب آئے بروں

تاکِ خویش از گریہ ہائے نیم شب سیراب دار
کز درونِ او شعاعِ آفتاب آید بروں

تاکِ خویش از گریہ ہائے نیم شب سیراب کر
تاکہ اس میں سے شعاعِ آفتاب آئے بروں

ذرۂ بے مایۂ ترسم کہ ناپیدا شوی
پختہ ترکن خویش را تا آفتاب آید بروں

ذرۂ بے مایہ تیرا ڈر ہے، ناپیدا نہ ہو
پختہ اتنا کر تُو خود کو، آفتاب آئے بروں

در گذر از خاک و خود را پیکرِ خاکی مگیر
چاک اگر در سینہ ریزی، ماہتاب آید بروں

پیکرِ خاکی ہے گرچہ، خاک سے باہر نکل
چاکِ سینہ سے ترے تا ماہتاب آئے بروں

گر بروئے تو حریمِ خویش را در بستہ اند
سر بسنگِ آستاں زن، لعلِ ناب آید بروں

دَر حریمِ خویش کے گر بند تجھ پر کر دئے
سنگِ دَر پر مار سر، تا لعلِ ناب آئے بروں

۲۵

کشادہ رُو ز خوش و ناخوشِ زمانہ گذر
ز گلشن و قفس و دام و آشیانہ گذر

گرفتم این کہ غریبی و رہ شناس نۂ
بکوئے دوست بہ اندازِ محرمانہ گذر

بہر نفس کہ برآری جہاں دگرگوں کن
دریں رباطِ کہن صورتِ زمانہ گذر

اگر عنانِ تو جبریل و حور می گیرند
کرشمہ بر دلِ شاں ریز و دلبرانہ گذر

کشادہ رُو ز خوش و ناخوشِ زمانہ گزر
ز گلشن و قفس و دام و آشیانہ گزر

غریب گرچہ ہے تُو اور رہ شناس نہیں
بہ کوئے یار بہ اندازِ محرمانہ گزر

کرے جہاں کو دگرگوں ہر اک نفس تیرا
کہن رباط میں اس صورتِ زمانہ گزر

عنانِ دل تری جبریل و حور گر پکڑیں
کر ایک عشوہ گری اور دلبرانہ گزر

۲۶

بروں زیں گنبدِ در بستہ پیدا کردہ ام راہے	درونِ گنبدِ سربستہ پیدا میں نے کی راہے
کہ از اندیشہ برتر می پَرَد آہِ سحر گاہے	کہ اندیشے سے جائے دُور ہے آہِ سحر گاہے
تو اے شاہیں نشیمن در چمن کردی، ازاں ترسم	نہ اے شاہیں بنا اپنا نشیمن تُو گلستاں میں
ہوائے او ببالِ تو دہد پروازِ کوتاہے	کہ دیوے ہے پروں کو یہ ہَوا پروازِ کوتاہے
غبارے گشتۂ؟ آسودہ نتواں زیستن اینجا	تُو مشتِ خاک ہے آرام ہے تیرے لئے مشکل
ببادِ صبح دم در پیچ و منشیں بر سرِ راہے	بدوشِ باد اُڑ، یوں رہ نہ بیٹھا بر سرِ راہے
ز جوئے کہکشاں بگذر، ز نیلِ آسماں بگذر	گزر تُو کہکشاں سے، آسماں سے، عرش سے آگے
ز منزل دل بمیرد گرچہ باشد منزلِ ماہے	بنا اُسکو نہ منزل، ہو وہ گرچہ منزلِ ماہے
اگر زاں برقِ بے پروا درونِ او تہی گردد	اگر ہو برقِ بے پروا سے خالی طُور کا دامن
بچشمم کوہِ سینا می نیرزد با پرِ کاہے	تو میری آنکھ میں سینا ہے کم تر از پرِ کاہے
چساں آدابِ محفل را نگہ دارند و می سوزند	رکھیں آدابِ محفل بھی، جلیں بھی، جل کے مرجائیں
مپرس از ما شہیدانِ نگاہِ بر سرِ راہے	ہیں کیسے یہ شہیدانِ نگاہِ بر سرِ راہے
پس از من شعرِ من خوانند و دریابند و میگویند	کہیں گے لوگ پڑھ کر شعر میرے بعد مرنے کے
جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے	دگرگوں کر گیا دنیا کو اک مردِ خود آگاہے

۲۷

جہاں کور است واز آئینۂ دل باطل افتاد است
دلے چشمے کہ بینا شد نگاہش بر دل افتاد است

شبِ تاریک و راہِ پیچ پیچ و بے یقیں راہی
دلیلِ کارواں را مشکل اندر مشکل افتاد است

رقیبِ خام سودا مست و عاشق مست و قاصد مست
کہ حرفِ دلبراں دارائے چندیں محمل افتاد است

یقینِ مومنے دارد، گمانِ کافرے دارد
چہ تدبیر اے مسلماناں کہ کارم با دل افتاد است

گہے باشد کہ کارِ ناخدائی می کند طوفاں
کہ از طغیانِ موجے کشتیم بر ساحل افتاد است

نمی دانم کہ داد ایں چشم بینا موجِ دریا را
گہر در سینۂ دریا، خزف بر ساحل افتاد است

اگر در دل جہانے تازۂ داری، بروں آور
کہ افرنگ از جراحت ہائے پنہاں بسمل افتاد است

ہے نابینا، نظر جسکو نہ کچھ اندر دل آوے ہے
نگہ وہ ہے کہ جس میں عشق کی ہر منزل آوے ہے

شبِ تاریک و راہِ پیچ پیچ و بے یقیں راہی
امیرِ کارواں کو مشکل اندر مشکل آوے ہے

رقیبِ خام سودا مست و عاشق مست و قاصد مست
اک حرفِ دلبراں کو کیا کشفِ محمل آوے ہے

یقینِ مومنی اس میں، گمانِ کافری اس میں
ذرا دیکھو یہ کیا کیا عشق میں اندر دل آوے ہے

کبھی ہوتا ہے یوں بھی، ناخدائی کرتا طوفاں ہے
کہ کشتی اضطرابِ موج سے بر ساحل آوے ہے

یہ کیسی دی ہے یارب چشمِ بینا موجِ دریا کو
گہر در سینۂ دریا، خزف بر ساحل آوے ہے

اگر دل میں جہانِ تازہ رکھتا ہے تو باہر لا
کہ افرنگ از جراحت ہائے پنہاں بسمل آوے ہے

۲۸

نہ یابی در جہاں یارے کہ داند دلنوازی را
بخود گم شو، نگہ دار آبروئے عشق بازی را

ہے کوئی یار دنیا میں جو جانے دلنوازی کو
ہو گم اپنے میں، رکھے آبروئے عشق بازی کو

من از کار آفریں داغم کہ با ایں ذوقِ پیدائی
زما پوشیدہ دارد شیوہ ہائے کار سازی را

گلہ کار آفریں سے ہے کہ پیدائی کی خواہش میں
نہاں ہم سے رکھے ہے شیوہ ہائے کار سازی کو

کسے ایں معنیٔ نازک نداند جز ایاز اینجا
کہ مہرِ غزنوی افزوں کند دردِ ایازی را

ایاز اک ہے فقط جانے جو ہے یہ معنیٔ نازک
ہے عشقِ غزنوی کرتا فزوں دردِ ایازی کو

من آں علم و فراست با پرِ کاہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را

ہمیں علم و فراست بے حقیقت ہے وہ ساری جو
کرے بیگانۂ تیغ و سپر ہے مردِ غازی کو

بہر نرخے کہ ایں کالا بگیری سود مند افتد
بزورِ بازوئے حیدرؒ بدہ ادراکِ رازیؒ را

بہر قیمت خرید و یہ متاع بازارِ دنیا میں
جو زورِ بازوئے شبیرؓ دے ادراکِ رازیؒ کو

اگر یک قطرہ خوں داری، اگر مشتِ پرے داری
بیا، من با تو آموزم طریقِ شاہبازی را

اگر تھوڑے سے پر ہیں پاس، خوں تھوڑا سا ہے باقی
بتائیں آشنا تیرا طریقِ شاہبازی کو

اگر ایں کار را کارِ نفس دانی، چہ نادانی
دمِ شمشیر اندر سینہ باید نے نوازی را

اے ناداں تو سمجھتا کار ہے کارِ نفس اپنا
دمِ شمشیر ہونا چاہئے اک نے نوازی کو

۲۹

خود را کنم سجودے، دَیر و حرم نماندہ
ایں در عرب نماندہ، آں در عجم نماندہ

در برگِ لالہ و گل آں رنگ و نم نماندہ
در نالہ ہائے مرغاں آں زیر و بم نماندہ

در کارگاہِ گیتی نقشِ نوی نہ بینم
شاید کہ نقشِ دیگر اندر عدم نماندہ

سیارہ ہائے گردوں بے ذوقِ انقلابے
شاید کہ روز و شب ہا توفیقِ رم نماندہ

بے منزل آرمیدند پا از طلب کشیدند
شاید کہ خاکیاں را در سینہ دم نماندہ

یا در بیاضِ امکاں یک برگِ سادۂ نیست
یا خامۂ قضا را تابِ رقم نماندہ

مسجود اپنا میں ہوں، دَیر و حرم نہیں ہے
کچھ در عرب نہیں ہے، کچھ در عجم نہیں ہے

در برگِ لالہ و گل وہ رنگ و نم نہیں ہے
در نالہ ہائے مرغاں وہ زیر و بم نہیں ہے

دنیا کے کارخانے میں نقشِ نو نہ کوئی
شاید کہ نقشِ دیگر اندر عدم نہیں ہے

سیارہ ہائے گردوں بے ذوقِ انقلابے
شاید کہ روز و شب کو توفیقِ رم نہیں ہے

منزل ہے دُور تو کیا بیٹھیں ہیں رہگزر پہ
لگتا ہے خاکیوں کے سینے میں دم نہیں ہے

یا ہے نہ ورقِ سادہ اندر بیاضِ امکاں
یا خامۂ قضا کو تابِ رقم نہیں ہے

۳۰

چو خورشیدِ سحر پیدا نگاہے میتواں کردن	مثالِ مہر و مہ پیدا نگہ اک ہو بھی سکتی ہے
ہمیں خاکِ سیہ را جلوہ گاہے میتواں کردن	تری خاکِ سیہ میں جلوہ گہ اک ہو بھی سکتی ہے
نگاہِ خویش را از نوکِ سوزن تیز تر کردن	نگاہِ خویش کو کر تیز تر تُو نوکِ سوزن سے
چو جوہر در دلِ آئینہ راہے میتواں کردن	کہ اس سے در دلِ آئینہ رہ اک ہو بھی سکتی ہے
دریں گلشن کہ بر مرغِ چمن راہِ فغاں تنگ است	اگر راہِ فغاں ہے تنگ اے مرغِ چمن تو کیا
باندازِ کشودِ غنچہ آہے میتواں کردن	بہ اندازِ کشودِ غنچہ آہ اک ہو بھی سکتی ہے
نہ ایں عالم حجاب اورا، نہ آں عالم نقاب اورا	نہ یہ عالم حجاب اسکو، نہ وہ عالم نقاب اسکو
اگر تابِ نظر داری، نگاہے میتواں کردن	ہو گر تابِ نظر تجھ کو، نگہ اک ہو بھی سکتی ہے
"تو در زیرِ درختاں ہمچو طفلاں آشیاں بینی"	"بنایا آشیاں زیرِ درختاں مثلِ طفلاں ہے"
بہ پرواز آ کہ صیدِ مہر و ماہے میتواں کردن	ہو گر پرواز، نخچیرئ مہ اک ہو بھی سکتی ہے

۳۱

کشیدی بادہ ہا در صحبتِ بیگانہ پے در پے
بنورِ دیگراں افروختی پیمانہ پے در پے

نہ کر بادہ کشی در صحبتِ بیگانہ پے در پے
بہ نورِ دیگراں روشن نہ کر پیمانہ پے در پے

زدستِ ساقیِ خاور دو جامِ ارغواں درکش
کہ از خاکِ تو خیزد نالۂ مستانہ پے در پے

زدستِ ساقیٔ خاور دو جامِ ارغوانی لے
کرے تا خاک تیری نالۂ مستانہ پے در پے

دلے کو از تب و تابِ تمنا آشنا گردد
زند بر شعلہ خود را صورتِ پروانہ پے در پے

تب و تابِ تمنا سے ہو گر دل آشنا تیرا
جلائے پَر وہ اپنے صورتِ پروانہ پے در پے

ز اشکِ صبحگاہی زندگی را برگ و ساز آور
شود کشتِ تو ویراں تا نہ ریزی دانہ پے در پے

بہ اشکِ صبحگاہی زندگی کو برگ و ساماں دے
کرے وہ کشت ویراں جو نہ ڈالے دانہ پے در پے

بگرداں جام و از ہنگامۂ افرنگ کمتر گوے
ہزاراں کارواں بگذشت ازیں ویرانہ پے در پے

بیاں ہنگامۂ افرنگ کم کر، جام دے ساقی
کہ کرتے کارواں ہیں طے مرا ویرانہ پے در پے

۳۲

فروغِ خاکیاں از نوریاں افزوں شود روزے
زمیں از کوکبِ تقدیرِ ما گردوں شود روزے

فروغِ خاکیاں از نوریاں افزوں، ہوا اکدن
جہاں از کوکبِ تقدیرِ ما گردوں ہوا اکدن

خیالِ ما کہ او را پرورش دادند طوفانہا
ز گردابِ سپہرِ نیلگوں بیروں شود روزے

خیال اپنا کہ جس کی پرورش طوفان کرتے تھے
وہ گردابِ فلک سے کسطرح بیروں ہوا اکدن

بجاں موزوں شود ایں پیش پا افتادہ مضمونے
کہ یزداں را دل از تاثیرِ او پرخوں شود روزے

ہوا کچھ ایسا موزوں پیش پا افتادہ مضموں اک
اثر سے اسکے یزداں کا بھی دل پرخوں ہوا اکدن

۳۳

اے لالہ اے چراغِ کہستان و باغ و راغ
در من نگر کہ می دہم از زندگی سراغ

اے لالہ اے چراغِ کہستان و باغ و راغ
تُو مجھ کو دیکھ تاکہ ملے زیست کا سراغ

ما رنگِ شوخ و بوئے پریشیدہ نیستیم
مائیم آنچہ می رود اندر دل و دماغ

ہیں رنگِ شوخ و بوئے پریشاں نہیں کوئی
ہستی کا میری راز ہے اندر دل و دماغ

مستی ز بادہ می رسد و از ایاغ نیست
ہر چند بادہ را نتواں خورد بے ایاغ

مستی ملے شراب سے ہے، جام سے نہیں
گرچہ شراب پی نہیں جاتی ہے بے ایاغ

داغے بہ سینہ سوز کہ اندر شبِ وجود
خود را شناختن نتواں جز بایں چراغ

بے داغِ دل نہ کوئی ہوا خود شناس ہے
اندر شبِ وجود ہے یہ داغ اک چراغ

اے موجِ شعلہ سینہ بہ بادِ صبا کشائے
شبنم مجو کہ می دہد از سوختن فراغ

موجِ ہوا سے شعلۂ سینہ کو تیز کر
شبنم نہ مانگ، دیوے ہے یہ سوز سے فراغ

۳۴

ز رسم و راہِ شریعت نکردہ ام تحقیق
جز ایں کہ منکرِ عشق است کافر و زندیق

نہیں بہ رسمِ شریعت کی میں نے کچھ تحقیق
جز اسکے، منکرِ الفت ہیں کافر و زندیق

مقامِ آدمِ خاکی نہاد دریابند
مسافرانِ حرم را خدا دہد توفیق

مقامِ آدمِ خاکی نہاد پاتے ہیں
مسافرانِ حرم، دے اگر خدا توفیق

من از طریق نہ پرسم، رفیق می جویم
کہ گفتہ اند نخستیں رفیق و باز طریق

مجھے طریق سے کیا، چاہتا رفیق ہوں میں
کہ لوگ کہتے ہیں اول رفیق، دوم طریق

کند تلافیٔ ذوق آں چناں حکیمِ فرنگ
فروغِ بادہ فزوں تر کند بجامِ عقیق

کرے تلافیٔ ذوق اسطرح حکیمِ فرنگ
فروغِ بادہ فزوں اسکا ہے بجامِ عقیق

ہزار بار نکوتر متاعِ بے بصری
ز دانشے کہ دل او را نمی کند تصدیق

ہزار بار ہے بہتر متاعِ بے بصری
اس عقل سے کہ نہیں جس کی دل کرے تصدیق

بہ پیچ و تابِ خرد گرچہ لذتِ دگر است
یقینِ سادہ دلاں بہ ز نکتہ ہائے دقیق

گو پیچ و تابِ خرد میں ہیں لذتیں بے حد
یقینِ سادہ کرے مات نکتہ ہائے دقیق

کلام و فلسفہ از لوحِ دل فرو شستم
ضمیرِ خویش کشادم بہ نشترِ تحقیق

کلام و فلسفہ میں لوحِ دل سے دھو ڈالوں
ضمیر کاٹ کے کھولوں بہ نشترِ تحقیق

ز آستانۂ سلطاں کنارہ می گیرم
نہ کافرم کہ پرستم خدائے بے توفیق

کروں کنارہ کشی آستانِ سلطاں سے
کہ کفر پوجنا اک ہے خدائے بے توفیق

۳۵

از ہمہ کس کنارہ گیر صحبتِ آشنا طلب
ہم ز خدا خودی طلب، ہم ز خودی خدا طلب

کر کے کنارہ سب سے، کر صحبتِ آشنا طلب
کر ز خدا خودی طلب، کر ز خودی خدا طلب

از خلشِ کرشمۂ کار نمی شود تمام
عقل و دل و نگاہ را جلوہ جدا جدا طلب

اک خلشِ کرشمہ سے کام نہ ختم ہو سکے
عقل و دل و نگہ سے کر جلوہ جدا جدا طلب

عشق بسر کشیدن است شیشۂ کائنات را
جامِ جہاں نما مجو، دستِ جہاں کشا طلب

چاہنا پینا عشق ہے شیشۂ کائنات سے
ساغرِ جم نہ مانگ، کر دستِ جہاں کشا طلب

راہ رواں برہنہ پا، راہ تمام خار زار
تا بمقامِ خود رسی راحلہ از رضا طلب

راہرواں برہنہ پا، راہ میں خار ہر طرف
چاہے مقامِ خود تو کر راحلہ از رضا طلب

چوں بہ کمال می رسد فقر دلیلِ خسروی ست
مسندِ کیقباد را در تہِ بوریا طلب

عاشقِ پُر کمال کا فقر دلیلِ خسروی
مسندِ کیقباد کو کر تہِ بوریا طلب

پیش نگر کہ زندگی راہ بعالمے برد
از سرِ آنچہ بود و رفت در گذر، انتہا طلب

راہوں سے اس جہان کی زندگی آشنا تری
تھا جو، گیا جو، چھوڑ دے، صرف کر انتہا طلب

ضربتِ روزگار اگر نالہ چو نے دہد ترا
بادۂ من ز کف بنہ، چارہ ز مومیا طلب

ضربِ زمانہ کھا کے تُو نالہ کرے جو مثلِ نے
بادہ نہ مانگ اور کر چارۂ مومیا طلب

۳۶

من ہیچ نمی ترسم از حادثۂ شب ہا
شب ہا کہ سحر گردد از گردشِ کوکب ہا

ہے خوف نہیں مجھ کو از حادثۂ شب ہا
شب ہا کہ سحر کرتی ہے گردشِ کوکب ہا

نشناخت مقامِ خویش، افتاد بدامِ خویش
عشقے کہ نمودے خواست از شورشِ یارب ہا

جانے نہ مقامِ خود، گرتی ہے بدامِ خود
چاہے جو نمود الفت از شورشِ یارب ہا

آہے کہ ز دل خیزد از بہرِ جگر سوزی ست
در سینہ شکن اورا آلودہ مکن لب ہا

کرنے کو جگر سوزی نکلے جو اک آہِ دل
سینے میں چھپا اس کو، آلودہ نہ کر لب ہا

در میکدہ باقی نیست از ساقیٔ فطرت خواہ
آں مے کہ نمی گنجد در شیشۂ مشرب ہا

رکھتا نہیں میخانہ، لے ساقیٔ فطرت سے
وہ مے، نہ سمائے جو در شیشۂ مشرب ہا

آسودہ نمی گردد آں دل کہ گسست از دوست
با قرأتِ مسجد ہا، با دانشِ مکتب ہا

دل، یار نہیں جس میں، آسودہ وہ کیسے ہو
با قرأتِ مسجد ہا، با دانشِ مکتب ہا

۳۷

دیارِ شوق کہ در د آشناست خاک آنجا
بذرہ ذرہ تواں دید جانِ پاک آنجا

دیارِ شوق کہ درد آشنا ہو خاک وہاں
بہ ذرہ ذرہ نظر آئے جانِ پاک وہاں

مئے مغانہ ز مغ زادگاں نمی گیرند
نگاہ می شکند شیشہ ہائے تاک آنجا

مئے مغانہ ز مغ زادگاں نہیں لیتے
کہ توڑتی ہے نگہ شیشہ ہائے تاک وہاں

بہ ضبطِ جوشِ جنوں کوش در مقامِ نیاز
بہوش باش و مَرد باقبائے چاک آنجا

مقامِ عجز میں لازم ہے ضبطِ جوشِ جنوں
ہو باشعور، نہ جا باقبائے چاک وہاں

۳۸

مئے دیرینہ و معشوقِ جواں چیزے نیست
پیشِ صاحب نظراں حورِ جناں چیزے نیست

مئے دیرینہ و معشوقِ جواں کچھ بھی نہیں
پیشِ صاحب نظراں حورِ جناں کچھ بھی نہیں

ہرچہ از محکم و پائندہ شناسی، گذرد
کوہ و صحرا و بر و بحر و کراں چیزے نیست

لگتے محکم ہیں ولے علم نہ تجھ کو کہ یہاں
کوہ و صحرا و بر و بحر و کراں کچھ بھی نہیں

دانشِ مغربیاں، فلسفۂ مشرقیاں
ہمہ بتخانہ و در طوفِ بتاں چیزے نیست

دانشِ مغربیاں، فلسفۂ مشرقیاں
جز صنم خانہ و تسلیمِ بتاں کچھ بھی نہیں

از خود اندیش و ازیں بادیہ ترساں مگذر
کہ تو ہستی و وجودِ دو جہاں چیزے نیست

ہو خود اندیش تو اک راز کھلے یہ تجھ پر
گر نہ ہو تو تو وجودِ دو جہاں کچھ بھی نہیں

در طریقے کہ بنوکِ مژہ کاویدم من
منزل و قافلہ و ریگِ رواں چیزے نیست

میں بنوکِ مژہ طے کرتا ہوں جو اس رہ میں
منزل و قافلہ و ریگِ رواں کچھ بھی نہیں

۳۹

خودی را مردم آمیزی دلیلِ نارسائی ہا
تو اے دردآشنا بیگانہ شو از آشنائی ہا

بدرگاہِ سلاطیں تا کجا ایں چہرہ سائی ہا
بیاموز از خدائے خویش نازِ کبریائی ہا

محبت از جوانمردی بجائے می رسد روزے
کہ افتد از نگاہش کاروبارِ دلبربائی ہا

چناں پیشِ حریمِ او کشیدم نغمۂ دردے
کہ دادم محرماں را لذتِ سوزِ جدائی ہا

ازاں برخویش می بالم کہ چشمِ مشتری کوراست
متاعِ عشق نافرسودہ ماند از کم روائی ہا

بیا بالالہ پاکوبیم و بیباکانہ مے نوشیم
کہ عاشق را بحل کردند خونِ پارسائی ہا

بروں آ از مسلماناں، گریز اندر مسلمانی
مسلماناں روا دارند کافر ماجرائی ہا

خودی کو مردم آمیزی دلیلِ نارسائی ہا
تُو اے دردآشنا بیگانہ ہو از آشنائی ہا

بدرگاہِ سلاطیں کب تلک یہ جبہ سائی ہا
خدا سے سیکھ اے بندے تُو نازِ کبریائی ہا

پہنچتی ہے جوانمردی سے الفت اک جگہ ایسی
گرائے ہے نگہ سے کاروبارِ دلبربائی ہا

سنایا ہے حریمِ یار میں یوں نغمۂ غم اک
کہ دی ہے محرموں کو لذتِ سوزِ جدائی ہا

خریداروں کی آنکھیں بے بصر ہیں اور میں خوش ہوں
کہ مالِ عشق ہے ابتک نیا از کم روائی ہا

ہوں رقصاں لالہ زاروں میں، پیئں ہم میگساروں میں
کہ کرتے معاف ہیں عاشق کو خونِ پارسائی ہا

مسلمانوں سے باہر آ، مسلمانی کے اندر جا
روا رکھتے مسلماناں ہیں کافر ماجرائی ہا

۴۰

چو چراغِ لالہ سوزم در خیابانِ شما
اے جوانانِ عجم جانِ من و جانِ شما

ہوں چراغِ لالہ میں، اندر خیابانِ شما
اے جوانانِ عجم جانِ من و جانِ شما

غوطہ ہا زد در ضمیرِ زندگی اندیشہ ام
تا بدست آوردہ ام افکارِ پنہانِ شما

غوطہ زن ہے فکر میرا در ضمیرِ زندگی
تا کہ مل جائیں مجھے افکارِ پنہانِ شما

مہر و مہ دیدم نگاہم برتر از پرویں گذشت
ریختم طرحِ حرم در کافرستانِ شما

دُور جائے گر نظر پرویں و مہر و ماہ سے
ڈال دوں طرحِ حرم در کافرستانِ شما

فکرِ رنگینم کند نذرِ تہی دستانِ شرق
پارۂ لعلے کہ دارم از بدخشانِ شما

فکرِ رنگیں نے کیا نذرِ تہی دستانِ شرق
لعل جو مجھ کو ملا تھا از بدخشانِ شما

می رسد مردے کہ زنجیرِ غلاماں بشکند
دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما

دیکھتا ہوں، آ رہا ہے توڑنے زنجیر کو
مرد اک، از روزنِ دیوارِ زندانِ شما

حلقہ گردِ من زنید اے پیکرانِ آب و گِل
آتشے در سینہ دارم از نیاگانِ شما

آؤ میرے گِرد تم اے پیکرانِ آب و گِل
آگ سینے کو ملی ہے از نیاگانِ شما

۴۱

ہنگامہ را کہ بست دریں دَیر دِیر پاے ؟
زناریانِ او ہمہ نالندہ ہمچو ناے

شورش کرے ہے دیر میں یہ کون دیرپا
زناریوں نے کردیا کہرام ہے بپا

در بنگۂ فقیر و بکاشانۂ امیر
غمہا کہ پشت را بجوانی کند دوتاے

کاشانۂ فقیر میں، ایوانِ شاہ میں
غم سے جوان سال کمر ہو گئی دوتا

درماں کجا کہ درد بدرماں فزوں شود
دانش تمام حیلہ ونیرنگ وسیمیاے

یہ کیا علاج ہے جو کرے درد کو فزوں
دانش تمام حیلہ ونیرنگ وسیمیا

بے زورِ سیل کشتیِ آدم نمی رود
ہر دل ہزار عربدہ دارد بہ ناخداے

بے زورِ سیل کشتیٔ آدم نہیں چلے
ہر دل ہزار عربدہ رکھے بہ ناخدا

از من حکایتِ سفرِ زندگی مپرس
درساختم بدرد وگذشتم غزل سراے

مجھ سے حکایتِ سفرِ زندگی نہ سن
رکھتا ہوں درد اور ہوں جاتا غزل سرا

از کاخ وکو جدا وپریشاں بہ کاخ وکو
کردم بچشمِ ماہ تماشائے ایں سراے

از کاخ وکُو جدا وپریشاں بہ کاخ وکُو
کرتا ہوں چشمِ مہ سے تماشائے غم سرا

۴۲

دریں صحرا گذر افتاد شاید کاروانے را
پس از مدت شنیدم نغمہ ہائے سار بانے را

نہ دیکھے دشت میں اس مدتوں سے کارواں میں نے
سنے کب سے نہیں ہیں نغمہ ہائے سارباں میں نے

اگر یک یوسف از زندانِ فرعونے بروں آید
بغارت می تواں دادن متاعِ کاروانے را

نکالا جا سکا یوسف کبھی گر قیدِ فرعون سے
کئے پامال ہیں مال و متاعِ کارواں میں نے

۴۳

ترا ناداں امیدِ غمگساریہائے افرنگ است
دلِ شاہیں نہ سوزد بہرِ آں مرغے کہ در چنگ است

تجھے ناداں ہے کیوں امیدِ ہمدردی ز افرنگی
کہ کرنا صید در چنگل، نہیں شاہیں کی دل تنگی

پشیماں شو اگر لعلے ز میراثِ پدر خواہی
کجا عیشِ بروں آوردنِ لعلے کہ در سنگ است

نہ ہو اس لعل پر نازاں ملا جو تجھ کو ورثے میں
تُو لے کر لعل آ اک، ہے جو اندر معدنِ سنگی

سخن از بود و نابودِ جہاں با من چہ میگوئی
من ایں دانم کہ من ہستم، ندانم ایں چہ نیرنگ است

نہیں ہے بود و نابودِ جہاں سے کچھ غرض مجھ کو
ہوں اک میں ہی کہ ہوں، باقی ہے سب کچھ ایک نیرنگی

دریں میخانہ ہر مینا ز بیمِ محتسب لرزد
مگر یک شیشۂ عاشق کہ از وے لرزہ بر سنگ است

لرزتے مینا و ساغر بخوفِ محتسب ہیں یاں
مگر اک شیشۂ عاشق کہ لرزائے دلِ سنگی

خودی را پردہ می گوئی، بگو، من با تو ایں گویم
مزن ایں پردہ را چاکے کہ دامانِ نگہ تنگ است

خودی پردہ سہی، مانا یہ میں نے، کر نہ یہ پردہ
تُو دَر لیکن، کہ دامانِ نگہ کی بیش ہے تنگی

کہن شاخے کہ زیرِ سایۂ او پر بر آوردی
چوں برگش ریخت از وے آشیاں برداشتن ننگ است

وہ شاخ اک، زیرِ سایہ تُو نے جس کے پر نکالے ہیں
ہٹانا واں سے گھر ہے ننگ، جب وہ شاخ ہو ننگی

غزل آں گو کہ فطرت سازِ خود را پردہ گرداند
چہ آید زاں غزل خوانے کہ با فطرت ہم آہنگ است

غزل گا اس طرح، فطرت کرے خود تجھ سے ہم سازی
غزل خواں وہ نہیں جس کو ہو با فطرت ہم آہنگی

۴۴

بگذر از خاور و افسونئ افرنگ مشو	چھوڑ مشرق کو تو، افسونئ افرنگ نہ ہو
کہ نیرزد بجوئے ایں ہمہ دیرینہ و نو	کہ نہیں جَو کے برابر بھی یہ دیرینہ و نو
چو پرِکاہ کہ در رہگذرِ باد افتاد	جیسے اک پتّا کہ اُڑتا ہے وہ بر دوشِ ہَوا
رفت اسکندرِ و دارا و قباد و خسرو	گئے اسکندر و دارا و قباد و خسرو
زندگی انجمن آرا و نگہدارِ خود است	زندگی انجمن آرا و نگہدار ہے جو
اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو با ہمہ رو	لے کے چل ایسے کہ ہو ساتھ بھی اور ساتھ نہ ہو
تو فروزندہ تر از مہرِ منیر آمدۂ	تُو کہ ہے بیشتر خورشید سے بھی نور ترا
آنچناں زی کہ بہر ذرہ رسانی پرتو	اسطرح رہ کہ ہر اک ذرہ ہو تیرا پرتو
آں نگینے کہ تو با اہرمناں باختۂ	دیئے تُونے ہیں نگیں اپنے جو شیطانوں کو
ہم بہ جبریلِ امینے نتواں کرد گرو	پاس وہ روحِ امیں کے نہیں رکھتا ہیں گرد
از تنک جامئ ما میکدہ رسوا گردید	تُو وہاں جا کے سبو بھر کے حکیمانہ پی
شیشۂ گیر و حکیمانہ بیا شام و برَو	ہے تنک جامی سے رسوا میری میخانہ جو

۴۵

جہانِ رنگ و بو پیدا، تو می گوئی کہ راز است ایں یکے خود را بہ تارش زن کہ تو مضراب و ساز است ایں	جہانِ رنگ و بو ظاہر، تو کہوے پر ہے راز اک یہ کبھی تو چھیڑ تار اسکا، ہے تو مضراب، ساز اک یہ
نگاہِ جلوہ بدمست از صفائے جلوہ می لغزد تو میگوئی حجاب است ایں، نقاب است ایں، مجاز است ایں	نگاہِ جلوہ کو ہے اک صفائے جلوہ سے لغزش تو کہوے ہے حجاب اک یہ، نقاب اک یہ، مجاز اک یہ
بیا درکش طنابِ پردہ ہائے نیلگونش را کہ مثلِ شعلہ عریاں بر نگاہِ پاکباز است ایں	تو کھینچ آ کر طنابِ پردہ ہائے نیلگوں کو ہے مثلِ شعلہ عریاں بر نگاہِ پاکباز اک یہ
مرا ایں خاکدانِ من ز فردوسِ بریں خوشتر مقامِ ذوق و شوق است ایں، حریمِ سوز و ساز است ایں	ہے یہ خلدِ بریں سے خاکداں میرے لئے خوشتر مقامِ ذوق و شوق اک یہ، حریمِ سوز و ساز اک یہ
زمانے گم کنم خود را، زمانے گم کنم او را زمانے ہر دو را یابم! چہ راز است ایں، چہ راز است ایں	کبھی گم خود کو کرتا ہوں، کبھی گم اُس کو کرتا ہوں کبھی پاتا ہوں ہر دو، کیسا راز اک یہ ہے راز اک یہ

۴۶

از داغِ فراقِ او در دل چمنے دارم اے لالۂ صحرائی با تو سخنے دارم	ہے داغِ فراق اسکا دل میں چمن اک میرے ہے اے گُلِ صحرائی لب پہ سخن اک میرے
ایں آہِ جگر سوزے در خلوتِ صحرا بہ لیکن چہ کنم، کارے با انجمنے دارم	یہ آہِ جگر سوز اک صحرا ہی میں بہتر ہے کیا اس میں کروں جب ہے پاس انجمن اک میرے

۴۷

لالۂ ایں گلستاں داغِ تمنائے نداشت
نرگسِ طنازِ او چشمِ تماشائے نداشت

لالۂ گلشن میں اس، داغِ تمنا اک نہیں
نرگسِ طنازؔ میں چشمِ تماشا اک نہیں

خاک را موجِ نفس بود و دلے پیدا نبود
زندگانی کاروانے بود و کالائے نداشت

خاک کو موجِ نفس دی، پر دیا کوئی نہ دل
کاروانِ عمر اچھا مال لاتا اک نہیں

روزگار از ہائے و ہوئے میکشاں بیگانۂ
بادہ در میناش بود و بادہ پیمائے نداشت

ہاؤ ہوئے میکشاں سے آشنا دوراں نہیں
بادہ پیمانے میں ہے پر بادہ پیما اک نہیں

برقِ سینا شکوہ سنج از بے زبانی ہائے شوق
ہیچ کس در وادئ ایمن تقاضائے نداشت

برقِ سینا کر رہی ہے پھر تقاضا شوق کا
پر کوئی جلوے کا یاں کرتا تقاضا اک نہیں

عشق از فریادِ ما ہنگامہ ہا تعمیر کرد
ورنہ ایں بزمِ خموشاں ہیچ غوغائے نداشت

شور و ہنگامہ ہوا میری فغاں سے عشق میں
ورنہ اس بزمِ خموشاں میں تو غوغا اک نہیں

۴۸

بہار آمد نگہ می غلطد اندر آتشِ لالہ
ہزاراں نالہ خیزد از دلِ پرکالہ پرکالہ

بہار آئی تو دیکھا اندرونِ آتشِ لالہ
بھرا فریاد و نالہ سے دل پرکالہ پرکالہ

فشاں یک جرعہ بر خاکِ چمن از بادۂ لعلے
کہ از بیمِ خزاں بیگانہ روید نرگس و لالہ

گرا خاکِ چمن پر یک جرعہ از بادۂ احمر
کہ بیگانہ خزاں سے ہیں یہاں سب نرگس و لالہ

جہان رنگ و بو دانی ولے دل چیست میدانی ؟
مہے کز حلقۂ آفاق سازد گردِ خود ہالہ

جہانِ رنگ و بو دیکھا ولے دیکھا نہ دل، ہے یہ
مہ اک جس نے بنایا حلقۂ آفاق کو۔ ہالہ

۴۹

ایں ہم جہانے، آں ہم جہانے	یہ بھی جہاں ایک، وہ بھی جہاں اک
ایں بیکرانے، آں بیکرانے	یہ بیکراں ایک، وہ بیکراں اک
ہر دو خیالے، ہر دو گمانے	خیال ایک دو ہیں، گماں ایک دو ہیں
از شعلۂ من موج دخانے	شعلے سے میرے موجِ دخاں اک
ایں یک دو آنے، آں یک دو آنے	یہ دو ایک لحظہ، وہ دو ایک لحظہ
من جاودانے، من جاودانے	میں جاوداں ایک، میں جاوداں اک
ایں کم عیارے، آں کم عیارے	یہ کم عیار ایک، وہ کم عیار اک
من پاک جانے نقدِ روانے	میں پاک جاں ایک، نقدِ رواں اک
اینجا مقامے، آنجا مقامے	یاں پہ مقام ایک، واں پہ مقام اک
اینجا زمانے، آنجا زمانے	یاں پہ زماں ایک، واں پہ زماں اک
اینجا چہ کارم، آنجا چہ کارم	یاں کام اپنا ہے، واں کام اپنا
آہے فغانے، آہے فغانے	آہ و فغاں ایک، آہ و فغاں اک
ایں رہزنِ من، آں رہزنِ من	یہاں میرا رہزن، وہاں میرا رہزن
اینجا زیانے، آنجا زیانے	یاں ہے زیاں ایک، واں ہے زیاں اک
ہر دو فروزم، ہر دو بسوزم	دونوں سجاؤں ہیں دونوں جلاؤں
ایں آشیانے، آں آشیانے	یہ آشیاں ایک، وہ آشیاں اک

۵۰

باز ایں عالمِ دیرینہ جواں می بائست برگِ کاہش صفتِ کوہِ گراں می بائست	کاش یہ عالمِ دیرینہ جواں ہو جائے تنکا اک یاں صفتِ کوہِ گراں ہو جائے
کفِ خاکے کہ نگاہِ ہمہ بیں پیدا کرد در ضمیرش جگر آلودہ فغاں می بائست	وہ کفِ خاک، رکھے چشمِ ہمہ بین ہے جو دل میں اُسکے جگر آلودہ فغاں ہو جائے
ایں مہ و مہرِ کہن راہ بجائے نہ برند انجمِ تازہ بہ تعمیرِ جہاں می بائست	گر مہ و مہرِ کہن بھول گئے راہ، تو اک انجمِ تازہ بہ تعمیرِ جہاں ہو جائے
ہر نگارے کہ مرا پیشِ نظر می آید خوش نگارے ست ولے خوشتر ازاں می بائست	یوں تو دلبر ہیں بہت نازنیں اس دنیا میں چاہیے ایک کہ جو حاصلِ جاں ہو جائے
گفت یزداں کہ چنیں است و دگر ہیچ مگو گفت آدم کہ چنیں است و چناں می بائست	جب کہا رب نے، بنایا ہے یہ سب تیرے لئے بولا آدم، نیا اک اور جہاں ہو جائے

۵۱

من بندۂ آزادم عشق است امامِ من
عشق است امامِ من، عقل است غلامِ من

آزاد ہیں اک بندہ، ہے عشق امامِ من
ہے عشق امامِ من، ہے عقل غلامِ من

ہنگامۂ ایں محفل از گردشِ جامِ من
ایں کوکبِ شامِ من، ایں ماہِ تمامِ من

ہے بزم کا ہنگامہ وہ گردشِ ساغر، جو
ہے کوکبِ شامِ من، ہے ماہِ تمامِ من

جاں در عدم آسودہ بے ذوقِ تمنا بود
مستانہ نواہا زد در حلقۂ دامِ من

جاں در عدم آسودہ بے ذوقِ تمنا ہے
مستانہ نوا ہے وہ در حلقۂ دامِ من

اے عالمِ رنگ و بو، ایں صحبتِ ما تا چند
مرگ است دوامِ تو، عشق است دوامِ من

اے عالمِ رنگ و بو کیا میری تری صحبت
ہے مرگ دوامِ تو، ہے عشق دوامِ من

پیدا بضمیرم او، پنہاں بضمیرم او
این است مقامِ او، دریاب مقامِ من

ظاہر میرے دل میں وہ، پنہاں مرے دل میں وہ
ایسا ہے مقامِ او، ایسا ہے مقامِ من

۵۲

کم سخن غنچہ کہ در پردۂ دل رازے داشت
در ہجومِ گل و ریحاں غمِ دمسازے داشت

کم سخن غنچہ کہ در پردۂ دل راز رکھے
در ہجومِ گل و ریحاں غمِ دمساز رکھے

محرمے خواست ز مرغِ چمن و بادِ بہار
تکیہ بر صحبتِ آں کرد کہ پروازے داشت

چاہتا ہے کہ کرے مرغ و بہاراں محرم
ہے بھروسہ اُسے اُس پر کہ جو پرواز رکھے

پیامِ مشرق

مئے باقی

غزلیات

۱

بہار تا بہ گلستاں کشیدہ بزمِ سرود
نوائے بلبلِ شوریدہ چشمِ غنچہ کشود

گماں مبر کہ سرشتند در ازل گِلِ ما
کہ ما ہنوز خیالیم در ضمیرِ وجود

بہ علم غرّہ مشو کارِ میکشی دگر است
فقیہہِ شہر گریبان و آستیں آلود

بہارِ برگِ پراگندہ را بہم بربست
نگاہِ ماست کہ بر لالہ رنگ و آب افزود

نظر بخویش فروبستہ را نشان این است
دگر سخن نہ سراید ز غائب و موجود

شبے بمیکدہ خوش گفت پیرِ زندہ دلے
کہ ہر زمانہ خلیل است و آتشِ نمرود

بہ دَیریاں سخنِ نرم گو کہ عشقِ غیور
بِنائے بتکدہ افگند در دلِ محمود

بخاکِ ہند نوائے حیات بے اثر است
کہ مردہ زندہ نگردد ز نغمۂ داود

جمائی فصلِ بہاراں نے جب سے بزمِ سرود
نوائے مرغِ چمن سے ہے چشمِ غنچہ کشود

ازل میں خاک ہماری گئی ہے یوں گوندھی
کہ اک خیال ابھی ہم ہیں در ضمیرِ وجود

ہے یہ کرشمۂ ساقی کہ باوجودِ ہنر
ہیں مفتیوں کے گریبان و آستیں آلود

کرے بہار ہے برگ ہائے منتشر باہم
نگہ نے رنگِ گل و لالہ کر دیا افزود

نظر میں ایک تصور ہوا ہے یوں پیدا
رہی نہ کوئی اسے فکرِ غائب و موجود

بتایا پیرِ مغاں نے ہے راز یہ مجھ کو
کہ ہر زماں ہیں براہیم و آتشِ نمرود

نہ اہلِ دَیر سے اُلجھو کبھی کہ عشقِ غیور
بِنائے بتکدہ رکھے ہے در دلِ محمود

بخاکِ ہند نوائے حیات بے تاثیر
کہ مردہ زندہ نہ کرتا ہے نغمۂ داؤد

۲

حلقہ بستند سرِ تربتِ من نوحہ گراں
دلبراں، زہرہ وشاں، گلبدناں، سیم براں

درچمن قافلۂ لالہ و گل رخت کشود
از کجا آمدہ اند ایں ہمہ خونیں جگراں ؟

اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق
نخرد بادہ کس از کارگہِ شیشہ گراں

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب و گلِ تست
اے ز خود رفتہ تہی شو ز نوائے دگراں

کس ندانست کہ من نیز بہائے دارم
آں متاعم کہ شود دستِ زدِ بے بصراں

باندھتے حلقہ ہیں تربت پہ مری نوحہ گراں
دلبراں، زہرہ وشاں، گلبدناں، سیم براں

ہمرہِ قافلۂ موسمِ گل رنگ برنگ
آئے ہر سو سے چلے کس طرح خونیں جگراں

سیکھنے جاتا ہے تُو علم و ادب مکتب میں
ملتا بادہ نہیں در کارگہِ شیشہ گراں

خرد افزود مجھے درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروز مگر صحبتِ صاحب نظراں

وہ سنا نغمہ جو رکھتے ترے آب و گِل ہیں
بے خبر، بن نہ تُو دم سازِ نوائے دگراں

ہوں گیا گزرا ولے رکھتا ہوں ابتک دل میں
وہ متاع ایک جو ہے دستِ زدِ بے بصراں

۳

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر رَست از یک بند تا افتاد در بندے دگر	فکر ہر دم اک بناتا ہے خداوندِ دگر چھوٹ کر اک بند سے جاتا ہے در بندِ دگر
بر سرِ بام آ نقاب از چہرۂ بیباکانہ کش نیست در کوئے تو چوں من آرزومندے دگر	بر سرِ بام آ دکھا اپنا رخِ زیبا کہ ہے کُو میں کوئی بھی نہ مجھ سا آرزومندِ دگر
بسکہ غیرت می برم از دیدۂ بینائے خویش از نگہ بافم بہ رخسارِ تو رُو بندے دگر	باعثِ غیرت بہت ہے دیدۂ بینا مرا رخ پہ بُنتا ہوں نگہ سے تیرے رُو بندِ دگر
یک نگہ، یک خندۂ دزدیدہ، یک تابندہ اشک بہرِ پیمانِ محبت نیست سوگندے دگر	یک نگہ، یک خندۂ دزدیدہ، یک تابندہ اشک بہرِ پیمانِ وفا کوئی نہ سوگندِ دگر
عشق را نازم کہ از بیتابیٔ روزِ فراق جانِ ما را بست با دردِ تو پیوندے دگر	عشق کو ایسی تھی اک بیتابیٔ ہجراں کہ ہے درد کا تیرے لگایا جاں میں پیوندِ دگر
تا شوی بیباک تر در نالہ اے مرغِ بہار آتشے گیر از حریمِ سینہ ام چندے دگر	تا کرے بیباک تر نالہ تُو اے مرغِ چمن لے مرے سینے سے آکر آتشِ چندِ دگر
چنگِ تیموری شکست، آہنگِ تیموری بجاست سر بروں می آرد از سازِ سمرقندے دگر	چنگِ تیموری گیا، آہنگِ تیموری تو ہے نغمہ زن ہوتا ہے پھر سازِ سمرقندِ دگر
رہ مدہ در کعبہ اے پیرِ حرم اقبالؔ را ہر زماں در آستیں دارد خداوندے دگر	آنے کعبے میں نہ دے پیرِ حرم اقبالؔ کو آستیں میں اُس کی ہے ہر دم خداوندِ دگر

۴

مرا ز دیدۂ بینا شکایتِ دگر است کہ چوں بجلوہ در آئی حجابِ من نظر است	مجھے بدیدۂ بینا شکایت ایک دگر کرے تُو جلوہ گری اور حجاب میری نظر
بہ نوریاں زمنِ پا بہ گِل پیامے گوے حذر ز مشتِ غبارے کہ خویشتن نگر است	تُو جا کے دے مرا پیغام نوریوں کو اک بچو تم اس سے، ہے خاکی پہ جس، خودی کا اثر
نوا زنیم و بہ بزمِ بہار می سوزیم شرر ز مشتِ پرِ ما ز نالۂ سحر است	نوا میں شعلہ مری آتشیں بہاراں سے شرار میرے پَروں میں ز نالہ ہائے سحر
ز خود رمیدہ چہ داند نوائے من ز کجاست جہانِ او دگر است و جہانِ من دگر است	نوا سے ہے مری بے بہرہ، رم جو خود سے کرے جہان اس کا دگر ہے، مرا جہان دگر
مثالِ لالہ فتادم بگوشۂ چمنے مرا ز تیرِ نگاہے نشانہ بر جگر است	مثالِ لالہ گرا ہوں بگوشۂ گلشن نشانہ تیرِ نگہ کا بنا ہے میرا جگر
بہ کیشِ زندہ دلاں زندگی جفا طلبی ست سفر بہ کعبہ نکردم کہ راہ بے خطر است	بہ کیشِ زندہ دلاں زندگی جفا طلبی سفر حرم کا ہے کیا جب نہیں ہے رہ میں خطر
ہزار انجمن آراستند و برچیدند دریں سراچہ کہ روشن ز مشعلِ قمر است	سجا کے انجمنیں لاکھ تیرہ کرتے ہیں وہ آشیانہ جو روشن کرے ہے صرف قمر
ز خاکِ خویش بہ تعمیرِ آدمے برخیز کہ فرصتِ تو بقدرِ تبسمِ شرر است	کر اپنی خاک سے تعمیر اک نیا آدم کہ ہے فراغ یہاں پر تجھے بقدرِ شرر

۵

بایں بہانہ دریں بزمِ محرمے جویم
غزل سرایم و پیغامِ آشنا گویم

بنا ہوں اس لئے محفل میں رازداں جو ہوں
غزل سرا ہوں، میں پیغامِ آشنا گو ہوں

بخلوتے کہ سخن میشود حجاب آنجا
حدیثِ دل بہ زبانِ نگاہ میگویم

درونِ گوشہ، سخن ایک ہے حجاب جہاں
بہ نطقِ نگہ بنا ہوں حدیثِ دل گو ہوں

پئے نظارۂ روئے تو می کنم پاکش
نگاہِ شوق بہ جوئے سرشک می شویم

پئے نظارۂ رخ، دھو کے پاک کرتا ہوں
ہوا ہوں اشک کے دریا میں اک نگہ شو ہوں

چو موج، سازِ وجودم زسیل بے پرواست
گماں مبر کہ دریں بحر ساحلے جویم

ہے سازِ عمر کو کوئی نہ سیل کی پروا
گماں نہ کر کہ میں در بحر عافیت جو ہوں

میانۂ من و او ربطِ دیدہ و نظر است
کہ در نہایتِ دُوری ہمیشہ با اویم

میانۂ من و او ربطِ دیدہ و دل ہے
کہ در نہایتِ دُوری ہمیشہ با او ہوں

کشید نقشِ جہانے بہ پردۂ چشم
ز دستِ شعبدہ بازے اسیرِ جادویم

دیا ہے نقشِ جہاں کھینچ آنکھ میں میری
بنا بہ شعبدہ بازی، اسیرِ جادو ہوں

درونِ گنبدِ دربستہ اش نگنجیدم
من آسمانِ کہن راچو خارِ پہلویم

سما سکا کسی صورت نہ اسکے گنبد میں
درونِ چرخِ کہن ایک خارِ پہلو ہوں

بہ آشیاں نہ نشینم ز لذتِ پرواز
گہے بشاخِ گلم، گاہ برلبِ جویم

نہ چھوڑتا ہے مجھے گھر میں شوقِ پروازی
گہے بشاخِ سمن، گاہ برلبِ جو ہوں

۶

خیز و نقاب برکشا پردگیانِ ساز را
نغمۂ تازہ یاد دہ، مرغِ نوا طراز را

کر کبھی بے نقاب تُو پردگیانِ ساز کو
نغمۂ نو سکھا کوئی مرغِ نوا طراز کو

جادہ زخونِ رہرواں تختۂ لالۂ بہار
نازِ کہ راہ می زند قافلۂ نیاز را

راہ بخونِ رہرواں تختۂ لالۂ چمن
ناز ہے کس کا راہزن، قافلۂ نیاز کو

دیدۂ خوابناکِ او گر بہ چمن کشودہ
رخصتِ یک نظر بدہ، نرگسِ نیم باز را

دیدۂ خوابناک گر اسکا کھُلا چمن میں ہے
رخصتِ یک نگاہ دے نرگسِ نیم باز کو

”حرفِ نگفتۂ شما، برلبِ کودکاں رسید“
از منِ بے زباں بگو، خلوتیانِ راز را

”حرفِ نگفتہ یہ ترا برلبِ بچگاں جو ہے“
جا کے بتا اسے کبھی خلوتیانِ راز کو

سجدۂ تو برآورد، از دلِ کافراں خروش
اے کہ دراز ترکنی، پیشِ کساں نماز را

سجدہ ترا بڑھائے جب دردلِ کافراں خروش
کر تُو دراز اور بھی اپنی شبِ نماز کو

گرچہ متاعِ عشق را، عقل بہائے کم نہد
من ندہم بہ تختِ جم، آہِ جگر گداز را

گرچہ متاعِ عشق ہے عقل کو کم بہا بہت
کچھ نہیں تختِ جم بھی ہے، آہِ جگر گداز کو

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستۂ، بندہ شدی ایاز را

غزنوی کہنے لگا یہ برہمن
توڑے ہے بت میرے مگر پوجے ہے تُو ایاز کو

۷

بملازمانِ سلطاں خبرے دہم ز رازے
کہ جہاں تواں گرفتن بنوائے دل گدازے

میں ملازمانِ سلطاں کروں باخبر بہ رازے
کہ ملے جہاں ہے سارا بہ نوائے دل گدازے

بمتاعِ خود چہ نازی کہ بہ شہرِ دردمنداں
دلِ غزنوی نیرزد بہ تبسمِ ایازے

نہ متاعِ پہ ناز کر تُو کہ بہ شہرِ دردمنداں
دلِ غزنوی ہے پُرخوں بہ تبسمِ ایازے

ہمہ نازِ بے نیازی، ہمہ سازِ بے نوائی
دلِ شاہ لرزہ گیرد ز گدائے بے نیازے

ہمہ نازِ بے نیازی، ہمہ سازِ بے نوائی
دلِ شہ کو ڈبوے لرزہ ہے گدائے بے نیازے

ز مقامِ من چہ پرسی، بہ طلسمِ دل اسیرم
نہ من نشیبے، نہ فرازِ من فرازے

مرا حال پوچھئے مت، ہوں اسیرِ جادوئے دل
نہ من نشیبے، نہ فرازِ من فرازے

رہِ عاقلی رہا کن کہ باو تواں رسیدن
بدلِ نیاز مندے، بہ نگاہِ پاکبازے

رہِ عقل چھوڑ اپنی کہ ملے ہے قرب اُسکا
بہ دلِ نیاز مندے، بہ نگاہے پاکبازے

بہ رہِ تو ناتمامم، ز تغافلِ تو خامم
من و جانِ نیم سوزے، تو و چشمِ نیم بازے

بہ رہِ تو ناتمامم، ز تغافلِ تو خامم
من و جانِ نیم سوزے، تُو و چشمِ نیم بازے

رہِ دَیر تختۂ گل ز جبینِ سجدہ ریزم
کہ نیازِ من نگنجد بدو رکعتِ نمازے

رہِ دَیر میں بکھیرے بہ جبینِ سجدہ گل ہیں
کہ نیاز کو ہیں کافی نہ دو رکعتِ نمازے

ز ستیزِ آشنایاں چہ نیاز و ناز خیزد
دلکے بہانہ سوزے، نگہے بہانہ سازے

ہیں ستیزِ آشنایاں میں نیاز و ناز کیسے
دلِ من بہانہ سوزے، نگہِ تُو بہانہ سازے

۸

شعلہ در آغوش دارد عشقِ بے پروائے من
بر نہ خیزد یک شرار از حکمتِ نازائے من

شعلہ رکھتا مشتعل ہے عشقِ بے پروا مرا
اک شرر لیکن نہ رکھے درکِ بے ہودا مرا

چوں تمام افتد سراپا ناز می گردد نیاز
قیس را لیلیٰ ہمی نامند در صحرائے من

عشق کے اعجاز سے بنتی نیاز اک ناز ہے
قیس کو لیلیٰ بنا دیتا ہے یوں صحرا مرا

بہرِ دہلیزِ تو از ہندوستاں آوردہ ام
سجدۂ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من

بیٹھنے در پر ترے آیا ہوں ہندوستان سے
اشتیاقِ سجدہ کرتا خون ہے سیما مرا

تیغ "لا" در پنجۂ ایں کافرِ دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامۂ "الائے" من

کافرِ دیرینہ کو اپنے دے اک شمشیرِ "لا"
دیکھ پھر دنیا میں اک، ہنگامۂ "الا" مرا

گردشے باید کہ گردوں از ضمیرِ روزگار
دوشِ من باز آرد اندر کسوتِ فردائے من

گردش ایسی ہو کہ پھر گردونِ گرداں ایکدن
دوش کی دولت سے کر دے آشنا فردا مرا

با خدا در پردہ گویم، با تو گویم آشکار
یا رسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من

رہ کے پنہاں خود محمدؐ میں، ہوا رب آشکار
سب دیا اس نے مگر ہے مصطفیٰ داتا مرا

۹

ہوائے فرودیں درگلستاں میخانہ می سازد	ہوائے نوبہاری سے چمن میخانہ بنتا ہے
سبو از غنچہ می ریزد، زگل پیمانہ می سازد	شرابِ قطرۂ شبنم سے گل پیمانہ بنتا ہے
محبت چوں تمام افتد رقابت درمیاں خیزد	وہ عاشق کیا، نہیں جس کی محبت میں ہو بیباکی
بہ طوفِ شعلۂ پروانہ با پروانہ می سازد	طوافِ شعلہ سے پروانہ اک پروانہ بنتا ہے
بہ سازِ زندگی سوزے، بہ سوزِ زندگی سازے	بہ سازِ زندگی سوزے، بہ سوزِ زندگی سازے
چہ بے دردانہ می سوزد، چہ بیتابانہ می سازد	حرم اک دل، بسوز و ساز، بیتابانہ بنتا ہے
تنش از سایۂ بال تذروے لرزہ می گیرد	کبوتر کے پروں کو دیکھ کر شہپر لرزتا ہے
چوں شاہیں زادۂ اندر قفس با دانہ می سازد	قفس میں روزیٔ شاہین جب اک دانہ بنتا ہے
بگو اقبالؔ را اے باغباں رخت از چمن بندد	کہو اقبالؔ سے جادو بیانی کر نہ گلشن میں
کہ ایں جادو نوا مارا زگل بیگانہ می سازد	نوا سن اسکی گل سے دل مرا بیگانہ بنتا ہے

۱۰

از ما بگو سلامے آں ترکِ تند خو را	جا کر سلام دے تُو اُس ترکِ تند خو کو
کاتش زد از نگاہے یک شہرِ آرزو را	با یک نظر جلائے جو شہرِ آرزو کو
ایں نکتہ را شناسد آں دل کہ دردمند است	اک دردمند دل ہی شاید سمجھ سکے گا
من گرچہ توبہ گفتم، نشکستہ ام سبو را	توبہ جو کر کے میں نے توڑا نہیں سبو کو
اے بلبل از وفایش صد بار با تو گفتم	بلبل نہیں ملے گی اُس میں وفا ذرا بھی
تو در کنار گیری باز ایں رمیدہ بو را	آغوش میں ہے لیوے تُو جس رمیدہ بو کو
رمزِ حیات جوئی ؟ جز در تپش نیابی	رمزِ حیات ہے کچھ تو ہے تپش کے اندر
در قلزم آرمیدن ننگ است آبجو را	قلزم میں عیش کرنا ہے ننگ آبجو کو
شادم کہ عاشقاں را سوزِ دوام دادی	اچھا کیا کہ دے کر سوزِ دوام تُو نے
درماں نیافریدی آزارِ جستجو را	درماں دیا نہ کوئی بیمارِ جستجو کو
گفتی مجو وصالم، بالاتر از خیالم	کہہ کر خیال سے بھی میں بالاتر ترے ہوں
عذرِ نو آفریدی اشکِ بہانہ جو را	اک عذرِ نو دیا ہے اشکِ بہانہ جو کو
از نالہ بر گلستاں آشوبِ محشر آور	آشوبِ حشر کر دے برپا تُو گلستاں میں
تا دم بہ سینہ پیچد، مگذار ہائے و ہو را	سینے میں دم ہے جبتک مت چھوڑ ہاؤ ہو کو

۱۱

آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی
در بیابانِ جنوں بردی و رسوا ساختی

خار پر ہر، راز میرا آشکارا کر دیا
مجھ کو اس دشتِ جنوں میں لا کے رسوا کر دیا

جرمِ ما از دانۂ، تقصیرِ او از سجدۂ
نے بآں بیچارہ می سازی نہ با ما ساختی

منکرِ سجدہ تھا وہ اک، طالبِ دانہ تھا میں
اُسکو شیطاں اور مجھے لالچ کا مارا کر دیا

صد جہاں می روید از کشتِ خیالِ ما چو گل
یک جہان و آں ہم از خونِ تمنا ساختی

صد جہاں ممکن تھے لیکن دے کے مجھ کو اے خدا
اک جہانِ آرزو، خونِ تمنا کر دیا

پرتوِ حسنِ تو می افتد بروں مانندِ رنگ
صورتِ مے پردہ از دیوارِ مینا ساختی

حسن کا پرتو ترا ظاہر ہوا مانندِ رنگ
صورتِ مے پردہ با دیوارِ مینا کر دیا

طرحِ نو افگن کہ ما جدّت پسند افتادہ ایم
ایں چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی

طرحِ نو جدّت پسندی کو طلب، پیدا دلے
تُو نے حیرت خانۂ امروز و فردا کر دیا

۱۲

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلکِ شبیّرم آرزوست

تیر و سنان و خنجر و شمشیر چاہیئے
شیرِ خدا کا مسلکِ شبیّر چاہیئے

ازبہرِ آشیانہ خس اندوزیم نگر
بازایں نگر کہ شعلۂ درگیرم آرزوست

کاشانہ ایک خس کا بنایا تو ہے دلے
کرنے کو اب تباہ یہ، تدبیر چاہیئے

گفتند لب بہ بند وز اسرارِ ما مگو
گفتم کہ خیر! نعرۂ تکبیرم آرزوست

کہنے کی رمز و راز نہ خواہش کوئی مجھے
بس ایک شورِ نعرۂ تکبیر چاہیئے

گفتند ہرچہ در دلت آید زما بخواہ
گفتم کہ بے حجابیٔ تقدیرم آرزوست

تیرے حجاب کا مجھے شکوہ نہیں کوئی
مجھ کو تو بے حجابیٔ تقدیر چاہیئے

از روزگارِ خویش ندانم جز ایں قدر
خوابم زیاد رفتہ و تعبیرم آرزوست

شب زندہ دار رہوے ہے یہ خواب، پر اُسے
خوابِ زیاد رفتہ کی تعبیر چاہیئے

کو آں نگاہِ ناز کہ اول دلم ربود
عمرت دراز باد، ہماں تیرم آرزوست

جس نے کیا شکار تھا دل بے خطر مرا
اے چشمِ ناز پھر وہی اک تیر چاہیئے

۱۳

صد نالۂ شبگیرے، صد صبحِ بلا خیزے
صد آہِ شرر ریزے، یک شعرِ دل آویزے

در عشق و ہوس ناکی دانی کہ تفاوت چیست
آں تیشۂ فرہادے، ایں حیلۂ پرویزے

با پردگیاں برگو کایں مشتِ غبارِ من
گردیست نظربازے، خاکیست بلا خیزے

ہوشم برد اے مطرب، مستم کند اے ساقی
گلبانگِ دل آویزے از مرغِ سحر خیزے

از خاکِ سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے، ہنگامۂ چنگیزے

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور
تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزے

صد نالۂ شبگیرے، صد صبحِ بلا خیزے
صد آہِ شرر ریزے، یک شعرِ دل آویزے

در عشق و ہوسناکی صد گونہ تفاوت ہے
وہ تیشۂ فرہادے، یہ حیلۂ پرویزے

یا پردگیاں کہدے، یہ مشتِ غبارِ من
ہے گردِ نظربازے، ہے خاکِ بلا خیزے

مدہوش کرے مطرب، سرمست کرے ساقی
گلبانگِ دل آویزے از مرغِ سحر خیزے

کرنے کو ہے پھر برپا یہ خاکِ سمرقندی
آشوبِ ہلاکوئے، ہنگامۂ چنگیزے

گا ایک غزل مطرب مولانائے رومی کی
تا جان ہو غوطہ زن در آتشِ تبریزے

۱۴

باز بہ سرمہ تاب دہ چشمِ کرشمہ زائے را
ذوقِ جنوں دو چند کن شوقِ غزل سرائے را

سرمے سے کر سیاہ پھر چشمِ کرشمہ زائے کو
ذوقِ جنوں سے تیز کر شوقِ غزل سرائے کو

نقشِ دگر طراز دہ، آدمِ پختہ تر بیار
لعبتِ خاک ساختن می نہ سزد خدائے را

نقشِ دگر طراز کر، آدمِ پختہ تر بنا
پُتلا یہ خاک کا نہیں زیبا کسی خدائے کو

قصۂ دل نگفتنی ست، دردِ جگر نہفتنی ست
خلوتیاں، کجا برم لذتِ ہائے ہائے را

قصۂ دل کہوں نہ کیوں، دردِ جگر سہوں نہ کیوں
جانتا ہے نہ تُو مری لذتِ ہائے ہائے کو

آہِ درونہ تاب گو، اشکِ جگر گداز گو
شیشہ بسنگ می زنم عقلِ گرہ کشائے را

نالۂ سینہ سوز لے، اشکِ جگر گداز لے
مول نہ ایک جَو کے لے عقلِ گرہ کشائے کو

بزم بہ باغ و راغ کش، زخمہ بتارِ چنگ زن
بادہ بخور، غزل سرائے، بند کشا قبائے را

بزم سجا کے باغ میں، چنگ بجا کے راغ میں
ڈال مرے ایاغ میں بادۂ دل کشائے کو

صبح دمید و کارواں کرد نماز و رخت بست
تو نشنیدۂ مگر زمزمۂ درائے را

پڑھ کے نماز باندھتے رخت ہیں اہلِ کارواں
وقتِ سحر ہے تُو بھی سن زمزمہ درائے کو

نازِ شہاں نمی کشم، زخمِ کرم نمی خورم
درنگر اے ہوس فریب، ہمتِ ایں گدائے را

شانِ شہی سے بے خبر، ہے نہ کرم کا منتظر
دیکھ ذرا اے بوالہوس مرتبۂ گدائے کو

۱۵

فریبِ کشمکشِ عقل دیدنی دارد
کہ میرِ قافلہ و ذوقِ رہزنی دارد

فریبِ کشمکشِ عقل دیدنی رکھے
ہے میرِ قافلہ اور ذوقِ رہزنی رکھے

نشانِ راہ ز عقلِ ہزار حیلہ مپرس
بیا کہ عشق کمالے زیک فنی دارد

نہ پوچھ راستہ عقلِ ہزار حیلہ سے
تُو آ کہ عشق کمالے زیک فنی رکھے

فرنگ گرچہ سخن با ستارہ می گوید
حذر کہ شیوۂ او رنگِ جوزنی دارد

کرے ہے بات ستاروں کی تجھ سے افرنگی
نہ سن کہ اسکا ہنر رنگ جوزنی رکھے

ز مرگ و زیست چہ پرسی دریں رباطِ کہن
کہ زیست کاہشِ جاں، مرگ جاں کنی دارد

نہ مرگ و زیست کی کر بات مُلکِ فانی میں
کہ زیست کاہشِ جاں، مرگ جاں کنی رکھے

سرِ مزارِ شہیداں یکے عناں درکش
کہ بے زبانیٔ ما حرفِ گفتنی دارد

سرِ مزارِ شہیداں تُو آ کے بیٹھ کبھی
کہ بے زبانیٔ ما حرفِ گفتنی رکھے

دگر بدشتِ عرب خیمہ زن کہ بزمِ عجم
مئے گذشتہ و جامِ شکستنی دارد

عرب کے دشت میں خیمہ لگا کہ بزمِ عجم
مئے گزشتہ و جامِ شکستنی رکھے

نہ شیخِ شہر، نہ شاعر، نہ خرقہ پوش اقبالؔ
فقیرِ راہ نشین است و دل غنی دارد

نہ شیخِ شہر، نہ شاعر، نہ خرقہ پوش اقبالؔ
فقیرِ راہ نشیں پر یہ دل غنی رکھے

۱۶

حسرتِ جلوۂ آں ماہِ تمامے دارم
دست بر سینہ، نظر بر لبِ بامے دارم

حسرتِ جلوۂ یک ماہِ تمامے مجھ کو
دست بر سینہ، نظر بر لبِ بامے مجھ کو

حسن می گفت کہ شامے نپذیرد سحرم
عشق می گفت تب و تابِ دوامے دارم

جب کہا حسن نے شب ہے نہ سحر کو میری
عشق بولا، ہے تب و تابِ دوامے مجھ کو

نہ بامروز اسیرم، نہ بہ فردا، نہ بدوش
نہ نشیبے نہ فرازے، نہ مقامے دارم

نہ بہ امروز اسیری، نہ بہ فردا، نہ بہ دوش
نہ نشیبے، نہ فرازے، نہ مقامے مجھ کو

بادۂ رازم و پیمانہ گسارے جویم
در خراباتِ مغاں گردشِ جامے دارم

بادۂ راز ہوں، پیمانہ گساراں ہیں کہاں
ہوں خرابات میں، ہے گردشِ جامے مجھ کو

بے نیازانہ ز شوریدہ نوایم مگذر
مرغِ لاہوتم و از دوست پیامے دارم

دیکھ شوریدہ نوا مجھ سا حقارت سے نہ تو
مرغِ لاہوت ہوں، از دوست پیامے مجھ کو

پردہ برگیرم و در پردہ سخن می گویم
تیغِ خونریزم و خود را بہ نیامے دارم

چیر کے پردہ میں کہتا ہوں درونِ پردہ
تیغِ خونریز ہوں، رکھتا ہے نیامے مجھ کو

۱۷

بشاخِ زندگیٔ مانمے ز تشنہ لبی ست
تلاشِ چشمۂ حیواں دلیلِ کم طلبی ست

حدیثِ دل بہ کہ گویم، چہ راہ برگیرم
کہ آہ بے اثر است و نگاہ بے ادبی ست

غزل بزمزمہ خواں، پردہ پست تر گرداں
ہنوز نالۂ مرغاں نوائے زیرِ لبی ست

متاعِ قافلۂ ما حجازیاں بردند
ولے زباں نکشائی کہ یارِ ما عربی ست

نہالِ تُرک ز برقِ فرنگ بار آورد
ظہورِ مصطفوی را بہانہ بولہبی ست

مسنج معنیِ من در عیارِ ہند و عجم
کہ اصلِ ایں گہر از گریہ ہائے نیم شبی ست

بیا کہ من ز خُمِ پیرِ روم آوردم
مئے سخن کہ جواں تر ز بادۂ عنبی ست

بشاخِ زندگیٔ مانمے ز تشنہ لبی
تلاشِ چشمۂ حیواں دلیلِ کم طلبی

حدیثِ دل میں کہوں کس سے اور کہاں جاؤں
کہ آہِ بے اثری ہے، نگاہ بے ادبی

غزل سنا کوئی دھیمے سُروں میں آہستہ
ابھی ہے نالۂ مرغاں نوائے زیرِ لبی

متاعِ قافلہ سارا حجازیوں نے لیا
شکایت ہم کو ہو کیسے کہ یار ہے عربی

نہالِ تُرک ز برقِ فرنگ بار آور
ظہورِ مصطفوی کو بہانہ بولہبی

عیارِ ہند و عجم میں نہ تول میرا سخن
یہ دُر ہے قیمتی از گریہ ہائے نیم شبی

یہ چونکہ لی ہے خُمِ پیرِ روم سے میں نے
مئے سخن ہے جواں تر ز بادۂ عنبی

۱۸

این گنبدِ مینائی، این پستی و بالائی
در شد به دلِ عاشق، بایں ہمہ پہنائی

یہ گنبدِ مینائی، یہ پستی و بالائی
سب ہیں دلِ عاشق میں، کیا اسکی ہے پہنائی

اسرارِ ازل جوئی بر خود نظرے وا کن
یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی

اسرارِ ازل جو کو، آتیں ہیں نظر دل میں
یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی

اے جانِ گرفتارم دیدی کہ محبت چیست؟
در سینہ نیاسائی، از دیدہ بروں آئی

خونریزی تری جیسی کرتی ہے محبت بھی
سینے میں یہ بن کر خوں آنکھوں سے نکل آئی

برخیز کہ فروردیں افروخت چراغِ گل
برخیز و دمے بنشیں با لالۂ صحرائی

روشن ہے بہاراں سے کس طرح چراغِ گل
کر تو بھی نظر روشن با لالۂ صحرائی

عشق است و ہزار افسوں، حسن است و ہزار آئیں
نے من بشمار آیم، نے تو بشمار آئی

ہے عشق ہزار افسوں، ہے حسن ہزار آئیں
اندوہ سے ہوتی ہے عاشق کی دل افزائی

صد رہ بفلک بر شد، صد رہ بہ زمیں در شد
خاقانی و فغفوری، جمشیدی و دارائی

رہتی جو فلک پر تھی، مدفون زمیں میں ہے
خاقانی و فغفوری، جمشیدی و دارائی

ہم با خود و ہم با او، ہجراں کہ وصال است ایں
اے عقل چہ می گوئی، اے عشق چہ فرمائی

اے عقل تو بتلا دے، اے عشق تو فرما دے
کیوں ہجر میں وصلت ہے، کیوں وصل میں تنہائی

۱۹

ہوسِ منزلِ لیلیٰ نہ تو داری و نہ من
جگرِ گرمیٔ صحرا نہ تو داری و نہ من

ہوسِ منزلِ لیلیٰ نہ تجھے ہے نہ مجھے
جگرِ گرمیٔ صحرا نہ تجھے ہے نہ مجھے

من جواں ساقی و تو پیرِ کہن میکدۂ
بزمِ ما تشنہ و صہبا نہ تو داری و نہ من

میں جواں ساقی و تُو پیرِ کہن میخانہ
یاں پہ لیکن ملے صہبا نہ تجھے ہے نہ مجھے

دل و دیں در گروِ زہرہ وشانِ عجمی
آتشِ شوقِ سلیمٰی نہ تو داری و نہ من

کر دئے دل نذرِ زہرہ و شانِ عجمی
شوقِ دیدارِ سلیمٰی نہ تجھے ہے نہ مجھے

خزفے بود کہ از ساحلِ دریا چیدیم
دانۂ گوہرِ یکتا نہ تو داری و نہ من

سنگ ریزوں میں بہت ڈھونڈتے ساحل پہ رہے
پر ملا گوہرِ یکتا نہ تجھے ہے نہ مجھے

دگر از یوسفِ گم گشتہ سخن نتواں گفت
تپشِ خونِ زلیخا نہ تو داری و نہ من

دَر کیا پردۂ عصمت گو ہوس نے اُس کا
علمِ جذباتِ زلیخا نہ تجھے ہے نہ مجھے

بہ کہ با نورِ چراغِ تہِ داماں سازیم
طاقتِ جلوۂ سینا نہ تو داری و نہ من؟

ہم کریں برقِ تجلی کا تقاضا کیسے
طاقتِ جلوۂ سینا نہ تجھے ہے نہ مجھے

٢٠

دلیلِ منزلِ شوقم بدامنم آویز
شرر ز آتشِ نابم بخاکِ خویش آمیز

کرے ہے شوق مرا اشتیاقِ رہبر تیز
ہے اس کی خاک مری آگ سے شرر آمیز

عروسِ لالہ بروں آمد از سراچۂ ناز
بیا کہ جانِ تو سوزم ز حرفِ شوق انگیز

ہزار ناز سے آئی عروسِ لالہ بروں
ہے تاب تجھ میں تو سن میرا حرفِ شوق انگیز

بہر زمانہ بہ اسلوبِ تازہ می گویند
حکایتِ غمِ فرہاد و عشرتِ پرویز

طرح طرح سے سناتے ہیں ہر زمانے میں
حکایتِ غمِ فرہاد و عشرتِ پرویز

اگرچہ زادۂ ہندم، فروغِ چشمِ من است
ز خاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز

ہوں اہلِ ہند ولے روشنئ چشم مری
ہے خاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز

٢١

در جہانِ دلِ ما دورِ قمر پیدا نیست
انقلابیست ولے شام و سحر پیدا نیست

عالمِ دل میں مرے دورِ قمر ہے نہ کہیں
انقلابات میں بھی شام و سحر ہے نہ کہیں

وائے آں قافلہ کز دونئ ہمت می خواست
رہگذارے کہ در و ہیچ خطر پیدا نیست

وائے دوں ہمتئ قافلہ ڈھونڈے جو ہے
رہگزر جس میں ذرا سا بھی خطر ہے نہ کہیں

بگذر از عقل و در آویز بموجِ یمِ عشق
کہ در آں جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست

چھوڑ آسودگئ عقل یمِ عشق میں جا
جوئے کم مایۂ دانش میں گہر ہے نہ کہیں

آنچہ مقصودِ تگ و تازِ خیالِ من و تست
ہست در دیدہ و مانندِ نظر پیدا نیست

ہے جو مقصودِ تگ و تازِ خیالِ من و تو
وہ بروں دیدہ مری پائے نظر ہے نہ کہیں

۲۲

سوزِ سخن ز نالۂ مستانۂ دل است
این شمع را فروغ ز پروانۂ دل است

مشتِ گلیم و ذوقِ فغانے نداشتیم
غوغائے ما ز گردشِ پیمانۂ دل است

ایں تیرہ خاکداں کہ جہاں نام کردۂ
فرسودہ پیکرے ز صنم خانۂ دل است

اندر رصد نشستہ حکیمِ ستارہ بیں
در جستجوئے سرحدِ ویرانۂ دل است

لاہوتیاں اسیرِ کمندِ نگاہِ او
صوفی ہلاکِ شیوۂ ترکانۂ دل است

محمودِ غزنوی کہ صنم خانہ ہا شکست
زناریٔ بتانِ صنم خانۂ دل است

غافل ترے ز مردِ مسلماں ندیدہ ام
دل درمیانِ سینہ و بیگانۂ دل است

سوزِ سخن ز نالۂ مستانۂ دلے
ہے شمع کو فروغ ز پروانۂ دلے

ضبطِ غمے و ذوقِ فغانے نہیں مجھے
غوغا مرا بہ گردشِ پیمانۂ دلے

یہ تیرہ خاکداں کہ جہاں جس کا نام ہے
فرسودہ پیکرے ز صنم خانۂ دلے

کرتا مشاہدہ ہے حکیمِ ستارہ بیں
در جستجوئے سرحدِ ویرانۂ دلے

لاہوتیاں اسیرِ کمندِ نگاہِ او
صوفی ہلاکِ شیوۂ ترکانۂ دلے

محمودِ بت شکن کو بنایا ہے شوق نے
زناریٔ بتانِ صنم خانۂ دلے

غافل نہیں ہے مردِ مسلماں سا کوئی
دل درمیانِ سینہ و بیگانۂ دلے

۲۳

سطوت از کوہ ستانند و بہ کاہے بخشند کلۂ جم بگدائے سرِ راہے بخشند	سطوت و شوکتِ کوہسار بہ کاہے بخشیں کلۂ جم بگدائے سرِ راہے بخشیں
در رہِ عشق فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست یدِ بیضائے کلیمے بہ سیاہے بخشند	عشق کی رہ میں فلاں ابنِ فلاں چیز نہ کچھ یدِ بیضائے کلیمے بہ سیاہے بخشیں
گاہ شاہی بہ جگر گوشۂ سلطان ندہند گاہ باشد کہ بزندانیٔ چاہے بخشند	گاہ شاہی بہ جگر گوشۂ سلطان نہ دیں گہے سلطانی بزندانیٔ چاہے بخشیں
فقر را نیز جہاں بان و جہاں گیر کنند کہ بہ ایں راہ نشیں تیغِ نگاہے بخشند	گہ فقیروں کو جہاں بان و جہاں گیر کریں رہ نشینوں کو گہے تیغِ نگاہے بخشیں
عشق پامالِ خرد گشت و جہاں دیگر شد بود آیا کہ مرا رخصتِ آہے بخشند	عشق پامالِ خرد اور جہاں دیگر گوں کاش وہ مجھ کو ذرا رخصتِ آہے بخشیں

۲۴

نہ تو اندر حرم گنجی نہ در بتخانہ می آئی
ولیکن سوئے مشتاقاں چہ مشتاقانہ می آئی

قدم بے باک تر نہ در حریمِ جانِ مشتاقاں
تو صاحب خانۂ آخر چرا دزدانہ می آئی

بغارت می بری سرمایۂ تسبیح خواناں را
بشبخونِ دلِ زناریاں ترکانہ می آئی

گہے صد لشکر انگیزی کہ خونِ دوستاں ریزی
گہے در انجمن با شیشہ و پیمانہ می آئی

تو بر نخلِ کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر شمعِ یتیمے صورتِ پروانہ می آئی

بیا اقبالؔ جامے از خمستانِ خودی درکش
تو از میخانۂ مغرب زخود بیگانہ می آئی

سماتا ہے حرم میں اور نہ در بتخانہ آتا ہے
ولیکن سوئے مشتاقاں تو مشتاقانہ آتا ہے

حریمِ جانِ مشتاقاں کے بیباکانہ اندر آ
تو صاحب خانہ، اپنے گھر میں کیوں دزدانہ آتا ہے

کرے غارت گری سرمایۂ تسبیح خواناں کی
بہ شبخونِ دلِ زناریاں ترکانہ آتا ہے

گہے صد لشکر انگیزی سے تو کرتا ہے خونریزی
گہے محفل میں لے کر شیشہ و پیمانہ آتا ہے

جلاتا بے محابا ہے نہالِ طور کو لیکن
تو بر شمعِ یتیمے صورتِ پروانہ آتا ہے

خمستانِ خودی میں کر کبھی اقبالؔ میخواری
تو از میخانۂ مغرب زخود بیگانہ آتا ہے

۲۵

مثلِ آئینہ مشو محوِ جمالِ دگراں
از دل و دیدہ فرو شوے خیالِ دگراں

مثلِ آئینہ نہ ہو محوِ جمالِ دگراں
دھو دل و دیدہ سے اپنے تو خیالِ دگراں

آتش از نالۂ مرغانِ حرم گیر و بسوز
آشیانے کہ نہادی بہ نہالِ دگراں

آتشِ نالۂ مرغاں سے جلادے اسکو
آشیانہ جو ترا ہے بہ نہالِ دگراں

در جہاں بال و پرِ خویش کشودن آموز
کہ پریدن نتواں با پر و بالِ دگراں

سیکھ افشانیٔ بال و پرِ خود کرنی پھر
کہ نہ اُڑتا ہے کوئی با پر و بالِ دگراں

مردِ آزادم و آں گونہ غیورم کہ مرا
می تواں کُشت بیک جامِ زلالِ دگراں

مردِ آزاد ہوں، غیور بھی ایسا ہوں میں
قتل کرتا ہے مجھے آبِ زلالِ دگراں

اے کہ نزدیک تر از جانی و پنہاں زنگہ
ہجرِ تو خوشترم آید ز وصالِ دگراں

اے کہ نزدیک تر از جان و نہاں از دیدہ
خوب تر ہجر ہے تیرا ز وصالِ دگراں

۲۶

جہانِ عشق نہ میری، نہ سروری داند
ہمیں بس است کہ آئینِ چاکری داند

جہانِ عشق نہ میری، نہ سروری جانے
وہ جانے کچھ ہے تو آئینِ چاکری جانے

نہ ہر کہ طوفِ بتے کرد و بست زنارے
صنم پرستی و آدابِ کافری داند

نہ ہر کوئی جو کرے ہے طوافِ بتخانہ
صنم پرستی و آدابِ کافری جانے

ہزار خیبر و صد گونہ اژدر است ایں جا
نہ ہر کہ نانِ جویں خورد، حیدری داند

ہزار خیبر و صد گونہ اژدھے ہر سو
نہ ہر کہ نانِ جویں کھائے حیدری جانے

بچشمِ اہلِ نظر از سکندر افزون است
گداگرے کہ مآلِ سکندری داند

بچشمِ اہلِ نظر ہے فزوں سکندر سے
گداگرے کہ مآلِ سکندری جانے

بعشوہ ہائے جوانانِ ماہ سیما چیست
درآ بحلقۂ پیرے کہ دلبری داند

نہ جستجوئے جوانانِ ماہ سیما کر
تُو آ بہ حلقۂ پیرے کہ دلبری جانے

چہ گویمت ز مسلمانِ نامسلمانے
جز ایں کہ پورِ خلیل است و آذری داند

یہ کیسا طورِ مسلمانِ نامسلمان ہے
کہ ہو کے آلِ براہیم آذری جانے

یکے بہ غمکدۂ من گذر کن و بنگر
ستارہ سوختۂ کیمیاگری داند

تُو آ کے دیکھ ذرا میرے غمکدے میں کبھی
ستارہ سوختہ کیا کیمیاگری جانے

بیا بمجلسِ اقبالؔ و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند

درونِ محفلِ اقبالؔ آ کے دیکھ کہ وہ
منڈائے سر نہیں لیکن قلندری جانے

۲۷

خواجۂ نیست کہ چو بندہ پرستارش نیست	ہے نہ خواجہ کہ جو بندہ سا پرستار نہیں
بندۂ نیست کہ چو خواجہ خریدارش نیست	ہے نہ بندہ بھی جو خواجہ سا خریدار نہیں
گرچہ از طُور و کلیم است بیانِ واعظ	ذکرِ سینا کرے واعظ تو ہے لیکن اسکے
تابِ آں جلوہ بآئینۂ گفتارش نیست	تابِ یک جلوہ بہ آئینۂ گفتار نہیں
پیرِ ما مصلحتاً رُو بمجاز آورد است	پیرِ ما مصلحتاً رُو بہ مجاز ہووے ہے
ورنہ با زہرہ وشاں ہیچ سروکارش نیست	مہ وشوں سے اسے کچھ ورنہ سروکار نہیں
دل با دبندُ و ازیں خرقہ فروشاں بگریز	صرف دل اُس سے لگا خرقہ فروشوں کی نہ سن
نشوی صیدِ غزالے کہ ز تا تارش نیست	ہو نہ تُو صیدِ غزالے کہ ز تا تار نہیں
نغمۂ عافیت از بربطِ من می طلبی ؟	نغمۂ عافیت اک تجھ کو طلب بربط سے
از کجا بر کشم آں نغمہ کہ در تارش نیست	زمزمہ ایسا ولے رکھتا کوئی تار نہیں
دلِ ما قشقہ زد و برہمنی کرد ولے	کھینچ کر قشقہ کرے برہمنی دل میرا
آں چناں کرد کہ شائستۂ زنارش نیست	پر کسی طور یہ شائستۂ زنار نہیں
عشق در صحبتِ میخانہ بگفتار آید	عشق کی بات سمجھتا ہے مری پیرِ مغاں
زانکہ در دَیر و حرم محرمِ اسرارش نیست	کوئی در دَیر و حرم محرمِ اسرار نہیں

۲۸

اگرچہ زیبِ سرش افسر و کلاہے نیست
گدائے کوئے تو کمتر ز پادشاہے نیست

ہے سر پہ اسکے اگر افسر و کلاہ نہیں
گدائے کُو ترا کمتر ز پادشاہ نہیں

بخواب رفتہ جوانان و مردہ دل پیراں
نصیبِ سینۂ کس آہِ صبحگاہے نیست

بخواب رفتہ جوانان و مردہ دل پیراں
درونِ سینہ کوئی آہِ صبحگاہ نہیں

بایں بہانہ بدشتِ طلب ز پا منشیں
کہ در زمانۂ ما آشنائے راہے نیست

نہ بیٹھ دشتِ طلب میں تُو اس بہانے سے
کہ تیرے ساتھ کوئی آشنائے راہ نہیں

ز وقتِ خویش چہ غافل نشستۂ دریاب
زمانۂ کہ حسابش بہ سال و ماہے نیست

تُو وقتِ خویش سے غافل ہوا ہے، حاصل کر
زمانہ جس میں شمارش بہ سال و ماہ نہیں

دریں رباطِ کہن چشمِ عافیت داری ؟
ترا بہ کشمکشِ زندگی نگاہے نیست

نہ اس رباطِ کہن میں کر عافیت جوئی
تجھے بہ کشمکشِ زندگی نگاہ نہیں

گناہِ ما چہ نویسند کاتبانِ عمل
نصیبِ ما ز جہانِ تو جز نگاہے نیست

گناہ لکھتے مرے ہیں کیوں کاتبانِ عمل
ملا جہاں میں ترے کچھ سوا نگاہ نہیں

بیا کہ دامنِ اقبالؔ را بدست آریم
کہ او ز خرقہ فروشانِ خانقاہے نیست

نہ چھوڑ دامنِ اقبالؔ ہاتھ سے اپنے
کہ اس میں خرقہ فروشیِ خانقاہ نہیں

۲۹

نظرِ تو ہمہ تقصیرِ خرد کوتاہی
نرسی جز بہ تقاضائے کلیم اللّٰہی

نگہ تیری ہمہ تقصیرِ خرد کوتاہی
نہ ملے جز بہ تقاضا ہے کلیم اللّٰہی

راہ کو راست بخود غوطہ زن اے سالکِ راہ
جادہ را گم نکند در تہِ دریا ماہی

ڈھونڈ مت جادہ، لگا غوطہ تو اے سالکِ رہ
راہ گم کرتی نہیں در تہِ دریا ماہی

حاجتے پیشِ سلاطیں نبرد مردِ غیور
چہ تواں کرد کہ از کوہ نیاید کاہی

مانگتا ہے نہ سلاطین سے کچھ مردِ غیور
چاہتا فقر نہیں منصب و صاحب جاہی

مگذر از نغمۂ شوقم کہ بیابی در وے
رمزِ درویشی و سرمایۂ شاہنشاہی

نغمۂ شوق مرا سن کہ ملیں گے اس میں
رمزِ درویشی و سرمایۂ شاہنشاہی

نفسم با تو کند آنچہ بہ گُل کرد نسیم
اگر از لذتِ آہِ سحری آگاہی

تجھ کو ہو میرا نفس، گُل کو جو ہے بادصبا
حظِ آہِ سحری سے ہو تجھے آگاہی

اے فلک چشمِ تو بیباک و بلاجوست ہنوز
می شناسم کہ تماشائے دگر می خواہی

اے فلک چشم ہے بیباک و بلاجُو تیری
دیکھے عالم تو نیا گر ہو تماشا خواہی

پیامِ مشرق

لالۂ طور

قطعات و رُباعیات

۱

گریز آخر ز عقلِ ذو فنون کرد   گریز ہم کو ز عقلِ ذو فنوں ہے
دلِ خود کام را از عشق خوں کرد   دلِ خود کام کرتا عشق خوں ہے

ز اقبالِ فلک پیما چہ پرسی   نہ اقبالِ فلک پیما کی پوچھو
حکیمِ نکتہ دانِ ما جنوں کرد   حکیم نکتہ داں میں بھی جنوں ہے

۲

دلِ من روشن از سوزِ دروں است   کرے روشن جو دل، سوزِ دروں ہے
جہاں بیں چشمِ من از اشکِ خون است   جہاں بیں چشم کرتا اشکِ خوں ہے

ز رمزِ زندگی بیگانہ تر باد   وہ بیگانہ ہے رمزِ زندگی سے
کسے کو عشق را گوید جنون است   جو کہتا عشق کو میرے جنوں ہے

۳

بباغاں بادِ فروردیں دہد عشق   بباغاں بادِ فروردیں ترا عشق
براغاں غنچہ چو پرویں دہد عشق   براغاں زہرہ و پرویں ترا عشق

شعاعِ مہر او قلزم شگاف است   شعاعِ عشق ہے قلزم شگاف اک
بماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق   بماہی دیدۂ رہ بیں ترا عشق

۴

ببرگِ لالہ رنگ آمیزیٔ عشق	بہ برگِ لالہ رنگ آمیزیٔ عشق
بجانِ ما بلا انگیزیٔ عشق	بہ جانِ ما بلا انگیزیٔ عشق
اگر ایں خاکداں را وانشگافی	اگر اس خاکداں کا سینہ چیریں
درونش بنگری خونریزیٔ عشق	نظر آئے وہاں خونریزیٔ عشق

۵

نہ ہر کس از محبت مایہ دار است	نہ ہر کس کو محبت مایہ داری
نہ با ہر کس محبت سازگار است	نہ ہر کس کی کرے یہ سازگاری
بروید لالہ با داغِ جگر تاب	اُگے ہے لالہ با داغِ جگر تاب
دلِ لعلِ بدخشاں بے شرار است	دلِ لعل و گہر ہے بے شراری

۶

دریں گلشن پریشاں مثلِ بوئیم	چمن میں ہم پریشاں مثلِ بو ہیں
نمی دانم چہ می خواہم، چہ جوئیم	نہ جانے کس کی کرتے جستجو ہیں
برآید آرزو یا بر نیاید	برآئے آرزو یا بر نہ آئے
شہیدِ سوز و سازِ آرزوئیم	شہیدِ سوز و سازِ آرزو ہیں

۷

جہاں مشتِ گِل و دل حاصلِ اوست
ہمیں یک قطرۂ خوں مشکلِ اوست

نگاہِ ما دو بیں افتاد ورنہ
جہانِ ہر کسے اندر دلِ اوست

جہاں مشتِ گِل اور دل اسکا حاصل
ہے اک قطرہ مگر کتنا ہے مشکل

نگہ دو بیں ہماری ہے وگرنہ
جہاں سارا ہے خود اک حاصلِ دل

۸

سحر می گفت بلبل باغباں را
دریں گِل جز نہالِ غم نگیرد

بہ پیری می رسد خارِ بیاباں
ولے گُل چوں جواں گردد بمیرد

کہا بلبل نے اکدن باغباں سے
کہ گلشن جز نہالِ غم نہیں کچھ

مَرے ہے پیر ہو کر خار لیکن
شبابِ گُل اجل سے کم نہیں کچھ

۹

نوائے عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم

جہاں او آفرید، ایں خوب تر ساخت
مگر با ایزد انباز است آدم

نوائے عشق کا ہے ساز آدم
گو ہے کشّاف، خود ہے راز آدم

بنایا خوب عالم، خوب تر ہے
خدا کا ہے یہ کیا انباز آدم

۱۰

نہ من انجام، نے آغاز جویم
ہمہ رازم، جہانِ راز جویم

نہ ہم انجام، نے آغاز ڈھونڈیں
خفی ہیں خود، جہانِ راز ڈھونڈیں

گر از روئے حقیقت پردہ گیرند
ہماں بوک و مگر را باز جویم

کبھی کُھل جائے گر روئے حقیقت
وہی کاش و مگر ہم باز ڈھونڈیں

۱۱

دلا، نارائیِ پروانہ تا کے
نگیری شیوۂ مردانہ تا کے

تجھے بے فکرئ پروانہ کب تک
یہ عارِ شیوۂ مردانہ کب تک

یکے خود را بسوزِ خویشتن سوز
طوافِ آتشِ بیگانہ تا کے

خودی کے سوز میں خود کو جلا دے
طوافِ آتشِ بیگانہ کب تک

۱۲

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تر از سنگیں حصارے

تن اک پیدا کر از مشتِ غبارے
جو ہو محکم تر از سنگیں حصارے

درونِ او دلِ درد آشنائے
چو جوئے در کنارِ کہسارے

دلِ درد آشنا ہو اس میں، جیسے
کہ جوئے در کنارِ کہسارے

۱۳

ز آب و گِل خدا خوش پیکرے ساخت   بہ آب و گِل بنا خوش پیکرے تُو
جہانے از ارم زیبا ترے ساخت   جہانے از ارم زیبا ترے تُو

ولے ساقی بہ آں آتش کہ دارد   بنا آتش سے جو ہے پاس تیرے
ز خاکِ من جہانِ دیگرے ساخت   ز خاکِ من جہانِ دیگرے تُو

۱۴

بہ یزداں روزِ محشر برہمن گفت   کہا محشر میں رب سے برہمن نے
فروغِ زندگی تابِ شرر بود   فروغِ زندگی تابِ شرر ہے

ولیکن گر نرنجی با تو گویم   برا گر تُو نہ مانے تو کہوں میں
صنم از آدمی پائندہ تر بود   صنم از آدمی پائندہ تر ہے

۱۵

گذشتی تیز گام اے اخترِ صبح   ہے گر تیزی سے جائے اخترِ صبح
مگر از خوابِ ما بیزار رفتی   تو میرے خواب سے بیزار جائے

من از ناآگہی گم کردہ راہم   کرے غافل مجھے ناآگہی ہے
تو بیدار آمدی، بیدار رفتی   رہے بیدار وہ، بیدار جائے

۱۶

تہی از ہائے و ہُو میخانہ بودے
گُلِ ما از شرر بیگانہ بودے
نبودے عشق و ایں ہنگامۂ عشق
اگر دل چو خرد فرزانہ بودے

تہی از ہا و ہُو میخانہ ہووے
شرر سے گُل مری بیگانہ ہووے
نہ ہووے عشق اور ہنگامۂ عشق
اگر دل عقل سا فرزانہ ہووے

۱۷

ترا اے تازہ پرواز آفریدند
سراپا لذتِ بال آزمائی
ہوس ما را گراں پرواز دارد
تو از ذوقِ پریدن پَر کشائی

بلند اقبال و شہباز و ہما تُو
سراپا لذتِ بال آزما تُو
چمن میں اس گراں پرواز ہوں میں
سبک پرواز تُو ہے، پَر کُشا تُو

۱۸

شنیدم در عدم پروانہ می گفت
دمے از زندگی تاب و تبم بخش
پریشاں کن سحر خاکسترم را
ولیکن سوز و سازِ یک شبم بخش

کہا رب سے پتنگے نے عدم میں
مجھے دم بھر کی عمرِ تاب و تب دے
پریشاں صبح دم کر خاک میری
ولے پہلے تُو سوز و سازِ شب دے

۱۹

رہے در سینۂ انجم کشائی   دلِ انجم میں رہ تُو نے بنائی
ولے از خویشتن نا آشنائی   مگر خود سے رہی نا آشنائی

یکے بر خود کشا چوُ دانہ چشمے   تُو مثلِ دانہ ابھرے نخل بن کر
کہ از زیرِ زمیں نخلے بر آئی   اگر خود پر کرے دیدہ کشائی

۲۰

مرا ذوقِ سخن خوں در جگر کرد   کرے ذوقِ سخن خونِ جگر ہے
غبارِ راہ را مشتِ شرر کرد   غبارِ رہ بنے مشتِ شرر ہے

بگفتارِ محبت لب کشودم   بیانِ عشق میرا پر ہے ایسا
بیاں ایں راز را پوشیدہ تر کرد   کرے یہ راز اور پوشیدہ تر ہے

۲۱

ترا یک نکتۂ سربستہ گویم   بتاؤں نکتۂ سربستہ تجھ کو
اگر درسِ حیات از من بگیری   سنے گر غور سے اک بات میری

بمیری گر بہ تن جانے نداری   نکلتی جاں ہے گر بے جان ہو دل
وگر جانے بہ تن داری، نمیری   ہو دل میں جاں تو نکلے جاں نہ تیری

۲۲

بہل افسانۂ آں پا چراغے　　نہ سن افسانہ ہائے پا چراغے
حدیثِ سوزِ او آزارِ گوش است　　حکایت اس کی ہے آزارِ گوشی

من آں پروانہ را پروانہ دانم　　اگر پروانہ کوئی ہے تو وہ ہے
کہ جانش سخت کوش و شعلہ نوش است　　ہو جس کو سخت کوشی، شعلہ نوشی

۲۳

ترا از خویشتن بیگانہ سازد　　کرے بیگانہ خود سے، پاس میرے
من آں آبے طربناکے ندارم　　وہ اک آبِ طربناکے نہیں ہے

بہ بازارم مجو دیگر متاعے　　متاع بازار میں مت ڈھونڈ میرے
چو گل جز سینۂ چاکے ندارم　　کہ واں جز سینۂ چاکے نہیں ہے

۲۴

زیاں بینی ز سیرِ بوستانم　　نہ جز نقصاں ملے گا کچھ چمن میں
اگر جانت شہیدِ جستجو نیست　　نہیں گر تو شہیدِ جستجو ہے

نمایم آنچہ ہست اندر رگِ گل　　تو دیکھے گا رگِ گل ایک، جس میں
بہارِ من طلسمِ رنگ و بو نیست　　نہیں کوئی طلسمِ رنگ و بو ہے

۲۵

برون از ورطۂ بود و عدم شو
فزوں تر زیں جہانِ کیف و کم شو
خودی تعمیر کن در پیکرِ خویش
چو ابراہیم معمارِ حرم شو

بروں از ورطۂ بود و عدم ہو
فزوں تر از جہانِ کیف و کم ہو
خودی تعمیر کر پیکر میں اپنے
بن ابراہیم، معمارِ حرم ہو

۲۶

ز مرغانِ چمن نا آشنایم
بشاخِ آشیاں تنہا سرایم
اگر نازک دلی از من کراں گیر
کہ خونم می تراود از نوایم

ز مرغانِ چمن نا آشنا میں
بشاخِ آشیاں نغمہ سرا میں
ہے نازک دل اگر، رہ دُور مجھ سے
کہ خوں ٹپکائے جو، ہوں وہ نوا میں

۲۷

جہاں یا رب چہ خوش ہنگامہ دارد
ہمہ را مستِ یک پیمانہ کر دی
نگہ را با نگہ آمیز دادی
دل از دل، جاں ز جاں بیگانہ کردی

یہ کیا ہنگامہ یا رب ہے کہ سب کو
کیا ہے مستِ یک پیمانہ تُو نے
ملا دی ہیں نگاہیں، پر کیے ہیں
دل از دل، جاں ز جاں بیگانہ تُو نے

۲۸

سکندر با خضر خوش نکتۂ گفت
شریکِ سوز و سازِ بحر و بر شو

تو ایں جنگ از کنارِ عرصہ بینی
بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو

سکندر نے کہا اک دن خضر سے
شریکِ سوز و سازِ بحر و بر ہو

نہ بیٹھا دُور سے یوں دیکھ جنگیں
تُو مر کے کشمکش میں زندہ تر ہو

۲۹

سریرِ کیقباد، اکلیلِ جم خاک
کلیسا و بتستان و حرم خاک

ولیکن من ندانم گوہرم چیست
نگاہم برتر از گردوں، تنم خاک

کلاہِ کیقباد و تختِ جم خاک
کنشت و بتکدہ، دیر و حرم خاک

مگر دیکھو، ہے کیا جوہر ہمارا
نگہ عرشِ بریں پر اور ہم خاک

۳۰

اگر در مشتِ خاکِ تُو نہادند
دلِ صد پارۂ خونابہ بارے

ز ابرِ نو بہاراں گریہ آموز
کہ از اشکِ تو روید لالہ زارے

ہو مشتِ خاک میں تیری بھی گر
دلِ صد پارۂ خونابہ بارے

مثالِ ابرِ گریاں چشم تیری
کرے سرسبز و تازہ لالہ زارے

۳۱

دمادم نقش ہائے تازہ ریزد   دمادم نقش ہائے تازہ و نو
بیک صورت قرارِ زندگی نیست   نہ یک صورت قرارِ زندگی ہے

اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است   اگر ہے آج کل جیسی تو تجھ میں
بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست   نہیں کوئی شرارِ زندگی ہے

۳۲

چوں ذوقِ نغمہ ام در جلوت آرد   مرا ہو ذوقِ نغمہ گر بہ جلوت
قیامت افگنم در محفلِ خویش   کروں محشر بپا در محفلِ خویش

چوں می خواہم دمے خلوت بگیرم   اگر مل جائے کچھ تھوڑی سی خلوت
جہاں را گم کنم اندر دلِ خویش   جہاں کو گم کروں اندر دلِ خویش

۳۳

چہ می پرسی میانِ سینہ دل چیست   ہے سینے میں، نہ پوچھ، اک چیز کیا دل
خرد چوں سوز پیدا کرد، دل شد   ہوا جب سوز دانش میں، بنا دل

دل از ذوقِ تپش دل بود لیکن   بنایا دل کو دل ذوقِ تپش نے
چوں یکدم از تپش افتاد، گِل شد   تپش کھوئی اگر اس نے، ہوا گِل

۳۴

نہ پیوستم دریں بستاں سرا دل
زبندِ این و آں آزادہ رفتم

نہ پیوستہ ہوں اک گلشن سرا سے
زبندِ ایں و آں آزاد ہوں میں

چوں بادِ صبح گردیدم دمے چند
گلاں را آب و رنگے دادہ رفتم

گلوں میں آب و تاب و رنگ بھرتی
چلے جو صبح دم وہ باد ہوں میں

۳۵

سفالم را مئے او جامِ جم کرد
درونِ قطرہ ام پوشیدہ یم کرد

سفال اک مے سے اسکی جامِ جم ہے
مرے قطرے میں اک پوشیدہ یم ہے

خرد اندر سرم بتخانۂ ریخت
خلیلِ عشق دیرم را حرم کرد

خرد پیدا کرے بتخانہ سر میں
بنائے دل میں پر الفت حرم ہے

۳۶

ہنوز از بندِ آب و گِل نہ رستی
تو گوئی رومی و افغانیم من

نہیں آزادِ بندِ آب و گل وہ
جو کہوے رومی و افغان ہوں میں

من اول آدمِ بے رنگ و بویم
ازاں پس ہندی و توارنیم من

میں کہتا لیکن اس سے برملا ہوں
کہ پہلے سب سے اک انسان ہوں میں

٣٧

گدائے جلوہ رفتی بر سرِ طور
کہ جانِ تو ز خود نا محرمے ہست

قدم در جستجوئے آدمے زن
خدا ہم در تلاشِ آدمے ہست

گدائے جلوہ تُو ہے بر سرِ طور
پر اپنے سے تجھے نا محرمی ہے

نہ تُو کیوں ڈھونڈتا ہے آدمی، جب
خدا تک کو تلاشِ آدمی ہے

٣٨

بگو جبریل را از من پیامے
مرا آن پیکرِ نوری ندادند

ولے تاب و تبِ ما خاکیاں بیں
بنوری ذوقِ مہجوری ندادند

کہو جا کر کبھی روح الامیں سے
گو تجھ کو پیکرِ نوری ملا ہے

ولے نے خاکیوں کا دل، نہ تجھ کو
متاعِ ذوقِ مہجوری ملا ہے

٣٩

ہمائے علم تا افتد بدامت
یقیں کم کن، گرفتارِ شکے باش

عمل خواہی؟ یقیں را پختہ تر کن
یکے جوے ویکے بین ویکے باش

ہمائے علم آئے دام میں تا
یقیں کم کر، گرفتارِ شکے بن

وگر چاہے عمل، پیدا یقیں کر
یکے جوئے، یکے بینے، یکے بن

۴۰

ز پیوندِ تن و جانم چہ پرسی
بدامِ چند و چوں در می نیایم

یہ پیوندِ تن و جاں ہے کچھ ایسا
میں دامِ چند و چوں میں آگرا ہوں

دمِ آشفتہ ام، در پیچ و تابم
چوں از آغوشِ نے خیزم نوایم

دم آشفتہ ہے، تاب و تب ہے ایسی
کہ سازوں میں میں اک مضطر نوا ہوں

۴۱

من از بود و نبودِ خود خموشم
اگر گویم کہ ہستم خود پرستم

مجھے ہستی سے بہتر نیستی ہے
کہ ہستی میں نہیں جز خود پرستی

ولیکن ایں نوائے سادۂ کیست
کسے در سینہ می گوید کہ ہستم

نوائے سادہ لیکن ہے یہ کس کی
جو دیتی ہے مجھے احساسِ ہستی

۴۲

ز خوب و زشتِ تو نا آشنایم
عیارش کردۂ سود و زیاں را

نہ خوب و زشت سے میں آشنا ہوں
نہ کچھ میرے لئے سود و زیاں ہے

دریں محفل ز من تنہا ترے نیست
بچشمِ دیگرے بینم جہاں را

نہ تنہا کوئی مجھ جیسا کہ میں نے
بچشمِ دیگراں دیکھا جہاں ہے

۴۳

تو اے شیخِ حرم شاید ندانی
جہانِ عشق را ہم محشرے ہست

گناہ و نامہ و میزاں ندارد
نہ او را مسلمے، نے کافرے ہست

نہیں یہ جانتا شیخِ حرم تو
جہانِ عشق میں بھی محشرے ہے

گناہ و نامہ و میزاں نہ واں پر
نہ کوئی مسلمے، نے کافرے ہے

۴۴

چوں تاب از خود بگیرد قطرۂ آب
میانِ صد گہر یک دانہ گردد

بہ بزمِ ہمنوایاں آنچناں زی
کہ گلشن بر تو خلوت خانہ گردد

جو خود سے تاب لیوے قطرۂ آب
میانِ صد گہر یک دانہ ہووے

بہ بزمِ ہمنوایاں رہ تُو ایسے
کہ گلشن تیرا خلوت خانہ ہووے

۴۵

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط و با موجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

نہ رہ ساحل پہ اے ہمدم کہ واں پر
نوائے زندگی ہے نرم خیزے

ہو غوطہ زن تُو دریا میں، ملے تا
حیاتِ جاوداں اندر ستیزے

۴۶

سراپا معنئ سربستہ ام من   سراپا معنئ سربستہ ہیں، اور
نگاہِ حرف بافاں برنتابم   نگاہِ حرف بافاں نیم خوابی

نہ مختارم تواں گفتن نہ مجبور   نہ میں مختار، نے مجبور و مسکیں
کہ خاکِ زندہ ام در انقلابم   ہے خاکِ زندہ میری انقلابی

۴۷

مگو از مدعائے زندگانی   نہ کہہ کچھ مدعائے زندگانی
ترا بر شیوہ ہائے او نگہ نیست   نہ پہچانے اسے تیری نگہ کچھ

من از ذوقِ سفر آنگو نہ مستم   ہوا ہیں مست یوں ذوقِ سفر سے
کہ منزل پیشِ من جز سنگِ رہ نیست   نہ منزل ہے مری جز سنگِ رہ کچھ

۴۸

اگر کردی نگہ بر پارۂ سنگ   نگہ ڈالے تو پتھر پر تو اسکو
ز فیضِ آرزوئے تو گہر شد   بنائے آرزو تیری گہر ہے

بزر خود را مسنج اے بندۂ زر   بذاتِ خود نہیں کچھ زر کے اندر
کہ زر از گوشۂ چشمِ تو زر شد   بناتی آنکھ تیری اسکو زر ہے

۴۹

مشو اے غنچۂ نورستہ دل گیر	نہ ہو اے غنچۂ نوخیز دل گیر
ازیں بستاں سرا دیگر چہ خواہی	کرے ہیں تیری سب یاں خیر خواہی
لبِ جو، بزمِ گل، مرغِ چمن سیر	لبِ جو، بزمِ گل، مرغِ چمن سیر
صبا، شبنم، نوائے صبحگاہی	صبا، شبنم، نوائے صبحگاہی

۵۰

مرا روزے گلِ افسردہ گفت	کہا بلبل نے یہ افسردگی سے
نمودِ ما چو پروازِ شرار است	نمودِ گل ہے پروازِ شراری
دلم بر محنتِ نقش آفریں سوخت	رحم آیا مجھے نقش آفریں پر
کہ نقشِ کلکِ او ناپائیدار است	ہے کیسی نقش میں ناپائیداری

۵۱

جہانِ ما کہ پایانے ندارد	یہ عالم ہے جو بے پایاں ہمارا
چو ماہی دریمِ ایام غرق است	جوں ماہی، دریمِ ایام غرقہ
یکے بر دل نظر وا کن کہ بینی	کر اپنی چشمِ دل وا تا کہ دیکھے
یمِ ایام دریک جام غرق است	یمِ ایام دریک جام غرقہ

۵۲

بمرغانِ چمن ہمداستانم   بمرغانِ چمن ہمداستاں ہوں
زبانِ غنچہ ہائے بے زبانم   زبانِ غنچہ ہائے بے زباں ہوں

چوں میرم با صبا خاکم بیامیز   اڑاؤ خاک کو میری صبا میں
کہ جز طوفِ گلاں کارے ندانم   شہیدِ لذتِ طوفِ گلاں ہوں

۵۳

نماید آنچہ ہست ایں وادیٔ گل ؟   کوئی بتلائے اس وادیٔ گل میں
درونِ لالۂ آتش بجاں چیست ؟   درونِ لالہ ہے آتش بجاں کیا

بچشمِ ما چمن یک موجِ رنگ است   بچشمِ ما چمن ہے رنگِ موج اک
کہ می داند بچشمِ بلبلاں چیست ؟   مگر یہ ہے بچشمِ بلبلاں کیا

۵۴

تو خورشیدی و من سیارۂ تو   تُو خورشید اور میں سیارہ تیرا
سراپا نورم از نظارۂ تو   کرے پُر نور اک نظارہ تیرا

ز آغوشِ تو دُورم ناتمامم   میں ناکامل ہوں رہ کر دُور تجھ سے
تو قرآنی و من سیپارۂ تو   تُو قرآں اور میں سیپارہ تیرا

۵۵

خیالِ او درونِ دیدہ خوشتر
غمش افزودہ، جاں کاہیدہ خوشتر

مرا صاحبدلے ایں نکتہ آموخت
ز منزل جادۂ پیچیدہ خوشتر

خیال اسکا درونِ دیدہ خوشتر
غمِ افزودہ و جاں کاہیدہ خوشتر

بتایا صاحبِ دل نے یہ نکتہ
ز منزل جادۂ پیچیدہ خوشتر

۵۶

بساطم خالی از مرغِ کباب است
نہ در جامم مئے آئینہ تاب است

غزالِ من خورد برگِ گیاہے
ولے خونِ دلِ او مشکِ ناب است

نہیں ہے خوان پر مرغِ کبابی
نہ در ساغر مئے آئینہ تابی

گو کھائے برگ و خس ہے میرا آہو
ہے اسکے خونِ دل میں مشکِ نابی

۵۷

صنوبر بندۂ آزادۂ او
فروغِ روئے گل از بادۂ او

حریمش آفتاب و ماہ و انجم
دلِ آدم درِ نکشادۂ او

صنوبر بندۂ آزادۂ او
فروغِ روئے گل از بادۂ او

حریم اسکا ہے مہر و ماہ و انجم
دلِ آدم درِ نکشادۂ او

۵۸

زانجم تا بہ انجم صد جہاں بود
خرد ہر جا کہ پر زد آسماں بود

زانجم تا بہ انجم صد جہاں تھے
بنائے عقل نے سو آسماں تھے

ولیکن چوں بخود نگریستم من
کرانِ بیکراں در من نہاں بود

ولے دیکھا جو میں نے دل میں اپنے
کرانِ بیکراں مجھ میں نہاں تھے

۵۹

بپائے خود مزن زنجیرِ تقدیر
تہِ ایں گنبدِ گرداں رہے ہست

نہ ڈالو پاؤں میں زنجیرِ تقدیر
کہ اندر گنبدِ گرداں ہے راہے

اگر باور نداری، خیز و دریاب
کہ چوں پا واکنی جولاں گہے ہست

یقیں اسکا نہ ہو تو آکے دیکھو
تہِ آزاد پا جولان گاہے

۶۰

نفس آشفتہ موجے از یمِ اوست
نئے ما نغمۂ ما از دمِ اوست

نفس آشفتہ موجے از یمِ او
نے و نغمہ ہمارا از دمِ او

لبِ جوئے ابد چو سبزہ رُستم
رگِ ما، ریشۂ ما از نمِ اوست

لبِ جوئے ابد، سیراب و تر ہے
رگ و ریشہ ہمارا از نمِ او

٦١

ترا دردِ یکی در سینہ پیچد
جہانِ رنگ و بو را آفریدی

تجھے دردِ یکی تھا گر، تو کیوں یہ
جہانِ رنگ و بو پیدا کیا ہے

دگر از عشقِ بیباکم چہ رنجی
کہ خود ایں ہائے و ہُو را آفریدی

میری الفت سے نالاں تھا تو پھر کیوں
یہ شورِ ہا و ہُو پیدا کیا ہے

٦٢

تو اے کودک منش خود را ادب کن
مسلماں زادۂ، ترکِ نسب کن

یہ بچپن چھوڑ دے، تھوڑا ادب کر
مسلماں زاد تُو ترکِ نسب کر

برنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگر ترکِ عرب کن

برنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازاں ہو گر، ترکِ عرب کر

٦٣

نہ افغانیم و نے تُرک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم

نہ افغانی، نہ ترکی، نے تتاری
گل و برگ و برِ یک شاخساری

تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پرورده یک نو بہاریم

تمیزِ رنگ و بُو کرتے نہیں کچھ
کہ ہیں پروردگانِ نو بہاری

۶۴

نہاں در سینۂ ما عالمے ہست
بخاکِ ما دلے، در دل غمے ہست

از آں صہبا کہ جانِ ما برا فروخت
ہنوز اندر سبوئے ما نمے ہست

نہاں اندر ہمارے ایک عالم
ہے دل سینے میں، دل میں ہے غم و غم

وہ صہبا جس نے جاں کی ہے فروزاں
ہمارے خُم میں ہے اسکا ابھی نم

۶۵

دلِ من! اے دلِ من!! اے دلِ من!!!
یمِ من، کشتئ من، ساحلِ من!

چو شبنم بر سرِ خاکم چکیدی
دیا چو غنچہ رُستی از گلِ من

دلِ من، اے دلِ من، اے دلِ من
یمِ من، کشتئ من، ساحلِ من

کرے نم خاک، گہہ تُو بن کے شبنم
گہے گُل بن کے نکلے از گلِ من

۶۶

جہانِ رنگ و بو فہمیدنی ہست
دریں وادی بسے گل چیدنی ہست

دلے چشم از درونِ خود نہ بندی
کہ در جانِ تو چیزے دیدنی ہست

جہانِ رنگ و بو فہمیدنی ہے
بہت وادی میں اس گُل چیدنی ہے

نہ کر بند آنکھ اپنے اندروں سے
کہ جاں اک تیری چیزِ دیدنی ہے

۶۷

کسے کو دردِ پنہانے ندارد
تنے دارد ولے جانے ندارد

وہ انساں دردِ پنہاں ہے نہ جس میں
رکھے تن ایک وہ‘ جاں ہے نہ جس میں

اگر جانے ہوس داری‘ طلب کن
تب و تابے کہ پایانے ندارد

تری جاں میں ہوس ہے تو طلب کر
تب و تابے کہ پایاں ہے نہ جس میں

۶۸

بچندیں جلوہ در زیرِ نقابی
نگاہِ شوقِ مارا برنتابی

بڑھائے جلوۂ زیرِ نقابی
نگاہِ شوق کی اور اضطرابی

دوی در خونِ ما چو مستئ مے
ولے بیگانہ خوئی‘ دیریابی

دے خوں کو مستئ مے گو رکھے ھے
یہ اک بیگانہ خوئی‘ دیر یابی

۶۹

دل از منزل تہی کن پا بہ رہ دار
نگہ را پاک مثلِ مہر و مہ دار

نہ کر منزل کی پروا‘ پا بہ رہ رکھ
نگہ کو پاک مثلِ مہر و مہ رکھ

متاعِ عقل و دیں با دیگراں بخش
غمِ عشق ار بدست افتد نگہ دار

متاعِ عقل و دیں دے دوسروں کو
غمِ دل گر ملے‘ اس پر نگہ رکھ

۷۰

بیا اے عشق، اے رمزِ دلِ ما	تو آ اے عشق، اے رمزِ دلِ ما
بیا اے کشتِ ما، اے حاصلِ ما	تو آ اے کشتِ ما، اے حاصلِ ما
کہن گشتند ایں خاکی نہاداں	پرانے ہو گئے خاکی نہاداں
دگر آدم بنا کن از گلِ ما	دگر آدم بنا تو از گلِ ما

۷۱

سخن درد و غم آرد، درد و غم بہ	سخن میں درد و غم تو درد و غم بہ
مرا ایں نالہ ہائے دمبدم بہ	مجھے یہ نالہ ہائے دمبدم بہ
سکندر را ز عیشِ من خبر نیست	سکندر بے خبر عشرت سے میری
نوائے دلکشے از ملکِ جم بہ	نوائے دلکشے از ملکِ جم بہ

۷۲

نہ من بر مرکبِ ختلی سوارم	نہیں مقصود کچھ شاہی سواری
نہ از وابستگانِ شہر یارم	طلب ہم کو نہ کاخِ شہر یاری
مرا اے ہمنشیں دولت ہمیں بس	نہاں سینے میں الماس و گہر ہیں
چوں کاوم سینہ را، لعلے بر آرم	کسی سے کم نہیں دولت ہماری

۷۳

ندانم بادہ ام یا ساغرم من
گہر در دامنم یا گوہرم من

نہ جانے مے ہوں میں یا ہوں میں ساغر
گہر دامن کا ہوں یا خود ہوں گوہر

چناں بینم چوں بر دل دیدہ بندم
کہ جانم دیگراست و دیگرم من

لگے ہے، دل سے جب ہوتا ہوں غافل
کہ جاں میری ہے دیگر، میں ہوں دیگر

۷۴

چساں زاید تمنا در دلِ ما ؟
چساں سوزد چراغِ منزلِ ما ؟

یہ کیسی ہے تمنا در دلِ ما
جلے کیسے چراغِ منزلِ ما

بچشمِ ما کہ می بیند؟ چہ بیند ؟
چساں گنجید دل اندر گِلِ ما ؟

ہوئے ہیں دیکھ کر حیراں بہت ہم
سمایا دل ہے کیسے در گِلِ ما

۷۵

چوں در جنت خرامیدم پس از مرگ
بچشمم ایں زمین و آسماں بود

خراماں خُلد میں تھا بعدِ مردن
نظر آتی زمیں تھی، آسماں تھا

شکے با جانِ حیرانم در آویخت
جہاں بود آں کہ تصویرِ جہاں بود

زمیں کو دیکھ کر پوچھا کہ یا رب
جہاں یہ تھا کہ اک وہمِ جہاں تھا

۷۶

بمنزل رہروِ دل در نسازد
بآب و آتش و گِل در نسازد

ز بیداری کہ در تن آرمید است
کہ ایں دریا بساحل در نسازد

دلِ رہرو کو منزل کچھ نہیں ہے
یہ آب و آتش و گِل کچھ نہیں ہے

ہے ذوقِ سیل کچھ ایسا کہ اسکو
رکھے دریا جو ساحل، کچھ نہیں ہے

۷۷

بیا با شاہدِ فطرت نظر باز
چرا در گوشۂ خلوت گزینی

ترا حق داد چشمِ پاک بینے
کہ از نورش نگاہے آفرینی

کر اگر شاہدِ فطرت کا جلوہ
نہ اتنا کُنج میں خلوت گزیں ہو

تجھے دی حق نے چشمِ پاک بیں ہے
کہ تُو اس سے بصارت آفریں ہو

۷۸

ز آغازِ خودی کس را خبر نیست
خودی در حلقۂ شام و سحر نیست

ز خضر ایں نکتۂ نادر شنیدم
کہ بحر از موجِ خود دیرینہ تر نیست

ز آغازِ خودی کس کو خبر ہے
خودی آزادۂ شام و سحر ہے

یہ نکتہ ہم کو بتلایا خضر نے
نہ بحر از موجِ خود دیرینہ تر ہے

۷۹

دلا ز مزِ حیات از غنچہ دریاب حقیقت در مجازش بے حجاب است	مجازِ گل میں رمزِ زندگی ہے حقیقت کو وہاں ہے بے حجابی
ز خاکِ تیرہ می روید و لیکن نگاہش بر شعاعِ آفتاب است	ہے گرچہ خاکِ تیرہ گل کا مسکن نگہ میں ہے شعاعِ آفتابی

۸۰

مشو نومید از مشتِ غبارے پریشاں جلوۂ ناپائیدار ے	نہ ہو نومید از مشتِ غبارے پریشان جلوۂ ناپائیدارے
چوں فطرت می تراشد پیکرے را تمامش می کند در روزگارے	بنائے جب کوئی پیکر ہے فطرت تمام اسکو کرے در روزگارے

۸۱

جہاں کز خود ندارد دستگاہے بکوے آرزو می جُست راہے	جہاں کو تھی نہ جب کچھ دستگاہے بکوئے آرزو لی اس نے راہے
ز آغوشِ عدم دزدیدہ بگریخت گرفت اندر دلِ آدم پناہے	بآغوشِ عدم گریاں ہوا جب ملی اندر دلِ آدم پناہے

۸۲

دلِ من رازدانِ جسم و جان است
نہ پنداری اجل بر من گران است

دلِ من رازدانِ جسم و جاں ہے
اجل ہرگز نہیں مجھ پر گراں ہے

چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است

ہوا گم اک جہاں تو کیا کہ ہر دم
نیا پیدا کرے دل اک جہاں ہے

۸۳

مزاجِ لالۂ خود رَو شناسم
بشاخ اندر گلاں را بو شناسم

مزاجِ لالۂ خود رَو نہ پنہاں
گلستاں میں گلوں کی بو نہ پنہاں

ازاں دارد مرا مرغِ چمن دوست
مقامِ نغمہ ہائے او شناسم

بنا ہوں رازداں مرغِ چمن کا
ہے مجھ سے اسکی ہاؤ ہُو نہ پنہاں

۸۴

جہاں یک نغمہ زارِ آرزوئے
بم و زیرش ز تارِ آرزوئے

جہاں یک نغمہ زارِ آرزو ہے
نوا مضطر بہ تارِ آرزو ہے

بچشمم ہر چہ ہست و بود و باشد
دمے از روزگارِ آرزوئے

مری آنکھوں میں ہست و بود اسکا
دمے از روزگارِ آرزو ہے

۸۵

دلِ من بے قرارِ آرزوئے
درونِ سینۂ من ہائے وہوئے

دل من بے قرارِ آرزو ہے
درونِ سینۂ من ہا و ہو ہے

سخن اے ہمنشیں از من چہ خواہی
کہ من با خویش دارم گفتگوئے

کہوں کیا ہمنشیں تجھ سے کہ مجھ کو
ابھی کچھ کرنی خود سے گفتگو ہے

۸۶

مرنج از برہمن اے واعظِ شہر
کہ از ما سجدۂ پیشِ بتاں خواست

برہم تُو ہو نہ واعظ برہمن سے
کہے گر وہ کہ سجدہ کر بتوں کو

خدائے ما کہ خود صورتگری کرد
بتے را سجدۂ از قدسیاں خواست

خدا نے بھی بنا کر ایک پیکر
دیا تھا حکمِ سجدہ قدسیوں کو

۸۷

جہاں ہا روید از مشتِ گِلِ من
بیا سرمایہ گیر از حاصلِ من

بنے عالم ہیں از مشتِ گِلِ من
ہے سرمایہ بہت در حاصلِ من

غلط کردی رہِ سرِ منزلِ دوست
دمے گم شو بصحرائے دلِ من

جو کھوئی تُو نے راہِ منزلِ دوست
کبھی گم ہو بصحرائے دلِ من

۸۸

درونم جلوۂ افکار، ایں چیست!	یہ مجھ میں جلوۂ افکار کیوں ہے
برونِ من ہمہ اسرار، ایں چیست!	بروں یہ مجمعِ اسرار کیوں ہے
بفرما اے حکیمِ نکتہ پرداز	بتا تُو ہی حکیمِ نکتہ پرداز
بدن آسودہ، جاں سیّار، ایں چیست!	بدن آسودہ، جاں سیّار کیوں ہے

۸۹

بخود نازم، گدائے بے نیازم	ہے مجھ میں ناز و فقرِ بے نیازی
تپیم، سوزم، گدازم، نَے نوازم	تپش، سوزش، گدازی، نَے نوازی
ترا از نغمہ در آتش نشاندم	پُر آتش نغمگی، شعلہ نوائی
سکندر فطرتم، آئینہ سازم	سکندر فطرتی، آئینہ سازی

۹۰

اگر آگاہی از کیف و کمِ خویش	ہے گر تُو جانتا کیف و کمِ خویش
یمے تعمیر کن از شبنمِ خویش	سمندر اک بنا از شبنمِ خویش
دلا دریوزۂ مہتاب تا کے	اے دل دریوزۂ مہتاب کب تک
شبِ خود را برافروز از دمِ خویش	چراغاں کر شبِ خود از دمِ خویش

۹۱

چہ غم داری، حیاتِ دل ز دم نیست
کہ دل بر حلقۂ بود و عدم نیست

حیاتِ دل نہیں محتاجِ دم ہے
نہ دل در حلقۂ بود و عدم ہے

مخور اے کم نظر اندیشۂ مرگ
اگر دم رفت، دل باقی ست، غم نیست

نہ کر اے کم نظر اندیشۂ مرگ
نہیں مرتا وہ جس کے دل میں دم ہے

۹۲

زمن گو صوفیانِ با صفا را
خدا جویانِ معنی آشنا را

بتاؤ صوفیانِ باصفا کو
خدا جویانِ معنی آشنا کو

غلامِ ہمتِ آں خود پرستم
کہ با نورِ خودی بیند خدا را

کہ اس خوددار کا ہوں معتقد میں
جو با نورِ خودی دیکھے خدا کو

۹۳

چو نرگس ایں چمن نادیدہ مگذر
چو بو در غنچۂ پیچیدہ مگذر

جوں نرگس تو چمن نادیدہ مت جا
مثالِ بوئے گل پیچیدہ مت جا

ترا حق دیدۂ روشن ترے داد
خرد بیدار و دل خوابیدہ مگذر

تجھے دی حق نے ہے اک چشمِ روشن
خرد بیدار و دل خوابیدہ مت جا

۹۴

زمیں را راز دانِ آسماں گیر
مکاں را شرحِ رمزِ لامکاں گیر

زمیں کو راز دانِ آسماں کر
مکاں کو شرحِ رمزِ لامکاں کر

پَرَد ہر ذرہ سوئے منزلِ دوست
نشانِ راہ از ریگِ رواں گیر

اُڑے ہر ذرہ سوئے منزلِ دوست
نشانِ راہ در ریگِ رواں کر

۹۵

ضمیرِ کن فکاں غیر از تو کس نیست
نشانِ بے نشاں غیر از تو کس نیست

ضمیرِ کن فکاں اک تُو ہی تُو ہے
نشانِ بے نشاں اک تُو ہی تُو ہے

قدم بیباک تر نِہ در رہِ زیست
بہ پہنائے جہاں غیر از تو کس نیست

قدم بے باک رکھ اندر رہِ زیست
درونِ صد جہاں اک تُو ہی تُو ہے

۹۶

زمیں خاکِ درِ میخانۂ ما
فلک یک گردشِ پیمانۂ ما

زمیں خاکِ درِ میخانۂ ما
فلک یک گردشِ پیمانۂ ما

حدیثِ سوز و سازِ ما دراز است
جہاں دیباچۂ افسانۂ ما

دراز ایسی حکایت سوز کی ہے
جہاں دیباچۂ افسانۂ ما

۹۷

سکندر رفت و شمشیر و علم رفت
خراجِ شہر و گنجِ کان و یم رفت

امم را از شہاں پائندہ تر داں
نمی بینی کہ ایراں ماند و جم رفت

سکندر ہے نہ شمشیر و علم ہے
خراجِ شہر ہے نے گنجِ یم ہے

اُمم پائندہ تر ہیں خسرواں سے
رہا ایراں، گیا پر کاخِ جم ہے

۹۸

ربودی دل ز چاکِ سینۂ من
بغارت بردۂ گنجینۂ من

متاعِ آرزویم با کہ دادی ؟
چہ کردی با غمِ دیرینۂ من ؟

چُرایا دل ز چاکِ سینۂ من
دیا برباد کر گنجینۂ من

متاعِ آرزو میری دی کس کو
کیا کیا با غمِ دیرینۂ من

۹۹

نوا مستانہ در محفل زدم من
شرارِ زندگی بر گِل زدم من

دل از نورِ خرد کردم ضیا گیر
خرد را بر عیارِ دل زدم من

غلِ مستانہ در محفل کروں میں
شرار اک پیدا اندر گِل کروں میں

گو روشن قلب ہے نورِ خرد سے
خرد سنج اک عیارِ دل کروں میں

۱۰۰

عجم از نغمہ ہائے من جواں شد   عجم از نغمہ ہائے من جواں ہے
ز سودایم متاعِ او گراں شد   کیا میں نے متاع اسکا گراں ہے

ہجومے بود رہ گم کردہ در دشت   بنا، صحرا میں گمراہوں کا مجمع
ز آوازِ درایم کارواں شد   مری بانگِ درا سے کارواں ہے

۱۰۱

عجم از نغمہ ام آتش بجان است   عجم از بانگِ من آتش بجاں ہے
صدائے من درائے کاروان است   صدا میری درائے کارواں ہے

حدی را تیز تر خوانم چو عرفی   حدی کو تیز کر، کہتا ہے عرفی
کہ رہ خوابیدہ و محمل گران است   کہ رہ خوابیدہ و محمل گراں ہے

۱۰۲

مرا مثلِ نسیم آوارہ کردند   مجھے مثلِ نسیم آوارہ کر دو
دلم مانندِ گل صد پارہ کردند   مرا دل شکلِ گل صد پارہ کر دو

نگاہم را کہ پیدا ہم نہ بیند   نہیں ہے تابِ جلوہ گو، نگہ کو
شہیدِ لذتِ نظارہ کردند   شہیدِ لذتِ نظارہ کر دو

۱۰۳

خرد کر پاس را زرّینہ سازد
کمالش سنگ را آئینہ سازد

خرد سے بوریا زرّینہ ہووے
ہنر سے اسکے سنگ آئینہ ہووے

نوائے شاعرِ جادو نگارے
زنیشِ زندگی نوشینہ سازد

ولے دیکھو تو جادو شاعری کا
کہ نیشِ زندگی نوشینہ ہووے

۱۰۴

عجم بحریست ناپیدا کنارے
کہ در وے گوہرِ الماس رنگ است

عجم گو ایک بحرِ بیکراں ہے
جو رکھے گوہرِ الماس رنگے

ولیکن من نہ رانم کشتئ خویش
بدریائے کہ موجش بے نہنگ است

نہیں میرے لیئے اس میں کشش کچھ
کہ دریا ہے یہ بے خطرِ نہنگے

۱۰۵

رمیدی از خداوندانِ افرنگ
ولے بر گور و گنبد سجدہ پاشی

تُو، نالاں از خداوندانِ افرنگ
کرے بر گور و گنبد سجدہ پاشی

بہ لالائی چناں عادت گرفتی
ز سنگِ راہ مولائے تراشی

غلامی کی تجھے عادت ہے ایسی
کرے از سنگِ رہ مولا تراشی

۱۰۶

قبائے زندگانی چاک تا کے
چو موراں آشیاں در خاک تا کے

بہ پرواز آ و شاہینی بیاموز
تلاشِ دانہ در خاشاک تا کے

قبائے زندگانی چاک کب تک
یہ تیرا آشیاں بر خاک کب تک

تو بن شہباز، کر پرواز بالا
تلاشِ دانہ در خاشاک کب تک

۱۰۷

میانِ لالہ و گل آشیاں گیر
ز مرغِ نغمہ خواں درسِ فغاں گیر

اگر از ناتوانی گشتۂ پیر
نصیبے از شبابِ ایں جہاں گیر

میانِ لالہ و گل آشیاں کر
کبھی نغمہ، کبھی آہ و فغاں کر

ہوا ہے ناتوان و پیر تو کیا
محبت سے جواں اپنا جہاں کر

۱۰۸

بجانِ من کہ جاں نقشِ تن انگیخت
ہوائے جلوہ ایں گل را دو رُو کرد

ہزاراں شیوہ دارد جانِ بیتاب
بدن گردد چوں، بایک شیوہ خو کرد

دیا ہے جب سے جاں کو نقشِ تن اک
ہوائے جلوہ سے ہر گل دو رُو ہے

ہزاروں شیوے جانِ مضطرب میں
بدن میں آئے گر یک شیوہ خو ہے

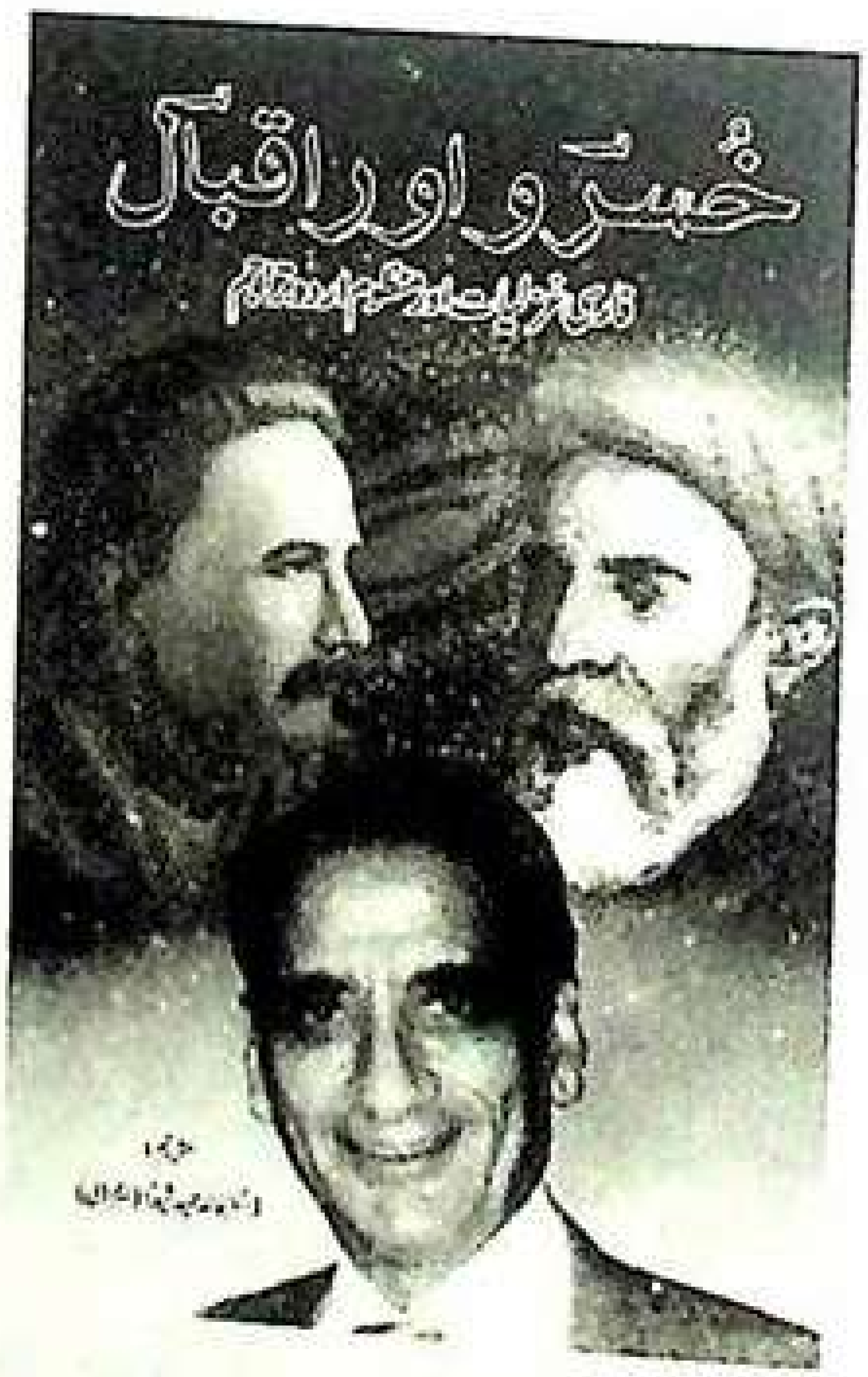
خسرو اور اقبال

فارسی غزلیات اور منظوم اردو تراجم

شامِ غریب

اس جگر کاوی کا اندازہ عام لوگ نہیں لگا سکتے۔ ان کے سامنے شعر بنا بنایا آ جاتا ہے۔ وہ اس روحانی اور لطیف کرب سے آشنا نہیں ہو سکتے۔ جس نے الفاظ کی ترتیب پیدا کی ہے۔ جہاں اچھا شعر دیکھو سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی مسیح مصلوب ہوا ہے۔ اچھے خیال کا پیدا کرنا اوروں کے لیے کفارہ ہوتا ہے۔

اقتباس از مکتوب علامہ اقبال بنام گرامی۔ ۲ دسمبر ۱۹۱۸ء

ڈاکٹر ناہید قاسمی

خالد حمید شیدا کی غزل

تسلیم احمد تصور صاحب نے جب مجھے ڈاکٹر خالد حمید شیدا کی شاعری پر مضمون لکھنے کو کہا اور اُن کا کلام بھجوایا تو مجھے معلوم ہوا کہ دیگر ادبی خدمات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ وہ شعر بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو ایک ہی فیلڈ میں محدود نہیں رکھا بلکہ تخلیق فن سے بھی ناتا برقرار رکھا ہے۔ اس سے پہلے مجھے اُن کا کلام پڑھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب اُن کی غزلیں پڑھیں تو پہلا تاثر یہ اُبھرا کہ امریکہ کے شہر ہوسٹن میں مقیم ہونے کے باوجود شیدا صاحب نے قدیم ایشیائی روایات اردو غزل کا لحاظ رکھنے کی سعی کی ہے۔ مومن و حسرت سے مخصوص، طرزِ معاملہ بندی کے معیار تک پہنچنا تو ہر ایک کے لیے ممکن نہیں لیکن شیدا صاحب نے اس طرز کو اپنایا ضرور ہے۔ اس طرح جدید زمانے کے اثرات قبول کرنے کے باوجود قدیم طرز کے روایتی غزلیہ اشعار کہتے ہیں۔ مثلاً:

قاصد کو دے کر زہرِ ہلاہل مرے لیے
کہتا ہے تیرے دُکھ کی دوا بھیجتا ہوں میں

بہت طغیانیاں کرتا ہے برپا
اگر ہوتا ہے دیدہ نم ہمارا

فکر و ہوش و خرد کو ٹھکرا کر
ہم نے بھی دِل کی بات مانی ہے

اُمید شفا کی ہے نہ خواہش ہے دوا کی
مجھ کو تو فقط پرسش بیمار ہے کافی

عظیم غزل گو غالب کی بلند فکری و بلند آہنگی تو مثالی ہے۔ اس کا اعتراف ہر آنے والا

ڈاکٹر ناہید قاسمی گورنمنٹ کالج برائے خواتین سمن آباد لاہور میں صدر اردو شعبہ ہیں۔ "ناصر کاظمی- فن شخصیت" اور شعری مجموعے "بنجر دل سیراب کرو" کے علاوہ اپنے والد محترم جناب احمد ندیم قاسمی مرحوم کے حوالے سے ڈاکٹر صاحبہ کی تصنیف "ندیم کی غزل کا تجزیاتی مطالعہ" منظر عام پر آ چکی ہے۔ جبکہ ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ جدید اردو شاعری میں فطرت نگاری، انجمن ترقی اردو کراچی نے شائع کیا ہے۔

شاعر کرتا ہے جبکہ شیدا صاحب نے بھی غالب کے اشعار سے اثر لیا ہے۔ مثلاً درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے جن کی پشت پر موجود اشعار غالب کی جگمگاہٹ بہت نمایاں ہے:

ساقی سمجھ حقیر نہ جام سفال کو
اک جام بھی نہ بن سکا، جب خاک جم ہوا
جو گزرتے ہیں فرقت میں تری
عمر میں ان کو نہ گنا چاہیے
گرچہ غموں نے ہوش نہ لینے دیا مجھے
میں کچھ خیال سے نہ ترے بے خبر ہوا

اب ایسا بھی نہیں ہے کہ جب بھی اردو زبان میں شعر کہے تو قدیم طرز ہی میں محدود رہے۔ بلکہ شیدا صاحب نے جدت سے بھی کام لیا ہے۔ ایک تو یہ کیا کہ محبوب کا ذکر کرتے وقت زیادہ تر صیغۂ مؤنث استعمال کر کے اپنی غزل کو الگ سا انداز دیا ہے دوسرے ایک نیا جدید رنگ یوں اُبھارا کہ مغربی ماحول میں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے اظہار محبت کے معنی خیز ڈھکے چھپے ایمائی مشرقی انداز کی بجائے ہر طرح کے تکلفات سے آزاد مغربی طرز کی لو میکنگ کا تصور نمایاں کیا۔ یوں جس ماحول میں وہ رہ رہے ہیں اس کی عکاسی کی ہے:

> پوری فضا میں یہ رنگینی پھیلی ہوئی تو ہے لیکن باطن بھی بنجر نہیں ہے

ہے دور باغ میں پھولوں کے مسکرانے کا
چلی بھی آؤ کہ موسم ہے دِل لگانے کا
تندی و تلخی و ترشی نہ رہیں یاد مجھے
نوش جاں لے کے وہ جب برلب شیریں آیا
دیکھنے ہم جو گئے حرمتِ قلب شیدا
تھا وہ معمورِ بتاں، اُسکو حرم کہہ نہ سکے

اسی ماحول نے انھیں اپنے خارج کے مشاہدے پر بھی مائل کیا۔ اس طرح وہ محفل میں اپنی موجودگی کا مکمل احساس بھی دلاتے ہیں:

جام میں ڈال کے رنگ رخ جانانہ دیا
دیکھو کیسا یہ مجھے بادۂ مستانہ دیا
داغ سے ایک، رخ لالہ کی آرائش کی
خال سے ایک سجا عارض جانانہ دیا
ہوتی دیوانوں کی آشفتہ سری ہے اور فزوں
جب بھی کرتی ہے صبا کاکل پریشاں آپ کا

پوری فضا میں یہ رنگینی پھیلی ہوئی تو ہے لیکن باطن بھی بنجر نہیں ہے۔ رنگ بھری محفلوں سے الگ ہو کر گزارے لمحے بے کیف نہیں ہوتے کیونکہ یہ شاعر کو کچھ باطنی تجربات سے آشنا کرتے ہیں:

چھپا ہے نظر سے تو کیا، چشم دِل سے
اُسے دم بدم، جابجا دیکھتے ہیں
وہ کرے جلوہ گری لیکن تجلی کے لیے
شوق دیدار کلیم و طورِ سینا چاہیے

تب تصوف کے ایک رخ کی ہلکی سی روایتی جھلک بھی دکھائی دے جاتی ہے:

شہرت ہے ترے حسن کی دنیا میں کچھ ایسی
کچھ رہ کے بھی مستور تو مستور نہیں ہے

جبکہ اردگرد کی چکا چوند کا بھی ٹھیک ٹھاک مشاہدہ اظہار پاتا ہے۔ مثلاً:

عکسِ رُخ روشن سے ہوتی ہے درخشاں مے
جب لب سے لگاتی ہے تو ساغرِ مینائی

ڈاکٹر خالد حمید شیدا نے محاسن شعری کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ انھوں نے تشبیہ، استعارہ، رعایت لفظی اور صنعت تضاد وغیرہ سے بخوبی کام لینے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

تصوف کے ایک رخ کی ہلکی سی روایتی جھلک بھی دکھائی دے جاتی ہے

نرگس بھی دیکھ کر ہوئی شبنم کی منتظر
کچھ اسطرح یہ دیدۂ غم ناک نم ہوا
کیسے کرنے کو معطر تجھے اے بادِ صبا!
عنبر افشاں وہ میرا آ ہوئے مشکیں آیا
دل جسے اپنا وہ گھر کرتے ہیں
زیر کرتے ہیں، زبر کرتے ہیں

اس عاشق کو چونکہ غم روزگار کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں اس لیے اُس کے پاس اتنی بہت سی فرصت ضرور ہے کہ وہ ایک خاص سمت میں متوجہ رہ سکے:

بحث اک یہ حلقۂ عشاق میں جاری رہی
حلقہ در حلقہ ہیں کتنے زلف پیچا پیچ میں

شیدا صاحب کے کلام میں مے نوشی اور کیفیات دل کا ذکر بہت ہے۔ اس بیان کے وقت وہ کچھ اچھے نکتے بھی نکال لیتے ہیں:

شیدا اچھا کیا ساقی نے، بہت ٹھیک کیا
ناپ کے، جانچ کے، گر اک تجھے پیمانہ دیا
ہو ایک، دل سے نکل کر جو دل نشین رہے
وگرنہ یوں تو بہت تیر دِل کے پار ہوئے

کلام شیدا میں دھیما دھیما طنز بھی نظر آتا ہے:

آئے تھے کرنے شیخ جو تحریم مے کشی
خالی، وہ پی پلا کے، خم و جام کر چلے
نے اوج کی امنگ، نہ پرواز کی تڑپ
شاہیں ملے اگر بھی تو بے بال و پر ملے
جدوجہد کسی میں نہ کوشش ملی کہیں
عشاق جس قدر بھی ملے، منتظر ملے

شیدا صاحب کے کلام میں مے نوشی اور کیفیات دل کا ذکر بہت ہے

ڈاکٹر خالد حمید شیدا سے اپنے اشعار کی نوک پلک سنوارنے میں کہیں کہیں کوتاہی بھی ہوئی ہے۔ اس طرح کچھ کمیاں رہ گئی ہیں۔ مثلاً ویسے تو انتخاب الفاظ کے سلسلے میں جدید اردو غزل کی طرف سے کوئی خاص پابندی نہیں ہے لیکن ان کے استعمال میں کشش ضرور ہونا چاہیے جبکہ درج ذیل مثالوں میں الفاظ کی ترتیب میں روانی تسلی بخش نہیں ہے:

؎ کریں خود ہی گہرا ہیں ناخوں سے ہم

؎ پہلے تو دِل دکھاتا مرا تھا کبھی کبھی

یا پھر یہ شعر:

خود ہی جا کے کرتے نشانہ ہیں سیدھا
جو تیر اُس کا ہوتا خطا دیکھتے ہیں

پھر غزلوں میں کہیں کہیں مزاحیہ انداز اور سنجیدگی کا ملغوبہ عجیب سی صورتِ حال سامنے لاتا ہے جس سے تغزل مجروح ہوتا محسوس ہوتا ہے:

گر کہا میں نے دوا کر دِل ناشاد کی
بولی، تجھ کو تو یہ ہے مرض پرانا دل کا
سخت ہوتی جا رہی تھیں دم بہ دم دِل کی رگیں
روغنی روٹی سے لیکن پیٹ کی یاری ہوئی
اُمید شفا کی ہے نہ خواہش ہے دوا کی
مجھ کو تو فقط پرسش بیمار ہے کافی

اب آزادیوں کے باوجود جدید تر غزل میں بھی ایسے اشعار کی بھلا کہاں گنجائش ہوگی:

نوش تمباکو کیا اور عشق بھی کرتے رہے
کیا عجب ہے پھر کہ دل کی ہم کو بیماری ہوئی

یہ درست ہے کہ سنبھلی ہوئی مہذب شوخی غزل کی کشش میں اضافہ کرتی ہے لیکن صنف غزل کا تعلق بہر حال ذوق سلیم کی تسکین و تربیت سے ہے۔ یوں بھی اردو شاعری کے پاس دیگر اصناف بھی تو ہیں جو مختلف خیالات کے لیے برتی جا سکتی ہیں (یہاں اس کا ذکر بھی ہو جائے کہ شیدا صاحب نے چند ہی نظمیں کہی ہیں لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی پوری توجہ اور محنت حاصل کرنے سے محروم رہی ہیں) جبکہ شیدا صاحب کی غزلوں کے اچھے اشعار میں کچھ گہرائی ضرور ملتی ہے۔ تمام ملے گلے کے باوجود ایک باشعور اور حساس شاعر سوچنے سے تہی کیسے رہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر شیدا کے کچھ فکر انگیز اشعار ملاحظہ کیجیے۔ اُن کے افکار نے ان اشعار کو خوبصورتی عطا کی ہے:

اُن کے افکار نے ان اشعار کو خوبصورتی عطا کی ہے

خوں بہا مانگنا قبیلوں کا
خوں بہانے کا اور بہانہ ہوا
آخری وقت میں کہیں جا کر
فکر سود و زیاں نہ ہو جائے
ناز تیرا ٹھیک ہے اے گل مگر
کچھ خزاں سے بھی تو ڈرنا چاہیے
داغ لالہ کو دیا، خار دیئے پھولوں کو
شیوہ کیسا ہے یہ تیری چمن آرائی کا
دی تو قدرت بھی ہے، طاقت بھی ہے، تدبیر بھی ہے
ہم کو لیکن ملی مجبوریٔ تقدیر بھی ہے
کارواں لوٹتے جب خود ہیں محافظ اس کے
کیسی نگرانی ہے یہ، کیسی نگہبانی ہے

بہر حال ثابت ہوا کہ شیدا صاحب خوب سے خوب تر کی جستجو میں ضرور ہیں۔ اسی لیے یہ

قوی امکان ہے کہ وہ منظوم تراجم کو وقت دینے کے ساتھ ساتھ اپنی شاعری کو بھی بھرپور توجہ دے کر بالآخر اپنا ایک منفرد اسلوب ضرور متعین کرلیں گے۔ مجھے یہ امید درج ذیل اچھے اشعار نے دلائی ہے۔ آپ بھی پڑھیے:

غم ایام سے ملی فرصت
تو نے جب مسکرا کے دیکھ لیا
دل جوئیِ حبیب کا دیکھو اثر ہے کیا
دل کو عزیز اور بھی کچھ اس کا غم ہوا
داعیِ اجل کو میں واپس نہیں لوٹاتا
آنے کا اگر وعدہ تم نے نہ کیا ہوتا
کیسی یہ سادگی ہے، دل لخت لخت کو
قاتل کے پاس بہر شفا بھیجتا ہوں میں
بیٹھے ہیں اِدھر ہم، وہ اُدھر دیکھ رہے ہیں
پوچھے کوئی ان سے کہ کدھر دیکھ رہے ہیں
ہنگاموں میں رہ کر بھی رہتا ہوں اکیلا میں
یارب دے کسی کو بھی، میری سی نہ تنہائی
بجلیاں اس پہ جب نہیں گرتیں
خود ہی خرمن تباہ کرتے ہیں
آنے کی تھی اُمید، نہ تیری اگر تو کیوں
دِل اس قدر یہ مضطرب و منتظر ہوا

* * *

بے نظیر کے عہد میں

شیخ ہوتے ہیں، پیر ہوتے ہیں
زلف کے سب اسیر ہوتے ہیں

در گہِ عشق میں تری یکساں
سب کبیر و صغیر ہوتے ہیں

لوٹتی تُو ہے دولتِ دل یوں
دارا و جم فقیر ہوتے ہیں

پار ہوتے ہیں بے چلے دل کے
کوئی ایسے بھی تیر ہوتے ہیں

کرتے مجنوں کو اور مجنوں ہیں
کیسے بچے شریر ہوتے ہیں

رازِ الفت چھپے رہیں کیسے
عطر و مشک و عبیر ہوتے ہیں

تلخ الفاظ بھی ترے لب پر
شہد و شکر و شیر ہوتے ہیں

دم جو بھرتے ہیں مہر و الفت کا
قاتلِ بے نظیر ہوتے ہیں

جل رہے ہیں رقیب کیوں شیدا
آپ کیا دل پذیر ہوتے ہیں

◆

دل جسے اپنا وہ گھر کرتے ہیں   زیر کرتے ہیں ، زبر کرتے ہیں
چرخ کرتے ہیں وہ دشمن اُس کا   جس کو منظورِ نظر کرتے ہیں
حشر کرتے ہیں فزوں محشر میں   پیش دفتر وہ اگر کرتے ہیں
مچتا کہرام ہے ، جب شہروں سے   شہر آشوب سفر کرتے ہیں
جان پڑ جائے ہے بے جانوں میں   بے مہر جب بھی مہر کرتے ہیں
چشمِ بے نور سے پیدا کیسے   عاشقاں نجم و گہر کرتے ہیں
آبِ حیواں جو لبِ یار میں ہے   آرزو اُس کی خضر کرتے ہیں

داغِ طرفِ جگرِ شیؔدا پر
رشک بھی داؔغ و جگؔر کرتے ہیں

◆

پھر وہی طورِ زندگانی ہے
درد ہے، دل ہے، نوحہ خوانی ہے

ہم بھی تھے آشنائے قربتِ دوست
لذتِ وصل ہم نے جانی ہے

فکر و ہوش و خرد کو ٹھکرا کر
ہم نے بھی دل کی بات مانی ہے

یہ بھی دن ہیں کہ دَورِ لطف و کرم
ایک قصہ ہے، اک کہانی ہے

اب کے بگڑی ہے بات کچھ ایسی
نہ ستم ہے، نہ سرگرانی ہے

یاد اُس کی پر اب تلک شیداؔ
زیورِ حسنِ زندگانی ہے

⊙

آؤ کبھی اور حالِ دلِ زار تو دیکھو   افسردگیِ دیدۂ بیدار تو دیکھو

اے ماہ جو ہر شب ہے شبِ ماہ تمھاری   تاریکیِ بے ماہِ شبِ تار تو دیکھو

دکھلائیں امنگیں تمھیں اِس قلب حزیں کی   مڑ کے کبھی، ہنس کے کبھی اک بار تو دیکھو

آئی ہیں وہ پرسش کو، لیے ساتھ عدو کو   دل سوزیِ دل جوئیِ دلدار تو دیکھو

واعظ نہ کرو شکوۂ مشتاقیِ عاشق   طرفِ کلۂ تُرکِ طرح دار تو دیکھو

ہو کیوں نہ گرفتار دلِ عاشقِ شیدا   پیچ و شکنِ طرۂ طرار تو دیکھو

بے ہوش ہو، بے خویش ہو شیدؔا جو تم اتنے
ہشمندی و ہشیاریِ اغیار تو دیکھو

◆

گل بہ کف، بن کے بہاراں آئی   مست و سرخوش مری جاناں آئی

شور محشر کا مچا محفل میں   جب بھی ہو کر وہ خراماں آئی

ڈالنے جان یا لینے آئی   جب بھی آئی، خوش و خنداں آئی

روٹھ کر دل پہ قیامت ڈھائی   گر ہنسی، بن کے رگِ جاں آئی

جان کچھ پڑ گئی بے جانوں میں   جان لینے کو جو جاناں آئی

کرنے آئی بھی اگر دل جوئی   لے کے صد جور کا ساماں آئی

غیر کے گھر گئی مجموع خاطر   آئی واپس تو پریشاں آئی

آنکھ ہم سے نہ ملائی ہرگز   ہو کے ایسی وہ پشیماں آئی

اس کے تیور سے لگے ہے شیدا
اب کے شاید وہ مہرباں آئی

⊙

ہوس سے پھر نہ کہیں اور ساز باز کرے
نہ دل یہ پھر طلبِ یارِ دلنواز کرے

مچائے شور و غل اتنا ہے دل کہ ڈر ہے مجھے
یہ بے دماغ کہیں پھر نہ فاش راز کرے

مجھے ہے ناز بہت نازِ نازنینی پر
ہے بے نیاز ، خدا اور بے نیاز کرے

رہے طبیعتِ عشاق میں نہ ناسازی
اگر وہ ساز ذرا سا بھی کینہ ساز کرے

نہ ذکرِ زلف کرو آج شب کہ یہ نہ کہیں
درازیِ شبِ یلدا کو اور دراز کرے

مشامِ جان معطر کرے زمانے کا
اگر کوئی گرہَ زلفِ یار باز کرے

ہے بزمِ عیش میں عالی مقام ، اے ساقی
وہ جس کو مست تری چشمِ نیم باز کرے

گنوائی شوق و تمنا میں عمر سب شیداؔ
ہے وقت رُو تُو سوئے مکۂ حجاز کرے

◆

کبھی ہوتی اگر وہ مہرباں ہے   محبت کا ہمیں ہوتا گماں ہے

نزاکت سے وہ کیسے اللہ اللہ   کرے دل کو ضعیف و ناتواں ہے

ہے بے چارہ یہ کیسا دل ہمارا   زباں رکھتا ہے لیکن بے زباں ہے

گیا زلفوں میں ہے وہ جب سے اسکی   نہیں دل کا رہا نام و نشاں ہے

خدایا ہم سے آتی ہے وہ ملنے   کوئی اس میں بھی کیا اک امتحاں ہے

کئے بسمل کہیں ، بے جاں کہیں کچھ   جہاں بھی وہ گئی جانِ جہاں ہے

وہ دل لے کر مرا ، محفل سے یارب   اندھیری رات میں جاتی کہاں ہے

سگِ کوئے عدو خاموش کیوں ہے   اسے بھی مجھ سا کیا اک مرضِ جاں ہے

نکل کے میکدے سے سوئے کعبہ
کہاں سے تُو گیا شیدا کہاں ہے

* * *

آہ بھرتے ہیں ، واہ کرتے ہیں
اک پری وش سے چاہ کرتے ہیں

پوجتے بت ہیں ، مغ پہ مرتے ہیں
کیسے کیسے گناہ کرتے ہیں

زلفِ شب رنگ کی ہوس میں اور
شبِ ہجراں سیاہ کرتے ہیں

بجلیاں اس پہ جب نہیں گرتیں
خود ہی خرمن تباہ کرتے ہیں

مہرِ ساقیانِ مہ وش سے
جامِ مے مہرو ماہ کرتے ہیں

ٹوٹکے کر کے ، پھونک کے منتر
ان کے ہم دل میں راہ کرتے ہیں

اک جھلک ان کی دیکھنے کے لیے
دشمنوں سے نباہ کرتے ہیں

جو بھی کرتے ہیں آپ اے شیدؔا
بے سبب ، خواہ مخواہ کرتے ہیں

* * *

دل جمعیت گنواں نہ ہو جائے
طورِ دل پھر فغاں نہ ہو جائے

ابرو و چشم کا تری قصہ
ذکرِ تیر و کماں نہ ہو جائے

مڑ کے، ہنس ہنس کے دیکھنا تیرا
ضبط کا امتحاں نہ ہو جائے

وقتِ پیری نہ کھیل یوں دل سے
یہ کہیں پھر جواں نہ ہو جائے

دل لگی سے تری کہیں دل کو
دل لگی کا گماں نہ ہو جائے

چھوڑ اب حسن و عشق کا جھگڑا
یہ کہیں مرضِ جاں نہ ہو جائے

آخری وقت میں کہیں جا کر
فکرِ سود و زیاں نہ ہو جائے

حرصِ کون و مکان میں شیدا
غافلِ لا مکاں نہ ہو جائے

ضمیر جعفری کی یاد میں

گو ہیں مارے دیدۂ بے باک کے
ہم ولے عاشق ہیں نازک ناک کے
انواع و اقسام کی ناکیں ملیں
رب نے جب پُتلے بنائے خاک کے
جب ملاتی ناک سے وہ ناک ہیں
جُرعے دیتی لب سے ہیں تریاک کے
سونگھتی ہیں پھول جب کالر کا وہ
کرتی چِھتڑے ہیں دلِ غمناک کے
پارۂ الماس جو ہے ناک پر
مارتا ہے تیر دل پر تاک کے
جاں ہے لب پر، ناک میں آیا ہے دم
دیکھ کر نخرے بتِ چالاک کے
سن کے بولیں ناک چڑھا کر بہت
شعر شیدؔا نے کہیں ہیں خاک کے

◆

واعظ ہوا ، خطیب ہوا ، پارسا ہوا
جو بھی ہوا اسیرِ کمندِ ہَوا ہوا

مفتی کا ، مولوی کا ، مبلغ کا ، میر کا
سنتے ہیں سب کا پیرِ مغاں آشنا ہوا

تو آکے دیکھ تو سہی ، اے دل شکن کبھی
تیری ہَوا میں حالِ ہَوا دار کیا ہوا

بچ کے رہا نہ کوئی بلاؤں سے عشق میں
کامِ نہنگ گر نہ ہوا ، اژدہا ہوا

یارب وہ دُور ہوگیا جس طرح قرب میں
ایسا کبھی نہ کوئی کسی سے جدا ہوا

آیا ہے مژدہ غیب سے ، اے دل تو غم نہ کر
کشتیِ غم کا تیری خدا ناخدا ہوا

شیداؔ پیار آ ہی گیا دیکھ کر اُسے
جب تُو ہزار جان سے اس پر فدا ہوا

◆

اگر جاتے ہو جاؤ ، پر خدارا دیکھتے جاؤ
کیا ہے حال کیا تم نے ہمارا ، دیکھتے جاؤ

رہی ہے رات ہی تم بِن اندھیری کچھ نہیں میری
ہوا ہے دن میں بھی کیسا اندھیرا ، دیکھتے جاؤ

ذرا ٹھہرو ، مریضِ عشق کو تسکین دو کچھ تو
سنبھلنے دو اسے ، اس کا سنبھالا دیکھتے جاؤ

تڑپ کر ، تڑپڑا کر ، توڑنا بسمل کا دم دیکھو
ہے گر شوقِ تماشا ، یہ تماشا دیکھتے جاؤ

نہیں دیکھے ہیں کچھ بھی تم نے اے جاں، ولولے اسکے
ابھی کرتا ہے یہ دل اور کیا کیا دیکھتے جاؤ

ہے تنہائی میں تنہا آج دل ، پر ایک دن تنہا
یہ ہنگاموں میں بھی رہ کر رہے گا ، دیکھتے جاؤ

جدائی میں سویرا دیر سے ہوتا ہے ، پر ایک دن
صبح دم بھی نہ ہو گا کچھ سویرا ، دیکھتے جاؤ

ہوا تم کو جو شیدا شاہدِ بازار کا سودا
کرے گا یہ سرِ بازار رسوا ، دیکھتے جاؤ

⊙

سو جان سے اے جاناں یہ تم پہ فدا ہوتا
اس دل کو مگر تم نے موقع تو دیا ہوتا

درگاہوں میں، دیروں میں آتیں وہ خراماں گر
جو دل بھی وہاں ہوتا، قدموں پہ گرا ہوتا

ہوتی نہ کبھی مجھ کو آشفتہ سری اتنی
زلفوں میں نہ تو ان کی گر دستِ صبا ہوتا

یوں چل کے ہوا آئی ہے کوچۂ جاناں سے
واعظ بھی اگر ہوتا، بربادِ ہوا ہوتا

داعیِ اجل کو میں واپس نہیں لوٹاتا
آنے کا اگر وعدہ تم نے نہ کیا ہوتا

جلدی سے کہا ایسی کیوں تم نے خدا حافظ
کیا پاس جو تم ہوتیں حافظ نہ خدا ہوتا

تھی بار طبعِ نازک پہ آہ اگر ایسی
انبارِ الم اتنا دل کو نہ دیا ہوتا

پیمانۂ دل میں جب تھی جا نہ جفاؤں کی
پیمانِ وفا شیدا تم نے نہ کیا ہوتا

* * *

لے کون لڑائی مول میاں ، اغیار سے جھگڑا کون کرے
ہے کام یہ جب دنگوں سے بھرا تو عشق کا دھندا کون کرے

وہ آہ و فغاں ، وہ رنجِ نہاں ، رکھتے ہیں جنھیں عاشق پنہاں
جو درد ہو اتنا بے درماں تو اُس کا مداوا کون کرے

وہ روگ جو ہے اشکوں سے بھرا ، رکھتا ہے جو ہر دم زخم ہرا
فرصت جو نہیں دیتا ہے ذرا ، اُس دکھ کو گوارا کون کرے

ہو عشقِ جواں ، اک بحر جہاں ، گرداب یہاں ، طوفان وہاں
ہو بحر وہ جب ناپیدا کراں ، امیدِ کنارا کون کرے

شیؔدا یہ مرا جب عشق بتاں ، رکھتا ہے مجھے پیری میں جواں
معشوق ہو جب پہلو میں نہاں ، پروائے نظارا کون کرے

* * *

بر سرِ خیلِ ہوس لینے دل و دیں آیا
دیکھ کس شان سے وہ خسروِ شیریں آیا
گرچہ ہے خانہ بر اندازِ چمن وہ لیکن
لے کے صد سنبل و گل ، سوسن و نسریں آیا
کیسے کرنے کو معطر تجھے اے بادِ صبا
عنبر افشاں وہ مرا آہوئے مشکیں آیا
ساتھ لے کر وہ گیا صبر و سکوں سب میرے
جب بھی دینے کو دلِ زار کو تسکیں آیا
تندی و تلخی و ترشی نہ رہیں یاد مجھے
نوشِ جاں لے کے وہ جب بر لبِ شیریں آیا
ڈالنے آیا کبھی جان یا لینے آیا
جب بھی آیا وہ بصد نازش و تمکیں آیا
دیر سے آیا مگر ناز و ادا سے ساقی
لے کے بر دوش سبوئے مئے دیریں آیا
آج انداز ہے ایسا کہ لگے ہے شیدا
لے کے شاید وہ دوائے دلِ غمگیں آیا

◆

وصلِ گل کو چاہے جتنا چاہیے   خارِ ہجراں سے بھی بچنا چاہیے

خوگرِ غم میں سہی لیکن تجھے   ظلم اتنا بھی نہ کرنا چاہیے

ناز تیرا ٹھیک ہے اے گل مگر   کچھ خزاں سے بھی تو ڈرنا چاہیے

جو گزرتے دن ہیں فرقت میں تری   عمر میں ان کو نہ گننا چاہیے

کاروبارِ بلبل و گل کے رموز   جاننے کو عقلِ سینا چاہیے

اندرونِ پردۂ سودائے دل   دیکھنے کو چشم بینا چاہیے

کون کہتا ہے کہ دامِ عشق میں   مرغِ زیرک کو نہ آنا چاہیے

مرنا پیری میں ہے گر شیداؔ تو کیوں
مہ جبینوں پر نہ مرنا چاہیے

⊙

ہم ان کی بات پہ کیا اعتبار کرتے ہیں
جو شب میں بیٹھ کے یوں انتظار کرتے ہیں

شمار دیدۂ بے خواب سے ستاروں کا
شبِ فراق میں ہم بے شمار کرتے ہیں

ہے اختیار بس اتنا کہ نالہ و زاری
ہم ان کی یاد میں بے اختیار کرتے ہیں

قرارِ مہر و وفا پھر کبھی نہ کرنے کا
قرار ہم اے دلِ بے قرار کرتے ہیں

نظر کے تیر چلاتی نہیں وہ جب ہم پر
خود ہی اٹھا کے انھیں دل کے پار کرتے ہیں

ہم ہی نہیں ہیں جو کرتے ہیں بخت کا شکوہ
گلہ تو اس کا بھی کچھ بختیار کرتے ہیں

خرابیاں ہیں بہت اس میں گو، غریبِ وطن
بہت ہی یاد، پر اپنا دیار کرتے ہیں

ہوا جہاں میں ہے بازاریوں کا راج ایسا
چمن میں بلبل و گل کاروبار کرتے ہیں

تجربہ کار بہت یوں تو آپ ہیں شیدا
ولے خطائیں وہی ہیں بار بار کرتے ہیں

* * *

دراز دستیِ گیسوئے عنبریں دیکھو
تطاولِ نظرِ چشمِ سرگیں دیکھو

نیاز مندیِ عشاق سے نہ ہو نالاں
کرشمۂ نگہِ نازِ نازنیں دیکھو

لگاؤ عیب نہ رندوں پہ موسمِ گل میں
چمن میں نرگس و نسرین و یاسمیں دیکھو

بالاتفاق چلایا تھا تم نے جو اک دن
ہوا ہے کیسا وہ اک تیر دلنشیں دیکھو

جو دیکھنا ہے تماشا تو صبح دم اے جاں
تڑپتا یاس سے میرا دلِ حزیں دیکھو

جو کہتے لوگ ہیں اپنے کو بت شکن، یارو
وہ کتنے رکھتے ہیں بت اندر آستیں دیکھو

مذاق میرے غمِ عشق کا اڑاتے ہیں
جفا شعاریِ یارانِ ہمنشیں دیکھو

کرو نہ شکوۂ بد شکلیِ زماں شیدا
لب و رخ و ذقنِ یارِ مہ جبیں دیکھو

◆

خوش مزاجی بھی ، مہربانی بھی
خندۂ روئی بھی ، شادمانی بھی
گرم جوشی بھی ، نرم خوئی بھی
دستگیری بھی ، میزبانی بھی
لب و رخسارِ لالہ فامی بھی
غنچہ دہنی بھی ، گل فشانی بھی
بینیِ نازکِ فرنگی بھی
ابرو و چشمِ ترکمانی بھی
مہ جبینی بھی ، مہ لقائی بھی
گیسوئے سرکشِ مغانی بھی
سربلندی بھی ، سرفرازی بھی
قامتِ سروِ بوستانی بھی
رونق و رنگ و تابداری بھی
دولتِ حسنِ جاودانی بھی
یہ بھی ہیں اور پاس ہیں اس کے
خرمی ، تازگی ، جوانی بھی
سیکھی دشمن سے اُس نے ہے لیکن
بدگمانی بھی ، سرگرانی بھی
آ گئی ہے زبان سے لب پر
آب و آتش اُسے ملانی بھی
ناز و نازش سے بن گئی ہے وہ
دشمنِ جاں بھی اور جانی بھی

کاش آ جائے وہ لیے شیدؔا
کچھ مئے نابِ ارغوانی بھی

⊙

نہ ہم ہی دیکھ کر سر مستِ چشم یار ہوئے
بہت سے بزم میں مدہوش ، ہوشیار ہوئے

جہاں میں پھیل گئی بات آشنائی کی
یہ کیسے عاشق و معشوق راز دار ہوئے

پیار آ ہی گیا ان کے ، دیکھ کر ، دل میں
کچھ ایسے دیکھ کے ہم ان کو بے قرار ہوئے

خزاں رسیدہ ہمیں دیکھ کر محبت میں
بہار میں گل و بلبل بھی سوگوار ہوئے

ہو ایک ، دل سے نکل کر جو دلنشین رہے
وگرنہ یوں تو بہت تیر دل کے پار ہوئے

رہی نثار کی ہمت نہ جان نثاروں میں
ہزار جان سے جب ان پہ ہم نثار ہوئے

تڑپ نہ دل کی ترے ہے کسی میں اے شیدا
گو ان پہ تجھ سے تو عاشق ہیں بے شمار ہوئے

* * *

وہ اگر مائلِ وفا نہ ہوا   مجھ کو بھی شکوۂ جفا نہ ہوا

خوگرِ رنج و غم ہوں میں اتنا   نہ بَھلا وہ ہوا ، بُرا نہ ہوا

شوقِ معشوقیت ہوا اس کو   عشق مجھ کو بھی والہانہ ہوا

آشنائی میں اس سے کرتا ہوں   جو کسی کا بھی آشنا نہ ہوا

دے ملا کر کچھ اس میں ، اے ساقی   بادۂ ناب جب دوا نہ ہوا

خوں بہا مانگنا قتیلوں کا   خوں بہانے کا اور بہانہ ہوا

اس کو قربت میں بھی جدائی ہے   دُور رہ کر بھی میں جدا نہ ہوا

کیا اسیری ہے اس کی زلفوں کی   میں رہائی میں بھی رہا نہ ہوا

کیا ہوا گر ہوا فدا شیؔدا
اس پہ قربان تو زمانہ ہوا

◆

بیٹھے ہیں اِدھر ہم ، وہ اُدھر دیکھ رہے ہیں
پوچھے کوئی ان سے کہ کدھر دیکھ رہے ہیں

کس رشک سے، اے دوستو! ہم بزم میں انکی
لڑتی ہوئی غیروں سے نظر دیکھ رہے ہیں

اوروں کو یوں گر دیکھنے کا کرتا گلہ ہوں
کہتے ہیں ضرر کیا ہے اگر دیکھ رہے ہیں

کیا زورِ کماں پر نہیں کچھ اپنے بھروسہ
کیوں غور سے یوں زخمِ جگر دیکھ رہے ہیں

کافی نہیں کیا ان کے لیے نالہ و زاری
آ کے جو مرا دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں

آتا نہیں مرنے کا مرے ان کو یقیں کچھ
لکھی ہوئی پرچے میں خبر دیکھ رہے ہیں

دیکھو تو وہ کس ناز سے انداز کا اپنے
ہوتا ہے جو لوگوں پہ اثر دیکھ رہے ہیں

بیٹھے ہوئے کیا دور سے مہجوری و دُوری
کرتی ہیں جو شیدا کا حشر دیکھ رہے ہیں

◆

بازاروں میں، کوچوں میں، میری ہوئی رسوائی
اک جرم زمانے میں کرنا ہے شناسائی

نومیدی و کمزوری ایسی ہے ڈرتا ہوں
ہاتھوں سے نہ چھوٹ جائے دامانِ شکیبائی

ناکامی و محرومی تقدیر میں لکھی تھی
تجھ سے نہیں کچھ شکوہ ، اے شاہدِ ہرجائی

عکسِ رخِ روشن سے ہوتی ہے درخشاں مے
جب لب سے لگاتی ہے تُو ساغرِ مینائی

غارتگری تجھ جیسی کرتی نہ خزاں تک ہے
کرتی نہ بہاراں ہے تجھ سی چمن آرائی

دلجوئیِ بلبل کر تھوڑی سی بہاراں میں
دائم نہ رہے گی یہ ، اے گل تری رعنائی

ہنگاموں میں رہ کر بھی رہتا ہوں اکیلا میں
یارب دے کسی کو بھی میری سی نہ تنہائی

لیتا ہے جفاؤں کو ، بدلے میں وفاؤں کے
کیا اچھا کیا سودا تُو نے ہے یہ سودائی

خوبانِ جہاں میں تُو ہے یکتا و بے ہمتا
شیدا سا بھی دنیا میں کوئی نہیں شیدائی

*

یہاں کیسے کیسے ، وہاں کیسے کیسے
ترے غم سے ہیں ناتواں کیسے کیسے

کیے تو نے ہیں کارواں عاشقوں کے
رواں کیسے کیسے ، دواں کیسے کیسے

ہیں مجھ کو یہ خوش فہمیاں کیسی کیسی
تجھے ہیں گماں ، بدگماں کیسے کیسے

تری مسکراہٹ نے پیروں کے دل میں
کیے ولولے ہیں جواں کیسے کیسے

کیے ہیں ادیب و خطیب و مقرر
ترے حسن نے بے زباں کیسے کیسے

ترے سامنے واعظ و پیر و مرشد
ملاتے ہیں سب ہاں میں ہاں کیسے کیسے

بصد راز داری کیے محرموں نے
عیاں راز ہائے نہاں کیسے کیسے

رہا تو ہے ناکام پر دیکھ شیدا
ہوئے ہیں ترے امتحاں کیسے کیسے

⊙

نہ مجھ سے کہہ کہ بچا اپنا دل، مرے ہمراز
تو جا کے دیکھ وہ ابروئے یارِ تیرا انداز

خدایا زلف میں پہونچے گا اسکی یہ کیسے
ہے دست کوتہ مرا اور قدِ یار دراز

مجھے ہے دست طلب اور دستگیر ہے وہ
ہوں میں غریبِ وطن اور وہ غریب نواز

دی بندگی مجھے ، اسکو ملی خداوندی
ہے اوجِ ناز اُسے اور مجھے مقامِ نیاز

ق

ہو فرق عاشق و معشوق میں اگر اتنا
تو درمیان ہوں کیسے پھران کے راز و نیاز

نہ فاش راز کرے گا اگر غمِ جاناں
تو آشکارا یہ ہو گا بہ غمزۂ غماز

پلائے بادہ بہ اندازہ ہے اگر ساقی
کرے ہے اس کی تلافی بصد ہزار انداز

غبارِ راہ نہ شیدؔا غبارِ خاطر کر
ہیں بیش رہگزرِ عمر میں نشیب و فراز

◆

جا بجا چرچے ہیں اس کے نام کے　　کام دیکھو عاشقِ ناکام کے
وہ غمِ جاناں سے کچھ واقف نہیں　　جن کو شکوے ہیں غمِ ایام کے
خار خارِ خارِ حرماں سے ہیں خوار　　ہیں جو عاشق عارضِ گلفام کے
رکھتے پیچیدہ ہیں جانِ عاشقاں　　پیچِ گیسو یارِ سیم اندام کے
آرزو و خواہشِ مہتابِ رخ　　ولولے ہیں زندگی کی شام کے

بن گئی آزار شیدؔا زندگی
فیض سے اک شوخِ دل آرام کے

◆

جب بھی دینے کو تسلی آ گئے
آگ الفت کی وہ اور بھڑکا گئے

آئے دلجوئی کو تھے پر دیکھ کر
مضطرب عشاق کو گھبرا گئے

کچھ غموں کو حاجتِ دُزدی نہ تھی
صاحبِ خانہ تھے گھر میں آ گئے

اس قدر خونخوار تھے غم عشق کے
کھا گئے دل بھی ، جگر بھی کھا گئے

کیا بھروسا دیدہ ہائے شوق کا
پاسباں تھے اور گھر لٹوا گئے

جا کے پھولوں سے کوئی پوچھے کہ وہ
کیوں کھلے اور کھل کے کیوں مرجھا گئے

ق

گردشِ گردونِ گرداں دیکھئے
آئے اور آ کر گئے ، پھر آ گئے

روتے روتے ہو گیا شیدا سکوں
آ گئے کیا واقعی وہ آ گئے

* * *

محبت میں سزا کیسی ، جزا کیا
ہے عاشق کے لیے اچھا بُرا کیا

ہو دردِ خلق جس بیمار دل میں
دوا اس کے لیے کیسی ، دعا کیا

ہے رونق عکسِ حسنِ یار سے سب
رکھا دنیا میں ہے اس کے سوا کیا

ہم عاشق آپ کے ہیں جان و دل سے
ہماری اس میں ہے ، کہیے ، خطا کیا

ادا پر آپ کی مرتے ہیں سب ہی
مرے ہم بھی اگر تو ہو گیا کیا

کچھ ہم کہتے ہیں ، سنتی آپ ہیں کچھ
بتائیں آپ کو پھر مدعا کیا

ہے پاؤں لنگ جب اور ہاتھ کوتہ
کریں ناحاصلی کا ہم گلا کیا

فنا جاناں میں جو ہوتا ہے شیدا
وہ شیدائی مرا کیا ، وہ جیا کیا

◆

ہو لبِ بام جو جلوہ تری رعنائی کا
کم ہو، اے چاند، اندھیرا شبِ تنہائی کا

دیدۂ شوق، دلِ شیدا، طبیعت شائق
سارا سامان بہم ہے مری رسوائی کا

ناتواں ہجر میں ایسا ہوں کہ ڈر لگتا ہے
چھٹ نہ جائے کہیں دامان شکیبائی کا

جا بجا رہ کے بھی ہوتا نہیں اس دل سے جدا
دیکھو دستور ہے کیسا مرے ہرجائی کا

لیتا بدلے میں وفاؤں کے جفائیں ہیں بہت
کتنا اچھا ہے یہ سودا ترے سودائی کا

داغ لالہ کو دیا، خار دیئے پھولوں کو
شیوہ کیسا ہے یہ تیری چمن آرائی کا

چشمِ شیدا سے بہت گرتے ہیں انجم لیکن
کم نہیں ہوتا اندھیرا شبِ شیدائی کا

⊙

عمر بھر اُن کی تمنا کیجئے
پھر سدا قسمت کو رویا کیجئے

ہاتھ آئیں تاز وتگ کے بعد جو
تھک کے سو جائیں تو پھر کیا کیجئے

اُن کی صورت دُور ہی سے بیٹھ کر
رات بھر دل بھر کے دیکھا کیجئے

دیکھ کر شائق ہمیں لڑتی ہیں کیوں
کچھ تو سوچا ، کچھ تو سمجھا کیجئے

بات کرنے کا ملا موقع ہے اب
یوں نہ عشوہ ، یوں نہ غمزا کیجئے

آپ کا ، میرا ہے دو عالم میں جو
آیئے اس کو ہمارا کیجئے

جا رہا ہے آج شیدا جان سے
کیجئے کچھ اے مسیحا کیجئے

◆

مدفنِ آرزو جو دل کو بنا رکھا ہے
شور محشر کا یہ سینے میں چھپا رکھا ہے

ہوں تو مجنوں ولے لوگوں کی خرد مندی نے
اور بھی کچھ مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے

بیچنے کے لیے چالاکی و ہشیاری کو
ہر جگہ عقل نے بازار لگا رکھا ہے

دلِ ویران بناتا گل و گلزار ہے یہ
گلِ رخسار جو قدرت نے کھلا رکھا ہے

زلف کو کر کے پریشان رخِ روشن پر
شبِ یلدا میں چراغ ایک جلا رکھا ہے

پرتوئے حسنِ حقیقت سے بنا ہے دلکش
ورنہ اس عالمِ امکان میں کیا رکھا ہے

شوقِ دیدار و حضوری جو ہے دل میں شیدا
یہ خدا کردہ ، خداداد ، خدا رکھا ہے

* * *

جلوہ نما جو شاہدِ مستور ہو گیا
روشن چراغِ دیدۂ بے نور ہو گیا

دل پر گری جو برقِ تجلی مرے کبھی
ایسا جلا کہ نور علیٰ نور ہو گیا

اے دوست جبر اس پہ نہیں جب ترا کوئی
پھر دل کیوں اس قدر مرا مجبور ہو گیا

پہلے تو دل دُکھاتا مرا تھا کبھی کبھی
لگتا ہے اب کہ یہ ترا دستور ہو گیا

جب سے چرائی آنکھ ہے اس نورِ چشم نے
بے نور آنکھ ہو گئی ، دل چور ہو گیا

ساقی ملا کے آنکھ پلائی جو تُو نے مے
قاتل کچھ اور دیدۂ مخمور ہو گیا

رسوا جہاں میں گر ہوا شیداؔ تو کیا ہوا
شکرِ خدا کہ یار تو مشہور ہو گیا

⊙

جب بھی معشوق کبھی ترکِ ستم کرتے ہیں
دُور یکدم دلِ عشاق سے غم کرتے ہیں
دیکھئے کیسے سبکبار غزالوں کی طرح
یہ پری زاد ہمیں دیکھ کے رم کرتے ہیں
اے مسیحا تو وادع کرنے ہی آجا ان کو
یہ جو بیمار سفر سوئے عدم کرتے ہیں
مانگنے کوچے میں آئے نہیں تیرے کچھ ہم
ہم تو عاشق ہیں، فقط طوفِ حرم کرتے ہیں
دیکھ کر خلق کو کہتے ہیں وہ جلوہ گہ میں
میرا عشاق بہت ناک میں دم کرتے ہیں
بخش دیتے ہیں گناہوں کو وہ سارے ان کے
جو ندامت سے کبھی چشم کو نم کرتے ہیں
ہو نہ مایوس، یہ عادت ہے خدا کی شیدؔا
ایک دو پر وہ نہیں، سب پہ کرم کرتے ہیں

◆

بخت کو آزما کے دیکھ لیا
دل کو تجھ سے لگا کے دیکھ لیا

نارسائی کو اپنی ، اے جاناں
حال تجھ کو سنا کے دیکھ لیا

سنگ دل تیرا ، چیر کر سینہ
دل کو اپنے دِکھا کے ، دیکھ لیا

یاد کوئی ہمیں نہیں کرتا
ہم نے جا جا کے، آ کے دیکھ لیا

تجھ کو جب چاہا دیکھنا ہم نے
دل کو اپنے اٹھا کے دیکھ لیا

غمِ ایام سے ملی فرصت
تُو نے جب مسکرا کے دیکھ لیا

کر دیا مست اور ساقی نے
آنکھ جب بھی مِلا کے دیکھ لیا

تابِ رخسارِ یار سے شیؔدا
دل بھی تم نے جلا کے دیکھ لیا

* * *

تری محفل سے اٹھ کر تیرے دیوانے کہاں جائیں
جلا کر پَر شمع رخ سے یہ پروانے کہاں جائیں
چھلکتی آنکھ سے مے دیکھ کر جو مست ہیں ساقی
نکل کر بزم سے تیری وہ مستانے کہاں جائیں
نہاں ہے دردِ دل ، پنہاں ہے جب زخمِ جگر اپنا
بتائیں درد کس کو ، زخم دکھلانے کہاں جائیں
شناسائی ذرا بھی کی نہ جن سے آشناؤں نے
وہ پھر کوچے سے تیرے بن کے بیگانے کہاں جائیں
اے میرِ کاروانِ عشق ، ہم کو چھوڑ کر مت جا
ہیں ہم کھوئے ہوئے ایسے خدا جانے کہاں جائیں
بتوں سے دل لگانے میں کٹی ہے عمر جب شیدؔا
تو ہم پھر بت کدے سے دل کو بہلانے کہاں جائیں

◆

کچھ رہی آہ و فغاں، کچھ نالہ و زاری رہی
رات بھر دل کو ستاتی یادِ دلداری رہی

حلقہ در حلقہ ہیں کتنے زلفِ پیچا پیچ میں
بحث اک یہ حلقۂ عشاق میں جاری رہی

بار برداریِ غم جتنی بھی ہم کرتے رہے
تجھ کو اتنی ہی زیادہ ہم سے بیزاری رہی

پہلوئے دشمن میں تو سوتی رہی جو رات بھر
تیرے قرباں، پوچھ مت ہم کو جو بیداری رہی

بچ کے رہ سکتا نہیں تھا دل بلاؤں سے کبھی
کیا ہوا گیسو کی گر اسکو گرفتاری رہی

سب ہی رہتے ہیں سبک سر نوجوانی میں مگر
ہیں وہ خرم جن کو پیری میں سبکساری رہی

عاشقی سے بچ کے رہنا تجھ کو آساں ہے ولے
پوچھ مت اے جان شیدؔا کو جو دشواری رہی

⊙

آتا کہیں ظلمت میں نظر نور نہیں ہے
کٹتی کسی صورت شبِ دیجور نہیں ہے

اے برقِ تجلی میں کروں کیسے تقاضا
موسیٰ نہیں میں، گھر بھی مرا طور نہیں ہے

دے آ کے دلاسا اسے خود، دینا اگر ہے
بہلے کبھی تجھ بن دلِ رنجور نہیں ہے

اوجھل ہے اگر آنکھ سے میری تو ہوا کیا
دل سے کبھی رہتی مرے تُو دُور نہیں ہے

آتی ہے دکھانے کے لیے تُو مجھے جلوہ
کچھ آنکھ میں باقی جو رہا نور نہیں ہے

شہرت ہے ترے حسن کی دنیا میں کچھ ایسی
کچھ رہ کے بھی مستور تُو مستور نہیں ہے

دنیا ہی میں اس، یکتا و بے ہمتا نہیں تُو
تجھ سی کوئی جنت میں بھی اِک حور نہیں ہے

شیداؔ تجھے رہتی ہے تگ و تاز کیوں اتنی
ملتا نہیں کوشش سے جو مقدور نہیں ہے

◆

کبھی جلوہ بھی دکھلایا تو ہوتا
یہ دل کچھ اور تڑپایا تو ہوتا

نکل کر تُو کبھی پردے سے باہر
ہمارے سامنے آیا تو ہوتا

جہاں جلتے ہیں جبرائیل کے پَر
وہاں ہم کو بھی پہنچایا تو ہوتا

کچھ اپنی آنکھ کے ساغر سے بادہ
ملا کر آنکھ چھلکایا تو ہوتا

چھپایا شرم سے اپنوں سے منہ جو
تُو غیروں سے بھی شرمایا تو ہوتا

جفائیں کر کے ظالم ہم پہ اتنی
کبھی تھوڑا سا پچھتایا تو ہوتا

کبھی جھوٹا سا کر کے ایک وعدہ
دلِ مضطر کو بہلایا تو ہوتا

پریشاں زلف سلجھائی جو تو نے
یہ الجھا دل بھی سلجھایا تو ہوتا

کیا رسوا ہے اتنا جس نے شیداؔ
کبھی اُس دل کو سمجھایا تو ہوتا

در مدحت وستائشِ بینی

ہوں عاشق گرچہ میں انداز و نازِ نازنینی کا
ولے شیدا بھی ہوں تیرے لب ورخسار و بینی کا

رہا کچھ ہے نہ ذوقِ شربت وشیرہ وشیرینی
پڑا ہے ذائقہ جب سے لبوں کی انگبینی کا

لگی کرنے سماع ورقص زہرہ آسمانوں میں
ہوا کچھ اس طرح چرچا تری زُہرہ جبینی کا

بناتا ہے وہ تمثیلِ رخِ بے مثل و بے ثانی
ذرا دیکھے تو کوئی حوصلہ نقاشِ چینی کا

خوشی سے وہ جو غم کھاتے ہیں اور کھاتا ہے غم ان کو
نہ غم پھر کر تو ان عشاق کی اندوہگینی کا

طلب ہو قلب کو زنجیر و بندِ آہنیں کی جب
کرے کیسے وہ شکوہ تیرے قلبِ آہنینی کا

پرستاریِ بینیِ سبک کرتا ہے جو شیدا
نہ اندیشہ کرے ہے پھر وہ لادینی و دینی کا

◆

عشق میں کھانا جگر بھی، خوں بھی پینا چاہیے
موت برحق ہے مگر مر مر کے جینا چاہیے

ناز برداری کی خُو دل میں ہے کچھ ایسی، ہمیں
ناز جتنا بھی کرے تو نازنینا، چاہیے

میکشوں کو چشمِ ساقی جب کرے ہے مست خود
کس کو صہبا و سبو و جام و مینا چاہیے

کرنی آتی خوب ہے دل کی جراحت گو تجھے
سیکھنا، سینہ بھی اے جراح، سینا چاہیے

ہیں زمیں پر بھی بہت پروین و زہرہ، انجم و مہ
بہرِ دیدارِ حسیناں چشمِ بینا چاہیے

وہ کرے جلوہ گری لیکن تجلی کے لیے
شوقِ دیدارِ کلیم و طورِ سینا چاہیے

ہجر نے لاغر کیا گرچہ تجھے شیؔدا ولے
وصل کی خاطر ابھی کچھ اور جینا چاہیے

◆

مجھے بندِ غم سے نہ آزاد کر   خدارا ستم اور ایجاد کر
تو کر پاسِ ناموسِ رسمِ ستم   نہ اے بے رحم ، ترکِ بیداد کر
ہوا دار کو کچھ ، ہوا اور دے   یہ برباد دل اور برباد کر
اے خانہ بر انداز ، آ کر کبھی   تو غارت دلِ خانہ برباد کر
پریشاں اُسے اور، پریشاں جو ہے   پرستانِ دل ، اے پری زاد کر
نئے دے کے رنگِ عتاب وغضب   فزوں اور حسنِ خدا داد کر
گرا درگہہِ حق سے تو خود ہے دل   نہ کر داد اتنی ، نہ فریاد کر

کٹی عمر شیدا ہوس میں تری
ہے وقت آخری ، اب خدا یاد کر

◆

رہا باقی نہ کچھ دم خم ہمارا
یہ کیا تو نے کیا عالم ہمارا

ہے کیسا عشق کا حکمِ خموشی
لگا گھٹنے ہے اس سے دم ہمارا

یہ خونخواری ہے کیسی ، دل کو کھا کر
پئے خونِ جگر ہے غم ہمارا

ہے گر عالم میں فائق حسن تیرا
نہیں ہے عشق بھی کچھ کم ہمارا

یہ کیا محفل تری ہے جس میں ساقی
رہا خالی ہے جامِ جم ہمارا

ڈرا آہوں سے فقیروں کے دلوں کی
مزاج اتنا نہ کر برہم ہمارا

بہت طغیانیاں کرتا ہے برپا
اگر ہوتا ہے دیدہ نم ہمارا

یہ کیا شیون کدہ شیدا ہے جس میں
نہیں کرتا کوئی ماتم ہمارا

⊙

وعدے پہ اعتبار کیا ، میں نے کیا کیا
دن رات انتظار کیا ، میں نے کیا کیا

دل کی لگام دے کے رہِ عشق میں اُسے
رہزن کو ایک یار کیا ، میں نے کیا کیا

جز صبر جب علاج نہیں دردِ عشق کا
شکوہ جو ایک بار کیا ، میں نے کیا کیا

پردہ دری کو غمزۂ غماز کم نہ تھا
جامہ جو تار تار کیا ، میں نے کیا کیا

رسوائی دیکھ کر مری بولی گلہ نہ کر
تُو نے ہی خود کو خوار کیا ، میں نے کیا کیا

پچھتا کے اور ڈھاوے ہے دل پر قیامتیں
ظالم کو شرمسار کیا ، میں نے کیا کیا

غمخواری مدعا تھا ، ملیں پر نصیحتیں
شیدا کو راز دار کیا ، میں نے کیا کیا

⊙

ہے دَور باغ میں پھولوں کے مسکرانے کا
چلی بھی آؤ کہ موسم ہے دل لگانے کا

گلاب مست ہے، مخمور چشمِ نرگس ہے
بندھا چمن میں سماں ہے شراب خانے کا

گلوں کے ہاتھ میں ساغر ہیں، تُو بھی آ ساقی
کہ آیا وقت ہے پینے کا اور پلانے کا

رہا ہے دیکھ کے بلبل کو خندۂ سوسن
قفس کا خوف نہ اندیشہ آشیانے کا

نہ تابِ دید اگر ہم میں ہے تو ان کو بھی
ملا ہے ایک بہانہ یہ منہ چھپانے کا

مزہ رہا نہ جلانے میں دل کو جب کوئی
وہ پوچھتی ہیں پتا میرے آشیانے کا

ملاتا مُنہ سے ہوں میں مُنہ اگر تو کہتی ہیں
صلہ یہ دیتا ہمیں ہے تو منہ لگانے کا

ملایا ان کو جو شیؔدا سے دیکھ کر بولیں
دکھاؤ ہم کو کوئی آدمی ٹھکانے کا

* * *

لگی ہے ڈھلنے شبِ انتظار کہتے ہیں
نسیم لائی ہے بوئے نگار ، کہتے ہیں

گل و گلاب کو نیرنگِ رنگ و بو دے کر
گیا ہے قافلۂ نوبہار ، کہتے ہیں

بدل گئے ہیں قوانینِ عاشقی سارے
اب ان کا عہد بھی ہے استوار ، کہتے ہیں

رواجِ اہلِ وفا بھی بدل گیا ہے بہت
قرار سے ہے دلِ بیقرار ، کہتے ہیں

وہ سن کے بسملِ الفت کی نالہ و زاری
بہت ہے خاطرِ نازک پہ بار ، کہتے ہیں

ذرا تو دیکھئے دانش کی خود فریبی کو
قضا کو اہلِ خرد اختیار کہتے ہیں

شبِ فراق کی ظلمت کو دیکھ کر شیدؔا
افعیِ گیسوئے شب رنگِ یار کہتے ہیں

* * *

دے کر سلام، کر کے دعا، بھیجتا ہوں میں
پیغام اک بدستِ صبا بھیجتا ہوں میں

یہ جان کر کہ یار جفا کار ہے مرا
ہر دم پیام ہائے وفا بھیجتا ہوں میں

کیسی یہ سادگی ہے، دلِ لخت لخت کو
قاتل کے پاس بہرِ شفا بھیجتا ہوں میں

قاصد کو دے کے زہرِ ہلاہل مرے لیے
کہتا ہے تیرے دُکھ کی دوا بھیجتا ہوں میں

ق

پوچھا جو میں نے تحفہ یہ بھیجا ہے کس لیے
کہنے لگا برائے خدا بھیجتا ہوں میں

ق

جز مرگ کچھ علاج نہیں تیرے درد کا
کرنے سہل یہ تجھ پہ قضا بھیجتا ہوں میں

مطرب کے ساتھ شیدائے خستہ کی اک غزل
بدخو کو اُس ، بساز و نوا بھیجتا ہوں میں

◆

ساقیا بزم میں کچھ اور تجمل ہووے
دورِ ساغر میں اگر ایک تسلسل ہووے
آویں مے نوش ہر اک سُو سے صدا سن کر
محفلِ عیش میں شیشے جو قلقل ہووے
بیٹھ کر صحنِ گلستان میں توڑیں توبہ
ساغرِ گل سے چھلکتی ہوئی گر مُل ہووے
چشم و رخسار پہ بکھری ہوئی زلفوں سے خجل
چشمِ نرگس، رخِ گل، گیسوئے سنبل ہووے
ہوویں خنداں نہ گل و لالہ چمن میں ایسے
نہ بہاراں میں اگر نالۂ بلبل ہووے
گر ترے لب سے لگے جامِ لبالب شیدا
شور اتنا نہ ترا آج نہ غلغل ہووے

* * *

بزم کرتا ہے فروزاں رُوئے رخشاں آپکا
عکسِ رخ کرتا ہے جامِ مے درخشاں آپکا

کرتی زُہرہ ہے ستائش دیکھ کر زُہرہ جبیں
ماہِ رخ نے کر دیا ہے مہ مدح خواں آپکا

کرنے آتے ہیں زمیں بوسی ستارے رات کو
جگمگاتا دیکھتے ہیں جب وہ ایواں آپکا

دیکھ کر گلزار میں اک دن گلِ رخسار کو
عاشق شیدا بنا ہے مرغِ شب خواں آپکا

زلف کی زنجیر مانگے ہے زلیخا آپ سے
چاہتا یوسف بھی ہے چاہِ زنخداں آپکا

ہوتی دیوانوں کی آشفتہ سری ہے اور فزوں
جب بھی کرتی ہے صبا کاکل پریشاں آپکا

آپ ہی کرتیں نہیں جور و ستم عشاق پر
ظلم کچھ کرتا نہ کم ہے ان پہ درباں آپکا

دیکھئے شیدؔا کو در پر بیٹھ کر کس رشک سے
دیکھتا رہتا ہے وہ شب بھر شبستاں آپکا

نامہرباں وہ کبھی گر مہرباں ہو جائے
ہے
مجھ کو آہوں پر رسائی کا گماں ہو جائے ہے
ڈالتی ہے جب بھی وہ دلدار دزدیدہ نظر
دل سے رخصت یک بہ یک دردِ نہاں ہو جائے ہے
قصۂ نوشِ لبِ شیریں یہ دیکھو کس طرح
ذکرِ جُو و تیشہ و سنگِ گراں ہو جائے ہے
بارِ غم اتنا نہ دو اپنا کہ اِس کو دیکھ کر
ناتواں دل اور بھی کچھ ناتواں ہو جائے ہے
کھینچے ساقی ہاتھ ہے جب درمیانِ میکشی
اک کشاکش اس کے میرے درمیاں ہو جائے ہے
چشمِ دل سے دیکھتے ہیں جب بتِ کافر ادا
رازِ پنہاں صوفیوں پر بھی عیاں ہو جائے ہے
جب دکھاتی ناز ہے نازش سے کوئی نازنیں
دیکھ کر پیری میں پھر شیدؔا جواں ہو جائے
ہے

◆

کم نہ ہوتی کسی صورت مری رنجوری ہے
وعدۂ وصل بڑھاتا غمِ مہجوری ہے

چھیڑتا کوئی ہے گر قصۂ زلفِ جاناں
اور بڑھ جاتی شبِ ہجر کی دیجوری ہے

فیض سے عشق کے اے ملکۂ خوباں تیرے
دیکھ کیسی مری ناچاری و مجبوری ہے

سادگی دیکھ بناتا ہوں میں رہبر اس کو
رہزنی جس کے لیے کارِ بدستوری ہے

رخ دکھاتے ہی چھپاتی جو ہے زلفوں میں اسے
کیسی یہ جلوہ گری، کیسی یہ مستوری ہے

جا کے کرتے ہیں درِ خلد پہ رضواں سے دعا
سن کے عشاق کہ تجھ سی کوئی واں حوری ہے

جب طلب گار ہیں میخانے میں اتنے ساقی
خم میں مستور یہ کیوں دخترِ انگوری ہے

ناز کر عشق پہ شیداؔ کہ رقیبوں کو بہت
باعثِ رشک تری خواری و مجبوری ہے

* * *

توبہ سے کم نہ شوقِ وصالِ صنم ہوا
خالی کبھی بتوں سے نہ دل کا حرم ہوا

ایسا ہے سر میں شوق کہ جب سے گئی ہے وہ
مسجود ، جو بھی مل گیا نقشِ قدم ، ہوا

دل جوئیِ حبیب کا دیکھو اثر ہے کیا
دل کو عزیز اور بھی کچھ اس کا غم ہوا

کیا مل گئی رسائی دلِ نامراد کو
کیسے یہ آج اہلِ ستم کا کرم ہوا

نرگس بھی دیکھ کر ہوئی شبنم کی منتظر
کچھ اس طرح یہ دیدۂ غمناک نم ہوا

ساقی سمجھ حقیر نہ جامِ سفال کو
اک جام بھی نہ بن سکا، جب خاک جم ہوا

ہے ساز تیرا زیر و زبر دل تو غم نہ کر
نغمہ وہ کیا ہے جس میں نہ کچھ زیر و بم ہوا

شیدؔا رہا نہ آپ میں دم خم تو کیا ہوا
فضلِ خدا کہ زلف کا کچھ کم نہ خم ہوا

⊙

ہے علاجِ غمِ دل شربتِ دیدار ، مرا
شربتِ قند مگر دیوے ہے عطار مرا

میری تڑپن کو سمجھتا ہے وہ دھڑکن دل کی
کیسا ماہر ہے طبیبِ دلِ بیمار مرا

خون کی کوئی کمی ہے نہیں تیرے دل میں
کہتا وہ دیکھ کے ہے دیدۂ خونبار مرا

مرضِ دل کا وہ ہنرمند ہے لیکن یارب
دیکھنا اس کو سکھا دے تو دلِ زار مرا

اے معالج نہ مجھے بھیج تُو درمانگہ میں
ہے شفا خانہ مجھے کوچۂ دلدار مرا

نہ رہے مجھ کو طبیبوں سے، حکیموں سے غرض
مونسِ جان اگر ہووے لبِ یار مرا

گلِ رخسار نظر آتا خزاں میں بھی ہے گر
بنتا ہر گوشۂ دل ہے گل و گلزار مرا

جب سے آزاد کیا اس نے ہے شیداؔ مجھ کو
ہووے کوئی ہے نہ دنیا میں خریدار مرا

◆

گر وصل نہیں ، وصل کا اقرار ہے کافی
مجھ کو تو ترا وعدۂ دیدار ہے کافی

آزاد نہ کر مجھ کو ، نہ کر فکر تو اتنی
زنداں میں مجھے روزنِ دیوار ہے کافی

کرتا ہوں طلب میں نہ مسیحائی کسی سے
مل جائے اگر ، ایک ہی غم خوار ہے کافی

امید شفا کی ہے نہ خواہش ہے دوا کی
مجھ کو تو فقط پرسشِ بیمار ہے کافی

خنجر کی نہ شمشیر کی کوئی ہے ضرورت
مرنے کے لیے اک نگہِ یار ہی کافی

مت بیٹھ یوں آغوش میں اتنی کہ مجھے تو
تھوڑا سا ہی اک خدشۂ اغیار ہے کافی

کہتی ہے تُو ، اس سے میں فقط کھیل رہی ہوں
کہتا ہوں میں ، دشمن مرا ہشیار ہے کافی

ہے رات جواں ، کھینچ نہ یوں ہاتھ کو ساقی
اس دل پہ ابھی غم کا مرے بار ہے کافی

کر اور نہ شیدؔا ہوسِ گیسوئے جاناں
پہلے ہی سے تو اس میں گرفتار ہے کافی

نواز شریف کے دور میں

لب پہ نالہ نہیں آنکھوں میں نہ کچھ پانی ہے
اے عزیزو! یہ اذیت میری روحانی ہے

کن گناہوں کی سزا تُو نے یہ دی ہے یارب
قلب بے حس ہوا، دانش ہوئی دیوانی ہے

ہو رہا ملک میں کیا ہے یہ خدایا میرے
مہنگا پانی ہے بہت خون کی ارزانی ہے

بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے اپنے
کوئی بتلائے کہ کیسی یہ مسلمانی ہے

کارواں لوٹتے جب خود ہیں محافظ اس کے
کیسی نگرانی ہے یہ، کیسی نگہبانی ہے

رہزنوں، راہ نماؤں میں رہا فرق نہ کچھ
راہ پیچیدہ ہے، خطروں کی فراوانی ہے

یوں تو آرام سے امریکہ میں مَیں ہوں شیداؔ
سن کے پر حالِ وطن ہوتی پریشانی ہے

* * *

جام میں ڈال کے رنگِ رخِ جانانہ دیا
دیکھو کیسا یہ مجھے بادۂ مستانہ دیا

دیکھنے آئے سماں مفتی و شحنہ اندر
کھول جب پیرِ مغاں نے درِ میخانہ دیا

داغ سے ایک، رخِ لالہ کی آرائش کی
خال سے ایک سجا عارضِ جانانہ دیا

حسنِ عالم سے بنایا شمعِ محفل اس کو
دل کو بھی ایک مرے جذبۂ پروانہ دیا

عقلِ ناقص ہی اگر حق میں تھی میرے یارب
شکر تیرا کہ مجھے اک دلِ دیوانہ دیا

پاس جبکہ تھا دمِ عیسیٰ مریم اس کے
میرے عطار کو کیوں پھر یہ دواخانہ دیا

قید کرنے کو کہا جب خمِ گیسو میں اسے
میں نے دل بھی دیا، دل سے اسے شکرانہ دیا

شیدا اچھا کیا ساقی نے، بہت ٹھیک کیا
ناپ کے، جانچ کے، گر اک تجھے پیمانہ دیا

⊙

کچھ بھی اس کے لیے آنا ہے نہ جانا دل کا
دل لگی سے نہیں کچھ پیش لگانا دل کا

ہے یہ کیا سادگی دلدار کی ، دیکھو یارو
دلِ ستانی کو وہ سمجھے ہے ستانا دل کا

خوش جو ہوتی ہے دُکھا کر دلِ عشاق کو وہ
کاش آ جائے اسے اور دُکھانا دل کا

گر کہا میں نے دوا کر دلِ ناشاد کی کچھ
بولی ، تجھ کو تو یہ ہے مرض پرانا دل کا

پُر جلانا ہے اگرچہ اے شمع ٹھیک ترا
ٹھیک لیکن نہیں ہنس ہنس کے جلانا دل کا

دیکھنا اس کو نہ آتا ہے اگر دل شیدا
کچھ تجھے بھی نہیں آتا ہے دکھانا دل کا

◆

زہے نصیب کہ ساقیِ دلکشا آیا
سبو بدوش ، خراماں ، لیے دوا آیا

گلوں کو چھیڑنے آئی نسیم صبح دم
چمن میں نغمہ سرا مرغِ خوش نوا آیا

سماں بندھا ہے کچھ ایسا کہ آج مطرب بھی
بہ طبل و چنگ ، لیے قول آشنا آیا

یوں اسکے کوچۂ جاناں سے آیا قاصد ہے
لگے ہے لے کے وہ پیغامِ جانفزا آیا

رقیب کوچۂ دلدار میں ، بفضلِ خدا
گیا تھا سرخ رُو ، ہو کر وہ رُوسیا آیا

ہے نا امید کچھ ایسا عدو کہ خود لے کر
ہمارے پاس سفارش کی التجا آیا

عجیب بات ہے کیا ، اتفاق ہے کیسا
جو پیش آیا وہ سب حسبِ مدعا آیا

کمی ہے کوئی اگر اب تو صرف اتنی ہے
کہ ہاتھ تیرے نہ شیدا وہ دلربا آیا

◆

جب بھی دل بن گیا نشانہ ہے   لٹ گیا اُس کا سب خزانہ ہے
شوقِ معشوقیت ہے گر تجھ کو   عشق مجھ کو بھی والہانہ ہے
تیری الفت سہی فلاطونی   عشق میرا نہ فلسفانہ ہے
کرنا غمزے کی تیرے غمازی   کیسا اندازِ محرمانہ ہے
کھانا آدم کا دانۂ گندم   کیوں ہوا عیبِ مردمانہ ہے
بتِ کافر کا پوجنا یارب   کیوں بنا جرمِ مسلمانہ ہے
خوں بہا مانگنا بنا میرا   خوں بہانے کا کیوں بہانہ ہے

کیا ہوا گر ہوا فدا شیدؔا
تجھ پہ قربان تو زمانہ ہے

◆

لاغر ہوا ، نحیف ہوا ، ناتواں ہوا
لیکن نہ غم ترا کبھی مجھ پر گراں ہوا

اے یارِ تیز گام ، تگ و تاز میں تری
کیسا رواں یہ دل ہوا ، کیسا دواں ہوا

کرنے گیا تھا حال بیاں ، دیکھ کر تجھے
گرچہ ہے صد زبان یہ دل بے زباں ہوا

دُزدی سے دیکھتا ہے مجھے بزمِ غیر میں
کیا ضبط کا پھر آج مرا امتحاں ہوا

نا مہریِ رقیب کا کرتا ہے اب گلہ
کیا مہربان وہ مہِ نا مہرباں ہوا

سرگوشیاں ہیں بزم میں کیسی یہ آج شب
کیا فاش ، محرموں ، مرا رازِ نہاں ہوا

آہ و فغاں میں کچھ نہ اثر کیا رہا مری
کیوں آج وہ نہ سن کے اسے سرگراں ہوا

شیداؔ نہ تُو ہی پیر ہوا ماہ و سال سے
لگتا ہے پیر بھی ترا بختِ جواں ہوا

* * *

گمراہ کچھ اِدھر ملے اور کچھ اُدھر ملے
اپنی طرح ہی راہ میں سب ہمسفر ملے

کیسی ہے دیکھ خوبیِ قسمت کہ راہ میں
رہبر بھی گر ملے تو ہمیں بے خبر ملے

ان کو امیدِ منزلِ جاناں ہو کس طرح
اپنا ہی ڈھونڈنے سے جنھیں خود نہ گھر ملے

جدوجہد کسی میں نہ کوشش ملی کہیں
عشاق جس قدر بھی ملے، منتظر ملے

جلوہ گری جو سب کو چکا چوندھ کر گئی
صاحب نظر بھی کُو میں ترے بے بصر ملے

نے اوج کی امنگ، نہ پرواز کی تڑپ
شاہیں ملے اگر بھی تو بے بال و پر ملے

کرتے جہاں حکیم تھے دعویٰ علاج کا
لاچار واں بہت سے ہمیں چارہ گر ملے

شیدؔا نہ ڈر، ہو بحر میں پھر غوطہ زن کہ واں
شاید ملے صدف کوئی، کوئی گہر ملے

⊙

دی تو قدرت بھی ہے، طاقت بھی ہے، تدبیر بھی ہے
ہم کو لیکن ملی مجبوریِ تقدیر بھی ہے
کیا کہوں ، کس کو دکھاؤں میں کسے کیسے لکھوں
درد پنہاں بھی ہے ، ناقابلِ تحریر بھی ہے
قتل کے واسطے کافی نہیں چشم و ابرو
خونِ عاشق کے لیے ہاتھ میں شمشیر بھی ہے
کم نہیں کرتی گرفتار ہیں باہیں گرچہ
باندھنے کے لیے اک زلف کی زنجیر بھی ہے
بے چلے پار جو ہو جائے جگر کے یکدم
مانگتا دل میرا ایسا وہ ترا تیر بھی ہے
ڈر خدا سے تُو اے قاتل کہ فرشتہ تیرا
نامہ لکھتا بھی ہے لیتا تری تصویر بھی ہے
جستجو دل میں مسلسل جو ہے تیرے شیدؔا
زہرِ قاتل بھی ہے ، جاں کے لیے اکسیر بھی ہے

* * *

برخلافِ رائے طبی خواہشِ یاری ہوئی
باوجودِ حبسِ دم ، دل کو ہواداری ہوئی

تھا غمِ فرقت اگرچہ ، فزبہی بڑھتی گئی
کچھ فشارِ خون کی بھی دل کو دشواری ہوئی

سخت ہوتی جارہی تھیں دم بہ دم دل کی رگیں
روغنی روٹی سے لیکن پیٹ کو یاری ہوئی

نوش تمبا کو کیا اور عشق بھی کرتے رہے
کیا عجب ہے پھر کہ دل کی ہم کو بیماری ہوئی

دل ملاورٹے میں تھا بدحال، لیکن کم نہیں
باعثِ افگاریِ دل کچھ جفا کاری ہوئی

تھے مریضِ قلب پہلے ہی سے لیکن ہجر میں
دل کا دورہ جب پڑا، رقت بہت تاری ہوئی

حرکتِ دل بند بے پرہیز گاری کر گئی
موت کا باعث ولے شیدا ستمگاری ہوئی

◆

ہے پریشان وہاں کوئی تو حیراں کوئی
تیرے کوچے میں نہیں صاحبِ عرفاں کوئی
بزمِ عشاق میں وحشت ہے کچھ ایسی کہ وہاں
چیرتا کوئی گریباں ہے تو داماں کوئی
ہے وہ غیروں سے گھری ایسی کہ ڈر لگتا ہے
نہ نگہباں ہے وہاں کوئی نہ نگراں کوئی
جل رہے ہیں پرِ پروانۂ دل کیوں اتنے
بن گئی کیا ہے کہیں شمعِ شبستاں کوئی
غم دلِ زار نہ کر بے سرو سامانی کا
ایک دن اس کا بھی ہو جائے گا ساماں کوئی
ڈال کے تھوڑی سے انسانیت اس میں یارب
خاک سے ایک نیا ڈھال دے انساں کوئی
چشمِ دل کھول دے شیدا کی خدایا اپنے
تار ہے رازِ نہاں اُس سے نہ پنہاں کوئی

⊙

تھی تو اپنوں سے عداوت مگر ایسی تو نہ تھی
ظلم کی تھی انھیں عادت مگر ایسی تو نہ تھی

پہلوئے غیر میں رہتی ہیں وہ ہر دم جا کر
تھی تو پہلے بھی عنایت مگر ایسی تو نہ تھی

پاس آتے ہی عدو اُن سے چپک جاتے ہیں
تھی بہت اُن میں حلاوت مگر ایسی تو نہ تھی

اب تو سب دیکھتے ہی اُن پہ فدا ہوتے ہیں
تھی بہت اُن میں صباحت مگر ایسی تو نہ تھی

دیکھنے خلد سے آتے ہیں اُنھیں رضواں بھی
تھی تو حوروں سے شباہت مگر ایسی تو نہ تھی

سن کے اب قصہ مرا لوگ تڑپ جاتے ہیں
تھی بُری پہلے بھی حالت مگر ایسی تو نہ تھی

اب ہر اک بات پہ شیدؔا سے بگڑ جاتی ہیں
تھی تو پہلے بھی شکایت مگر ایسی تو نہ تھی

⊙

ہے نہ معلوم کسی کو کہاں رہتا ہے
اس کی قربت کا مگر دل کو گماں رہتا ہے
پردہ داری کا اسے شوق ہے ایسا دیکھو
دل میں رہ کر بھی وہ آنکھوں سے نہاں رہتا ہے
یوں تو رہتے ہیں جواں سب ہی جواں سالی میں
اس کو دیکھو کہ وہ پیری میں جواں رہتا ہے
ہو کے رہتا ہے مکیں کون و مکاں ہی میں نہیں
لامکاں میں بھی بنا کر وہ مکاں رہتا ہے
دل سے ہوتا نہ جدا ہے کبھی عشاق کے وہ
جائے بھی چھوڑ کر تو بن کے نشاں رہتا ہے
دل کو روشن کبھی کرتا ہے تجلی سے اگر
بن کے وہ داغ بھی شعلہ بھی وہاں رہتا ہے
عقل کی چشم سے گرچہ وہ نہاں ہے شیدا
آنکھ کے سامنے دل کی وہ عیاں رہتا ہے

◆

نہیں تو آتی اگر دیکھنے دِکھانے کو
نہ آ خدا کے لیے دل بھی پھر دُکھانے کو

دل اور دیکھ کے ہوتا ہے ناتواں اسکو
نہ اس قدر دے اسے بارِ غم اُٹھانے کو

بہانہ زخمِ جگر سے ہی خون سب اے دل
بچا کے رکھ بھی تو کچھ آنکھ سے گرانے کو

دلیری شوخ کی دیکھو کہ ظلمتِ شب میں
چراغِ رخ لیے آتی ہے دل چرانے کو

ق

جو ہوتی شہرت دُزدی ہے سن کے کہتی ہے
نہ جانے کیسے خبر ہوگئی زمانے کو

نہ کر بہار میں یوں نالہ و فُغاں شیدا
چمن میں دیکھ تو پھولوں کے مسکرانے کو

⊙

بت ہم جب وہ کافر ادا دیکھتے ہیں
کرشمہ ترا اے خدا دیکھتے ہیں

یہ کیا معجزہ ہے خدایا کہ اس پر
جسے دیکھتے ہیں ، فدا دیکھتے ہیں

چھپا ہے نظر سے تو کیا، چشمِ دل سے
اُسے دم بہ دم ، جابجا دیکھتے ہیں

خود ہی جا کے کرتے نشانہ ہیں سیدھا
جو تیر اس کا ہوتا خطا دیکھتے ہیں

وہ ظالم جو گِھیرے ہے دل دوستوں کے
اُسے دشمنوں سے گِھرا دیکھتے ہیں

کریں خود ہی گہرا ہیں ناخون سے ہم
اگر زخم بھرتا ہوا دیکھتے ہیں

ہوئی اب کے دُوری کچھ ایسی ہے ہم سے
اُسے قرب میں بھی جُدا دیکھتے ہیں

غریبی ہے ایسی ہماری کہ کوئی
نہ یک ہم سخن ، ہم نوا دیکھتے ہیں

دل ایسا بھرا زندگی سے ہے شیدؔا
کہ ہم زہر میں بھی دوا دیکھتے ہیں

⊙

وہ آنے لگے ہیں وہ جانے لگے ہیں
اب آ کے مجھے خود منانے لگے ہیں

جو آنکھیں چراتے تھے اب مست ہو کر
وہ آنکھوں سے مجھ کو پلانے لگے ہیں

جو تلچھٹ پلاتے تھے اب عکسِ رخ سے
وہ ساغر مرا جگمگانے لگے ہیں

ہم آغوش خلوت میں ہونے کی خاطر
چراغوں کو خود ہی بجھانے لگے ہیں

جو مجھ کو دکھاتے جھلک تک نہیں تھے
وہ چلمن کو اب خود اٹھانے لگے ہیں

بلاتے نہ محفل میں جو تھے مجھے خود
وہ صدر اب بنا کے بٹھانے لگے ہیں

کبھی جو نہ آئے جواں جب تھے شیدؔا
وہ آئے ہیں اب جب وہ جانے لگے ہیں

◆

کر کے آنے کا وہ اقرار اگر جاتے ہیں   بیقرار اور دلِ زار کو کر جاتے ہیں

ڈالتی چشمِ غزالی ہے اگر ایک نظر   شیر افگن بھی اُسے دیکھ کر مر جاتے ہیں

جھانکتی زُہرہ و پرویں ہیں شبستانوں میں   نیم عریاں جو وہاں رشکِ قمر جاتے ہیں

دیکھتے نورِ خدا دیر میں بھی عاشق ہیں   پوجنے بُت وہ دل و جان سے گر جاتے ہیں

خانقاہوں کی، خرابات کی کچھ شرط نہیں   دیکھتے پرتوئے حق ہیں وہ جدھر جاتے ہیں

دیکھ کر عکسِ خدا خود میں، بہت اور بلند   وہ سلیب و رسن و دار کو کر جاتے ہیں

جان پُر غم، دلِ پُر سوز و الم، سوئے عدم   تیرے دیوانے بھرا چھوڑ کے گھر جاتے ہیں

مرتے دم دیکھنی آساں نہیں شیدا کی تڑپ
تھام کر خود ملک الموت جگر جاتے ہیں

◆

دنیا میں حسنِ یار کا ہم نام کر چلے
کیا خوب کام عاشقِ ناکام کر چلے

جتنے بھی گل بہار میں تھے باغ و راغ میں
ہم سب وہ نذرِ عارض گلفام کر چلے

لے کر سفید آئے تھے، رہ کر مگر یہاں
دفتر برنگِ زلف سیاہ فام کر چلے

جب قیدِ زندگی سے رِہا موت نے کیا
غمگین و غمزدہ غمِ ایام کر چلے

آئے تھے کرنے شیخ جو تحریمِ میکشی
خالی، وہ پی پلا کے، خُم و جام کر چلے

شیدؔا ہیں خوش نصیب کہ قیدِ حیات میں
آرام کچھ بہ فیضِ دل آرام کر چلے

* * *

طناز وہ اک ناز سے دیکھے ہے جدھر بھی
زخمی وہ کرے دل بھی ہے سب کا وہ جگر بھی

کچھ ایسی سمائی ہے وہ آنکھوں میں ہماری
آتی ہے نظر ہم کو اِدھر بھی وہ اُدھر بھی

دردِ غمِ الفت میں ہے تاثیر کچھ ایسی
ہو جائے ہے زائل وہاں دارُو کا اثر بھی

پیچیدہ کچھ ایسی ہے رہِ منزلِ جاناں
ہو جائے ہے گمراہ وہاں جا کے خضر بھی

اللہ رے چلنے کا یہ انداز ہے کیسا
جب پاؤں لڑھکتا ہے لچکتی ہے کمر بھی

روتا ہے جدائی میں تری ابرِ بہاراں
دیدہ مرا بارش نے کیا اور ہے تر بھی

شیدا ہے طلب گار ترے نیشِ نظر کا
اے جانِ جہاں نُوشِ رواں دیکھ اِدھر بھی

⊙

آپ سا دل سے کبھی کوئی جدا ہوتا ہے
ہنس کے پھر دیکھئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

دل ہے دیوانہ مرا، دیکھئے آ کر تو کبھی
دیکھ کر آپ کو کیسے یہ فدا ہوتا ہے

کیجیے آ کے بہاراں میں مسیحائیِ دل
سبزہ و گل سے مرا زخم ہرا ہوتا ہے

پہلے ہی حشر سے اِک وادیِ خاموشاں میں
آپ آتی ہیں تو اِک حشر بپا ہوتا ہے

ناروا سب کو اگرچہ ہے دُکھانا دل کا
آپ کے واسطے لیکن وہ روا ہوتا ہے

شکوہ کرتے ہیں اگر، آپ کو ہوتا ہے گلا
نہ کریں شکوہ تو پھر اور گلا ہوتا ہے

ہوتے محشر میں ہیں سرشار مئے کوثر سے
جن کا پیمانۂ دل غم سے بھرا ہوتا ہے

عشق کرتے ہیں جو مخلوقِ خدا سے شیداؔ
ایسے عشاق کا مشتاق خدا ہوتا ہے

* * *

خونخوار ، چکھ کے خون کو ، غم اس قدر ہوا
کھا کر یہ دل کو ، در پئے خونِ جگر ہوا

جو چشمِ خونفشاں سے بچا کر رکھا تھا کچھ
سارا وہ خون تیغِ نظر کی نذر ہوا

تیرے بغیر ، خانہ بر انداز دیکھ تو
برباد آرزو کا چمن کس قدر ہوا

گرچہ غموں نے ہوش نہ لینے دیا مجھے
میں کچھ خیال سے نہ ترے بے خبر ہوا

آنے کی تھی امید نہ تیری اگر تو کیوں
دل اس قدر یہ مضطرب و منتظر ہوا

کیا اب کریں علاج بتا ساقیا کہ جب
دارو سے بھی نہ چارۂ دردِ جگر ہوا

مایوس یوں ہے ہجر میں کیوں ، دیکھ کس طرح
پیدا بطن سے رات کے نورِ سحر ہوا

بے چارگیِ دل تری شیداؔ وہ دیکھ کر
لاچار ہو کے ، خود ہی ترا چارہ گر ہوا

⊙

گرچہ ملنے کے لیے آتا رہا جاتا رہا
پھر بھی میرے ہاتھ سے دلبر مرا جاتا رہا

رہ گئی رسمِ تکلف ، چل بسے راز و نیاز
وہ تعلق ، وہ تلطف ، وہ مزا جاتا رہا

دیکھیے کیسی مسیحائی ہے اُس جلاد میں
دیکھتے ہی اُس کو دردِ دوا لا جاتا رہا

کچھ غمِ فرقت نہ کم تھا ، چھوڑ کر جب تو گیا
مٹ گئی امید دل سے آسرا جاتا رہا

عشق کر کے غیر سے مجھ پر مہربانی ہے کیوں
کیا ترا جانِ جہاں ، ذوقِ جفا جاتا رہا

قتل سے کرتا نہیں آ کر علاجِ جانکنی
دل سے کافر کیا ترے خوفِ خدا جاتا رہا

دے کے دل کیوں ڈھونڈتا پھرتا ہے شیداؔ تو اسے
کیا ہوا گر کھو گیا ، اچھا ہوا جاتا رہا

○

دل بتوں سے تو لگانا چاہیے
ان کا لیکن غم نہ کھانا چاہیے

تختِ گل پر بیٹھ کر گلزار میں
وقتِ گل پینا پلانا چاہیے

دیکھ کر ہم کو بھی ، پھولوں کی طرح
گل رُخوں کو مسکرانا چاہیے

عید کیا جب بھی کبھی موقع ملے
اُن کو سینے سے لگانا چاہیے

ظلم کی عادت ہے گرچہ آپ کو
دل نہ اتنا بھی دُکھانا چاہیے

جتنا چاہے غیر سے ملیے مگر
ملنے ہم سے بھی تو آنا چاہیے

ہیں تو شیداؔ آپ لیکن آپ کو
دل نہ اتنا بھی
لگانا چاہیے

کلامِ شیدا بقلمِ شیدا

ہو لبِ بام جو جلوہ تری رعنائی کا   کم ہوا اے چاند اندھیرا شبِ تنہائی کا

دیدۂ شوق، دلِ شیدا، طبیعت شائق   سارا سامان بہم ہے مری رسوائی کا

ناتواں ہجر میں ایسا ہوں کہ ڈر لگتا ہے   چھوٹ نہ جائے کہیں دامان شکیبائی کا

جابجا رکھے کئی پہلو نہیں رکھا دل ہے جدا   دیکھو شیوہ ہے کیسا مرے ہرجائی کا

لیتا بدلے میں زمانوں کے خدائی ہی بہت   کتنا اچھا ہے یہ سودا ترے سودائی کا

داغ لالہ کو دیا، خار دئے پھولوں کو   شیوہ کیسا ہے یہ تیری چمن آرائی کا

چشمِ شیدا سے بہت گرتے ہیں انجم لیکن

کم نہیں ہوتا اندھیرا شبِ شیدائی کا

سہرا

یہ جو عامر کے سجا آج ہے رخ پر سہرا　　ایسا دیکھا ہے کسی نے کوئی دلبر سہرا

ایسی شہرت ہوئی عالم میں کہ مہماں بن کر　　دیکھنے آتے ہیں امشب مہ و اختر سہرا

شاکرہ ہی کی زباں شکر سے شیریں نہ ہوئی　　نور کی چشم بھی کرتا ہے منور سہرا

بن گیا اپنی درخشانی و رخشانی سے　　شاہ صاحب کے لیے بھی دُر و جوہر سہرا

دلکشی ایسی عمر کے بھی لیے ہے اس میں　　کرتا جراحیِ دل ہے یہ سراسر سہرا

یوں سجی آج عروسِ سخنِ شیدا ہے
کہ بنا حسن کا ہے اُس کے یہ زیور سہرا

سہرا

سعدؔ کے سر پہ جو پھولوں کا لگایا سہرا
پھولے یوں پھول کہ پھولا نہ سمایا سہرا
گل فروشوں کے لیے کام یہ آسان نہ تھا
پھول چن چن کے انھوں نے جو بنایا سہرا
اپنی زیبائی سے تھا غیرتِ گلشن ایسا
باغباں رشک سے پھر دیکھ نہ پایا سہرا
رہی پروا نہ گلستان و نشیمن کی اسے
بلبلِ زار کے یوں دل میں سمایا سہرا
کرنے عش عش لگے مہماں رخِ نوشہ پر
کر کے آراستہ جب ان کو دکھایا سہرا
لائے پر سامنے دولہا کو جو وقتِ شادی
منہ چھپا دیکھ کے دلہن کو نہ بھایا سہرا
کی تو کوشش ہے بہت آپ نے شیداؔ لیکن
کہنا اچھا سا کوئی پھر بھی نہ آیا سہرا

سہرا

روئے مُونس پہ جو اِک آج سجا ہے سہرا
مُونسِ جان محبوں کا ہوا ہے سہرا
ہجر کی جھیلی بلائیں ہیں بہت تب جا کر
دردِ مُونس کی ہوا آج دوا ہے سہرا
ماند کرتا ہے یہ الماس و دُرو لعل و گہر
گل و سُوری و سمن سے جو بنا ہے سہرا
بُشریٰ و کسریٰ و یُسریٰ کی بھی اور آپ کی بھی
یہ انیس ایک دعاؤں کا صلا ہے سہرا
دیکھنے آئے ہیں مہمان جو دنیا بھر سے
کس قدر، کہتے ہیں سب، زیبِ لِقا ہے سہرا
منہ چھپا دیکھ کے مُونس کا مگر شادی میں
سعدیہ کو نہ ذرا سا بھی جچا ہے سہرا
لکھ تو شیدا دیا فرمائشِ بُشریٰ پہ مگر
تو کُجا، شعر کُجا اور کُجا ہے سہرا

سوچ
کلام حافظ
گلیات غالب
خس و اور اقبال
سوچ
ڈاکٹر
سید رشید امجد

ڈاکٹر خالد حمید شیدا کی مایہ ناز کتب

پاکستان میں درج ذیل اداروں سے بھی دستیاب ہیں

★ **برائٹ بکس**، اردو بازار، لاہور

★ **فیروز سنز**، شاہراہِ قائدِ اعظم، لاہور

★ **ویلکم بک پورٹ**، اردو بازار، کراچی

★ **بک سنٹر**، حیدر روڈ، راولپنڈی

★ **بیکن بکس**، گلگشت، ملتان

★ **ناشاد بکس**، جناح روڈ، کوئٹہ

★ **بک بینک**، ارباب روڈ، پشاور

★ **مسٹر بکس**، آبپارہ مارکیٹ، اسلام آباد

بذریعہ وی پی پی طلب کیجیے۔ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

سورج پبلشنگ بیورو

2/12، میاں چیمبرز، 3 ٹمپل روڈ، لاہور۔ فون: 7146970, 6280305